[illegible]

معارف

مجلس المصنفین کا علمی رسالہ
دارالمصنفین کا ماہوار رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

[illegible]

[illegible]

مطبوعات جدیدہ

کارنامۂ اسلام، از جناب سید عنایت علی صاحب مسرور انھونوی، مسجد بکر منڈی، بشیرت گنج، لکھنؤ، حجم ۲۸۳ صفحے، قیمت عہ

یہ آنحضرت صلعم کی منظوم سیرت پاک ہے، جس میں ولادت سے وفات تک کے حالات مع دینی وتبلیغی مساعی کے بیان کئے گئے ہیں، مصنف نے واقعات کی صحت کا التزام رکھا ہے، اور انھیں دلنشین پیرایہ بیان میں قلمبند کیا ہے،

میزان الجد، از جناب عنایت اللہ صاحب وزیر آبادی، گجرات، (پنجاب) حجم ۶۱ صفحے،

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اپنے دعاوی کے ثبوت میں آیات واحادیث کے ٹکڑوں سے حساب ابجد کے قاعدہ سے اعداد نکال کر بھی پیش کئے تھے، اس رسالہ میں الزامی جواب کے طور پر اسی قسم کے اعداد نکال کر ان کے دعاوی کے بطلان کے شواہد جمع کئے گئے ہیں، ایران کے بابی فرقے بلکہ ان سے پہلے باطنیہ فرقہ نے بھی قرآن واحادیث کے ظاہر الفاظ میں اپنی تائید نہ پاکر اس قسم کی صنعت سازیوں سے فائدہ اٹھایا ہے،

مغلظات مرزا، از جناب حافظ نور محمد خانصاحب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰ صفحے قیمت ۵،

مرزا غلام احمد صاحب کی تحریروں میں مختلف بزرگوں، قوموں، فرقوں اور شخصوں کی شان میں سینکڑوں مغلظات اور غیر مہذب الفاظ اور جملے استعمال کئے گئے ہیں، اس رسالہ میں انھی کو یکجا کیا گیا ہے، ضرورت تھی، کہ حضرت عیسیٰؑ، اور امام حسینؓ وغیرہ کی شان میں ان کے نا ملائم الفاظ استعمال کرنے کا جو جواب احمدی وقادیانی جماعتوں کی طرف سے دیا جاتا ہے، کہ وہ عیسائیوں کے "عیسیٰ" اور شیعوں کے "حسینؓ" کے متعلق کہے گئے ہیں، اس رسالہ کے مقدمہ میں اس تاویل کا پردہ بھی چاک کیا جاتا، اور پھر آنحضرت صلعم (نعوذ باللہ) مرزا صاحب

دارالمصنفین کی تاریخی کتابیں

مقدمہ رقعات عالمگیر [illegible]

[illegible] ہندوستان [illegible] سلطنت [illegible] حکومت [illegible] تاریخ [illegible]

[illegible] تفصیل [illegible] خلفائے راشدین [illegible] واقعات کی روشنی میں [illegible]

قیمت [illegible] مصنفہ سید نجیب اشرف صاحب ندوی [illegible]

الفاروق [illegible] حضرت فاروق اعظم کی خلافت [illegible] حکومت [illegible] واقعات، حضرت عمر کی سیاست [illegible]

[illegible]

تاریخ صقلیہ جلد اول: مسلمانوں نے تقریباً ڈھائی سو برس تک صقلیہ پر حکومت کی اور اسپین کی طرح وہاں بھی اسلامی تہذیب و ثقافت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریباً [illegible] برس تک ملک سے وابستہ رہے مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اردو، انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اس کی تاریخ مرتب کی گئی ہے جس میں سے پہلی جلد شائع ہو گئی ہے، جو سسلی کی [illegible] پر مشتمل ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی [illegible]، سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے [illegible] اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ و جزائر صقلیہ پر مسلمانوں کے مصائب اور [illegible] تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے [illegible]

اصلی قیمت: [illegible]

تاریخ فقہ اسلامی: مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں ہر دور کی فقہ اور فقہا پر [illegible] فقہ کی ترتیب میں [illegible] قیمت [illegible] مترجمہ مولانا عبدالسلام ندوی۔

رقعات عالمگیر: [illegible]

[illegible]

نے اپنی جو فضیلتیں دکھائی ہیں، اور اسکی ان جماعتوں کی طرف سے جو لایعنی تاویل کیجاتی ہے، اس کا جواب بھی مقدمہ میں دیدیا تھا،

گلدستۂ تعلیمِ اسلام، (پانچ حصے) مؤلفہ مولوی محمد عماد الدین انصاری فاضلِ دیوبند، ناشر کتب خانہ انصاریہ، بازار شیخان، جالندھر، حجم ۳۲، ۸۰، ۹۶، ۲۸، ۳۶ صفحات تقطیع چھوٹی، کاغذ لکھائی چھپائی بچوں کے لئے مناسب،

یہ رسالہ پانچ الگ الگ حصوں میں مسلمان بچوں کی تعلیم کے لئے تیار کیا ہے، انجمن حمایت اسلام لاہور کی طرف سے مسلمان بچوں کے نصاب کیلئے رسالوں کے دو مفید سلسلے "اردو کا قاعدہ" اور "اردو کی پہلی کتاب" اسی طرح اسکی پانچ کتابیں تھیں، پھر "دینیات کا پہلا رسالہ" اور "..... دوسرا رسالہ" کے ناموں سے ایک زمانہ میں رائج تھے، مصنف گلدستہ تعلیم اسلام نے اسکی تالیف میں انجمن کے ان دونوں سلسلۂ کتب کو سامنے رکھا، اور دونوں قسم کے معلومات زبان کے معیار کا لحاظ رکھکر ایک ایک ہی حصہ میں جمع کردیا، "اردو کا قاعدہ" تو تقریباً حمایتِ اسلام کے قاعدہ کا مثنیٰ ہے، پھر ہر حصہ میں اسلام کے تاریخی حالات، اور مذہبی عقائد و مسائل و اخلاقی تعلیمات وغیرہ جمع کردیئے ہیں اسطرح یہ سلسلہ انجمن حمایت اسلام کے رسالوں سے بچوں کیلئے زیادہ مفید اور مختصر وقت میں مختلف نوعیت کے معلومات کے حاصل ہو جانیکے لحاظ سے زیادہ کارآمد ہے پہلے رسالہ اردو قاعدہ کے بعد اسکے چاروں حصوں کی ترتیب اسی طرز پر ہے، امید ہے کہ یہ سلسلہ لوگوں میں زیادہ مقبول ہوگا،

معلمِ پشتو، ناشر مجلس تالیف پشتو، قندھار، (افغانستان) ۱۰۸ صفحے،

افغانستان کے اوس حصہ میں جس کا مرکز قندھار ہے، پشتو زبان کو ملکی و علمی زبان بنانے کی تحریک جاری ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے وہاں ایک علمی مجلس قائم کی گئی ہے، یہ رسالہ پشتو زبان کے قواعد صرف و نحو پر اسی مجلس کی طرف سے شائع کیا گیا ہے، رسالہ کی خصوصیت یہ ہے، کہ ملک کے مختلف ممتاز صاحبِ علم و اہلِ قلم نے نحو کے ایک ایک عنوان مثلاً اسم، فعل، حرف، کو الگ الگ لے لیا ہے، اور ہر ایک

جلد ۳۶ | ماہ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۳۵ء | عدد ۱

مضامین

شذرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہندوستان کے مشہور پرانے عالم و واعظ و خطیب مولنا شاہ سلیمان صاحب قادری چشتی پھلواروی نے جن کے نغمون نے ہمارے ملک کے پورے طول و عرض کو کم از کم نصف صدی تک پرشور رکھا تھا، وفات پائی، ۲۷ صفر ۱۳۵۴ھ کی تاریخ جمعہ کا دن اور صبح سات بجے کا وقت تھا کہ یہ طوطیِ خوشنوا ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا، پھلواری صوبہ بہار مین عظیم آباد پٹنہ سے ملحق ایک مردم خیز مشہور قصبہ ہے، جہان ڈیڑھ سو برس کے عرصہ میں بہت سے باکمال، اہل علم، علماء، صلحاء، مشائخ اور شعراء پیدا ہوے، مرحوم بھی یہیں کے رہنے والے، اور یہان کے بزرگون کے مستند و معتبر خانوادہ کے چشم و چراغ تھے، ستتر اٹھتر برس کی عمر پائی، غالباً ۱۲۷۶ھ مین پیدا ہوئے،

مرحوم کی جوانی کے عہد مین تین باکمالون کے درس کی مسندین ہندوستان مین بچھی تھین، فرنگی محل لکھنؤ مین مولنا عبد الحیٔ صاحب سہارنپور مین مولنا احمد علی صاحب، اور دلی مین مولنا سید نذیر حسین صاحب کی، شاہ صاحب مرحوم نے فیض کے ان تینون سرچشمون سے فائدہ اٹھایا، پہلے فرنگی محل آئے، اور یہان سے فارغ ہوکر سہارنپور اور دہلی گئے، دلی کے قیام کا زمانہ جس کو ان کی تعلیم کا آخری عہد کہنا چاہئے، ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء ہے،

لکھنؤ کے قیام مین درسیات کے ختم کرنے کے بعد انھون نے طب پڑھی، اور اسی طبیب کی حیثیت سے انھون نے دنیا مین اپنی زندگی کا آغاز کیا، چنانچہ شروع میں حکیم محمد سلیمان کہلائے، اور اسی کا اثر تھا کہ شاعری میں

جنکا چسکا ان کو بچپن سے تھا، اور لکھنؤ کی صحبت مین جسکا چٹخارہ اور بڑھ گیا تھا، اپنا تخلص حاذق رکھا تھا، زیادہ تر اردو اور عربی مین اور کمتر فارسی مین شعر کہتے تھے، غزلین بھی کہتے تھے، اور لکھنؤ کے مشاعرون مین پڑھتے بھی تھے، صوبہ بہار کے مشہور عالم شاعر شوق نیموی او ن کے ہمدرس و ہم صحبت و ہم استاد تھے، شاہ صاحب مرحوم کی زبان سے اُن کے اس عہد کے ایک دو شعر سنے تھے،

اس عہد کے نوجوان علمار نے جو زمانہ کے انقلاب سے متاثر اور قوم و ملت کی تبہ حالی کے درد سے بیتاب ہو کر روش زمانہ کے مطابق کچھ کام کرنا چاہتے تھے ندوۃ العلمار کے نام سے پہلے کانپور میں، اور پھر لکھنؤ مین ایک انجمن کی بنیاد ڈالی، مولنا سید محمد علیصاحب، مولنا شبلی صاحب، مولنا عبدالحق صاحب حقانی، مولنا سید ظہور الاسلام صاحب فتحپوری، مولنا ابراہیم صاحب آروی، مولنا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی وغیرہ اس جماعت کے ممتاز ارکان تھے، اسی انجمن کا پلیٹ فارم تھا جس مین شاہ صاحب مرحوم کی خطیبانہ قوت بیان و تسخیر قلوب کا شہرہ عام ہوا، ندوۃ العلمار کا کانپور سے لکھنؤ آنا اور وہان دار العلوم کی بنیاد پڑنا بھی شاہ صاحب ہی کی تحریک و تجویز کا نتیجہ ہے، ورنہ وہ کھینچکر کب کا دہلی پہنچا ہوتا،

ندوہ کی مجلسون سے مرحوم کی خوش بیانیون کی داستان اوڑکر ملک کی انجمنون اور مجلسون اور کانفرنسون میں عام ہوئی، سرسید مرحوم نے شاہ صاحب مرحوم کی وہ تقریر جو انھون نے ندوہ کے ایک جلسۂ سالانہ مین کی تھی اپنے اخبار مین شاہ سلیمان کا نیچریانہ وعظ، کی سرخی سے چھاپی، سرسید کے بعد نواب محسن الملک مرحوم نے ان کو اپنی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس مین جوان دنون تعلیم یافتہ مسلمانون کا واحد مجلسی مرکز تھا کھینچا، مرحوم کی خوش بیانی نے ان نیچری مسلمانون، کو بھی مسحور کیا، رنگون وغیرہ مین نواب صاحب کے ساتھ شاہ صاحب بھی کانفرنس کے کامون مین شریک تھے، اور صاحبزادہ آفتاب احمد خان کے زمانہ تک شریک رہے،

مرحوم وسیع النظر عالم، بذلہ سنج ادیب، خوش بیان خطیب، پر اثر واعظ، موقع شناس مقرر، اور بڑے بڑے بزرگون کے حلقون سے فیضیاب صوفی تھے، انکو تاریخ کا شوق اور عربی نظم و نثر کا اچھا ذوق تھا، اچھے کتبخانون اور کتابون کی تلاش رہتی تھی، اور اس حیثیت سے وہ اپنے معصرون مین پورا امتیاز رکھتے تھے،

وہ مذہب کے لحاظ سے وسیع المشرب تھے، وہ سب کچھ تھے، اور سب کے ساتھ تھے،

باما شراب خوردہ و بزاہد نماز کرد،

تاہم دو باتون مین وہ نہایت سخت تھے، ایک تو اعتزال کے خیالون سے بہت برہم ہوتے تھے، اور دوسرے حضرت علی مرتضیٰ اور اہلبیت کرام رضی اللہ عنہم کی محبت و تعظیم مین بیحد غلو فرماتے تھے، اور اس راہ مین جب جوش مین آتے تھے، تو بڑون بڑون پر ہاتھ صاف کر دیتے تھے، اس قسم کے ان کے دوستانہ مناظرون کے کئی منظر مین نے اپنی طالب العلمی مین دیکھے ہین،

ان کا خاندان صوفیہ کا مجمع تھا، تصوف کے گودون مین پیدا ہوئے، پرورش پائی، اور پروان چڑھے، وہ عمر بھر اسی رنگ مین رہے، اور یہی رنگ ان پر غالب تھا، قادری بھی تھے اور چشتی بھی تھے، جہان اپنے گھر سے فیض پایا تھا، حاجی شاہ امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نسبت رکھتے تھے، پنجاب، مدراس، شمالی بہار، اور صوبہائے متحدہ مین ان کے مریدون کی بڑی تعداد تھی،

ان کے وعظون مین عجب اثر تھا کبھی رلاتے، اور کبھی ہنساتے تھے، ان کے سنجیدہ چٹکلے، اور ظریفانہ نکتے لوگون کو بیحد محظوظ کرتے تھے، ان کی آواز بہت بلند، سریلی اور موثر تھی، ان کا لحن نہایت دلپذیر تھا، مثنوی خاص انداز سے پڑھتے تھے کہ سننے والے جھوم جھوم جاتے تھے، ان کے وعظون سے ہر خیال اور ہر قماش کے لوگ یکسان دلچسپی

رکھتے تھے، جاہل، عالم، مولوی، مشائخ، نوڑہ منڈے اور بزرگ ریش، نئے پرانے تعلیم یافتہ اور اہل علم سب انکے دلدادہ تھے

میرے ساتھ مرحوم کے گوناگون تعلقات تھے، مجھے اپنے عزیز سے کم نہین سمجھتے تھے، میرے والد مرحوم انکے ہم پیر اور ان کے خسر کے مسترشد تھے، میرے بھائی مرحوم طب مین اُن کے شاگرد تھے، مین نے بچپن مین پھلواری کے قیام کے زمانہ مین ان سے ابتدائی منطق کے دو چار سبق پڑھے تھے، وہ جب ۱۹۰۲ء مین ندوہ کے معتمد تعلیمات منتخب ہوئے تھے، اور مستقل قیام ندوہ مین اختیار فرمایا تھا، تو ان کی بزرگانہ عنایات اور حوصلہ افزائیون نے میری علمی ترقیون مین مدد دی، یاد ہے کہ اسی زمانہ مین نواب محسن الملک مرحوم دارالعلوم ندوہ کے معائنہ کے لئے تشریف لائے تھے، شاہ صاحب نے مجھے اور میرے ہم درس مولنا ظہور احمد صاحب وحشی شاہجہان پوری کو امتحاناً پیش فرمایا تھا، مین نے نواب صاحب کے خیر مقدم مین عربی مین ایک قصیدہ لکھا تھا، شاہ صاحب نے یہ کہکر مجھے پیش کیا کہ یہ میرے عزیز ہین، اور آپ کو اپنا قصیدہ سنائین گے، نواب صاحب نے مزاحاً فرمایا کہ یہ جب آپکے عزیز ہین تو مین اُن کا امتحان نہین لونگا کہ امتحان سے پہلے ہی ان پر ایمان لاچکا، شاہ صاحب نے فرمایا یہ میرے ہمنام بھی ہین، نواب صاحب نے فرمایا تو اور بھی یہ امتحان سے بالاتر ہین،

مین نے اپنا قصیدہ پڑھا جو افسوس ہے کہ اب موجود نہین، تو نواب صاحب نے فرمایا کہ مین تو اس پرانی ادب دانی کا قائل نہین، عربی کا کوئی اخبار منگوایئے اسکو یہ پڑھین تو البتہ، اس زمانہ مین اللواء اور المؤید عربی کے مشہور اخبار تھے، وہ منگوائے گئے، اور مین نے ان کو پڑھا اور صحیح ترجمہ کیا تو بیحد خوش ہوئے، شاہ صاحب بھی بیحد محظوظ ہوئے، اور اس زمانہ کے اخبارات، وکیل، وطن اور کرزن گزٹ مین نواب صاحب کے اس معائنہ کی جو کیفیت چھپوائی اس مین میرا ذکر خاص طور سے فرمایا، یہ اخبارات مین میرا پہلا ذکر تھا، انکی اس تحریر میں ایک فقرہ بھی تھا کہ "ملک و ملت کی خدمت کیلئے انشاء اللہ صوبہ بہار ہر دور مین ایک سلیمان پیش کرتا رہیگا" رحمہ اللہ؛

بات میں بات یاد آتی ہے، ندوہ کے ایک جلسہ میں جو لکھنؤ میں غالباً ۱۹۱۵ء میں تھا، چار سلیمان جمع ہوگئے تھے، قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری مصنف رحمۃ للعٰلمین، مولنا سلیمان اشرف صاحب بہاری (استاذ دینیات مسلم یونیورسٹی) مولنا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی، اور خاکسار سلیمان، شاہ صاحب نے فرمایا کہ آجکل کئی کئی سلیمان پیدا ہوگئے ہیں لیکن ان میں سلیمان بن داؤد میں ہوں' ع پریاں نئی نئی ہیں سلیمان نئے نئے (شاہ صاحب کے والد ماجد مرحوم کا نام داؤد تھا، اور اسی لئے ان کی مہر میں وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ ۱، کندہ تھا،) مجمع بے اختیار ہنس پڑا،

پھر فرمایا "پہلے سلیمان فرد[1] تھا، اور اب رباعی ہے، چار چار سلیمان یکجا ہیں"۔ افسوس کہ یہ رباعی قاضی سلیمان کی وفات سے چند سال گذرے کہ مثلث بن چکی تھی، اور اب، ۲ صفر کو قطعہ ہوگئی، اب اس رباعی کے صرف دو مصرعے باقی ہیں، خدا جانے یہ بھی کب اس صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ جائیں، واللہ ھوالباقی

شاہ صاحب کے چٹکلے اور تقریری دلآویز نکتے اس قدر ہیں کہ ان کو کوئی جمع کرے تو رسالہ بنجائے، رنگون میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا جلسہ تھا، مولویوں نے کانفرنس والوں پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا، شاہ صاحب بھی نواب محسن الملک مرحوم کیساتھ اس جلسہ میں گئے تھے، تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو فرمایا، یہاں کے مولویوں نے اہل کانفرنس پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے جس میں شاید میں بھی داخل ہوں، مگر غور تو کیجئے کہ نواب محسن الملک تو مہدی ہیں، (نام مہدی علی تھا) ان کو کون مسلمان دجال کہیگا، اور مجھ پر تو کفر کا فتویٰ لگ ہی نہیں سکتا کہ خود اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ قَدْ كَفَرُوْا (سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا، بلکہ شیطانوں نے کفر کیا) مجمع ان نکتوں سے بیحد محظوظ ہوا، اور مولویوں کی فتویٰ گری کا بادل شاہ صاحب کے ان دو چٹکلوں سے ہوا ہوگیا،

[1] فرد تثنیہ ہے، فرد ایک بمعنی شعر فرد، دوسرا بمعنی یگانہ،

پورے پچاس برس تک ہندوستان کا گوشہ گوشہ ان کے پرکیف و پراثر خطبوں سے معمور رہا، جس جلسہ میں وہ ہوتے تھے، ان کے سوا ہر آواز ماند پڑ جاتی تھی، جلسہ کے اہم موقعوں پر انکی طوطی گفتاری بڑی بڑی پیچیدگیوں کو حل کر دیتی تھی، شاید سنہ ۱۹۰۱ء میں ندوہ کا عظیم الشان اجلاس پٹنہ میں تھا، ہر کار میں ملک کے مشہور و ممتاز ارباب عمائم ایک طرف اور اس عہد کے مشہور تعلیم یافتگان جدید آنریبل جسٹس شرف الدین، سید علی امام، سید حسن امام، نصیر حسین بیرسٹر شیخ (سر) عبد القادر وغیرہ دوسری طرف شریک جلسہ تھے، یہ پہلا موقع تھا جبکہ دستار بند اور ہیٹ پوش ایک جگہ مل کر بیٹھے تھے، اور ملک و ملت کے درد کا درماں سوچ رہے تھے، حسن امام صاحب کی تقریر کے ایک بے محل فقرہ پر علماء میں برہمی پیدا ہوئی، شاہ صاحب فوراً کھڑے ہو گئے، اور ایسی تقریر کی کہ سب دُھل گیا، فرمایا آج پہلا موقع ہے کہ نئے اور پرانے مل رہے ہیں، ایک دوسرے سے شکوے ہو رہے ہیں، بدگمانیاں دور ہو رہی ہیں، پھر ایک دو فقروں کے بعد حافظ کا یہ شعر اس مزہ سے پڑھا کہ فریقین مسکرا کر رہ گئے،

للہ الحمد میان من و او صلح فتاد حوریاں رقص کناں نعرۂ مستانہ زدند

ندوہ کے اسی اجلاس میں نصیر حسین صاحب بیرسٹر پٹنہ نے جو اب صوفی صافی ہو چکے ہیں، ایک نہایت پرجوش و پراثر تقریر کی تھی، اثر یہ تھا کہ صدر سے لیکر پائین تک جو تھا رو رہا تھا، بڑے بڑے عمامہ والوں اور ہیٹ پوشوں کو میں نے خود دیکھا (میری عمر اس وقت ۱۵-۱۶ برس کی ہوگی) کہ وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے، شاہ صاحب کی موقع شناسی ملاحظہ ہو، اسی عالم میں کہ لوہا گرم تھا، چندہ کی تحریک شروع کر دی، نصیر حسین صاحب نے اپنا کوٹ اور ویسٹ کوٹ اور جو کچھ ان جیبوں میں تھا مع گھڑی کے ندوہ کی نذر کر دیا، اسی حالت میں شاہ صاحب نے برمحل ایک شعر اپنی مخصوص لَے میں ایسا پڑھا کہ سارے مجمع پر جادو کر گیا، مجھے صرف ایک مصرع یاد ہے،

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم

یہ عالم ہوگیا کہ ہر طرف سے روپیے، کپڑے، گھڑیاں اور زیورات برسنے لگے، علما نے جبے اور دستاریں اتار اتار کر نذر کردیں، یاد آیا ایک بزرگ جو حضرت شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے خلیفہ تھے، ان کے سر پر پیر کی دستار تھی، جوش میں آکر وہ بھی انھوں نے اتار ڈالی، وہ دستار جلسہ میں نیلام ہوئی، اور جناب مولنا حبیب الرحمان خاں شروانی جیسے قدر شناس کی قسمت میں آئی،

بات کہاں سے کہاں جانکلی،

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

معلوم نہیں عہد ماضی کی یہ کہانیاں، حال کے ناظرین کو بھی "لذیذ" معلوم ہوں یا نہ ہوں، اس لئے اپنے مزہ کے لئے ان کو بے مزہ کرنا مناسب نہیں،

شاہ صاحب کی ذات ایک عجیب جامع ہستی تھی، ایسے لوگ اب پیدا نہ ہونگے، زمانہ بدل رہا ہے، ہوا کا رخ اور طرف ہی، وہ قدیم و جدید کے درمیان حلقۂ اتصال تھے، اب قدیم بھی جدید ہورہا ہے، اور جدید، جدید ترین بن رہا ہے، دعا ہے کہ اُن کے اخلاف، برادرم شاہ حسین میاں صاحب اور ان کے بھائی اپنے بزرگ باپ کے سچے جانشین ثابت ہوں،

لکھنؤ سے سچ کے نام سے ہمارے دوست مولنا عبد الماجد صاحب دریابادی ایک ہفتہ وار مذہبی اخبار نکالا کرتے تھے، جو اپنے خاص رنگ میں ہر طرح ممتاز تھا، ایک سال ہوا کہ قرآن پاک کے انگریزی ترجمہ کی مشغولیت کے سبب اس کو بند کردیا تھا، اب چند ہفتوں سے انھوں نے صدق کے نام سے دوسرا

اخبار نکالا ہے، جو رشح و آب و تاب اور صورت و سیرت دونوں کے لحاظ سے پہلے اخبار کا مرادف ہے، ضرورت ہے کہ اہل ذوق اسکی پوری قدر کریں، اور ان کے رشحات قلم سے سیراب ہوں، قیمت تین روپئے سالانہ ہے، اور پتہ منیجر اخبار صدق، لکھنؤ ہے،

بدر الدین چینی صاحب جو چین سے ہندوستان تحصیل علم کے لئے آئے تھے، اور جامعہ میں انگریزی اور ندوہ میں عربی حاصل کی، اور یہاں سے فارغ ہو کر وہ عربی زبان کی تکمیل کے لئے گذشتہ رمضان میں مصر کے جامع ازہر میں گئے تھے، اپنے ایک مکتوب میں مصر کی تعلیمی و مذہبی حالت کے متعلق اپنے حسب ذیل تاثرات لکھتے ہیں:

"مصر گو علوم عربی و اسلامی کا مرکز ہے، مگر نوجوانوں کے دلوں میں حرارت اسلام بہت کم ہے، یہاں کی زندگی یورپ کی زندگی سے کسی طرح کم نہیں، جو کچھ مظاہر ہیں وہ یورپی ہی یورپی نظر آتے ہیں، اور جن لوگوں میں تفرنج (یورپ مآبی) کا رجحان کم ہے وہ اس امید میں بیٹھے ہیں کہ جاپان فوراً اسلام کے حلقہ میں داخل ہو جائے، تاکہ ان کی کشتی بھی بخیر امن و سلامتی کے ساحل پر پہنچ جائے، اور ممالک اسلام کے تمام امور ان کی حفاظت میں چھوڑ دیئے جائیں، اور خود امن اور چین کی زندگی بسر کریں۔"

جب میں ۱۹۲۳ء میں مصر گیا تھا، تو وہاں کے سابق شیخ الازہر علامہ ابو الفضل نے مجھ سے پوچھا تھا کہ ہندوستان کے علماء کے گذر اوقات کی کیا صورت ہے، ؟ المنار کے اڈیٹر شیخ رشید رضا جو میرے ساتھ تھے، اور ہندوستان آچکے تھے، سبقت کر کے بولے کہ ہندوستان کے علماء بڑے قناعت پسند ہیں، چند روپیوں کی تنخواہ میں گذر کر لیتے ہیں، میں نے گذارش کی کہ مصر دیکھنے سے پہلے تو میں ہندوستانی علماء کو بدقسمت سمجھتا تھا کہ وہ کسی اسلامی سلطنت کی سرپرستی سے محروم ہیں اور اسلئے کس مپرسی میں ہیں، لیکن مصر کو دیکھکر معلوم ہوا کہ خدا کی

مصلحت اسی میں تھی، مصر کے علماء جو سلطنت اور محکمۂ اوقاف سے شاہانہ تنخواہیں پاتے ہیں چین کی نیند سوتے ہیں، اور امیرانہ ٹھاٹھ رکھتے ہیں، (اسوقت ہم لوگ شیخ کے ہاں مدعو تھے، میز و کرسی پر کھانا تھا، اور طلائی و نقرئی برتن اور چھری کانٹے میز کی زینت تھے،)

مصر کی دولت مصر کی افیون ہے، اور اس افیون میں علماء، اور تعلیم یافتہ سب مدہوش ہیں، جاگیریں ہیں، جائدادیں ہیں، بیش قرار تنخواہیں ہیں، اس حالت میں دین و ملت کا خیال کس کو آئے اور کیونکر آئے، خدا سید جمال الدین افغانی مفتی محمد عبدہ، اور سید رشید رضا کو جزائے خیر دے جن کے بدولت وہاں امید کا چراغ روشن ہے، ورنہ ازہر اور ازہری تو اپنا اثر کھو چکے، قدیم وہاں سے جا چکا، اور جدید وہاں آیا نہیں،

عباسی عہد کا ایک مشہور عربی شاعر بشار بن برد ہے، اس کا دیوان اب تک چھپا نہ تھا، اس کے دیوان کا ایک نہایت عمدہ اور قدیم نسخہ کتبخانۂ آصفیہ حیدر آباد دکن میں تھا، مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے ایک معلم عربی مولانا بدر الدین صاحب علوی نے جو عربی زبان کے ممتاز ادیب بھی ہیں، بڑی محنت سے اس نسخہ کی تصحیح و مقابلہ اور تحشیہ کیا ہے، اور مصر کی مجلس ترجمہ و تالیف نے اسکو اپنی طرف سے چھاپا ہے، موصوف اب ابن درید کا کلام جمع کر رہے ہیں، موصوف گو بوڑھے ہو چکے ہیں، مگر اپنی ہمت سے جوانوں کو شرماتے ہیں،

تاریخ ھند کے سلسلہ میں جسکا کام شروع کر دیا گیا ہے، شیخ عبد العزیز صاحب، دھولیا صوبہ خاندیس سے مطلع کرتے ہیں،

"اس شہر دھولیا میں ہندوؤں نے "راجواڑے سونشودہن مندر" قائم کیا ہے جس کی غرض و غایت یہ ہے کہ مہاراشٹر کے تاریخی معلومات بہم پہنچائے جائیں، اس غرض سے انھوں نے

بہت سی قلمی کتابیں، اور راجاؤں کے فرمان جمع کئے ہیں، اس سلسلہ میں انھوں نے مغل بادشاہوں اور بیجاپور کے سلاطین کے قریب قریب ایک ہزار فرامین فارسی کے اور پندرہ بیس قلمی تاریخی کتابیں مہیا کی ہیں، راجوڑے نامی ایک شخص پونہ کا باشندہ تھا، اس نے مہاراشٹر کے تاریخی معلومات بہم پہنچانے کے لئے بیس پچیس سال کی کد و کاوش سے بہت کچھ قلمی کتابیں اور فرمان جمع کئے تھے، وہ دھولیا میں اسی غرض سے آیا تھا، اور یہاں اتفاقاً مر گیا اسی کی یادگار میں ہندوؤں نے "راجوڑے سونشودھن مندر" قائم کیا ہے،

مردوں کی یادگار تو الگ رہی، ہمارے مسلمان زندوں کی پکار بھی سنتے ہیں؟ تاریخ ہند کا چرچا کچھ دنوں ہم لوگوں میں رہا، اور اگر اس کو یونہی چھوڑ دیا جائے تو ہماری قوم کی دوسری ہزاروں مفید تحریکات کے مدفن میں یہ بھی دفن ہو جائے، مگر عزم یہ ہے کہ انشاء اللہ دار المصنفین کے اندر یہ کام انجام پاکر رہے گا،

یورپ میں دستور ہے کہ اکابر اہل علم کے علمی خدمات کی قدرشناسی میں ان کے نام پر اُن کے مذاق کے علمی تحقیقی مقالات کا مجموعہ جو مختلف اہلِ قلم کے لکھے ہوئے ہوتے ہیں، نذر کیا جاتا ہے، اسی کی تقلید میں اکثر پنجاب کے اور بعض ہندوستان کے اہل علم یہ چاہتے ہیں کہ اردو کے مشہور محقق حافظ محمود خان صاحب شیرانی پروفیسر اردو پنجاب یونیورسٹی کے خدمات کے اعتراف میں اردو و فارسی ادبیات کے مختلف عنوانات پر اہل علم کے مقالات کا ایک قابل قدر مجموعہ شائع کریں، امید ہے کہ اکتوبر تک اس کی ترتیب عمل میں آئے،

مقالات

جدید کلام
قدیم زبان میں

از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی استاذ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن

تقریباً دو سال ہوتے ہیں کہ گیا (بہار) کے اردو ماہنامہ "ندیم" کے سالانہ نمبر میں خاکسار نے صوبہ بہار کی اردو نثر کی پہلی کتاب کے عنوان سے مولانا محمد احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مخطوطہ کا ذکر بطور استفسار کے کیا تھا، چند دنوں کی خاموشی کے بعد کچھ روز ہوتے ہیں، کہ پٹنہ کے ایک رسالہ میں ایک مخطوطہ کا ذکر کیا گیا جس کے متعلق صاحب مضمون کا بیان ہے کہ میری پیش کردہ کتاب سے اس کتاب کی تصنیف کا زمانہ مقدم ہے غالباً اس مخطوطہ کے مصنف مولانا شاہ ظہور اللہ نامی پھلواروی رح ہیں، اور شاید اس میں دینیات کے مسائل "راہ نجات" یا "مفتاح الجنۃ" وغیرہ کے نہج پر لکھے گئے ہیں، وہ مضمون اسوقت میرے سامنے موجود نہیں ہے، اور صحیح طور پر یہ یاد بھی نہیں، ہاکہ اس کتاب مین اور کیا کیا مضامین ہیں، بہرحال تقریباً دو سال کی مدت میں ارباب خبر و واقفیت کا صوبہ بہار کے تصنیفی ذخیروں سے صرف ایک ہی مخطوطہ کا پیش کرنا کم از کم میرے لئے اس اطمینان کو ضرور پیدا کرتا ہے، کہ مولانا محمد احسن گیلانی مرحوم کی کتاب کا نمبر صوبہ کی لسانی تاریخ (حصہ نثر) میں اگر اول نہیں تو دوم ضرور ہے، اور تاریخی اہمیت کے لئے یہ ضربت بھی ناقابل التفات نہیں قرار پا سکتی،

میری حیثیت اپنے اس مضمون میں صرف سائل اور مستفسر کی تھی، لیکن اس مضمون کے بعد اب اگر اپنے استفسار کو دعوی کی شکل میں بدل دوں، اور گیلانی کی اس کتاب کو نثر بہار کی دوسری کتاب قرار دوں، تو غالباً مجھکو اس کی اجازت مل سکتی ہے، اگرچہ اب بھی "عدم العلم، علم العدم" کو مستلزم نہیں ہے، لیکن استقرائی نتائج کی بنیاد جن مقدمات پر قائم کی جاتی ہے، عام طور پر اس کا یہی حال ہوتا ہے، واللہ اعلم بالصواب،

ندیم چونکہ صرف ادب اردو کا پرچہ ہے، اس لئے اس میں اس کتاب کے متعلق میرے مضمون کا صرف وہ حصہ شائع ہوسکا، جس کا تعلق صرف صوبہ کی لسانی تاریخ سے تھا، لیکن مضمون کا وہ قطعہ جس میں فقیر نے بہار کے اس قدیم مخطوطہ کے چند اہم مسائل اور حقائق پر اجمالی تبصرہ کیا تھا، وہ اب تک غیر مطبوعہ پڑا ہوا تھا، بلکہ طاق نسیاں کی نذر ہو چکا تھا، میرے دوست مولینا سید احمد حیدر آبادی سلمہ اللہ کو خدا جانے اس مسودہ میں کیا نظر آیا کہ ان فرسودہ اوراق کو ادھر ادھر سے جمع کر کے خوشخط اور صاف حرفوں میں نقل کر کے میرے سامنے لائے، ان کا اصرار ہے، کسی علمی رسالہ میں اسے شائع کر دیا جائے، ہندوستان میں "علمی" مجلہ کے لفظ کے ساتھ ذہن کی دفعی حرکت اعظم گڈھ کے مجلۂ علمیہ معارف ہی کی طرف ہو جاتی ہے، اور یہی ہوا، دفتر میں مضمون بھیج دیتا ہوں، کارکنان معارف پسند فرمائیں، تو اوسے شائع کر دیں، ممکن ہے کہ ارباب بصیرت اس کے بعد اردو زبان کے اس صد سالہ مسودہ کو بہار ہی کی اردو کی نہیں، بلکہ ہندوستان کی اردو کی شاید ایک اچھی یادگار قرار دیں؛

المغرور بالامانی

مناظر احسن گیلانی عفی اللہ عنہ،

مذکورالصدر کتاب اگرچہ غدر سے پہلے اس وقت تصنیف ہوئی ہے، جب مغربی اثر و اقتدار شمالی ہند میں خصوصیت کے ساتھ بنگال و بہار پر تسلط حاصل کر چکا تھا، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے، کہ ملک میں اس

وقت تک بزبان[1] اکبر مرحوم صرف توپ (یعنی بسولا) پہنچا تھا، اور پروفیسر (یعنی رندہ) کی نوبت ابھی نہیں آئی تھی، یا بہت کم آئی تھی، اس لئے غیر حساس فطرتوں پر خصوصاً مسلمانوں پر زیادہ تر یورپ کے حیلی آلات کیمیائی اشتعال انگیز مواد ہی کا عموماً رعب قائم تھا، اسی لئے ملک کے دردمندوں کو جو کچھ بھی قلق تھا یا ہونا چاہیئے تھا، وہ اپنی جانی مالی پریشانیوں کا تھا، اتنی نزاکت کن دماغوں میں تھی کہ بے تدبیری کے اس طوفان کا بھی اندازہ کر لیتے، جو اس مغربی آندھی کے پیچھے دبے پاؤں آرہا تھا، کون جانتا تھا کہ آج جس زد کو زر و زمین تک محدود سمجھا جاتا ہے، آیندہ چل کر یہی ناموس و ایمان پر کاری ضرب کی شکل اختیار کرے گی،

حیرت ہوتی ہے، کہ مؤلف کتاب باوجودیکہ اس وقت کی سرکار برطانیہ کے ایک معزز عہدہ دار یعنی داروغہ شجاعت علی مرحوم کے صاحبزادے تھے، جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ چند تھانوں کے سرکل انسپکٹر تھے، اور گھر کی ساری فراغبالیاں انہی کی بدولت تھیں، تاہم انگریزی پولیس کے افسر کے گھر میں خدا نے اس بچہ کو پیدا کیا، جس کے نازک شعور کی رگ ریشوں میں اس آنے والے طوفانی ہلچل کی تصویریں چھپ رہی تھیں، جو آخر ایک سو سال کے بعد ہندوستان کے طول و عرض میں اسکولوں، اور کالجوں، رسالوں، اور اخباروں کے دامنوں سے ابل ابل کر یہ دھمکی دے رہے ہیں، کہ ہندوستان میں رحمۃ للعالمین، خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ وفاداری کے عہد پر زیادہ دن تک قائم نہیں رہ سکتی، اگر نام کے اعتبار سے نہیں تو کام کے لحاظ سے (لا فعلہ اللہ) اسماً نہیں تو اعتقاداً و عملاً مسلمان مسلمان باقی نہ رہینگے۔ بہرحال آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام اور ان کے قائم کردہ آئین و نظام کے متعلق وساوس

---

[1] لسان العصر مرحوم کے مشہور شعر کی طرف اشارہ ہے، جس میں موجودہ نظام تعلیم پر ان مختصر لفظوں میں تنقید کی گئی ہے۔

توپ کھسکی پروفیسر پہونچے،

جب بسولا ہٹا تو رندہ ہے،

م کی جو زہریلی گیسیں اور سیاہ بخارات، فلسفہ، تاریخ، جغرافیہ، سائنس، وغیرہ وغیرہ علوم کے پرفریب انتساب ، دجل اور حق پوشی کی انتہائی کوششوں کے پردون میں پھیلائے جا رہے ہیں یقین کیجئے کہ مولانا موصوف ، اللہ مرقدہ، کی وقاد فطرت نے اس کا اندازہ آج سے سو برس پیشتر کر لیا تھا، اور غایت بالغ نظری، ژرف ، متانت و سنجیدگی کیساتھ انہی کے تشفی بخش جوابوں کو اس کتاب میں درج فرمایا ہے،

کتاب تو ۱۲۹۶ھ میں اپنی طالب علمی کے وسطانی عہد میں لکھی گئی ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اس رہ کا احساس ان کو اس سے بہت پہلے اپنے اس کور دہ گاؤن گیلانی میں ہو چکا تھا، کیونکہ ان کی سوانح سے معلوم ہوتا ہے، کہ طلب علم کی راہ انھون نے ماں باپ کے جبر و اکراہ سے نہیں، بلکہ بالغ و جوان حتی کہ ہونے کے بعد سوچ سمجھ کر اختیار کی تھی، اور بڑی وارفتگی و سرمستی کیساتھ اختیار کی تھی، خود اپنی ایک دوسری کتاب خود کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں،:۔

وفقنی اللہ فی اول الریعان فرط — آغاز شباب ہی میں حق تعالیٰ نے مجھے اس کی
الشغف لاخذ العلم من افاضل — توفیق انتہائی ذوق و شوق کے رنگ مین
الاعیان۔ — عطا فرمائی، کہ ملک کے جلیل القدر فضلاء
وعلماء سے تحصیل علم کرون،

پھر گھر بار، بیوی، بچے، وطن کے چھوڑنے کا ذکر ان لفظون میں کرتے ہیں:۔

ولم یتیسر لی ذلک الا بعفارقتی الاوطان — لیکن اس کا موقع بغیر اس کے مجھے میسر نہ

ج یہ سن کر کون باور کرے گا، کہ مولانا شادی بیاہ بلکہ فرزند کے تولد ہونے کے بعد اسلامی علوم کے سیکھنے کے لئے گھر رنکلے، علم کے شوق، دینی خدمت کے ذوق میں کچھ اس طرح منہمک ہوئے کہ پورے چودہ سال بعد گھر اس وقت ئے، کہ آپ کے فرزند اکبر جوان ہو چکے تھے، آج دوسرون کی علمی قربانیون پر ہیں جو مثالیں مل رہی تھیں لیکن جب ق وغیرہ تھیں نہیں بلکہ اپنے مند تھا، گیلانی گاؤن میں ان قربانیون کی کمی تھی،

وتركت العشائر والخلان، فاختوت	آسکتا تھا کہ وطن و یاران وطن سے جدا ہوجاؤں
السفر على الحضر وأوقعت نفسي	اور اس لئے میں نے گھر کو چھوڑ کر سفر اختیار کیا
في البلايا والخطر	اور اپنی جان کو ہر قسم کے مصائب و خطرات

اپنے علمی سفر کی داستان دہراتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ثم ألجأني تحصيل شطر من العلوم	دینی علوم کی تحصیل اور یقینی معارف کی تلاش
الدينية والمعارف اليقينية الى	نے بالآخر مجھے اس پر مجبور کیا کہ ایک شہر سے دوسرے
ان يلفظني من بلد الى بلد وهلم جرا	شہر ایک جگہ سے دوسری جگہ مارا پھرتا تھا،

پھر یہ سارا سفر کس لئے ہو رہا تھا، اس کا اندازہ ان کی مختلف تحریروں اور یادداشتوں سے ہوتا ہے، بنارس میں انھوں نے یہ کام کیا لکھنؤ پہنچے، اس وقت لکھنؤ لاٹ صاحب کا لکھنؤ نہیں، واجد علی شاہ مرحوم کا لکھنؤ تھا لیکن واجد علی کی زمین بھی ان کے لئے چند دنوں کے بعد آسمان بنکر رنجیدہ ثابت ہو چکی تھی، فلسفہٗ الٰہیات کی ایک قلمی کتاب کی تصحیح سے فراغت پانیکے بعد اس کے آخر میں لکھتے ہیں،

وقع الفراغ من تصحيح الكتاب في	کتاب کی تصحیح سے لکھنؤ میں ۱۲۷۲ھ میں
بلدة لكهنؤ في ۱۲۷۲ه شهر ذيقعدة	فراغت پائی آئی، اور ذی قعدہ کا مہینہ
حين تسلطت النصارى خذلهم	تھا، یہ وہ زمانہ ہے، کہ نصاریٰ خدا انہیں
الله على هذه البلدة وذهب	رسوا کرے، شہر پر قبضہ کر چکے ہیں، اور
السلطان واجد على شاه للاستغاثة	سلطان واجد علی شاہ استغاثہ کے لئے کلکتہ
الى كلكتة،	روانہ ہوئے ہیں،

اسلام کی ایک عقلِ عادل، روحِ صافی، قلبِ ذکی کی اس کشمکش کو دیکھئے کہ اس کے بعد ایک طرف اگر واجد علی شاہ کیلئے دعا بھی کرتے ہیں، لیکن ساتھ ان کمزوریوں کا احساس بھی ہوتا ہے جن کے بعد قدرت

کے عدل وقسط کی میزان اپنے آخری نتیجہ کا اعلان ہمیشہ انقلاب حکومت کی شکل میں کرتی رہی ہے، یادداشت کے آخر میں لکھتے ہیں،

اللّٰھم انصرھا واھدھا الی الصراط المستقیم،	اے اللہ تو ان کی مدد فرما، اور انہیں سیدھی راہ پر چلا،

کیا خلف کے لئے سلف کے اس طرز عمل میں کوئی اچھا اسوہ نہیں ہے، مولانا مرحوم باوجودیکہ کٹر سنی تھے، لیکن ایک شیعی بادشاہ جس سے بجز اسلامی تعلق کے آپ کو کوئی تعلق نہیں تھا، اور قیصر باغ کے قیصر کی جان جو اس کے جھوٹے خوشامدیوں کی زبانوں میں عالم کی جان تھی، جب مٹی کے برج میں دفن ہونے کیلئے لکھنؤ سے روانہ ہو چکی تھی، تو آیندہ بھی اس سے کیا توقع قائم کی جاسکتی تھی، لیکن اخوت کی ٹیس فروعی اختلافات کی کسک پر غالب آئی، اور اُسے آنا بھی چاہئے، ومثل ھذا فلیعمل العاملون،

حکومت کے اس انقلاب نے جو چیخ آپ کے سینہ میں پیدا کی، حل العقود کے دیباچہ میں اسکی آواز باز گشت ان لفظوں میں گونجی ہے، فرماتے ہیں،

تسلط النصاریٰ علی تلک البلدان	ان علاقوں پر نصاریٰ کا قبضہ ہو چکا ہے،
فوا اسفاہ علی الداھیۃ الکبریٰ العظمیٰ،	حسرت اور واویلا ہے، اس بڑی اور سخت ترین مصیبت پر،

لیکن کیا یہ رونا صرف مچھلی بھون اور چھتر منزل کیلئے تھا، اودھ کی مٹی، اور گومتی کے پانی کے لئے تھا، ان ہی کے الفاظ میں سنو، روتے ہیں، اور کتنے دردناک لہجوں میں روتے ہیں،

عفوا اطلال العلوم ومعالمھا	ان نصرانیوں اور فرنگیوں نے علوم کے سارے
ومحوا آثارھا ورسومھا حتی کاد	نشانات اور اسکی سب یادگاروں کو مٹادیا
شموس العلم الی الافول واختار للاھرون	علم کے آفتاب غروب ہونے لگے ہیں، اور ماہرین

سرسایا الخمول ・ گمنامی کے کونوں میں اپنے کو چھپا رہے ہیں

مولینا مرحوم کے نفس کا جو شعوری نقطہ تھا، اور جس کے ارد گرد ان کی ساری علمی سرگرمیوں کے دائرے گردش کر رہے تھے، ان ہی چند جملوں سے اس کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے، اور جس کا شعور اس درجہ بیدار اور دماغ چوکنا ہو سمجھا جا سکتا ہے کہ یورپ جہاں سے ابھی عوام کے کانوں میں صرف توپ کی آواز آرہی تھی، وہاں اسکی روح ان پُر فریب نغموں کی باطنی لہروں سے اگر متاثر ہو رہی ہو جس کی آوازیں آج ہندوستان کے گھاس اور پھوس کے چھپروں سے آرہی ہیں، تو اس پر کیا تعجب ہے،

خصوصًا اس زمانہ میں اگرچہ کالج اور اسکولوں، اخبار و رسائل، ناول اور افسانے، ڈرامے، اور تماشوں کی شکل میں تو نہیں، لیکن لمبی لمبی داڑھیوں، نیچی نیچی عباؤں والے، ہیٹ پوش پادریوں کی ایک خاص تعداد بجائے رانچی کے جنگلوں اور کوکن کے بیابانوں کے ہندوستان کے مختلف شہروں میں بائبل کے ترجمے، اور مناظروں کی کتابیں بغلوں میں دبائے مصنوعی خوش خلقیوں، ریائی نرم زبانیوں کے ساتھ سڑکوں اور گلیوں میں عام طور پر پھر رہی تھی، یہ بھلے مانس پادری اپنے اخلاق کی بلندی کا ثبوت اپنے وطن یورپ میں رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کی کلیسائی خانہ جنگیوں کی شکل میں پیش کر چکے تھے جس کی نظیر[لے] دنیا میں کوئی دوسری موجود نہیں، اور جس کے متعلق کہا جاتا ہے، کہ دس لاکھ آدمی مختلف شکلوں میں موت کے گھاٹ اوتارے گئے، مذہب جس کے نام سے، اور محض نام سے حرب و قتال اور دار و رسن کا

[لے] میں نے نظیر کا لفظ قصداً لکھا ہے، کہ دراصل اس کلیسائی جنگ یا جبر و استبداد کی نظیر دنیا کے کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی، اور اگر کسی مذہب میں پائی جاتی بھی ہو، تو کم از کم اسلام کی سیزدہ صد سالہ روشن تاریخ بحمد اللہ اس سے قطعًا پاک ہے، گو یورپ اب اس فکر میں ضرور ہے، کہ کسی طرح اسلام میں بھی اس نقشہ کو قائم کر دے جس کا تماشہ عیسائی مذہب اور یورپ نے صدیوں دیکھا ہے، لیکن یابی اللہ الا ان یتم نورہ اور قرآن کا محافظ انشاءاللہ ایسا نہ ہونے دے گا،

یہ ہنگامہ برپا کیا گیا تھا یورپ کے انتہا پسند طبائع نے اسی کی ضرورت کا شدت سے انکار کرنا شروع کردیا اور یون وہان ایک مستقل خیال ریشنلزم کے نام سے قائم ہوگیا، یہ فرقہ باطنی طور پر محض ملحد اور بے دین تھا اسکی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اگر مذہب خون کے اسی سمندر، اور انسانی ہڈیوں کے اسی پہاڑ کا نام ہے، تو آخر ایسے مذہب کی انسان کو کیا ضرورت ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ جا و بیجا انھون نے اپنے ملک کے عام مذہب یعنی عیسائیت پر اعتراضات و شکوک و شبہات و وساوس کا ایک سلسلہ شروع کردیا،

بہرحال یورپ میں اعتراضات کے یہ تیر عیسائی مذہب اور اس کے عقائد و مسائل پر الحاد و شکوک کی کمانون سے نکل نکل کر مسلسل برس رہے تھے، ان پاک باطن پادریون نے ان ہی تیرون کو اپنے دل و جگر سے نکال نکال کر ہندوستان میں ناواقف مسلمانون پر چلانا شروع کیا، اور غایت دیدہ دلیری و بے باکی سے یہ باور کراتے تھے، کہ یہ سارے اعتراضات صرف قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام پر وارد ہوتے ہیں، ورنہ عیسائی مذہب کا دامن ان تمام مطاعن سے پاک ہے،

خود مولینا کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ ان اعتراضات کا علم آپ کو ان ہی پادریوں کے ذریعہ سے ہوا جیسا کہ دیباچہ ہی میں لکھتے ہیں،

"اتفاقاً پادریوں سے وہان (بنارس) کے ایکدن اتفاق مباحثہ ہوا"

مباحثہ کا اتفاق تو کل ایک دن ہوا، لیکن غضب یہ ہوا کہ حریف کی روشن گہری کا صحیح اندازہ کئے بغیر کسی مسکین پادری نے ایک رسالہ بھی آپ کے حوالہ کیا، جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اعتراضات کئے گئے تھے، لکھتے ہیں:-

"بالآخر انھون نے (یعنی پادری صاحب نے) ایک رسالہ جسکو کسی پادری نے ...... بطلان رسالت خاتم النبیین شفیع المذنبین محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی مرزاپور میں منطبع کیا ہے، اس خاکسار کے حوالہ کرکے کہا کہ اس کا جواب لکھو"

کچھ نہیں معلوم کہ یہ رسالہ کون سا تھا، کہ اندازہ ہوتا کہ اس میں کیا کیا باتیں تھیں، مگر بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بالکل معمولی تھا، خود ہی لکھتے ہیں،

"چونکہ وہ رسالہ قابل التفات نہ تھا، چنانچہ یہ بات اہل ناظرین اسکے پوشیدہ نہیں"

رسالہ کے ناقابل التفات ہونے کی وجہ سے آپ نے پادری کے چیلنج "جواب لکھو" کو نامنظور کر دیا، لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ وہ سارے مباحث وعنوانات جن سے اس کتاب میں بحث کی گئی ہے، اس کا ابتدائی سرمایہ یہی رسالہ تھا، اور اسی کے مضامین کی دلچسپیوں سے آپ کو اس عہد کے مشہور مسیحی یوروپین علما، فنڈر اور سمتھ کی کتابوں کے مطالعہ کا بھی موقع ملا، جیسا کہ ایک موقع پر لکھتے ہیں،:-

"رسالہ میزان الحق پادری فنڈر اور تحقیق دین حق پادری سمتھ صاحب کی جو مناسب مباحث اس رسالہ کی تھیں، ان سے بحث کی گئی،"

بہرحال سرکار انگریزی کے ایک ہندوستانی افسر کے گھر میں پیدا ہونا یا بنارس میں ایک دن پادری سے اتفاقیہ طور پر بحث کرنا یا مرزاپور کے مجہول الاسم والکتاب پادری کی کتاب دیکھنا یا فنڈر و سمتھ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا ہی وہ کچھ اسباب ہیں، جنھوں نے آج سے سو برس پیشتر آپ کے دماغ کو ان سوالات وشکوک اور ان کے جوابات کی طرف منتقل کیا، جنھیں آج ہم جدید علم کلام کے نام سے منسوب کرتے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ خود اپنی ذاتی کاوشوں دماغی کوششوں، یا مصر وقسطنطنیہ کے علماء کی امداد سے ہندوستان کے قدیم وجدید طبقہ نے مختلف پیرایوں میں تقریباً پچاس سال کی مدت میں مختلف صوبوں سے اسلامی اصول کی تائید میں آج جو جوابات پیش کئے، یا کر رہے ہیں، حیرت ہوتی ہے، کہ ان میں سے اکثر مسائل کے عمیق ودقیق پہلوؤں تک مولانا کا ثاقب ذہن ایک صدی پہلے پہنچ چکا تھا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بعض باتیں اس کتاب میں ایسی بھی ہیں کہ جن کے متعلق کہا جا سکتا ہے، کہ اسوقت تک وہ صرف انکا مخصوص حصہ ہے،

مضامین کی وثاقت وبلندی، مقدمات کی استواری وترتیب، معلومات کی وسعت وتنقیح، عبارت

کی سنجیدگی و متانت ان سب کا صحیح اندازہ تو اصل کتاب کے پڑھنے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے، بشرطیکہ پڑھنے والا تھوڑی دیر کے لئے اپنے کو آج سے ایک صدی پہلے کی اردو زبان پڑھنے پر راضی کر سکتا ہو، کیونکہ موجودہ طریقۂ انشاء و بیان کے عادیوں کے لئے سب سے بڑا صبر آزما کام یہی ہو جاتا ہے، اور اسی عبارتی لذت کی بدعادت نے ہمیں قدیم بزرگوں کے اکثر افادات سے محروم کر رکھا ہے، لفظوں کے جال میں موجودہ نسل کی پیداوار کچھ اس طرح الجھ پڑی ہے کہ معنی کے آب رواں اور درمنثور تک پہنچنے کی ہمت باقی نہیں رہتی تاہم ناظرین کے سرسری اندازہ کے لئے مضامین کتاب کی ایک اجمالی فہرست مختصر تبصرہ کے ساتھ پیش کیجاتی ہے،

سب سے پہلے مولانا مرحوم نے اس کتاب میں اس دعوی کو حل کیا ہے، کہ اسلام کے سوا چونکہ دنیا کے تمام مذاہب اپنا تاریخی ثبوت کھو چکے ہیں، اسلئے،

"بدون تصدیق رسالت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی سبیل تصدیق انبیاء سابق کی نہیں،"

لیکن آپ کے سامنے چونکہ اس وقت یورپ اور اس کے مذاہب تھے، اسلئے آپ نے نہایت بسط و تفصیل سے پہلے یورپ کے دونوں مذہب یعنی عیسائیت و یہودیت کی تاریخ لکھی ہے، ابتداء میں ان دونوں مذاہب کے دینی وثیقوں اور مستندات کی فہرست دی ہے، عربی، فارسی، انگریزی، عبری میں ان کتابوں کے جو نام ہیں انھیں درج کرکے اپنے دعوی کے ثبوت میں اندرونی و بیرونی شہادتوں سے ایک ایسی روشنی مہیا کی ہے، کہ جس کے سامنے آنے کے بعد آج جن اساسوں پر ان مذاہب کی بنیاد قائم ہے، یکایک درہم برہم ہو جاتے ہیں، تورات کے متعلق بیرونی شہادتوں کے سلسلہ میں آپ نے یورپ کے بڑے بڑے علماء کے اقوال مع دلائل نقل کئے ہیں، خصوصاً اسمتھ، ٹیلر، رابرٹ وغیرہ کے کلام سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، اسی طرح اندرونی شہادتوں کے ذیل میں خود تورات کی ایسی آیتیں پیش کی ہیں، جنسے عیاناً یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کہ جن انبیاء کی طرف یہ کتابیں منسوب کیجاتی ہیں، خود ان کتابوں کی آیتیں گواہ ہیں، کہ یہ انتساب قطعاً غلط ہے، آخر میں عہد عتیق کے مجموعہ کے متعلق آپنے

اپنا آخری فیصلہ ان عجیب وغریب تشبیہوں کیساتھ درج کیا ہے؛

"اصل حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ کی کتاب ایسی ہے، جیسے کوئی کسی تفسیر مثلاً تفسیر حسینی کا ترجمہ اردو کر ڈالے اس طرح کہ قرآن کی عبارت نہ لکھے، بلکہ صرف اسکا ترجمہ کر کے لکھے[1] اور کتابیں (یعنی موسیٰ کی کتاب کے سوا) ایسی ہیں، جیسے ہمارے یہاں معارج النبوۃ یا معراج نامہ یا مولد نامہ، یا قیامت نامہ کہ جس میں قرآن اور احادیث کے الفاظ لیکر یہ کتابیں بنائی گئی ہیں، اور بعضے مثل حاتم طائی کی ہفت سیر اور شاہنامہ کے لکھی گئی ہیں"

جاننے والے جانتے ہیں کہ آپ نے اپنے اس فیصلہ میں اسلامی عدل کے قرآنی حکم اعدلوا ھو اقرب للتقوی، سے سر مو تجاوز نہیں فرمایا ہے، اس کے بعد آپ نے عہد جدید کی کتاب انجیل کو لیا ہے، اور ٹھیک اسی طرز سے اس پر بھی بحث کی ہے، عیسائیوں کے اس دعوی کی تغلیط کیلئے کہ لکھنے والوں نے اپنی اپنی انجیلیں روح القدس کی امداد سے لکھی ہیں، آپ نے چاروں انجیلوں کی متناقض عبارتوں کا ایک محاذاتی نقشہ پیش کیا ہے، جس کے دیکھنے کے بعد بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے، کہ ان چار مختلف باتوں میں سے صرف ایک ہی بات صحیح ہو سکتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے، کہ جن کتابوں میں ایسی صریح غلطیاں ہوں ان کو روح القدس کی طرف منسوب کرنا خود عیسائیوں کی غلطی ہے، اور پھر آخر میں عہد جدید کے متعلق اپنا فیصلہ اس متانت اور سنجیدگی کیساتھ ان لفظوں میں پیش کرتے ہیں،

"اصل حقیقت یہ ہے کہ تالیف اناجیل مثل ملفوظات بزرگوں کے ہے، کہ جس میں اون کے نشست وبرخاست کے قصے اور اون کا نسب نامہ اور سلسلہ اور اون کی تقاریر مندرج ہوتے ہیں"

---

[1] یعنی آپ کی رائے تورات کے متعلق یہ ہے، کہ اصل کتاب کیساتھ شارحین تورات کی تشریحی عبارتیں اور توضیحی اضافے بھی جزو کتاب بنگئے ہیں، غالباً مسلمان مصنفوں میں ایسی منصفانہ اور اقرب الی الحق رائے بہت کم لوگوں نے دی ہے،

فیصلہ کے آخر میں کیسے بچے تلے الفاظ میں اپنی اس رائے کو درج فرماتے ہیں :-

"مگر اس کے (یعنی انجیل کے) ضمن میں جو کلام عیسوی منقول ہے اگرچہ وہ بلفظہ عیسوی زبان میں نہیں، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بسبب یہودی نژاد ہونے کے عبری بولتے تھے، لیکن جائز ہے کہ وہ کلام الٰہی کا ترجمہ ہوئے"

مجموعۂ بائبل کے متعلق اپنی اس رائے کے بعد آپ کی نظر ان اختلافات کی طرف بھی گئی ہے، جو کہیں کہیں قرآن اور بائبل کے مضامین میں نظر آتے ہیں، آپ نے اس باب میں ایک عجیب مسلک پیش کیا ہے، فرماتے ہیں:

"جس طرح کی تاویلیں بعضے انجیل کے جملوں کی اپنے اصول موضوعہ کی صحت کے لئے عیسائی کرتے ہیں، اس سے کم تاویلیں میں وہ جملے قرآن کے موافق ہوسکتے ہیں"

نہ صرف یہودیوں، اور عیسائیوں، بلکہ دنیا کے وہ تمام مذاہب جنکی ابتدا تاریخ کے عہد تاریک میں ہوئی اور سامان حفاظت کی کمی نے ان کے دینی وثائق کو اپنے اصلی حال پر باقی نہ رہنے دیا، قرآن کی روشن اور تابناک تاریخی ثبوت کے نور میں اپنی تصحیح اس ٹھوس اور منصفانہ تجویز کی بنیاد پر کتنی آسانی سے کرسکتے ہیں، یقیناً مشکوک و مشتبہ دستوں کی تصحیح کی یہی صورت ہوسکتی ہے، اور آج دنیا کے کس مذہب کو اسکی ضرورت نہیں؟ کتنے افسوس کی بات ہے جس قرآن کا تعلق دنیا کے سارے مذاہب اور انبیاء سے صرف تصدیق و تصحیح کا تھا، نادانوں نے بلا وجہ اس سے تردید و تکذیب تعلق پیدا کرکے ہنگامہ برپا کر رکھا ہے،

یورپ کے مذاہب کے بنیادی اساسوں کی بحث سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے اسلام کے بنیادی وثیقون کو پیش فرمایا ہے، لیکن جیسا کہ سر ولیم میور نے لکھا ہے، کہ قرآن کا تاریخی طور پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف منسوب ہونا ہم عیسائیوں کے نزدیک بھی اسی قدر قطعی ہے، جس طرح مسلمان اسکو خدا کا کلام قطعی طور پر سمجھتے ہیں، اسلئے قرآن کے تاریخی پہلو پر بحث کرنے کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے، صرف اسکے مضامین کی اندرونی شہادتون پر آپ نے قناعت کی ہے، قرآنی مضامین کی افادی حیثیت کے متعلق لکھتے ہیں، اور کس قدر جامعیت سے کل

بیس نمبروں میں تمیں پاروں کا خلاصہ پیش کرتے ہیں،

"کوئی رکوع بلکہ کوئی پنج آیت بلکہ کوئی آیت متوسطہ خالی نہیں ہے جس میں امور مفصلۂ ذیل سے کوئی نہ کوئی بات نہ ہو"

(۱) حضرت مبدء جلّ شانہ کی صفات کاملہ کا بیان (۲) ترغیب ذکر الٰہی (۳) نصیحت تقوی الٰہی (۴) تاکید رجوع الی اللہ در ہر امر (۵) نصیحت تہذیب اخلاق مجملاً (۶) ستائش اخلاق مثل حلم و تواضع و عفت و کرم و سخاوت وشجاعت و عفو و سماحت (۷) نکوہش اخلاق رذیلہ مثل تہور و جبن و وقاحت، و بخل، و کبر و ظلم و تلاف، (۸) ترغیب بہ توکل و زہد، و قناعت و اخلاص و حریت (۹) تہدید از ریا، و سمعہ و عجب، و تملق، و چاپلوسی و حرص، و حب دنیا، (۱۰) ترغیب محبت مع اللہ، و اہل اللہ، (۱۱) تہدید از صحبت بے ادبان، و ارباب جہل مرکب (۱۲) مسائل تدبیر منزل، (۱۳) سیاست مدنیہ، (۱۴) ذکر خیر حضرات انبیا علیہم السلام، (۱۵) نکوہش دشمنان آنہا (۱۶) حکم بایمان آوردن بعیسیٰ و موسیٰ وغیرہما انبیا بنی اسرائیل و ابراہیم، و نوح وغیرہما، از انبیا پیشین خصوصاً و عموماً علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام، (۱۷) سخنان معرفت و حقیقت، کہ موثر قوی براے وصول الی اللہ باشد (۱۸) ذکر معاد انسانی و لذت والم جاودانی، از برزخ تا جنت و نار، (۱۹) ذکر بے ثباتی ارکان عالم، (۲۰) دعوت بہ توحید الٰہی"

ان مضامین پر قرآن کا مشتمل ہونا، اور پھر فصاحت و بلاغت کے انتہائی معیار پر اسکی ہر آیت کا کھرا ہو کر نکلنا اسکے متعلق فرماتے ہیں،

"ظاہر ہے کہ بیان خط و خال، قد و بالا، ناز و ادا، شادی و غم، ہجر و وصل، شراب و کباب، بزم و رزم، باغ و صحرا وغیرہ، مضامین جن میں فصاحت و بلاغت، اور صنائع و بدائع، معانی بیان کی گنجائش بہت ہوا کرتی ہے، نہ کہ اس میں جس میں مبدأ اور معاد کے صفات اور حالات اور قوانین عبادات و معاملات، تمدن و سیاسات، سراپا حکومت کی باتوں میں ہے، اور معہذا معانی و بیان کے قواعد و محسنات بدیعیہ کے لطائف باحسن وجوہ اس میں مرعی ہیں،،

آپ نے اوس کو محدود قوت والے انسان کی پرواز سے بالاتر ٹھہرا کر صرف غیر محدود کلامی قوت کا مظاہرہ قرار دیا ہے، اور یہی آپ کے نزدیک اعجاز قرآنی کی اندرونی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ابدی شہادت ہے جب تک دنیا میں قرآن موجود ہے اس اعجازی وجہ کو اس سے کوئی جدا نہیں کر سکتا، قرآن کے ساتھ آپنے اسلام کے دوسرے سرچشمہ یعنی حدیث پر بھی بحث کی ہے، یہ بحث ذرا طویل ہے، لیکن جستہ جستہ مقامات سے اسکی بعض چیزیں یہاں درج کیجاتی ہیں، فرماتے ہیں،

ہمارے یہاں ایک عظیم الشان فن مقرر ہوا ہے، اور اس فن کے بیسوں، بلکہ سیکڑوں دانا لوگ ایسے گذرے ہیں کہ ان کی وثاقت، اور ان کی اس فن میں مہارت جتنے اہل علم ہیں سب جانتے ہیں اور جان سکتے ہیں"،

اور آگے چل کر فرماتے ہیں،

"اس فن میں یہ بحث ہے کہ فلانی بات جو فلانے شخص کی طرف منسوب ہے، اس کے ناقل نے بلا واسطہ سن کر لکھا ہے، یا بالواسطہ اور اگر بلا واسطہ ہے، تو وہ ناقل کون شخص ہے، کہاں رہتا تھا، کب پیدا ہوا، کب مرگیا، فضول گو تھا، یا راست گو تھا، مغلوب النسیان تھا، یا حافظہ والا، صاحب تحقیق تھا، یا سفاہت والا، اور اپنے بیان میں مضطرب تھا، یا مستقل، اور اسکے مذہب میں تمیز بین الحق والباطل کی جگہ تلبیس بین الحق والباطل جائز تھا، یا ممتنع"

اہل علم اندازہ کر سکتے ہیں، کہ رواۃ حدیث کے صفات کو اردو زبان میں مصنف نے کس قدر منقح شستہ پیرایہ میں ادا کیا ہے، پھر حدیث کی مختلف قسموں، متواتر، مشہور، آحاد کی تعریف اور علمی نتائج کے درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں، :-

"اور اگر ہر طبقہ میں اس کے متعدد ثقہ راوی نہیں تو دیکھا جاتا ہے کہ آیا بداہت عقل کے خلاف کوئی بات اس میں ہے، یا نہیں، اگر بداہت عقل کے خلاف ہے، تو وہ بھی کان لم یکن متصور

ہوتی ہے یعنی اُسے یہ سمجھتے ہیں، کہ کسی نے سہو سے یہ بات بڑھا دی، یا گھٹا دی، یا اوسکی تاویل عرف کے موافق کچھ کیجاتی ہے، جیسے عیسائی لوگ تورات کی اس روایت کی کہ سرزمین کنعان میں دودھ شہد کی ندیاں بہتی ہیں، تاویل کرتے ہیں؛

حدیث کے ان ظنی حصوں کے متعلق یہ لکھکر کہ علاوہ بداہتہً عقل کے اگر قرآن یا متواتر خبروں کے بھی وہ مخالف ہو، تو فنی طور پر محدثین اسکو بھی رد کردیتے ہیں، آپ لکھتے ہیں،

اور اگر ان دو قباحتوں میں سے کوئی قباحت اس میں (حدیث) میں نہ ہوے، تو دیکھا جائے کہ آیا تفصیل ہے، انھیں قطعیات کی تو اوس کی بھی تصدیق کرتے ہیں، جیسے سخاوت، اور صبر تحمل وزہد، توکل کے فضائل وغیرہ، اور اگر ان قطعیات کی تفصیل نہیں ہے، بلکہ ایک الگ بات ہے تو اگر سب راوی اس کے ثقہ ہیں، اور بیچ میں کہیں سے سلسلہ منقطع نہیں ہوا ہے، اور اوس کے معارض کوئی ایسی روایت نہیں ہے، سو اگر عملیات میں ہے، تو بظن غالب واجب العمل ہوتی ہے، جیسے اکثر مسائل، نماز، روزہ، بیع و رہن وغیرہ کے، اور منجملہ اعتقادات کے ہیں، تو بظن غالب اس کا ماننا بھی ہوتا ہے، نہ بسبیل جزم ویقین؛

اگر خود اس قسم کی حدیثیں باہم ایک دوسرے کی ضد ہوں، تو اس کے متعلق آپ نے اس عجیب مسلک کو پیش کیا ہے،

"اور اگر ایسی روایتیں ہند گر مختلف ہوتی ہیں، سو اگر منجملہ عملیات ہے، تو احد الروایتین پر عمل کرنے کیلئے ترجیح ظنی دیکھا جایا کرتی ہے، اور اگر یہ حاصل ہو تو فبہا، ورنہ جسپر چاہا عمل کیا، اور اگر منجملہ نظریات ہے تو کسی جانب عقیدہ نہیں باندھا جاتا؛"

آج معمولی فروعی مسائل مثلاً آمین، رفع الیدین، قرأۃ فاتحہ وغیرہ کے متعلق ان ہی اختلافی ظنی حدیثوں کی بنیاد پر ہندوستان میں جدلیات ونزاعات کا ایک سلسلہ چھڑ گیا ہے، اردو زبان کے ایک قدیم مصنف نے کتنی

آسانی کیساتھ اُسے کسطرح طے کر دیا ہو، فجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء،

حدیث کی ان تاریخی استواریوں، اعتماد کی عقلی بنیادوں کے استحکامات کو دکھانے کے بعد آپ نے یورپ کو چیلنج دیا ہے، کہ قرآن تو خیر حدیث ہی کے مقابلہ میں تم اپنی اساسی کتابوں کے کسی ایک فقرہ کے متعلق اس قسم کا کوئی ثبوت بہم پہنچا سکتے ہو، فرماتے ہیں،:-

"توراۃ کی سندیں انبیاء منسوب علیہم سے بطلیوس کے وقت تک اور انجیل کی حضرت عیسیٰ سے قسطنطین تک کے لکھ دیجئے"

آخر میں لکھتے ہیں، اور کس قدر سچ لکھتے ہیں، دنیا کے تمام مذاہب کو اس سے عبرت پذیر ہونا چاہئے،

"اور فقط یہ کہنا کہ یہ کتاب الہام سے لکھی گئی ہے، اس واسطے واجب التسلیم جاننا چاہئے، تو مؤلف حاتم کی ہفت سیر اور داستان امیر حمزہ کا بھی یہی کہہ سکتا ہے"،

۱ اسلام اور اس کے مسائل و قوانین کی ان دونوں بنیادی یادداشتوں پر بحث کرنے کے بعد ضرورت نہیں رہتی، کہ قرآن و حدیث کی طے شدہ شکلیں جن کا نام فقہ و تصوف ہے، مؤلف علام بحث کرتے لیکن مسیحی علم کلام کے متعلق ڈاکٹر ٹیلر کی اس رائے کو درج کرنے کے بعد،

"کہ ابتداء میں ان قابل شخصوں (یعنی مسیحی متکلمین) کے سبب سے بھی جنھوں نے قصد کیا احکام دین مسیح کو گبروں کے حکماء کی حکمت سے تطبیق دیں، مسیحی کلیسا نے بہت ضرر اٹھایا"

مولانا مرحوم نے مسلمانوں کے علم کلام کو بھی اسلام کے لئے ایک بلا قرار دیا ہے، فرماتے ہیں،:-

"بعض علمائے اسلام بھی اس بلا میں بمقتضائے لتتبعن سنن الذین من قبلکم پڑے" (باقی)

پروفیسر بیگر کیساتھ چند دن

از

از جناب ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ ایم اے، پی ایچ ڈی، پروفیسر گورنمنٹ کالج جھنگ پنجاب،

اگرچہ بزمانہ، قیام یورپ بلحاظ ایک طالب علم کے میرا تعلق لندن یونیورسٹی کیساتھ تھا، جہان پروفیسر آرنلڈ مرحوم کی ذات مستجمع الصفات مجھے کشان کشان لیگئی تھی، مگراس تمام عرصہ مین خصوصاً پروفیسر موصوف کی وفات حسرت آیات کے بعد جرمنی ہی میرا روحانی مسکن (Spiritual home) رہا، جہان مین اکثر دفعہ بالخصوص تعطیلات کے دوران میں بھاگ جایا کرتا تھا، پہلے سال جب ہائڈل برگ کے طویل قیام اور دیگر مقامات کی سیر کرتا ہوا برلن پہنچا، تو وہان کے علمی ادارون اور محفلون عجائب خانون اور کتب خانون، یونیورسٹی کے اساتذہ اوران کے خطبوں، اور علاوہ بران دیگر روحانی علائق نے دامن دل کو اس طرح کھینچا، کہ ایک مدت تک وہیں کا ہو رہا،

نَزَلْنَا عَلٰی اَنَّ الْمُقَامَ ثَلٰثَةٌ فطابَتْ لَنَا حَتّٰی اَقَمْنَا لَهَا شَهْرًا

غرض وہان ایک طرف علماء و فضلاء کی ملاقاتین تھی، اور علمی تذکرے اور دوسری طرف "Femina" اور "Haus Vaterland" کی طرب انگیز فضار کی سرمستیان اور "Yang Halle" کی دلچسپیان اور رنگینیان، یہان موخرالذکر مقامات سرور و سرود کی پرلطف جلوہ باریون کا نقشہ کھینچنا مقصود نہیں، شاید وہ پرلطف کیفیتیں کسی اور جگہ نہان خانہ دل سے صفحہ قرطاس پر اتریں، یہان مجھے ارباب "معارف" اور مقاصد "معارف" کی رعایت سے صرف پہلی قسم کے خشک موضوع پر کچھ عرض کرنا ہے،

اگرچہ وہاں متعدد علماء و فضلاء مثلا (Willwoch ، Kampermeyer) Ruska اور Weil ، Schaeder کی صحبت سے کم وبیش مستفید ہوتا رہا، مگر افسوس کہ پہلے سال مشہور اور ممتاز جرمن مستشرق پروفیسر ڈاکٹر بکر (C. H. Becker) کی ملاقات سے محروم رہا، کیونکہ وہ اُن دنوں امریکہ کی سیر و سیاحت کیلئے تشریف لیجا چکے تھے، دوسرے سال اپریل ۱۹۳۱ء میں جب میں پھر برلن پہنچا تو نہ صرف پروفیسر موصوف وہاں موجود تھے، بلکہ میری خوش قسمتی سے برلن یونیورسٹی بھی موسم بہار کی تعطیل کے بعد کھل چکی تھی، اور لیکچروں کا سلسلہ جاری ہوچکا تھا، چونکہ پروفیسر بکر کی تصانیف کے مطالعہ سے بوجہ ان کے تبحر علمی، دقت نظر اور وسعت خیال کے مجھے اُن سے ایک عرصہ سے غائبانہ عقیدت پیدا ہوچکی تھی، اسلئے اکثر اوقات ان کی خدمت میں حاضر رہا، چنانچہ اس مختصر مضمون میں انہی چند ہفتوں کے تاثرات اور دیگر متفرق واقعات کا قلمبند کرنا مقصود ہے، شاید ناظرین معارف کی دلچسپی کا موجب ہوں،

پروفیسر بکر جن کا صد افسوس کہ اب انتقال ہوچکا ہے، جرمنی کے اُن چند چوٹی کے سربرآوردہ علمائے مستشرقین میں سے تھے جنھوں نے اس بیسویں صدی میں اسلامیات اور خصوصاً اسلامی تاریخ کی تحقیق تفتیش اور تعلیم و تدریس کے ذریعہ سے بیش از بیش خدمت سرانجام دی ہے، طالب علمی کے زمانہ میں وہ متعدد یونیورسٹیوں میں بہت سے جید اساتذہ سے فیضیاب ہوئے، اور بالخصوص ولہاوزن (Wellhausen) کے مصنفات اور خیالات سے متاثر ہو کر انھوں نے اپنے آپ کو اسلامیات کے مطالعہ کیلئے ہمہ تن وقف کر دیا، بحیثیت مصنف کے اُن کی علمی سرگرمی بیسویں صدی کے آغاز ہی سے شروع ہوتی ہے، جب انھوں نے ابن الجوزی کی سیرت عمر بن عبدالعزیز اصل عربی میں شائع کرکے ڈاکٹر کی ڈگری حاصل کی، اس کے بعد وہ ہائڈل برگ میں پروفیسر مقرر ہوئے، پھر ہامبرگ (Hamburg) کی کونیل انسٹی ٹیوٹ میں اسلامی تاریخ کے پروفیسر رہے، پھر بون (Bonn)

چلے گئے، پھر بوجہ اپنی علمی شہرت اور کارگذاری کے برلن کی مرکزی شاہی یونیورسٹی میں بحیثیت پروفیسر اعلیٰ متعین ہوئے، پھر یہیں برلن میں زمانہ مابعد جنگ میں ۱۹۳۰ء تک چھ سات سال تک وزارتِ تعلیم کے جلیل القدر عہدہ پر فائز رہے، اور جرمن یونیورسٹیون میں کئی ایک اصلاحات نافذ کین، اور متعدد علمی ادارون کی تنظیم کی، اور بعض نئے شعبے قائم کئے،

جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو اس وقت وزارتِ تعلیم سے مستعفی ہو کر یونیورسٹی میں واپس آچکے تھے، اور باقاعدہ تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، وہان یہ دستور ہے، کہ ہر پروفیسر کے ہاں ہفتہ میں ایک دو گھنٹے (؟ e ھ ﺮ ﮐ ﺪ , ﮨ e c h ﺮ ﮨ S) ایسے ہوتے ہیں، جبکہ وہ ایک مقرر مقام پر اپنے شاگردون اور دیگر ملاقاتیون کیساتھ گفتگو و کلام کیلئے فارغ ہوتا ہے، چنانچہ میں نے بھی پروفیسر موصوف سے ابتدائی ملاقات ایسے ہی وقت میں کی، نہایت خوش خلقی سے پیش آئے، اور جب میں نے بتلایا کہ مجھے پروفیسر آرنلڈ سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے، تو اور بھی لطف اور مہربانی کا اظہار فرمایا، پھر میرے علمی شغل کے متعلق دریافت فرمایا، میں نے کہا کہ میں عرب کی معاشرت اور تاریخی ارتقا پر وہان کی آب و ہوا، اور جغرافی طبعی ماحول کے اثرات کا مطالعہ کر رہا ہون، تو اظہارِ پسندیدگی فرمایا، اور مجھ سے دریافت کیا کہ تم نے اس مضمون کو کس طرح شروع کیا ہے، میں نے اس کا ہلکا سا خاکہ مختصر الفاظ میں کہہ سنایا، تو بہت پسند کیا، اور کہا یہ محض ایک خشک لغوی بحث نہیں، بلکہ ایک عام فہم اور دلچسپ مضمون ہے، جس میں محنت کے علاوہ ذہانت فکر دکھانے کے لئے کافی میدان موجود ہے، اور ساتھ ہی مجھ سے خواہش ظاہر کی، کہ مضمون کی تکمیل کے بعد ایک نسخہ اس کا اون کے مطالعہ کے لئے ارسال کرون، افسوس کہ اون کے ارتحال ناگہانی نے اُنکے ارشاد کی تعمیل کا موقع نہ دیا،

پھر مجھسے دریافت کیا کہ کیا تم مسٹر عبد العلیم کو جانتے ہو، میں نے عرض کی، کہ نہیں، فرمایا کہ وہ تمہارے ہی ملک و وطن سے آئے ہیں، اور ہماری یونیورسٹی میں مصروفِ تحصیل ہیں، ہم نے اُن کیلئے عقیدۂ اہم

کا مضمون انتخاب کیا ہے، جسکی تحقیق میں ان کے ٹھیٹھ اسلامی عقائد کیساتھ معارضہ پیدا نہ ہوگا، عبد العلیم صاحب ان دنوں برلن سے باہر تشریف رکھتے تھے، اسلئے ہمیں ان کی ملاقات کا شرف ہندوستان ہی میں واپس آکر حاصل ہوا، جب کہ وہ پورے ڈاکٹر بن چکے تھے، ہمیں یہ دیکھکر مسرت ہوئی، کہ پروفیسر بکر ہمارے نوجوان ہندوستانی ہم وطن کی لیاقت و قابلیت کے معترف تھے،

مجھے ڈاکٹر ہوررووٹز (پروفیسر فرانکفرٹ یونیورسٹی) کے انتقال کی خبران ہی کی زبان سے معلوم ہوئی، کہا کہ یونیورسٹی جا رہے تھے، راستہ میں حرکت قلب بند ہونے سے یکایک گر کر مرگئے، وہ انکی ناگہانی موت پر بہت افسوس کرتے تھے، اور ساتھ ہی تعجب بھی کرتے تھے، کہ ابھی وہ بوڑھے تو نہ تھے ہیری ہی عمر کے لگ بھگ ہوں گے، انھیں کیا معلوم تھا، کہ دو سال کے قلیل عرصہ میں وہ بھی اپنے قدردانوں کو وقف ماتم کرنے والے ہیں،

پھر متعدد ملاقاتوں میں اپنی مختلف تصانیف کا ذکر کرتے رہے، ایک دن فرمایا کہ میں نے پچھلے سال پیغمبر اسلام (Der Prophet) کی سیرت پر ایک سلسلہ لیکچروں کا دیا تھا، جسمیں یہودی عیسائی، اور مسلمان سبھی مذاہب کے سامعین شریک تھے، میں نے مضمون اسطرح نبھایا کہ اس سے سبھی لوگ مطمئن رہے، اور علاوہ ازیں ان خطبوں کے دوران میں خود مجھ پر آنحضرتؐ کی شخصیت کا ایک ایسا تصور منکشف ہوا، جس اس سے پہلے میرے ذہن میں کبھی پیدا نہیں ہوا تھا، افسوس کہ وہ خطبے جہاں تک مجھے علم ہے، معرض طبع میں نہیں آئے، ورنہ انکی فاضلانہ تحقیق و تلاش اصابت راے اور وسعت خیال کی ایک عمدہ مثال باقی رہ جاتی،

جب میں نے ان سے کہا کہ اسلامی تاریخ سے مجھے خاص شغف ہے، تو فوراً ایک جذب بھری آواز میں بول اُٹھے، کہ پھر تو تمھیں یہاں ہماری یونیورسٹی میں ہونا چاہئے تھا، اُس سے اُن کی یہ مراد تھی، ہم یہاں اسلامی تاریخ کے مطالعہ پر خاص زور دیتے ہیں، اور تمھیں یہاں ہماری نگرانی میں اپنا حوصلہ

نکالنے اور شوق پورا کرنے کا کافی موقعہ ملتا، ان کا کہنا درست تھا، اور میں اپنی محرومی پر افسوس کرکے رہگیا، اسکے بعد اونھون نے مجھے اپنے تمام لیکچرون میں حاضر رہنے کی بخوشی اجازت دی، اور میں چند ہفتون تک اون سے مستفید ہوتا رہا،

ان دنون وہ علاوہ دیگر مضامین کے خلفاے راشدین کے عہد کی سیاسی تاریخ پر بھی لیکچر دے رہے تھے، یہ سلسلہ ان کا اچھا خاصہ ہر دلعزیز تھا چنانچہ ایک سو سے زیادہ مختلف درجون کے طالب علم شریک درس رہتے ہیں، میں نے دیکھا کہ صدر اسلام سے بحث کرتے وقت وہ اکثر مشہور اطالی مستشرق پرنس کائتانی کا حوالہ دیتے تھے، اور حق بھی یون ہے کہ اسلام کے دور اول کے متعلق جس جامعیت، تفصیل اور دقت نظر کے ساتھ کائتانی لکھ چکا ہے، اس پر تا حال مزید اضافہ کی بہت کم گنجائش ہے، لندن یونیورسٹی میں بھی پروفیسر گب اکثر اسی پر استناد کرتے ہیں،

علاوہ ازین ایک خاص جماعت کو پروفیسر بیکر ان دنون قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج کا درس دے رہے تھے، طریقۂ تعلیم یہ تھا کہ ایک طالب علم کتاب پڑھتا جاتا، اور ساتھ ساتھ ترجمہ کرتا جاتا، استاد جہان مناسب سمجھتا، اصلاح کرتا، مشکل مقامات پر زیادہ وقت صرف کرتا، جہان کوئی مبہم عبارت آتی، تو دیگر عربی تواریخ کے متون کی طرف رجوع کرکے اس کے صاف کرنے کی کوشش کرتا، پھر کتاب کے نفس مضمون یعنی روایات کے محل استعمال و استدلال سے بحث کرتا،

"Semitische Abteilung" میں مجھے اُن کی "Seminar Klasse" میں حاضر رہنے اور درجۂ اعلیٰ کے طالب علموں کیساتھ اُن کے طریق تعلیم کے دیکھنے کا بھی موقعہ ملا، اس درجہ میں ابھی کام کی ابتدا تھی، سب سے پہلے ایک دن طلبہ کے درمیان مضامین کی تقسیم ہوئی، مختلف طلبہ نے مختلف مضامین اپنے لئے اختیار کئے، تقریبًا سب مضامین پروفیسر بیکر نے خود تجویز کئے تھے، جب تمام مضامین کی تقسیم ہو چکی تو ایک مضمون "الاسلام فی الحبشہ" کا رہ گیا، مضمون کی دقت اور مواد کی کمی کے باعث کسی کو

اُسے اختیار کرنے کی جرأت نہ ہوئی، اور بالآخر پروفیسر موصوف نے کہا کہ اچھا یہ مضمون مین خود لیتا ہون آگے شوقِ کار کی داد دینی چاہیئے اکہ اپنے طلبہ کو کام تقسیم کرتے ہوئے، باوجود اپنی دیگر گوناگون مصروفیتوں کے ایک مضمون خود بھی اپنے ذمہ لیلیا،

پھر ایّام مابعد میں انہی طالب علمون کے ساتھ فرداً فرداً ان کے مضامین کے متعلق گفتگو کرتے رہے، اور طریقِ کار، تلاشِ مواد اور اوس کے استعمال کے متعلق ہدایات اور اس سے متعلقہ کتابوں کا حوالہ دیتے رہے ایک دن ایک طالب علم کو آپ نے ایک انگریزی کتاب کا پتہ بتایا، اوس نے دبی زبان مین انگریزی زبان سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا آپ نے بڑے تعجب سے کہا کہ علومِ مشرقی کے درس و مطالعہ کا دعویٰ اور انگریزی سے ناآشنائی، اس کے کیا معنی!؟ تم لوگوں کو فرانسیسی اور انگریزی ضرور جاننی چاہیئے ان زبانون میں مشرقیات پر وسیع لٹریچر موجود ہے، اور اس سے اعتنا کئے بغیر تمہارا گذارا نہیں علاوہ اور جتنی زبانیں سیکھو مفید ہیں، پھر اپنی مثال دی اور کہا کہ میں نے ڈچ زبان محض پروفیسر ہرخرنیان (Hurgronje) کی تصانیف سے استفادہ کرنے کے لئے سیکھی، اور اطالوی زبان پرنس کائتانی کی یادگار تصنیف (Monumental Work) تاریخ اسلام پڑھنے کیلئے،

میں اون سے وقتاً فوقتاً مختلف مستشرقین یا اون کی مشہور اور معرکۃ الآرا، تصانیف کے متعلق اُنکی ذاتی رائے دریافت کرتا رہتا تھا، چنانچہ ایک دن (Lammens) کے متعلق کہا کہ وہ متعصب (Prejudiced) ہے اور کائتانی بعض معاملات میں رائے قائم کرنے میں حد سے زیادہ آزاد رو (Radical) ہے،

پروفیسر بیکر کی زبان بہت صاف اور اون کا طرزِ ادا بہت دلنشیں تھا جس سے سننے والے کے دل میں اون کا ایک ایک کلمہ اور ایک ایک حرف جاگزین ہوجاتا تھا، اس ضمن میں ایک دفعہ وہ اپنا

ایک قصّہ سُناتے تھے، کہ جب میں ہائڈل برگ میں پروفیسر تھا، تو میں نے دیکھا کہ میرے لیکچروں میں علاوہ دیگر طلبہ کے چار پانچ جاپانی طالب علم بھی شریک رہتے ہیں، میں نے اُن سے ایک دن کہا کہ معلوم ہوتا ہے آپ لوگوں کو اسلامیات سے خاص دلچسپی ہے، اونھوں نے جواب دیا، کہ جی نہیں ہمیں آپ کے محبوب موضوع اسلامیات سے دور کا بھی واسطہ نہیں، ہم نو وارد ہیں، اور سائنس کی تحصیل سے پہلے جرمن زبان سیکھنا چاہتے ہیں، آپ کا تلفظ اتنا صاف ہے، کہ آپ کے لیکچروں سے ہمیں آپ کی زبان سیکھنے میں بڑی مدد ملتی ہے!!

زمانہ حال کے علم التعلیم کا جدید ترین اور مفید ترین نظریہ یہ ہے کہ استاد طالب علم کے دل و دماغ میں اپنی آرا، اور اپنے خیالات تحکم کے ساتھ ٹھونسنے کے بجائے اس کے ذہن کی اس طرح تربیت کرے، کہ اس کے اپنے قوائے غور و فکر کی نشوونما ہو، اور وہ سیکھی سکھائی اور سُنی سنائی باتوں کو دُہرانے کی بجائے انسانی ذخیرۂ معلومات اور مجموعۂ افکار میں اپنی استعداد کے مطابق اپنی طرف سے بھی جدید اضافہ کر سکے، تاریخ شاہد ہے، کہ قریب قریب ہر نسل نے انسانی تمدن کی تعمیر اور دنیائے عقل و فکر کی تشکیل میں کم وبیش حصہ لیا ہے، لہذا آیندہ نسلوں کی تعلیم اس طور پر ہونی چاہئے، جس سے ان کی جدت آفرینی کی قوت ضائع نہ ہو، بلکہ اُن کی پوشیدہ قوتوں کے بروئے کار آنے میں سہولت پیدا ہو، میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر ہاکر اور دیگر روشن خیال اساتذہ اسی اصول پر چلنے کی کوشش کرتے، جب کوئی مسئلہ غور طلب پیش آتا، تو اپنی رائے کے اظہار کیساتھ شاگردوں سے بھی پوچھتے کہ تمھارا کیا خیال ہے، اور اس طرح اون کو واقعات سے ازخود نتائج نکالنے یا دلیل و حجت لانے کی ہمت دلاتے، جب کسی شاگرد سے کوئی معقول بات سُنتے تو کہتے کہ ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے، یہ بات بھی قرین قیاس ہے، (Ja das ist auch wahrscheinlich-) غرض کہ زمانہ حال کے روشن دماغ اساتذہ کا یہ طریقہ ہے، کہ اپنے ذاتی خیالات اور قیاسات کی تلقین کی بہ نسبت وہ صحیح اصول تحقیق کی تعلیم پر زیادہ زور دیتے ہیں، جن کے استعمال سے طلبہ ازخود صحیح نتائج پر پہنچ جائیں، غالبًا اسی سبب سے پروفیسر نولڈکے کسی خاص اسکول (مذہب) قائم کرنے کے مخالف تھے، کیونکہ اس کا یہ نتیجہ

ہوتا ہو کہ ایک خاص جماعت ایک خاص مجموعۂ خیالات کی اس طور پر پابند ہوجاتی ہو کہ اکثر اوقات نئے نئے اور صیح تر حقائق کے منکشف ہونے میں بڑی رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے،

میں نے یہ بھی دیکھا کہ مغربی یونیورسٹیوں میں اساتذہ ایک دوسرے کے لیکچروں میں بلا تکلف شریک ہوتے ہیں، انہی دنوں میں برلن ہی میں پروفیسر شیڈر (Schaeder) نے ایرانیات پر نئے لیکچروں کا سلسلہ شروع کیا جس سے پروفیسر بکر نے مجھے آگاہ کیا تھا، اور اس میں شریک ہونے کو کہا تھا، پہلا لیکچر تمہیدی تھا جس میں فاضل مقرر نے ایرانیات کی موجودہ حالت پر ایک عام نظر ڈالی، اور پروفیسر نولڈکے کی خدمات کا جنکا کچھ ہی مدت پہلے انتقال ہوا تھا، خاص طور پر ذکر کیا، میں نے قدرے استعجاب سے دیکھا کہ اس لیکچر میں ڈاکٹر بکر اور کئی ایک دیگر اساتذہ بھی شریک تھے، اسی طرح پروفیسر بکر کے لیکچروں میں بعض اوقات دیگر استاذ شامل ہوتے، ان لوگوں کا یہ طرز عمل اس لحاظ سے قابل ستایش ہے، کہ یہ لوگ تحصیل علم میں تنگ خیالی، جھوٹے عار، اور غلط خود پسندی کو دخل نہیں دیتے، وہ اس سے خوب واقف ہیں، کہ علم کی کوئی انتہا نہیں، خواہ کوئی شخص اپنے شعبۂ خاص میں کتنا بڑا عالم و فاضل کیوں نہ ہو، اسکی حد سے باہر وہ محض ایک طفل مکتب ہے، اور اس لئے دوسروں سے استفادہ کرنے میں اس کی فضیلت میں کوئی بٹا نہیں لگ سکتا،

پروفیسر بکر کی علمی کارگذاری

پروفیسر بکر کی علمی خدمات کے تذکرے میں جو بات سب سے پہلے قابل ذکر ہے وہ رسالہ "در اسلام" (Der Islam) کا اجراء ہے، جس زمانہ میں وہ ہامبرگ میں پروفیسر تھے، انھوں نے یہ مجلہ خاص اسلامی تہذیب و تمدن کے مطالعہ کیلئے جاری کیا، یہ پہلا علمی رسالہ تھا، جو جرمنی میں خاص اسلامی مضامین کے لیے سنہ ۱۹۱۰ء میں جاری ہوا، اس سے پیشتر یورپ میں صرف "Revue de monde musulmane" ہی ایک فرانسیسی رسالہ تھا، جو اسلامی ممالک سے متعلقہ مباحث کیلئے وقف تھا، پروفیسر بکر کی وفات

تک "Der Islam" کی پچیس جلدیں شائع ہو چکی ہیں، اور ان پچیس جلدون میں بیسیون مستند اور قیمتی مضامین مختلف محققین کے قلم سے جمع ہو چکے ہیں،

پروفیسر بیکر نے کوئی مستقل اور ضخیم تصانیف اپنی یادگار نہیں چھوڑی، مگر اپنے وقت میں وہ اسلامی تہذیب تمدن سے متعلق ہر قسم کے مسائل کی بحث و تحقیق میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، اور معاصرین کے درمیان اون کی رائے کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، تاریخ اسلام کے مختلف پہلوؤن پر نیز اسلام کے مسائل حاضرہ پر اُن کے بے شمار مضامین اور چھوٹی بڑی تحریریں بہت سے علمی رسالون اور دیگر مجموعون میں بکھری پڑی ہیں، ان میں سے اکثر مقالات انھون نے اپنی زندگی ہی میں "Islamstudien" کے عنوان سے کتابی صورت میں جمع کر دیئے تھے، اس مجموعہ کی پہلی جلد سنہ ۱۹۲۴ء میں اور دوسری جلد اون کی وفات سے کچھ عرصہ پیشتر شائع ہوئی تھی، جن مختلف النوع مضامین اور مسائل کو انھون نے اپنی تحقیق و تلاش سے مجلا اور روشن کیا، ان کے اجمالی ذکر کے لئے بھی ایک طویل مقالہ کی ضرورت ہے، یہان میں صرف اون کی چند ایک ایسی تحریرون کا حوالہ دینے پر اکتفا کرتا ہون، جو انگریزی زبان میں بھی موجود ہیں، تاکہ ناظرین میں سے جو شائقین جرمن نہیں جانتے، اون کی طرف رجوع کرکے پروفیسر موصوف کے خیالات اور تحقیقات سے استفادہ کر سکین،

آپ نے ایک طویل مقالہ عیسائیت اور اسلام کے باہمی مذہبی اور سیاسی تعلقات پر لکھا تھا، اس کا "Christianity and Islam" کے عنوان سے انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے، اور "Harper Bros" نے لندن سے ۱۹۰۹ء میں کتابی صورت میں شائع کیا تھا، یہ مقالہ بہت پر مغز ہے، شائقین اوس کی طرف رجوع کرین،

علاوہ ازین انھون نے "Camb Mediaeval History" کی دوسری جلد میں مشرق و مغرب کی اسلامی فتوحات پر دو باب لکھے تھے، اگرچہ مضمون کی وسعت کے مقابلہ مین

ب مختصر ہیں، مگر صحیح ترین تحقیقات کا نچوڑ ہیں، اور اس لحاظ سے بہت مستند اور قابلِ قدر ہیں،

اسکے علاوہ اونھون نے کئی ایک آرٹیکل خصوصاً مصر کی تاریخ کے متعلق انسائیکلوپیڈیا اوف اسلام بھی لکھے تھے، ناظرین ان کو انسائیکلوپیڈیا مذکورہ کے انگریزی اڈیشن میں ملاحظہ کر سکتے ہین مصر (Egypt) کا آرٹیکل خاصہ طویل اور جامع ہے،

مولہ بالا مضامین کے علاوہ ناظرین کو خدا بخش صاحب مرحوم کی کتاب ترجمہ Contributions کی دوسری جلد مطبوعہ کلکتہ یونیورسٹی پریس ۱۹۳۰ء کے آغاز میں پروفیسر بیکر کے دو مضامین کا انگریزی ملے گا،

سب سے اخیر میں ان کی آخری کتاب کا حوالہ دینا چاہتا ہون، جو انھون نے حسنِ اتفاق سے یزی میں لکھی تھی، اور اون کی وفات کے بعد پچھلے سال شائع ہوئی ہے، اس اجمال کی تفصیل یون ہے، ۱۹۳۱ء میں لیگ اوف نیشنز نے حکومت چین کی درخواست پر وہاں کے تعلیمی مسائل پر غور کرنے اور اصلاحات تجویز کرنے کیلئے چار ماہرین تعلیم کی ایک جماعت روانہ کی تھی، ان میں ڈاکٹر بیکر بھی تھے، یورپ آکر انھون نے دیگر شرکار کے ساتھ اپنے مشاہدات، اور فراہم کردہ معلومات کی بنا پر ایک رپورٹ کی تھی، اس کے علاوہ، ڈاکٹر موصوف نے لندن یونیورسٹی کی انسٹی ٹیوٹ اوف ایجوکیشن کی دعوت پر اکتوبر ۱۹۳۲ء میں لندن میں ایشیائی ممالک (یعنی چین اور مشرق قریب) کے تعلیمی مسائل پر تین لیکچر دیے تھے جو آکسفرڈ یونیورسٹی پریس میں چھپ کر ایک رسالہ کی صورت میں شائع ہو چکے ہین، یہ رسالہ جس کا پورا عنوان میں درج ہے* پروفیسر موصوف کے ایک عمدہ اور صاف فوٹوگراف سے بھی مزین ہے، ان خطبوں دینے کے چند ہی ماہ بعد ان کا انتقال ہوگیا، لہذا ایک لحاظ سے ان خطبوں کو انکی آخری وصیت کی حیثیت حاصل ہے

* Educational Problems in the Far East and the Near East by C. H. Becker 2/- Oxford Press, 19

چونکہ ان خطبون میں اونھون نے اپنی دیگر تصانیف کی طرح بالغ النظری اور وسعت خیال کا ثبوت دیا ہے، اس لئے بیجا نہ ہوگا، اگر ہم یہان ناظرین کی تشویق کیلئے انکے بعض مضامین کا اختصار کیساتھ ذکر کرون،

پہلا خطبہ عام ملاحظات پر مشتمل ہے، جس میں مشرق و مغرب کے طریقہ ہائے تعلیم اور مقاصد تعلیم کا مقابلہ کیا گیا ہے، دیگر باتون کے علاوہ مصنف علام نے اس نکتہ کو بیان کیا ہے، کہ مختلف قومون اور ملکون کا تاریخی ارتقاء ان کے اخلاقی اور مذہبی خصوصیات اور اون کی عام ذہنیت مختلف ہے، اسلئے ایک ایسا نظام تعلیم جو اپنے طرز اور مقصد میں بالکل یکسان ہو، مختلف الحال اقوام کے لئے غیر مناسب ہے، اس لئے پروفیسر موصوف اس بات کو پسند نہیں کرتے، کہ مشرقی ممالک اغیار کے طریقون اور خیالات کو اپنے آپ پر اس طور پر مسلط کرلین، کہ اپنی اصلیت اور حقیقت کو کھو بیٹھیں، چنانچہ وہ صفحہ ۱۴ پر لکھتے ہیں، کہ "تعلیمی معاملات میں مشرق کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ نہیں کہ وہ ہمارے خیالات کے بارے میں ایک مخالفانہ انداز اختیار کرے، بلکہ خطرہ اس کے برعکس ہے، یورپ اور امریکہ کے موجودہ سیاسی اور اقتصادی تفوق کے باعث اہل مشرق مغربی اقتصادی طریقوں کے ساتھ ساتھ ایسے خیالات و افکار اور اخلاق و عادات اختیار کررہے ہیں جن کی نشو و نما ایک بالکل مختلف سرزمین میں ہوئی ہے، اس کا یہ نتیجہ ہو رہا ہے، کہ خود اہل مشرق کی نظرون میں اپنی تہذیب و تمدن کی قدر و قیمت گر رہی ہے، اس میں مشرق کے دل و دماغ کے لئے بڑا خطرہ ہے، کیونکہ اس سے ان کے قومی مزاج و خصلت میں انحراف پیدا ہو سکتا ہے، اس قسم کا نتیجہ نہایت درجہ افسوسناک ہوگا، کیونکہ اس سے دنیا کی قوت تخلیق کو بحیثیت مجموعی ضعف پہنچے گا، ہم لوگ جن کو مشرق کے ساتھ دلی وابستگی ہے، اور اوس کی تہذیب و تمدن کی قدر کرتے ہیں، اس بات پر زور دینا چاہتے ہیں، کہ مشرق کبھی مغرب کی ہمسری نہیں کرسکے گا، جب تک وہ ہماری نقل اوتارنا نہیں چھوڑے گا، مطلوبہ ہمسری صرف اپنی اصلی شخصیت کو قائم رکھنے سے حاصل ہو سکتی ہے، خواہ اس سے دنیا میں بوقلمونی اور تنوع پیدا ہو، نہ کہ ہمرنگی پیدا کرنے والی نقالی سے" بنی نوع انسان کی تعلیمی جد و جہد کا یہ مقصد نہیں ہونا چاہئے، کہ ایک ہمرنگ اور یکسان تمدن پیدا

کرے، بلکہ ایک ایسی تہذیب پیدا کرے جسمیں مختلف تمدنون کی خوبیان جمع ہون، اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہر ملک و قوم کو اپنے نظام تعلیم میں اپنی قوم اور روایتی خصوصیات کو قائم رکھنا چاہئے۔

دوسرے خطبہ میں انھون نے خاص چین کی تعلیمی مشکلات اور تیسرے (آخری) خطبہ میں دنیائے اسلام خصوصًا ترکی کے تعلیمی مسائل سے بحث کی ہے، مصنف کی راے میں اس وقت مشرق میں سب سے اہم تعلیمی مسئلہ یہ درپیش ہے، کہ اُسے مغرب کے متعلق کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے، اس بارہ میں خود ان کی راے یہ ہے، کہ مشرق یورپ کے دباؤ سے ہرگز نئی زندگی حاصل نہیں کر سکتا، اور نہ ہی اس غلط قومیت کے جذبہ سے جو اپنے ماضی کو بنظر حقارت دیکھتا ہے، اور خیال کرتا ہے، کہ تہذیب ایک ایسی شے ہے، جو دیگر اشیائے درآمد کے ساتھ دساور سے حاصل ہو سکتی ہے، ایشیائی ممالک کے سچے دوستون کو چاہئے کہ وہ اہل مشرق کو مشورہ دین کہ وہ یورپین بننے کی کوشش نہ کرین، بلکہ مشرقی ہی رہیں، اور وہ یورپین تہذیب کو صرف اسی حد تک اختیار کرین، جس حد تک ہم نے یونان اور روم کے تمدن کو اختیار کیا تھا، یعنی صرف اسی حد تک اختیار کرین جس سے ان کو اپنی حقیقت سے آگاہ ہونے اور اپنی ذات کی سچی معرفت حاصل کرنے مین مدد ملے، اگر مشرق نے کوئی اور راستہ اختیار کیا تو وہ اپنی اصلیت کو کھو کر ہلاک ہو جائیگا (ص۱۳۳)

جہان تک مجھے معلوم ہے تاحال پروفیسر موصوف کا صرف ایک مقالہ اردو مین منتقل ہوا ہے جسے ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب نے جامعہ مین شائع کیا تھا، جہان تک میرا اندازہ ہے بعض حلقون میں اس کا استقبال اچھا نہیں ہوا، کیونکہ مصنف نے اسلام کی دنیاوی ترقی میں اقتصادی عناصر پر جو خاص زور دیا ہے، اس سے بعض لوگون نے یہ سمجھا ہو کہ وہ روحانی موثرات کے منکر ہیں،

بہرحال موصوف کی ذات جرمنی میں اسلامیات کے مطالعہ کیلئے از بس مفید تھی، اور انکا وسیع اثر و رسوخ اس فن سے دلچسپی رکھنے والے افراد کیلئے پشتیبان تھا، انکے انتقال سے (فروری ۱۹۳۳ء) ایک ایسا وسیع النظر اور وسیع القلب عالم صفحۂ ہستی سے اٹھ گیا ہے، جسکا بدل ہمیں جرمنی جیسے مردم خیز ملک میں بھی نظر نہیں آتا،

قصائدِ مظہرؔ

از جناب صدر یار جنگ بہادر مولٰنا حبیب الرحمٰن خانصاحب شروانی

معلوم ہوتا ہے کہ خود ظہور و خفا بھی کسی مخفی قانون کے تابع ہے، حضرت شیخ دہلوی نے تذکرۃ المصنفین میں دیوان مظہرؔ کو کمیاب بلکہ نایاب لکھا ہے، (اورینٹل کالج میگزین۔ مئی ۱۹۳۵ء) یہ آج سے تین سو برس پہلے کا واقعہ ہے، صدیوں تک گوشۂ گمنامی میں آسودہ رہ کر مظہرؔ کا کلام اب ظہور پذیر ہوتا ہے، اور اس وقت کے ساتھ کہ اسی صوبے کے دو شہروں میں بہ یک وقت اس کے ظہور کا سامان ہوا،

لکھنؤ میں پروفیسر وحید مرزا صاحب نے حکیم آشفتہ صاحب کے نسخے پر تبصرہ کرکے حقِ تحقیق ادا کیا، اسی زمانہ میں مولوی ابوبکر شیث صاحب ناظم دینیات نے مسلم یونیورسٹی میں ازراہ معارف پروری ان قلمی نسخوں کی فہرست نویسی شروع کی جو ہنوز تشنۂ توجہ تھے، اسی سلسلے میں ایک قصائد فارسی کا نسخہ سامنے آیا جس کے مولف کا نام پردۂ خفا میں تھا، لوح نام سے خالی تھی، اندرونِ کتاب بھی تفتیش کی حاجت تھی، براہِ کرم ناظم صاحب نے مجھ پر اعتماد کرکے نسخہ تحقیقِ مولف کے لئے عنایت کیا، کسی قدر کاوش کے بعد مظہرؔ تخلص ملا (مصرع "مظہر بندہ کمتر کہ میراث پدر دارد") قصیدہ ۵۱ - دو جگہ اور یہ تخلص نظر سے گذرا، ترکیب بند ہے،

مظہرؔ در ثنا خوانی چو در افشانست در پایت ۔۔۔ کنونت از سرِ اخلاص دست اندر دعا کردہ

قصیدہ نمبر ۴۴،

از زبانِ مظہرِ مسکیں ۔۔۔ شاہ را ایں دعا مبارک باد،

ایک جگہ کاتب نے تخلص صاف مظفر لکھدیا ہے (دیکھو قصیدہ ۴۴) ظاہر ہے کہ یہ قلم کی لغزش ہے،

شوق مزید تفتیش کا متقاضی ہوا، اپنے بیان کے محدود وسائل سے کام لینا شروع کیا، یہ کاہش جاری تھی کہ ماہ مئی ۱۹۳۵ء کا اورینٹل کالج میگزین پہنچا، اس میں پروفیسر وحید مرزا صاحب کا مضمون مع فاضل مدیر کے ضمیمے کے دیدہ افروز و سبق آموز ہوا، جو کچھ میں مزید مواد جمع کر سکا پیش کرتا ہوں، اس موقع پر مشہور مصرع بدلنا ہوگا، ع نقاشِ نقش اوّل بہتر کشید از من،

قصائد مظہر کا نسخہ | تقطیع اوسط۔ ۹×۶۔ شعر فی صفحہ ۱۷۔ صفحات ۳۲۸۔ اشعار کم و بیش ۵۳۷۶، اول و آخر ناقص، خط جلی، خطاطی کی شان لئے ہوئے، دوسرا صفحہ پورا مطلّا و مذہب، باقی پر جدول، طلائی لاجوردی، کاغذ سمرقندی، اول سے ایک صفحہ نہیں، آخر سے معلوم نہیں کس قدر ناقص ہے، ظاہر ہے کہ اس حالت میں سنہ تحریر کس طرح نظر افروز ہوتا، نسخہ کی مجموعی حالت پر نظر کرکے یہ کہنا بالکل نادرست نہ ہوگا کہ یہ نسخہ نویں صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے، صحت کے اعتبار سے عام سطح سے بلند ہے، اشعار پورے ہیں، کہیں کہیں بیاض ہے، نسخے پر نظرِ ثانی اہتمام سے ہوئی ہے جس کی وجہ سے بہت سے اشعار کا اضافہ ہوا ہے، مثلاً قصیدہ ۲۴ کے صرف سات شعر متن میں تھے، حاشیہ پر نظرِ ثانی میں ۱۷ شعر کا اضافہ ہوا ہے، اضافہ شدہ اشعار کا خط دو قلمہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار سے زیادہ نظرِ ثانی ہوئی ہے، بعض جگہ تصحیح بھی ہے، کلام ردیف وار مرتب ہے، نسخہ محفوظ ہے، کرم خوردہ یا آب رسیدہ نہیں،

اوّل قصائد ہیں، جن کی تعداد ساٹھ[۶۰] ہے، لکھنوی نسخے میں اڑتیس[۳۸] ہیں، پہلا قصیدہ وہی ہے جو لکھنوی نسخے میں اوّل ہے، قصائد کے بعد ترکیب بند ہیں جن کی تعداد اکیس[۲۱] ہے، ترکیب بندوں کے درمیان میں متعدد مسمطات ہیں، غالباً یہ صحاف کی بے احتیاطی سے مخلوط ہوئے ہیں، اکیسویں[۲۱] ترکیب بند کے ختم ہونے سے پہلے ناتمام نسخہ تمام ہو جاتا ہے،

ایک عجیب واقعہ ہے، ایک جگہ سے زیادہ ایسا ہوا ہے کہ دو ورق باہم ملا کر اکہرا کر دیئے ہیں، دبازت اس کی شہادت ہے، روشنی میں دیکھنے سے اندر کی تحریر کی جھلک بھی محسوس ہوتی ہے، اس سے سلسلۂ کلام بھی

درہم برہم ہو جاتا ہے، مثلاً۔ قصیدہ ۲۰ کے آخر صفحۂ وصل پر یہ شعر ہے،

بر رخ شاہد گلرنگ شرابے گلگون　　می کشید ند ز ساقی سمن بر بسر در

ورق الٹنے پر یہ شعر سر صفحہ ہے،

ندامت آرد اگر باوجود حکمت و شرع　　زمام نفس بدست ہلاک بسپاریم

معلوم نہیں کہ یہ ورق کس مصلحت سے چسپاں کر دیئے گئے،

حالاتِ مظہر | حالات جس قدر پروفیسر وحید مرزا صاحب اور فاضل مدیر نے دیدہ ریزی کے بعد فراہم کر دیئے ہیں ان پر اضافہ دشوار ہے، تاہم جو حالات اور معلوم ہو سکے درج ذیل ہیں،

افسوس ہے کہ جہاں تک میں دیکھ سکا سراج عفیف اور ضیاء برنی دونوں نے اپنی تاریخ میں مظہر کا ذکر نہیں کیا، دو مزید تذکروں میں ذکر ملا، ایک ریاض الشعراء داغستانی میں، دوسرے مجمع الفصحا ہدایت میں، دونوں میں مظہر کے تحت حال لکھا ہے، چونکہ کلام مظہر کا انتخاب کیا ہے، اسلئے بے تامل کہہ سکتے ہیں کہ تصحیف ہی خود تذکرہ نگاروں کی، ریاض الشعراء میں ہے،

"مولنا مظہر از ایران آمدہ در گجرات توطن نمود، طبع در نہایت قدرت و روانی داشتہ"

مجمع الفصحا میں دو جگہ ذکر ہے، اوّل

"مظہر گجراتی، از سخن گویان شیریں زبان و فاضلان نیکو بیان ست و اصلش از ایران ست، ہشت ہزار بیت صاحب دیوان است،

دوم۔ مظہر ہندی۔ "قاضی آگرہ ست و مردے آگہ، مداحِ فیروز شہ بود، و مدح عین الملک نیز نمودہ بعضے او را مظہر مذکور خوانند و بعضے جدا دانند علی ای حال بنام اُو می باشد"

انتخاب کلام میں دونوں جگہ مظہر کا کلام نقل کیا ہے، لہذا مظہر گجراتی و مظہر ہندی دونوں ایک ہیں،

میرے یہاں کے نسخہ "تذکرۂ مجمع الغرائب" میں فہرست میں مظہر ہے، اصل کتاب میں مظہر۔ میرے

ید صمدانی لکھتے ہیں، کہ تذکرۂ ید بیضا میں میر غلام علی آزاد نے مظہر کو کڑہ کا باشندہ لکھا ہے، نیز یہ کہ فیروز شاہ ن قرب حاصل تھا، (ید بیضا میرے سامنے نہیں[1]) تعجب ہو کہ اس حالت میں میر آزاد کا تذکرۂ خزانۂ عامرہ ، ذکر سے کیوں فیض یاب نہ ہوا تذکرۂ مذکور کا موضوع فیض یافتہ شعرا کا ذکر ہے، مظہر فیوض سے مالامال تھا

حضرت شیخ دہلوی نے اخبار الاخیار میں مظہر کو حضرت چراغ دہلوی کا مرید خاص لکھا ہے، منقبتِ شیخ کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے، نیز ایک مرثیہ شیخ کی وفات پر،

حضرت شیخ نے کلام مظہر کو کمیاب بلکہ نایاب لکھا ہے، ظاہر ہے کہ دیوانِ مظہر پیش نظر نہ ہوگا، دوسری کلام بالا نقل کیا ہو، اس وقت جو دو[2] نسخے قصائد کے ظہور پذیر ہوئے ہیں لکھنؤ اور مسلم یونیورسٹی میں دونوں ے اور مرثیہ سے خالی ہیں، مسلم یونیورسٹی کے نسخے میں ایک قصیدہ بطور منظوم ...... خواجگانِ چشت ہے، اسمیں حضرتِ سرور عالم سے لیکر حضرت نظام المشائخ تک شجرہ کی ترتیب کے ساتھ نام لکھے ہیں، اگر مظہر کو اجہ نصیر الدین دہلوی سے بیعت تھی تو سلطان المشائخ کے بعد ان کا نام نامی آتا، مگر ایسا نہیں ہے بلکہ ے نام کا اشارہ ہے، ملاحظہ ہو،

نظام دل و دیں کہ اخلاقِ احمد در و تعبیہ شد چو در شیر شکر
دگر کشتۂ عشق رکن حقیقت کہ چوں خواجہ منصور در باد قر

بظاہر رکن حقیقت کا اشارہ رکن الدین کی طرف ہے، اب اشکال یہ ہوتا ہے کہ دسیر الاولیا خزینۃ اور اخبار الاخیار کی شہادت کے بموجب) حضرت سلطان جی یا حضرت چراغ دہلوی کے خلفاء میں کوئی

رف :- ید بیضا کی وہ عبارت حسب ذیل ہے:-

قاضی مظہر از اہالی شہر کڑہ است، عالم و فاضل و شاعر کامل بوذ و در سلک مریدانِ خاص شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی اشتہ و در خدمت سلطان فیروز شاہ باعلی مراتب قربت و منزلت محترم زیستہ، ناظم تبریزی گوید کہ شاعر شیریں بیانے با نمکین بیانے ودہ اشعار او بخط قدیم در گجرات بدست مولنا محمد صوفی ماژندانی بود، وے او را بسلک ترتیب ترقیم کشیدہ منتشر ساخت

زع ---

رکن الدین نہیں، بلکہ دوسرے سلسلوں میں بھی، صرف ایک رکن الدین کا ذکر ان کتابوں میں آتا ہے، اور وہ حضرت رکن الدین ملتانی ہیں، وہ سلسلۂ سہروردی کے شیخ ہیں نہ کہ چشتیہ کے، پھر ان کا نام یہاں کیوں آیا، اگر مظہر کو ان سے بیعت تھی تو سلسلۂ چشتیہ کے شجرے میں ان کا نام کیوں آیا، ایک احتمال یہ ہوتا ہے کہ ان دونوں شعروں کے درمیان میں کوئی شعر چھوٹ گیا ہو جس میں حضرت چراغ دہلوی کا نام ہو، یہ احتمال یوں قائم نہیں رہتا کہ خواجہ بختیار کاکیؒ کے ذکر کے بعد حضرت گنج شکر کے نام کا شعر کاتب سے چھوٹ گیا تھا، مقابلے میں حاشیہ پر اس کا اضافہ کر دیا گیا، اگر یہاں بھی شعر چھوٹ گیا ہوتا تو مقابلے کے وقت وہ بھی بڑھا دیا جاتا، بہرحال یہ ایک اشکال حالتِ موجودہ میں ہے جس کو شروانی کی نادانی حل نہ کر سکی،

علاوہ تذکروں کے خود کلام مظہر کے مطالعے سے حسب ذیل حالات معلوم ہوتے ہیں:۔

مظہر کا باپ بھی شاعر تھا، ہندوستان میں تھا اور شاہی خدمت میں، چنانچہ قصیدہ نمبر ۵ میں ہے (واضح ہو کہ نمبر اصل کتاب میں خود میں نے قائم کئے ہیں)

مظہر بندۂ کمتر کہ میراثِ پدر دارد ... دریں درگہ دعاگوئی دریں حضرت ثناخوانی

مظہر کے قبضہ میں شاہی جاگیر تھی جہاں پانی کے اندر ایک بلند ٹیلے پر مکان تعمیر کیا تھا، ؎

زجودِ شاہ دہے داشتم برائے معاش ... کہ در دعائش نشستم بکنج تنہائی

میانِ آب یکے خانہ بنا کردم ... برشتہ از بلندی چو چرخِ مینائی

چو در عمارتِ آں خانہ وزرلعت دیہ ... برفت انچہ کہ بُد نقد جنسِ دنیائی

خاندان اور خدم وحشم کی تعداد کثیر تھی،

ترا خویش و فرزند و خیل و تبار ... فزون از ہزار اند گر بشمری (قصیدہ ۵۰)

قصیدۂ نمبر ۳۳ میں ایک اور گانوں کا ذکر ہے معلوم نہیں یہی تھا یا دوسرا ؎

آں قدر مرحمت و تربیت ارزانی داشت ... کہ یکے را تواں کرد بعمرے مامور

خانۂ دیہ دگر زانچہ بباید اسباب ہمہ فرمود براں لطف و بشاشت موفور مذکور

خاتمہ میں کہتا ہے، ؎

استمالت کنم ایں دیہ پریشاں شدہ را باشد آیندہ دہد جبر یہ نقصان و کسور

قصیدہ نمبر ۲ میں اپنی جاگیر کا ذکر زیادہ تفصیل سے کیا ہے، مطلع ہے،

حبذا باغ ارم بقعۂ اسلام آباد کہ براسلام بنا کردن او میموں باد

حسن مطلع ؎

خامہ بر ذاتِ خداوند ملک عین الملک کہ بیاراست جہاں از دو نقش و نقش داد

آگے چل کر لکھتا ہے،

اندراں روز کہ من بر در او کردم عزم دیں حکایت بدلِ شاہ جہاں دادم یاد

مرحمت کرد مرا او در ینجا دیہے و اختیارم زپئے قرب ہمیں قریہ نہاد

ہمہ گفتند کہ دیہیست نکو اما خوط سخت مستاکلہ و جملہ اقارب بیداد

من چو واثق بدم از نصرت و تائید ملک التفاتے نہ نمودم بدل از اہلِ عناد

واں مقدم چو زدیوان قدر فرصت یافت شکل دیگر شد و صد تعبیہ بنیاد نہاد

وانچہ واصل بدے از دیہ نمی کرد خطا وانچہ میکرد خطا آں نیز نیارستے داد

طرفہ تر آنکہ دراں حوض کہ او شستے سر رہ نمی داد کہ سازند وضو اہلِ رشاد

چہ گلے داشت دراں حوض کہ می پرورد آں ہمچو والد کہ کند تربیت مر اولاد

چہ گلے تیرہ و دریافتہ چوں الفاظ کہ بصد حیلہ درو راہ نمی کردے باد

ہر یکے شاخ چو یک سلسلۂ از آہن ہر یکے خار چو یک نیشترے از پولاد

غیرتے داشت براں بیشہ زچشم مردم کہ چناں رشک نہ بردہ زعروسے داماد

پاے ببریدے اگر خار بریدے نجار — دست بشکستے اگر شاخ شکستے جلاد
آں ذبس بود کہ میکرد چنیں سو پنہاں — سر برآورد بجاے کہ ز کفر و الحاد
مسجدے را کہ برآورد فلاں کرد خراب — وان صنم خانہ کہ بشکست شہ آں کرد آباد
من چو آں خواریِ دیں دیدم و آں عزتِ کفر — طاقتم طاق شد و صبر درآمد بہ نفاد
گفتم آوخ کہ پسندید بہ نزدیکیِ شہر — در دہے ہر دو گروہے کہ بر دکم سواد
ایں چنیں کفر بود غالب و اسلام ضعیف — چوں فلک سنگ نمی بارد ازیں استبداد
خاصہ آں دہ کہ دہد شاہ بہ دانشمندے — تا کند علم در و درس و عبادت بنیاد
ہمہ شب بودم ازاں غصہ در اندوہ و قلق — بامداداں کہ سحر گشت سپیدی ز سواد
آمدم بر در دیوان و در اصحابِ ملک — کردم از فتنۂ آں کافرِ بے دیں فریاد
راستی اہلِ دواوین و امینانِ ملک — چوں نمودند دریں کار رہی را امداد
بستم آں خوط بصد سلسلہ در ہاویہ — ہمچو حد دونہ کہ بندد بستونے اوتاد
بستدم انچہ برو بود ز محصولِ خلی — بگرفتم کہ دریں دہ نبود استشہاد
ہم بریں شرط ضمانے ستدم پا بر جاے — وانگہے کردم ازاں شدت و بندش آزاد
پس بتوفیقِ خداوند و باقبالِ ملک — ہم بہ تنہا کہ نجستم ز کسے استمداد
وانچہ خیل و تبعش بود بروں کردم نیز — تا شود منقطع از قریۂ من بیخ فساد
کردم آں بیشہ ہمہ صاف ز بالا و نشیب — کردم آں بتکدہ ناچیز ز بیخ و بنیاد
مسجد آراستم و محراب و مسلا نے چند — کردم آباد کہ باشند بہ ذکر و اوراد
ملک الشرق بدولت چو درآمد در شہر — ویں حکایت بتواتر بشنید از آحاد
آفریں گفت بریں خستہ و از راہ کرم — گنجِ الفاظِ گہربار بہ تحسیں بکشاد

تاجدارانہ یکے عزم سواری فرمود — سوے آں دیہ بعد کو کبہ استعداد

سائبانے و سراپردہ برآں حوض کشید — کہ بپوشید بہ دیباے یمن سبع شداد

بزمے آراستہ کہ در چشمہ فردوس بریں — خوبتر زاں نتواں یافت مقام عباد

وندریں بزم بسے مائدہ کرد افراز — کہ فزوں آمدہ الوان نعم از اعداد

عام در داد صلاے بحواشی و خدم — چوں عجم در مہ بہ نوروز و عرب اعیاد

الغرض چونکہ ازاں نوش و نعم فارغ شد — کاتبے کرد طلب حاذق و دانے استاد

گفت تا بر سر آں حوض مقامے سازند — رائق و در صحن فزا چوں ارم ذات عماد

باغ از جانب شرقیش نگارند شرف — برگ زارے بہ جنوبیش نگارند فیاد

تا نشینند دریں جاگہ اصحاب علوم — بہ دعا گوئی سلطان جہاں خرم و شاد

قصیدۂ بالا سے حالات ذیل معلوم ہوتے ہیں:-

جاگیر اسلام آباد کے سواد میں تھی، مظہر کا شمار علماء میں بھی تھا، صاحب درس تھا، اسکی تائید قصیدہ نمبر ۳۲ کے ایک شعر سے بھی ہوتی ہے، یعنی اپنی حاضری دربار کے دو ذریعے بیان کرتا ہے،

سالہا آرزوت بود کہ در حضرت شاہ

بطفیل علما یا شعرا یابی یاد

جاگیر کے گانوں میں مدرسہ اور باغ عین الملک کے حکم سے تعمیر ہوا، قصیدہ نمبر ۲۴ میں ایک جگہ سنہ کا ذکر کرتا ہے،

ترا بہفصد و ہفتاد ہجر دست عمر

چو عمر نوح نبی باد ہفصد و پنجاہ

مختلف قصائد میں شعراے ذیل کے نام لئے ہیں،

سعدی، نزاری، کمال اصفہانی، جمال اصفہانی، بدیع الہدانی، رضی نیشاپوری، معزی، عنصری، فردوسی، انوری، خاقانی، فرید، عسجدی، عمعق، سنائی، ہمام، ظہیر،

سعدی کی شیریں کلامی اور خاقانی کی بلند پروازی مسلم ہے، چنانچہ قصیدہ نمبر ۵۳ میں ہے،

ہم الفاظ خاقانیم در بلنـــدی

ہم آواز سعدی بہ شیریں زبانی

امیر خسرو دہلوی یا حسن دہلوی کا ذکر نظر سے نہیں گذرا، لیکن وقائع نگاری کا انداز کہتا ہے کہ امیر خسرو کا کلام پیش نظر تھا،

ایک قصیدے میں ذیل کی علمی کتابوں کے نام لکھے ہیں:۔

نحو اور معانی، مقالید و فتح،

صرف و لغت، کامل اور ازہری،

اخبار و آثار، ہر دو صحاح (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تفسیر - کشاف - زمخشری،

فقہ - مبسوط

منطق - مطالع،

علم کلام - مواقف و مقاصد،

حکمت - ابہری،

وعظ و نصائح، کتاب سری،

اخلاق و تہذیب، ناصری، ع "زطب و زنا پرکجا واقدی" کیا واقدی کی طب میں بھی کوئی کتاب تھی؟

تعلیں ۔ مجموعۂ برغری،

مقاماتِ ذیل قصائد میں نظر آئے،

دہلی، فیروزآباد، ٹھٹھ، تاجنگر، اسلام آباد، نگرکوٹ، غازی پور، قصیدہ نمبر ۳۳ دیکھو،

لیک چوں مدتِ حرمانست ہنوزم باقی ۔۔۔ بود والملک الشرق سوے غازیپور

من چو آنجا زعلائق نتوانستم رفت ۔۔۔ رفع کردم ز دعا گوئی خود چند سطور

ایک جگہ عبور گنگ کا ذکر ہے، ع چناں کن کہ چوں عبرہ کردی زگنگ" گجرات کے کسی مقام

کا نام نظر سے نہیں گذرا اس سے بھی مطہر کا گجراتی ہونا مشتبہ ہو جاتا ہے،

کلام پر تبصرہ قصائد مطہر کا انکشاف اس پہلو سے بھی قابل قدر ہے کہ تیموری دور سے پہلے کے عہد کا کلام ہے، جو اب کیاب نایابی کی حد تک ہے، میرے یہاں علاوہ امیر خسرو اور خواجہ حسن دہلوی کے کلام کے عہد مذکور کے حسب ذیل شعرا کے دواوین ہیں،

عاشق دہلوی (تلمیذ امیر خسرو) خواجہ مسعود بک، جمالی، بدر چاچی، (مطلع نولکشوری) علاوہ اس تاریخی قدر و قیمت کے باعتبار خوبی کلام بھی قصائد مطہر فارسی ادب میں بیش بہا اضافہ ہے، مطہر کے کلام میں سیرابی و تازگی ہے، قوت مشاہدہ ہے، اور حقیقی شاعری، محض قافیہ پیمائی و الفاظ نوردی نہیں ہے، مطہر کے کلام کی وقعت بہت بڑھ جاتی ہے، جب ہم اس کے پیش رُو بدر چاچی کے قصائد دیکھتے ہیں، انکی استادی مسلم، لیکن کلام میں سواے اغلاق، اشکال، اور مقررہ اصطلاحوں اور مضامین کے اعادہ کے جدت و جودت جو سرور آفرین اور دلکشا ہو بہت ہی کم ہے، مطہر کے یہاں یہ جنس گرانمایہ بکثرت ہے، اور اسکی یہ خصوصیت مسلم ہے، والہ داغستانی نے لکھا ہے،

"طبع در نہایت قدرت و روانی داشتہ"

سپہر نے مجمع الفصحا میں یہ راے ظاہر کی ہے،

"از سخن گویان شیریں زبان و فاضلان نیکو بیان ست"

حضرت شیخ دہلوی اخبار الاخیار میں فرماتے ہیں:۔

"در فضیلت و بلاغت و فصاحت از منفردانِ روزگار بود"

تحفانہ میں ہے،

"جزالت کلامش بمذاقِ سخن سنجی آں سر دفتر سخن شناسان خوش افتاد۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شعرش بے تکلفانہ و سہل ممتنع است"

ان شہادتوں کے مقابلہ میں ملا عبد القادر بدایونی کی یہ رائے کیا وزن رکھتی ہے،

"چوں ملائی بر شاعری غالب است نقد شعرش چندانی در بازار فضل رواج ندارد"[1]

شاید اس رائے میں ملا صاحب کی ملائیت کا شاعری پر غلبہ رہا،

بڑی شہادت خود اس کا کلام ہے، روانیِ کلام، بلندیِ خیال، متانت و شوکتِ کلام میں اس کے قصائد مسلم الثبوت اساتذہ کے کلام سے دوش بدوش ہیں، شیریں بیانی، سحر آفرینی اور خوش بیانی میں بہت سے شہسواروں سے آگے ہے، ہم ذیل میں اس کے کلام کا تین تاجدارانِ قصیدہ کے کلام سے مقابلہ کرتے ہیں، یعنی انوری خاوری، ظہیر فاریابی و سلمان ساوجی، انوری کا کمال روز روشن کی طرح تابان ہے، ظہیر و سلمان کی بابت یہ دو قول یاد کرلو۔ دیوان ظہیر فاریابی، در کعبہ بدزد اگر بیابی، شعر سلمان وا نما یمان ہر جائی باشد، ان کا ان کو پیش نظر رکھ کر مقابلہ کرو،

انوری خاوری

دوش چوں چشمۂ خورشید سپہر دوار گشت از چشم نہاں در پسِ ایں پردۂ تار

---

[1] اورنیٹل کالج میگزین مئی ۱۹۳۵ء،

روے بنمود مہ سالِ نو از چرخ چنانک   پارۂ زریں از روے صحیفۂ زنگار
جرم او گاہ پزیرندہ از انجم آرام   سیر او گاہ نمایندہ ز ارکان آثار
گاہ از دوری خورشید ہمی شد فربہ   گہ ز نزدیکی او باز ہمی گشت نزار
پراز و بود سبک روح ز پیری کہ فلک   معنی اندر ورق روح ہمی کرد نگار
مضمر اندر سخنش ہر چہ قضا را مقدور   مدغم اندر قلمش ہر چہ قدر را اسرار
بود بر تختۂ او از ہمہ نوعے آیات   بود در دفتر او از ہمہ وزنے اشعار
باز بر طارم دیگر صنمِ سیم اندام   بکفے بربطِ سعدی بدگر جام عقار
از تبسم لبِ شیرینش ہمی شد خستہ   وز اشارت رخِ زیباش ہمی گشت نگار
سخنش از وتد و واسطۂ موسیقی   مثلش از ونزد زمزمہ و موسیقار
حضرتے بود پر از طارم او سخت رفیع   سقف او را نہ ستون بود نہ دیوار بکار
ملکے ہمچو خرد عادل و بیدار درو   نیک مستظہر و زو یافتہ خاک استظہار
گہ تہی کرد ہمی دامنِ ابر از گوہر   گاہ پُر کرد ہمی کیسۂ کان از دینار
صحن و دہلیز و سرا پردۂ او اوج و حضیض   اشہب داد ہم کرد آخر او لیل و نہار
باد را دخل نیسازد بوجہے ز دخان   آب را خرج نمیکرد بوجہے زبخار

مظہر

بامداداں کہ بیفگند ہوا پردۂ قار   شاہد صبح بیند و دبسرخی رخسار
آسماں نامۂ اعمالِ زمیں کرد سپید   شب تو گوئی کہ گنہ بود و سحر استغفار
سادہ شد چوں دلِ مومن ز ہمہ ظلمت و زنگ   روے مشرق کہ سیہ بود چو خالِ کفار
باد مشکین ز سر زلف عروسانِ بہشت   می رسانید دم نافۂ آہوے تتار

من کہ در خواب خوش از فتح گرفتم فالے
شدم از غایتِ شادیش چو دولت بیدار

منتظر بودہ ام از غیب کہ دیدم ناگہ
گشت طالع صنمے ہمچو مہے زیرِ غبار

قاصدے نزدِ من آمد ز سوے شہر دوان
چوں نسیمے کہ وزد صبحدماں از گلزار

نامۂ در کفِ او سر بعنوان رہی
کاتبِ نامہ امیرے ز امیرانِ کبار

ہر آں نامہ چو بکشادم و خواندم مضموں
دیدم از غالیہ برگل رقمے کردہ نگار

ریختہ مشکِ سیہ بر سرِ کافور سپید
راست چوں خطِ دلآویزِ بتاں گردِ عذار

لفظ چوں آبِ حیاتش ز سیاہی بمثل
چوں گہر داشتہ با نورِ سحر در شبِ تار

. . . .

شہر آراستہ دیدیم چو فردوس بریں
کو ثرے درتہ او موج زناں دربازار

مرغ و ماغ و بط و سرخاب دراں صحن کبود
فوج در فوج رواں گشتہ چو صفہاے سوار

راست چوں لشکرِ ترکان میانِ لبِ رود
ساحلِ آب گرفتہ سپہ بو تیمار

صحنِ او روح فزا ساحتِ او جاں پرور
خاکِ او مشک فشاں نکہتِ او عنبر بار

ظہیر فاریابی،

وزیرِ مشرق و مغرب نصیرِ دولت و دیں
کہ باد رایتِ عالیش تا ابد منصور

نشست در دل و جسم ملوک ہیبتِ او
چنانکہ صولتِ مے در طبیعتِ مخمور

نہ در حدیقۂ فکرش وزید بادِ غلط
نہ بر صحیفۂ عزمش نشستہ گردِ فتور

ز طول و عرضِ جہاتِ کمالِ او صدرہ
مہندسانِ فلک معترف شدہ بقصور

زہے دقائقِ لطفت خفی چو جرمِ سہا
ولیک گشتہ چو خورشید در جہاں مشہور

صریرِ کلکِ تو در کشفِ مشکلاتِ جہاں
چنانکہ نغمۂ داؤد در اداے زبور

بزیر دامنِ افلاک خلعت آں مجمر | کہ کردہ طیب افق را پُر از بخار بخور
بگرد خطۂ اسلام حفلت آں خندق | کہ شیرِ شرزہ نیا بد در و مجالِ عبور
سوے حریم خلافت ترا ہماں آتش | نمود راہ کہ اوّل کلیم را سوے طور
تو روشے علے کردۂ کہ رایتِ صبح | بزیر رایتِ او کم شود بوقتِ ظہور
ترا بحبلِ متین است اعتصام چہ باک | اگر گسستہ شود رشتۂ سنین و شہور
چراغ بختِ تو زاں شمع برفروختہ اند | کہ آفتاب بہ پروانہ خواہد از وے نور
نہالِ جاہِ تو زاں حوض یافتہ ست نما | کہ از ترشح آں حاصل آمدہ ست بحور
فراستِ تو چو افگندہ نور در عالم | نماند در تتقِ غیب ہیچ سرِ مستور
ہماے ہمت تو کرگساں گردوں را | بعجز و ضعف چو تیہو شمردہ بل عصفور

مظہر

ملک الشرقِ فلک قدر ملک عین الملک | کہ منیرست بدو دیدۂ اجرام و دہور
آنکہ دارد بسخا مشربِ ایام بہار | وانکہ دارد بہ وغا ہیبت ہنگام نشور
آنکہ از خاکِ درش رشک برد باغِ ارم | وانکہ از فیض کفش طیرہ برد موج بحور
آنکہ دارد حسبے تازہ تر از سرو چمن | وانکہ دارد نسبے پاک تر از ماء طہور
آنکہ از مادرِ ایام نزادست چنو | صفدرے تیغ زن ناموئے جلد جسور
آنکہ از ہیبت شمشیر جہاں آشوبش | لرزہ در روم کند قیصر و در چین فغفور
آنکہ از صاعقۂ گرزِ بلا انگیزش | سنگ میداں چو سپنداں شود و کرہ دو گور
آنکہ در چنگل شاہینِ شکوہ . . . | جرم عنقا بود از عجز دغا چوں عصفور
آنکہ دارد ز دبیرانِ ازل دولتِ تو | تا ابد بر سرِ اقطاعِ دو عالم منشور

آنکہ در فضل و خرد بیش ز ارکانِ دُوَل　　ہمچو فرقانست ز تورات و ز انجیل و ز بور

آں جواں بخت کہ در عہدِ جوانمردیِ او　　قفل بر زر ننہاد دست بوقتے گنجور

شہسوارے کہ کفش در شبِ تاریک نہد　　نوکِ ناوک چو مژہ در پلکِ دیدۂ مور

سرفرازے کہ بہ ہنگامِ وغا پیکانش　　آتش از آب بروں آرد و آہن ز صخور

گر نسیمِ کرمش در دہنِ مار وزد　　زہرِ او شہد شود ہمچو لعابِ زنبور

کشور از سایۂ احسانش چنانست امین　　کہ بر وی نوزد ہیچ گہے بادِ حرور

من باقبالِ تو امروز دریں کشورِ ہند　　بہ در ابداعِ قوافی چہ در انشائے بحور

چو کمالم بسپاہاں چو جمالم بہ ہری　　چوں بدیع از ہمداں چوں حنفی از نیشاپور

سلمان ساوجی

سود خسرو ہمہ با مایۂ اقبالِ تو خُسر　　زورِ رستم ہمہ با قوتِ بازوے تو زور

اے نہاد ہدت قافِ شقاوت اجرم　　وے سوادِ قلمت عینِ سعادت را نور

شکریست بشکرِ تو ہمہ ز دو شفات　　کام یابند ز دورانِ تو ہمہ سال رنجور

باشد از نسبتِ رایت شرفِ شمس و قمر　　می رود بادلِ دستت گہرِ کان دیجور

نہ چناں راست نہادی تو سپاہانِ عراق　　کہ کس از راہزناں نالہ کند چوں طنبور

یافت ترجیح بصد مرتبہ بر آبِ حیات　　خاکِ نعلِ سُمِ اسپت کہ شرابیست طہور

رشحاتِ کفِ دستِ تو اگر بیند ابر　　در سرِ ابر نیفتد پس ازیں بادِ غرور

ہر کہ در دہر کشد سر ز تو چوں شاخِ رزاں　　پایمالِ ستمِ عصر شود چوں انگور

قطبِ دیں شاہِ فلک مرتبہ محمود کہ اوست　　بہماں سیرتِ محمود محامد مذکور

اے کہ در سایۂ انصافِ توایست چوں کبک　　خندہ بر بازِ خشن می زند اکنوں عصفور

رای پیرت تیغ سرِ خدا را محرم ‎ ‎ دلِ پاکت نظرِ لطفِ خدا را منظور

پایۂ سلطنت از سایۂ قدرت عالی ‎ ‎ رایتِ مملکت از رایتِ رایت منصور

بوے اخلاقِ تو دمساز شمالست و صبا ‎ ‎ صیتِ احسان تو انباز جنوبست و دبور

بحر را روزِ عطایت نتواں گفت کریم ‎ ‎ کوہ را پیشِ وقارت نتواں خواند صبور

عہدِ اقبالِ ترا ملک و ملائک داعی ‎ ‎ خطِ فرمانِ ترا چرخ و کواکب مامور

نافِ مشک از اثرِ خلق تو یابد آہو ‎ ‎ نیش و نوش از غضب و لطفِ تو دارد زنبور

نمونہ تشبیب

فصلِ دی ماہ است پیش از صبح نوآ باید کشید ‎ ‎ مے بجام و سبوہا در نقل داں باید کشید

خرگہ چوں مہر و ماہ از دیبہ باید کرد راست ‎ ‎ خوابگاہے چوں سپہر از پرنیاں باید کشید

مجلسِ چوں خلد باید ساخت در ساقی و جاں ‎ ‎ حور دربازو و کوثر درمیاں باید کشید

زاں لبِ شیریں و جامِ تلخ و یاقوت رواں ‎ ‎ نوش باید کرد و یاقوت رواں باید کشید

مطربِ خوش گوے ہم زانوے دل باید نشاند ‎ ‎ شاہدے چوں نوش در آغوشِ جاں باید کشید

ارغوانِ گل اگر نبود دریاد ایماں ‎ ‎ بابتِ گلرخ مئی چوں ارغواں باید کشید

شب نکوتر باید از قرابہ می کردن بجاں ‎ ‎ زانکہ می گنج است و گنج از نہاں باید کشید

گنج زرداری زیادہ رنج کم کن کز جہاں ‎ ‎ ہر کہ گنجش ہست رنج بس گراں باید کشید

ہر سبک روحے کہ دارد دل گراں از درگہ ‎ ‎ گر سبک خواہد ولش رطلِ گراں باید کشید

وانکہ در پیرانہ سر دارد جوانی آرزو ‎ ‎ بادۂ پیرش ز ساقی جواں باید کشید

چرخِ ظالم پیشہ خوں عالمے برخاک ریخت ق ‎ ‎ تاکہ ایں جور و جفایش ہر زماں باید کشید

خونِ فرزنداں زر را کاساں در دستِ شیر ‎ ‎ نوش باید کرد و ایں کیں ز آسماں باید کشید

در چنیں مجلس کہ ما داریم گر آں شہسوار | خود بیاید ہم بصد زاری عناں باید کشید
موی و روسے اوست ہندستاں و طاؤس از کس | گر تو آں خواہی ضرورت جور آں باید کشید
آں مثل نشنیدۂ آں را کہ طاؤس آرزو دست | ناگزیر ش زحمت ہندوستاں باید کشید
پیشِ آں غنچہ لب شیریں زباں کز شوق او | ق | دہ زباں بیروں چو سوسن از دہاں باید کشید
گر کشاید گل دہن گل را دہن باید شکست | زر کشندہ سوسن زباں او را زباں باید کشید
دل اگر بردند خوباں جاں بریم خدمتے | در جناب صاحب صاحبقراں باید کشید

نمونۂ تغزل

آں دلبری کہ تو بر باغِ رواں تو ئی | نورو ز روزگار و ربیع زماں تو ئی
کوثر تو ئی بہشت تو ئی بوستاں تو ئی | دلبر تو ئی و دوست تو ئی دلستاں تو ئی
عشاق را قرار دل و نور جاں تو ئی | از جاں چہ بہتر است در آفاق آں تو ئی
دائم کہ میر مجلس شاہ و جہاں تو ئی | کز جام لعل تست جہاں مست و جاں خراب
اے دلبری کہ کوئے تو فردوس از ہر است | خط تو باغ خلد سخن آب کوثر است
سرو سہی ست قامت تو یا صنوبر است | مہر سماست روی تو یا ماہ انور است
مشک است طیب زلف تو یا عود و عنبر است | شہد ست جام لعل تو یا شیر و شکر است
درج است در تبش تو یا سلک گوہر است | ماء معین ست آب دہانِ تو یا گلاب
آنی کہ بر سمن بہ شب مشک سودۂ | و زماہ عارضت خط مشکگوں نمودۂ
فریاد من اگرچہ کہ شبہا شنودۂ | روزے بہ پرسش من مسکیں نبودۂ
در حسن اگر چو صبح علم بر کشودۂ | بارے چو آفتاب یکے بر سرم بتاب
. . . . | (دراصل یک شعر ندارد)

ترکیب بند

صبح چوں بنمود رخ شادی ز سر باید گرفت | مجلسے نو دیگر و بزمے دگر باید گرفت
ساغرے از حوض کوثر صاف تر باید کشید | دلبرے از حور عین پاکیزہ تر باید گرفت
از لب شیرین شاہد نقل تر باید چشید | در کف سیمین ساقی جام زر باید گرفت
عرصۂ بزم صبوح از صبحدم تا چاشتگاہ | گر زیادت نیست بارے ایں قدر باید گرفت
بلبلے کز صبح مستانرا بشارت می دہد | ہم بریں شادی دہانش در شکر باید گرفت
ساعد ساقی اگر تیغے کشد چوں آفتاب | ہم چو جام از جام مے صدرا سپر باید گرفت
قطرۂ کز جام مے بر خاکِ مجلس می چکد | نے بدست آستیں کز دیدہ بر باید گرفت
جرم مستانرا بہشیاری بدر باید شمرد | عیب یاراں را ز دلداری ہنر باید گرفت
اندہ دنیا چو پایانے ندارد از قیاس | کارہا کوتاہ و غمہا مختصر باید گرفت
گر گلے بے خار میخواہی و خمرے بے خمار | بادہ بر یاد امیر نامور باید گرفت
صفدر آفاق عین الملک کز اقبال شاہ | ہست سنجر رزم و اسکندر ظفر جمشید جاہ

ساقیا مے دہ کہ می ذوقے دگر دارد ہمی | بے خبر باشد ز مے آنکو خبر دارد ہمی
زان مے مشکیں کہ گوئی جام جاں افزائے او | لون و لذت از گل و شہد و شکر دارد ہمی
در چنیں موسم کہ باد صبح و بستانِ بہار | آستیں پر مشک و دامن پر گہر دارد ہمی
خرم آں مستی کہ مے در دست و ماہے در کنار | مطربے در پیش و باغی در نظر دارد ہمی
مرغ اندر تاب زن کرد ست و ماہی در تنور | میوہ اندر نقلدان از خشک و تر دارد ہمی

چشم پر دیدار یار و سبزہ و آب رواں گوش بر نائی و نے و صوت دمِ داردہمی
بامداداں چوں برآرد بانگ زیبور از گلو طائرے کوتاج یاقوتیں بسر داردہمی
مے طلب کن از کلہ دارے کہ بر زریں قبا جعد او مشکیں کمندے تا کمر داردہمی
سرو بالا ماہ رخسارے کہ زلف عنبر شش در دبستانِ بہر موے ہنر داردہمی
آنکہ چشم شوخ او گوئی بدست غمزہا خنجر خوں ریز شاہِ بحر و بر داردہمی
پشتوانِ دین و دولت بادشاہ شرق و غرب آفتاب مملکت فرمان روائے شرق و غرب

نمونۂ معارف

مجرد شو داز دین و دنیا قلندر کہ راہ حقیقی ست زیں ہر دو برتر
جہاں چیست دانی بنزدیک مرداں طلسمات ابلیس پر شور و پر شر
بظاہر عمارت بباطن خرابی قبائے جہاں رانیابی تو استر
بآبے است زندہ ببادیست قائم چہ بر باد تکیہ چہ بر آب پیکر
زنے بے وفائیست مکارہ گیتی باندیشش تا چند کشتہ است شوہر
چہ سازی تو با او کہ با کس نسازد طلاقش باندازو بگذار و بگذر
بقاے جہاں راست آخر فنائے بس آنگہ چہ کبر و منی اے برادر

. . . .

. . . .

جمالیست پوشیدہ در پردۂ جاں کہ محجوب ازانست ایں دیدہ ابتر
اگر نیست گردی ز خود رخ نماید کہ چوں شب سرآمد کند مہر سر بر
پس نیستی بگری مستیٔ زیر کہ ظلش گرفتست ہم بحر و ہم بر

بسود از فقر آفتابے ست پنہاں — کہ سرگشتۂ اوست نہ چرخِ اخضر
دریں بحر فقر است دریائے معانی — بزن غوطہ برآر از قعر جوہر
ہر آنکس کہ بگزید فقر اختیاری — تو انگار او را بمعنی تونگر
گذشتند آناں کہ زیں ملک فانی — جائے بقا شد بر ایشان مقرر

. . . .

شراب طہور اچہ آشامد آنکس — کہ خورد ستے از لب لعلِ دلبر
کسے کز دو عالم گدا کرد او را — چہ دیر و چہ گنبد چہ دار و چہ منبر
عجب طائفہ در خرابات عشق است — نہ ملحد نہ ترسا نہ مومن نہ کافر
بسازند دوزخ ز سوزِ دل ایشاں — در آرند شاں را تجلا بریں گر
نخواہند حور و نہ خواہند غلماں — نخواہند تخت و نخواہند افسر
یکے داں یکے خواں یکے گو یکے جوے — قلندر قلندر قلندر قلندر

واقعہ نگاری فکر تعمیر مکان کا نقشہ اور تغزل

درچنیں وقت خوش و ساعت میمون کہ در وست — ہمہ آثار سعادت ہمہ انوار سرور
من کہ دارم نفس از حسرت ناکامی سرد — من کہ دارم جگر از آتش محنت محرور
خاطرے داشتم از بہر مطر سخت خراب — کہ چگونہ کنم ایں کلبۂ احزاں معمور
خشت نایاب و خشب نادر و احجار بعید — کار تعجیل و کنم بے زر و باز و بے زور
چوں برم محنت سقا و جفائے نجار — چوں کشم زحمت راز ان و بلائے مزدور
خود گرفتم نبود بابت ارباب صلاح — جائگاہے کہ کند نسبت رفعت بقصور

کم از انم کہ بود دیگر و مقامے محفوظ | کم از انم کہ بود چند جدار سے منظور
ہمدریں فکر بدم غرق کہ ناگاہانی | اندر آمد زدر آں فتنۂ ایام و شہور
جام مے خوردہ و خوی کردہ و خواب آلود | سر زلفش پریشاں بر دو دامن محرور
داستانے کہ اگر وصف کنم خوبی او | ز عجب زادم اگر نعرہ زنند اہل قبور
دیدۂ سرو بر و ماہ چناں بود ش روے | دیدۂ لالہ در و مشک چناں داشت شعور
ساق و ساعد ز سمن سینہ بسیاب ز سیم | لب و دندانش گہر بد بر و بازوش بلور
سرو بالاش سہی سنبل گیسوش تر | لالۂ روے طرب نرگس چشمش مخمور
شکل و شیوہ ز بالا و خرام و خندہ | ہمہ شیریں و از و خاستہ در عالم شور
دو گلہ دوختہ از دیدۂ زر لیقت براں | استرے ساختہ قاقم بجو اشی معمور

جعد و زلفش معنبر ز مزامیر و ز مشک

جیب و داماش معطر ز ریاحین و بخور (باقی دارد)

خیام

خیام کے سوانح تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ اور فارسی رباعی کی تاریخ اور رباعیات خیام پر مفصل مباحث اور آخر میں خیام کے چھ عربی و فارسی رسالوں کا ضمیمہ اور اس کے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی نقل شامل ہے، خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل کمل اور حتی المقدور محققانہ، یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہے،

ضخامت ۴۰۰ صفحات، کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ، قیمت غیر مجلد سے، مجلد للعہ

"منیجر"

تلخیص وتبصرہ

چین میں اسلام

چین میں اسلام کی نشر و اشاعت سے متعلق ایک چینی مسلمان جناب محمد سلیمان ینگ کوانگ یو صاحب نے ایک سلسلہ مضامین شروع کیا ہے، جسکی پہلی قسط رسالہ اسلامک ریویو (جون ۳۵ء) میں شائع ہوئی ہے، چونکہ چین میں مسلمانون کے قدیم کتبخانے برباد ہوگئے ہین، اور فاضل مقالہ نگار کو وہان کے شاہی کتب خانہ سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ تھی، اسلئے معلومات خاطر خواہ تفصیل کیساتھ فراہم نہ ہوسکے، تاہم تھوڑا بہت مواد جو مہیا ہوسکا، اوسے موصوف نے یکجا کر دیا ہے، ہم اوس کا خلاصہ ذیل میں پیش کرتے ہین،

اسلام چین میں سمندر کی راہ سے جنوب سے، اور خشکی کی راہ سے شمال مغرب سے داخل ہوا، ۶ ہجری (۶۲۸ء) میں پہلا مسلم مبلغ وہاب بن ابی کبشہ چین میں آیا، کینٹن (Canton) تک جہاز سے اور پھر چانگان (Changan) تک جسے اب شیان (Shian) کہتے ہیں، خشکی سے، چینی روایات مین ابن ابی کبشہ کا نام مختلف طریقون سے درج ہے، مثلاً سرتا (Sarta) اور ساکاپا (Sa-Ka-pa) جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ صحابی رسول تھے، چین کے مسلمان احترام اور محبت کی بناپر اون کو سید وقاص (Syed wakKas) یا وقاص بابا کہتے ہین، اکثر انھیں پہلا بابا بھی کہتے ہین، یہ رسول اکرم صلعم کے ایک فرستادہ کی حیثیت سے خاندان سوئی (Sui) کے پہلے شہنشاہ کائی ہوانگ (Kai Huang) کے دربار میں دعوت اسلام پیش کرنیکی کے لئے آئے، ان کیساتھ ان کے تین شاگرد اور بھی تھے، جو دوسرا بابا، تیسرا بابا، اور چوتھا بابا کے نام سے مشہور ہین،

شہنشاہ نے اعزاز واکرام کے ساتھ کینٹن میں ان کا استقبال کیا، ایک مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دی، نیز حدودِ
سلطنت کے اندر ارکان مذہب کی آزادانہ بجا آوری کا حق عطا کیا، اپنے مشن کے تکملہ کے بعد ۶۳۲ئہ میں
وقوص بابا شہنشاہ کے جواب کے ساتھ عرب واپس گئے، لیکن وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم کا وصال
اسی سال ہوگیا تھا، یہ معلوم کرنے کے بعد وہ فوراً ہی پھر چین کی طرف روانہ ہوگئے، اور اب کی بار اپنے
ساتھ قرآن پاک کی ایک جلد لیتے گئے، علاوہ ازیں اس سفر میں چالیس مسلمان بھی ساتھ تھے، خاندان سوئی کو
شکست دیکر خاندان تانگ (Yang Dynasty) نے سلطنت پر قبضہ کرلیا تھا، لیکن جدید شہنشاہ
کے دربار پر بھی وقوص بابا کا اثر بہت کافی پڑا، کیونکہ نئے خاندان کے پہلے شہنشاہ نے نہ صرف وہ حقوق قائم
رکھے، جو شہنشاہ کائے ہوانگ نے عطا کئے تھے، بلکہ سلطنت کے خزانہ سے کینٹن میں ایک مسجد بھی تعمیر کرادی
جو کینٹن بلکہ چین کی پہلی مسجد تھی، اس مسجد کا نام ہوئی شین مسجد (Hwai Shen mosque) (یعنی مسجد
بیادگار نبی کریم صلعم) یہ شہر کی چہار دیواری کے اندر تعمیر کی گئی تھی، اور اس کا مینار ایک سو ساٹھ فٹ بلند تھا
۱۱ ہجری (۶۳۲ئہ) میں وقوص بابا نے کینٹن میں وفات پائی، اور شہر کے باہر دفن ہوئے، ان کے مزار کے
قریب ایک مسجد بنادی گئی، اون کے مقبرہ کی زیارت کے لئے چین کے تمام اطراف وجوانب سے لوگ
آیا کرتے تھے،

ان مسجدون کے اردگرد عرب تاجروں کی ایک چھوٹی سی نوآبادی قائم ہوگئی، جن کے تعلقات
پڑوسیوں کے ساتھ نہایت خوشگوار تھے، معلوم ہوتا ہے کہ چند دنوں تک ان کی ایک علٰحدہ
جماعت تھی، کیونکہ اس زمانہ کا ایک وقائع نگار لکھتا ہے، کہ شہر کینٹن کے مسلمانون کا قاضی خود انہی کی جماعت
کا ایک شخص ہوتا تھا، اور وہ شہنشاہ چین کے حضور میں اپنے معاملات نہ لیجاتے تھے، مسلمانون کی یہ جماعت جو
جو کینٹن مین آباد ہوئی، جلد بڑھ گئی، کچھ تو اس وجہ سے کہ لوگ باہر سے آکر اسمیں شامل ہوتے گئے، اور کچھ اس
وجہ سے کہ انھون نے اہل چین سے شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرلئے، اور ان کو مسلمان کرنے لگے، انھون نے

نے ہسپتال اور مدرسے قائم کئے، اور رفاہ عام کی دوسری ضروری عمارتیں مثلاً کاروان سرائے وغیرہ تعمیر کرائیں، کنوئے اور نہریں بھی بنوائیں،

سمندر کے ذریعہ عرب اور چین کے تجارتی تعلقات پہلے سے قائم تھے، زیادہ تر عرب ہی سے ہوکر شام اور بحر روم کے مشرقی بندرگاہوں میں مشرق کا مال پہنچتا تھا، عربوں نے اس تجارت کو چین ایران اور خلیج فارس کے درمیان بہت کچھ فروغ دیا، تجارت ہی کے فروغ کی بنا پر شروع کے مسلمانوں کو چین میں ایک اہمیت حاصل ہو گئی، اور تجارت ہی کے سلسلہ میں اول اول ان کا ذکر چینی تاریخوں میں آتا ہے،

جو مسلمان اول اول چین میں آکر آباد ہوئے، اُن کی تبلیغی سرگرمیاں کینٹن ہی تک محدود نہ تھیں، تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہانگ کاؤ (Hong chau) بھی پہونچے، جو چین کا شہر گلستان اور صوبہ چکیانگ (Chekiang) کا پایۂ تخت تھا، اور اسکے بعد ساحلی شہروں نیز اندرون ملک کے متعدد شہروں میں جاکر آباد ہوئے، خاندان تانگ کے پہلے شہنشاہ کے عہد میں انھوں نے ایک مسجد بھی تعمیر کی جسکی تکمیل سنہ ۹ھ (سنہ ۶۳۰ء) میں ہوئی،

صوبہ شنسی (Shansi) کا پایۂ تخت سیان (Sian) جو چینی نسل کا اصلی گہوارہ تھا، بتدریج چین میں مسلمانوں کا مرکز بن گیا، اور اوسکی یہ مرکزیت اسوقت تک قائم ہے، یہ تین طرف قدرتی حصار سے محفوظ ہے، اور اس کے شمال میں چین کی عظیم الشان دیوار ہے، یہاں مسلمانوں نے مسجدیں اور مدرسے تعمیر کئے، یہ مسجدیں آج بھی موجود ہیں، اور ابتدائی مسلمانوں کے حیرت انگیز کارناموں کی شہادت دیتی ہیں، سب سے پرانی مسجد جو اس صوبہ کی سب سے بڑی مسجد بھی ہے ۱۲۴ہجری (سنہ ۷۴۲ء) میں تعمیر ہوئی تھی، اوس کا نام بڑی مسجد ہے، یہ خاندان تانگ کے عہد میں حکومت نے بنوائی تھی، اسکی دیواروں پر قدیم عربی اور چینی عبارتیں اب تک ملتی ہیں، حال تک یہ مسجد حکومت کے زیر نگرانی تھی، اور اسکی مرمت بھی حکومت ہی کی طرف سے ہوا کرتی تھی،

شروع کے مسلمان تاجر صوبۂ فیوکین ہی میں جاکر آباد ہوئے، اور وہیں اونھوں نے تبلیغ دین کا آغاز کیا، اس صوبہ کی آبادی آج چوراسی لاکھ پچاس ہزار ہے جسمیں نصف سے زیادہ تعداد مسلمانوں کی ہے، مسلمانوں کا دوسرا مرکز چوان کاؤ (Chuanchow) جو صوبہ فوکین (Fukien) کا ایک مشہور ضلع تھا، اور جہاں آج بھی مسلمان بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں، یہ صوبہ چین کے مشرقی ساحل پر واقع ہے، اور اوس کا بیشتر حصہ پہاڑی ہے، زمین زیادہ تر ریتیلی ہے، ٹانگ اور سنگ خاندانوں کے دور میں مسلمان یہاں آکر آباد ہوئے، ان کا خاص پیشہ زراعت تھا، اور خصوصیت کیساتھ چائے کی کاشت کرتے تھے، چوان کاؤ میں بھی اونھوں نے ایک مسجد تعمیر کی، اگرچہ اس مسجد کی تکمیل کی صحیح تاریخ نہیں معلوم تاہم اتنا معلوم ہے کہ سنہ ۷۹۹ ہجری (سنہ ۱۳۹۶ء) میں اسکی مرمت حکومت کی طرف سے ہوئی تھی، اس کا نام ظاہر مسجد ہے، اس کی دیواروں پر قرآن پاک کی سورتیں کندہ ہیں، لنگ شان (Ling Shan) کی پہاڑی پر ایک قبرستان ہے جس میں تیسرے اور چوتھے بابا مدفون ہیں، دوسرے بابا کا مزار یانگ کاؤ کے ضلع میں ہے، جو صوبہ کیانگ سو (Kiang Su) میں واقع ہے، ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے، کہ ابتدائی مسلمان دین کی نشر و اشاعت کے لئے چین کے مختلف صوبوں میں پھیل گئے تھے، چین میں اسلام کی تبلیغ ابتداءً تمامتر ان مسلمان تاجروں نے کی جو جنوبی بحروں سے آئے تھے، سنہ ۱۳۸ ہجری (سنہ ۷۵۵ء) میں ان ابتدائی مسلمانوں کی تعداد میں ایک خاص سبب سے اہم اضافہ ہوگیا، آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں چین خانہ جنگیوں کا نشانہ بنا ہوا تھا، اور تخت سلطنت کے لئے شاہی خاندان کی دو جماعتیں ایک دوسرے کو برباد کر دینا چاہتی تھیں بالآخر بہت کچھ قتل و خون کے بعد شہنشاہ سونسنگ (Su Tsung) نے جو خاندان تانگ سے تعلق رکھتا تھا، خلیفہ منصور سے مدد کی درخواست کی، خلیفہ نے ۴ ہزار مسلمان سپاہیوں کا ایک دستہ شہنشاہ کی مدد کے لئے روانہ کیا، جس نے باغیوں کو شکست دیکر شہنشاہ کو تخت پر بٹھادیا، اس واقعہ سے شہنشاہ چین اور خلیفہ کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے، شہنشاہ نے اس احسان کے بدلہ میں مسلمان سپاہیوں

کو چین میں آباد ہونے، زمینیں خریدنے اور چینی عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دیدی، اسکے بعد اسلام کے مبلغ سلطنت چین کے شمالی مغربی حصہ یعنی قنصو اور شنسی کے صوبوں میں بکثرت جانے لگے، جہاں آج بھی چینی مسلمانوں کی اکثریت پائی جاتی ہے، چین میں مسلمانوں کا شمار سات کرور ہے، اس کا تقریبًا تین چوتھائی حصہ انہی دونوں صوبوں میں آباد ہے،

چینی اور اسلامی سلطنتوں کے درمیان جو دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے، وہ سیاسی تعلقات کے قائم ہو جانے سے اور زیادہ مستحکم ہو گئے، ہر ایک نے دوسرے کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا چینی تاریخوں میں اُن بہتیرے موقعوں کا ذکر ہے، جب مسلم سفرا خلیفہ کی طرف سے تحفے لیکر چین میں آئے تھے، ان تعلقات سے نیز تجارت کے فروغ سے جو ان تعلقات کی وجہ سے نیز حصل ہوا مسلمان تاجروں کی تبلیغی سرگرمیوں میں بڑی سہولتیں پیدا ہو گئیں، ان تاجروں کی ایک بڑی تعداد ماورا النہر اور عرب سے چین میں آئی تھی، چینی وقائع نگار اس زمانہ کے حالات میں لکھتے ہیں، کہ "مغرب سے مسلمانوں کا ایک طوفان اُمنڈ آیا، یہ لوگ تین سو میل سے زیادہ فاصلہ اور سو سے زیادہ ملکوں سے آئے، اور پیشکش کے طور پر اپنی مقدس کتابیں لیتے آئے، جو قبول کرکے قصر شاہی کے اُس ایوان میں رکھ دی گئیں، جو مقدس یا مذہبی کتابوں کے ترجمہ کے لئے مخصوص تھا، یوں اس زمانہ سے ان مختلف ملکوں کے مذہبی مسائل سلطنت میں پھیل گئے، اور اُن پر علانیہ عملدرآمد ہونے لگا،"

آٹھویں صدی کے وسط میں مسلمان صوبہ قنصو میں داخل ہوئے، جو اوسوقت سلطنت چین میں شامل تھا، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس صوبہ میں اسلام کی اشاعت کس حد تک ہوئی، لیکن اتنا معلوم ہے، کہ دسویں صدی کے وسط کے قریب وہاں کے خان ساتوک (Satok) نے اسلام قبول کر لیا، وہ اور اس کے جانشین تیرہویں صدی کی ابتدا تک حکومت کرتے رہے، یہان تک کہ چنگیز خان نے اُن کی مملکت کا خاتمہ کر دیا، اس مملکت کی رعایا میں قوم یوگر (Uigur) بھی تھی، اور جب ان لوگوں نے سنہ ۹۰۰ء یا اس کے قریب اسلام قبول کر لیا، تو ان کے جو بھائی بند چین میں آباد تھے، وہ بھی اس

دین میں داخل ہوگئے، لیکن یہ لوگ اب بھی چینی عورتوں سے شادی بیاہ کرتے رہے، البتہ جو بچے پیدا ہوتے تھے، انکی تربیت اسلام کے اصول پر ہوتی تھی، قوم یوئگر کو تجارت کا خاص ملکہ تھا، اور وہ تمام وسط ایشیا میں اپنی تاجرانہ دیانت اور راستبازی کے لئے مشہور تھی،

۱۲۵۹ء میں قبلائی خان چین کے تخت پر بیٹھا، اسی کے عہد میں مشہور سیاح مارکوپولو (۱۲۷۱-۱۲۹۵) (Marco Polo) نے چین کی سیاحت کی، وہ لکھتا ہے، کہ "میں چین میں جس حصہ میں گیا وہاں کی آبادی میں بت پرست اور محمد کی پرستش کرنے والے دونوں شامل تھے" اوس نے یہ بھی لکھا ہے کہ "مسلمان تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے، اوران کی جماعت کثیرالتعداد اور خوشحال ہوگئی تھی، ان میں تاجر، کاریگر، سپاہی، اور دوسرے ملکوں سے آکر آباد ہوجانے والے ہر طرح کے لوگ شامل تھے" قبلائی خان نے اپنے عہد حکومت میں عبدالرحمٰن، سید اجل، اور سید احمد کو یکے بعد دیگرے مالیات شاہی کا صدر مقرر کیا تھا، اسنے دوسرے بڑے بڑے عہدے بھی مسلمانوں کو دئے تھے، اور پایہ تخت پکین (Peking) میں اُن کے لئے ایک شاہی مدرسہ (Imperial Academy) قائم کیا تھا، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمانوں کی اہمیت روز بروز بڑھتی جاتی تھی، لیکن مسلمانوں کے ساتھ قبلائی خان کا یہ برتاؤ صرف اسی تک محدود نہ تھا، بلکہ شروع ہی سے چین کے مسلمان خوشحال تھے، اور انھیں حکومت کی اعانت حاصل تھی، اونھیں وہ تمام حقوق و مراعات حاصل تھے، جن سے ملک کے دوسرے باشندے مستفید ہوتے تھے، حکومت کا کوئی عہدہ اون کے لئے مسدود نہ تھا، وہ صوبوں کے گورنر بھی ہوتے تھے، فوج کے جنرل بھی ہوتے تھے، مجسٹریٹ اور وزیر بھی ہوتے تھے، اور پھر حکومت اور رعایا دونوں کے نزدیک یکساں طور پر معتمد اور معزز تھے، چینی تاریخوں میں مسلمانوں کا نام نہ صرف مشہور فوجی اور ملکی افسروں کی فہرست میں ملتا ہے، بلکہ مختلف حرفتوں اور علم و فضل کی مختلف شاخوں مثلاً ریاضی و ہیئت وغیرہ میں بھی وہ نظر آتے ہیں،

"ع ز"

زہرہ پر زندگی کا امکان

ستارہ زہرہ زمین سے کسی قدر چھوٹا اور وزن میں کم ہے، ۲۲ میل فی سکنڈ کی رفتار سے چل کر آفتاب کے گرد اس کا چکر ۲۲۴ روز میں پورا ہوتا ہے، زمین سے اوس کا فاصلہ ڈھائی کرور ساٹھ لاکھ میل سے سولہ کرور میل تک رہتا ہے، لیکن زہرہ کی سطح ہمیشہ گہرے بادلوں سے چھپی رہتی ہے، جو کبھی چھٹتے نہیں، اسی وجہ سے زہرہ کے دن کا طول بھی یقین کے ساتھ معلوم نہیں ہے، بعض ہیئت دانوں کا خیال ہے کہ عطارد (Mercury) کی طرح زہرہ کا بھی ایک ہی رُخ مستقل طور پر آفتاب کی جانب رہتا ہے لیکن یہ قرین قیاس نہیں، کیونکہ زہرہ کا تاریک حصہ بھی سرد نہیں ہے، گمان غالب یہ ہے کہ زہرہ کا دن ہمارے تین چار ہفتوں کے برابر ہے،

زہرہ پر آکسیجن اور پانی کے ابخرات معلوم کرنے کی کوششیں بارہا کی گئی ہیں، کیونکہ یہ چیزیں اگر اُس کے ہوائی کرہ میں موجود ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ اُس پر زندگی بھی نہ پائی جاتی ہو، لیکن ہر تجربہ کا نتیجہ نفی میں نکلا، تاہم اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا، کہ زہرہ کا ہوائی کرہ آکسیجن یا پانی کے ابخرات سے بالکل خالی ہے، تجربوں سے بادل کی تہ کے نیچے کا حال کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا، ہم صرف اس قدر نتیجہ نکال سکتے ہیں، کہ بادل کی تہ کے اوپر آکسیجن کی مقدار ہماری زمین کے ہوائی کرہ کی مقدار کے ہزارویں حصہ سے بھی کم ہے، جو بادل زہرہ کو چھپائے ہوئے ہیں، وہ ضرور پانی کے منجمد ابخرات کے بادل ہوں گے، اس بنا پر معلوم ہوتا ہے، کہ پانی کے رت کی مقدار بہت وافی ہوگی، زہرہ کے ہوائی کرہ کے متعلق جو بات یقینی طور پر معلوم ہے، وہ یہ ہے کہ اس ایک بہت بڑی مقدار کاربن ڈی آکسائڈ (Carbon dioxide) کی موجود ہے،

زمین کی بہ نسبت زہرہ آفتاب سے قریب تر ہے، اور اسی لئے زیادہ گرم بھی ہے، علاوہ بریں ودلوں کی تہ ایک کمبل کا کام دیتی ہے جس سے حرارت محفوظ رہتی ہے، زہرہ میں غالباً بڑے بڑے سمندر بھی

ہیں جنکی وجہ سے آب و ہوا گرم اور حد درجہ مرطوب ہوگی، وہان کی آب و ہوا ہمارے منطقہ حارہ سے بھی زیادہ گرم ہے، کاربن ڈائی آکسائڈ کی کثرت اور آکسیجن کی قلت سے معلوم ہوتا ہے، کہ غالبًا وہاں نباتات کا وجود نہیں ہے، زمین پر نباتات ہوا سے کاربن ڈائی آکسائڈ جذب کرتے رہتے ہیں، اور اس طرح آکسیجن کی فراہمی پوری کرتے رہتے ہیں، اگر نباتات سے آکسیجن کی مقدار برابر پوری نہ ہوتی رہتی، تو ایک نہ ایک وقت تمام آکسیجن دوسری چیزون سے مخلوط ہو جاتا، اور ہوا میں آکسیجن کے نہ ہونے سے زندگی قائم نہ رہ سکتی،

یہ بھی ممکن ہے کہ زہرہ کی سطح پر تمام سمندر ہی سمندر ہون، گہرے بادلوں کی ایک موٹی تہ جو ہمیشہ قائم رہتی ہے، نباتات کا موجود نہ ہونا، آکسیجن کی کمی، اور کاربن ڈائی آکسائڈ کی زیادتی، یہ تمام باتیں اس خیال کی موافق ہیں، بہت ممکن ہے کہ زہرہ کی موجودہ حالت ویسی ہی ہو جیسی اب سے کرورون سال پہلے زمین کی تھی، جب کہ اس پر کسی قسم کی زندگی نمودار نہ ہوئی تھی، اور جب کہ یہ بمقابلہ اس وقت کے محسوس طور پر زیادہ گرم تھی، مریخ کے حالات ایسے ہیں کہ ویسے حالات کرۂ ارض پر ممکن ہے، آیندہ ایک طویل مدت میں پیدا ہو سکیں، برخلاف اس کے زہرہ فی الحال شاید اس منزل میں ہے، جس سے ہماری زمین مدتوں پہلے گذر چکی ہے،

غالب خیال یہ ہے کہ اسوقت تک زہرہ پر زندگی کے آثار ظاہر نہیں ہوئے ہیں، ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں، کہ زندگی کے ابتدائی نشانات ممکن ہے اب نمودار ہو رہے ہون، جون جون نباتات بڑھتے جائینگے آکسیجن کی فراہمی میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا، اور حیات کی بلند تر قسموں کے لئے مناسب حالات بتدریج پیدا ہوتے جائیں گے، یہان تک کہ اسوقت جب شاید ہماری زمین کے حالات اس حد تک بدل جائیں کہ نوع انسانی تنازع للبقار کی آخری جد و جہد میں دم توڑ رہی ہو، تو نظام شمسی میں زہرہ ہی وہ سیارہ ہے جو زمین کے بجائے ذی شعور ہستیوں کا مسکن ہو جائے گا،

"ع ز" "ذ - ٹ"

اخبار علمیہ

بجلی اور اُس سے تحفّظ

حال میں بجلی کی تحقیق دو مختلف حیثیتوں سے کی گئی ہے، اوّل سائنٹفک نقطۂ نظر سے جو زیادہ تر برطانیہ میں کی گئی ہے، دوم صنعت و حرفت کے ایک مسئلہ کی حیثیت سے جس میں زیادہ حصہ امریکہ نے لیا ہے، جہاں ہزاروں میل لمبے برقی تار آسمانی بجلی کی زد میں رہتے ہیں، اس تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ بجلی کی کڑک سے برق کی ایک بہت بڑی مقدار پیدا ہو کر بادل کے مختلف حصوں نیز بادل اور زمین کے درمیان برقی خطوں کی شکل میں پھیل جاتی ہے، طبعی طور پر ہوا برق کے لئے غیر موصل (Non Conductor) ہے، لیکن اگر یہ برق کی شدید زد میں آجائے تو اس کے حاجزانہ خواص (Insulating Properties) ساقط ہو جاتے ہیں اور مقامی طور پر یہ ایک اچھی خاصی موصل (Conductor) بنجاتی ہے، بجلی کے تمام شرارے بادل کے اندر پیدا ہوتے ہیں، اور چونکہ ہوا کے حاجزانہ خواص اس وقت ساقط ہو جاتے ہیں اس لئے بجلی برقی خطوں کی طرف دوڑتی ہے، اگر وہ خط زمین کی جانب ہے تو بجلی بھی زمین کی جانب دوڑتی ہے، اب اگر زمین کی طرف آتے وقت بجلی کی لہر کا سرا کسی برقی موصل کے قریب پہنچ جاتا ہے تو یہ موصل اسے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، جس موصل میں مزاحمت کی طاقت کم ہوتی ہے، وہ بجلی کی ایک بڑی رو کو بھی بغیر کسی نقصان کے زمین کے اندر پہنچا دیتا ہے، تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ تانبے کا تار جسکا قطر $\frac{1}{2}$ انچ ہو بجلی کی نہایت شدید رو کو بھی بچا سکتا ہے، اور قریب کی چیزوں پر بجلی کا کوئی اثر ہونے نہیں پاتا، لیکن اگر موصل

میں مزاحمت کی طاقت زیادہ ہو، مثلاً اگر وہ کوئی درخت ہو، تو وہ بھی بجلی کو اپنی طرف کھینچ لیگا، مگر پوری طرح زمین میں منتقل نہ کر سکے گا، نتیجہ یہ ہوگا کہ بجلی کچھ تو درخت کے تنے کے اندر سے اور کچھ درخت کے باہر سے زمین تک پہنچیگی، بجلی کا جو حصہ درخت کے اندر پہنچ جائیگا وہ مزاحمت کی سختی کی وجہ سے درخت کو چور چور کر دے گا، اور جو حصہ درخت کے باہر سے زمین کے اندر جائیگا وہ ہر اس چیز کے لئے خطرناک ثابت ہوگا جو درخت کے قریب ہوگی،

یہ دیکھا گیا ہے کہ برقی موصل جو کسی سطح کے اوپر نصب کیا گیا ہو، بجلی کے ہر اُس خروج کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے جو موصل کی عدم موجودگی میں اس مقام پر موصل کی لمبان کے برابر فاصلہ سے گذرتا، لہذا اگر کوئی طویل موصل کسی عمارت پر کھڑا کر دیا جائے تو وہ بجلی کو اپنی طرف کھینچ لیگا اور عمارت پر گرنے نہ دیگا، بجلی زیادہ تر انہی عمارتوں پر گرتی ہے، جو دوسری عمارتوں سے نمایاں طور پر زیادہ بلند ہوں، مثلاً گرجا یا مینار، معمولی اور نیچے مکانوں پر بجلی کے گرنے کا اندیشہ بہت کم رہتا ہے، جہانتک ذاتی حفاظت کا تعلق ہے، یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص مکان کے اندر ہے تو اس کے لئے خطرہ تقریباً بالکل ہی نہیں ہے، اس کا ثبوت یوں ملتا ہے کہ بجلی سے مرنے والوں میں عورتوں سے بہت زیادہ تعداد مردوں کی ہے، جو بجلی گرتے وقت گھروں سے باہر کام کاج میں مصروف تھے، چنانچہ انگلستان اور ویلز میں ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۳ء تک جو لوگ بجلی سے ہلاک ہوئے ان کا سالانہ اوسط سرکاری اعداد و شمار کے مطابق نو مرد اور ایک عورت تھا، حفاظت کے اعتبار سے مکان کا ہر حصہ تقریباً یکساں ہے، یہ صحیح ہے کہ بجلی کبھی کبھی دود کش (چمنی) کی راہ سے مکان میں آ جاتی ہے، لیکن وہ اُن تاروں کے ذریعہ سے بھی داخل ہو سکتی ہے، جو مکان کے کسی حصہ میں ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہوں اور لاعلمی کی حالت میں ہم اُن سے قریب ہی ہوں، عام طور پر یہی دیکھا گیا ہے، کہ معمولی مکانوں پر بجلی کے حادثات بہت شاذ ہوتے ہیں، میدانوں میں جہاں درخت اور مکان قریب نہ ہوں بجلی کا خطرہ مکانوں کے اندر سے بھی کم ہے، کیونکہ وہاں کوئی چیز بجلی کو اپنی

طرف کھینچنے والی نہیں ہوتی، گھروں کے باہر حادثات کی زیادتی کا بڑا سبب یہ ہے کہ لوگ درختوں کے نیچے پناہ لیتے ہیں، کچھ شہادتیں اس امر کی موجود ہیں کہ بعض قسم کے درخت دوسری قسم کے درختوں کی بہ نسبت بجلی کو زیادہ کھینچتے ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ فلاں درخت اس لحاظ سے خطرناک اور فلاں محفوظ ہے، درختوں پر بجلی کے اثر کا مسئلہ ابھی پوری طرح حل نہیں ہوا ہے، بجلی چمکنے کی حالت میں سب سے زیادہ خطرناک چیز کسی دھات کا حصار اور خصوصاً تار کا حصار ہے، اگر تار کے کسی حصہ پر بجلی گرے گی تو اسکا اثر تار کی پوری لمبائی تک پہنچ جائیگا، اور اگر اس وقت ایک میل کے فاصلہ پر بھی کوئی اس تار کو چھوتا ہوگا تو موت یقینی ہے،

سنہ ۵۰ قبل مسیح کی مختصر نویسی

مختصر نویسی کی تاریخ کا ذکر اجمالی طور پر ان صفحات میں پہلے بھی آچکا ہے، لیکن اسکی ابتدا کب اور کہاں ہوئی؟ یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس پر حال تک ماہرین فن متفق نہ ہوسکے تھے، بعض کہتے تھے کہ اسے مصریوں نے ایجاد کیا، بعض اس کو عبرانیوں کی طرف منسوب کرتے تھے، بعض اسے اہل رومہ کا کارنامہ بتاتے تھے، یہ مسئلہ بھی تحقیق طلب تھا کہ آج دنیا میں مختصر نویسی کے جتنے طریقے رائج ہیں، وہ قدیم مختصر نویسی سے کہاں تک ماخوذ ہیں، چنانچہ ایک طریقہ وہ ہے جو بنجامن فرینکلن (Benjamin Franklin) اٹھارہویں صدی کے مشہور امریکن مدبر اور سائنس دان کے نام سے منسوب ہے، دوسرا طریقہ وہ ہے جسے پیپیز (Pepys) نے اپنے مشہور و معروف روزنامچہ میں استعمال کیا تھا، پیپز کے زمانہ میں (سترہویں صدی عیسوی) مختصر نویسی کے متعدد طریقے رائج تھے، آج کل بھی برنرڈ شا (Bernard Shaw) نے اپنے لئے مختصر نویسی کا ایک خاص طریقہ ایجاد کیا ہے اور اس کا خیال ہے کہ اس سے بہتر کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے، محققین کی رائے ہے کہ یہ تمام طریقے بظاہر حال کی ایجاد ہیں، کیونکہ وہ قدیم طریقہ جس نے اول اول مختصر نویسی کی بنیاد ڈالی تھی، کچھ دنوں کے بعد منقطع ہوگیا تھا، خود رومن مختصر نویسی کے متعلق ان کی تحقیق یہ ہے کہ

وہ اہل رومہ کی ایجاد نہ تھی بلکہ انھوں نے صرف یونانی ایجاد کو اپنے ہاں رائج کر لیا تھا، لیکن تحقیق کا قدم یونان کی تعیین کے بعد رک گیا تھا، اور حال تک یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ قدیم مختصر نویسی کب ایجاد ہوئی اور اس کی کلید کیا تھی، اب سے نصف صدی قبل مصر میں رومن عہد کے ایک مقبرہ سے نو چوبی تختیاں برآمد ہوئی تھیں جن پر موم جائی ہوئی تھی اور موم پر عجیب و غریب نشانات بنے ہوئے تھے، برٹش میوزیم کے مبصرین نے تحقیق کی کہ یہ یونانی مختصر نویسی کے علامات تھے، یہ علامات ایک ہی طرز کے تھے اور بار بار لکھے گئے تھے، غالباً کسی طالب علم نے مختصر نویسی کی مشق کی تھی، لیکن مبصرین کی انتہائی کوششوں کے باوجود ان علامات کی تشریح معلوم نہ ہو سکی، اس کے بعد دوسری تحریریں بھی مصری مقبروں سے برآمد ہوئیں مگر ان سے بھی اس قدیم مختصر نویسی کی کلید حاصل نہ ہوئی، البتہ اتنا ضرور ہوا کہ دوسرے ملکوں میں بھی اس مسئلہ سے دلچسپی لی جانے لگی، مثلاً ویانا میں ویزلی (Wessely) نے چند بنیادی اصول قائم کئے اور پھر کونسبرگ میں منتز (Mentz) نے ویزلی کے انکشافات میں کسی قدر اضافہ کیا، تاہم جہان تک کلید کا تعلق ہے، یہ معما لاینحل ہی رہا، لیکن اب حال ہی میں مصر کے ایک مقبرہ سے دو جلدیں برآمد ہوئی ہیں جنھوں نے اس گتھی کو بالآخر سلجھا دیا، یہ جلدیں برٹش میوزیم کی طرف سے خرید لی گئیں، اور مبصرین کی ایک جماعت نے ان کے مطالعہ کے بعد دیکھا کہ ان میں بھی قدیم یونانی مختصر نویسی کے ویسی ہی علامات ہیں، جیسے ان چوبی تختیوں پر پائے گئے تھے، لیکن سب سے زیادہ اہم چیز جو معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ ان جلدوں میں علامات کا تشریحی ترجمہ بھی درج تھا، اس طرح یونانی مختصر نویسی کی کلید آخرکار ہاتھ آ ہی گئی، محققین کا خیال ہے کہ اس کی ابتدا سنہ قبل مسیح میں ہوئی تھی، اس کلید نیز ان چوبی تختیوں اور دوسری تحریروں کی مدد سے جو پائی گئی تھیں مسٹر ملنے (Milne) نے جو برٹش میوزیم میں شعبۂ مخطوطات کے نائب ناظر ہیں، مختصر نویسی کا ایک مکمل نقشہ تیار کر لیا ہے، اور اب یونانی مختصر نویسی کے تمام معمے بآسانی حل ہو جائیں گے۔

"ع ن"

ادبیات

نذر عقیدت بہ دربارِ رسالت

بہ تقریب ماہ ربیع الاول

از یحییٰ اعظمی

وہ عالم تجھ پہ صدقے اے زمینِ گنبدِ خضرا ۔۔۔ تری آغوش میں آسودہ ہے وہ برزخِ کبریٰ
وہ جس کی ذاتِ والا، اک نویدِ رحمتِ عالم ۔۔۔ وہ جس کا روئے زیبا شمعِ ظلمت خانۂ دنیا
وہ جس کا نطقِ شیریں، نغمۂ الہامِ ربانی ۔۔۔ وہ جس کا خلقِ نوشیں شہد سے بڑھکر حلاوت زا
وہ جس کی ہستیٔ اقدس سراپا معنیٔ قرآن ۔۔۔ وہ جس کا ہر نفس و قعتِ پیامِ ملتِ بیضا
وہ جس کے درگہِ سامی کا جبریلِ امیں چاکر ۔۔۔ وہ جس کے عتبۂ عالی پہ قدسی ناصیہ فرسا
وہ جس کے آستاں پر رفعتِ عرشِ بریں صدقے ۔۔۔ وہ جس کے بوستاں میں نغمہ پیرا بلبلِ طوبیٰ
وہ جس کے عالمِ جاں میں نوائے قدس برق افشاں ۔۔۔ وہ جسکے ذوقِ ایماں میں پیامِ شوقِ شوق افزا
وہ جس کے قدسیانِ پاک گوہر دید کے طالب ۔۔۔ وہ جس کے نوریانِ عرشِ اعظم والہ و شیدا
وہ جسکی مدحت خوبی میں ہر رطب اللساں قرآں ۔۔۔ وہ جسکی شانِ محبوبی ہی، سبحان الذی اسریٰ
وہ جس کے خم کدہ کے حضرتِ فاروق صہبائی ۔۔۔ وہ جس کے گل کدہ کے حضرتِ صدیق اک طوبیٰ
وہ سرشارِ مئے باقی تصدق جس پہ سے خاتم ۔۔۔ وہ ساقی جسکے دم سے ضو فشاں خمخانۂ بطحا
وہ جس کے بادہ نوشوں میں بلالؓ و بوذرؓ و سلمانؓ ۔۔۔ وہ جس کے سرخوشوں میں ابنِ زیدؓ سید الشہدا

وہ جسکی موجِ مے میں جلوہ پیرا برقِ سینائی　　وہ جس کا تا ابد باقی خمارِ نشۂ صہبا
وہ جس کا نقشِ پا سجدہ گہِ ہر رہروِ کامل　　وہ جس کا داغِ سیما مطلعِ نورِ سحر گویا
وہ جس کی برقِ ایمان بیقرارِ جلوۂ ایمن　　وہ جس کا ذوقِ عرفان زندہ دارِ خلوتِ شبہا
وہ جسکے بوریا پر سطوتِ تختِ شہی قربان　　وہ جس کے فقر سے لرزاں شکوہِ قیصر و کسریٰ
محمد وہ کمالِ آخرینِ محفلِ عالم　　محمد وہ جمالِ اولینِ شاہدِ معنیٰ
محمد وہ نسیمِ نوبہارِ گلشنِ ہستی　　محمد وہ شمیمِ مشک بارِ جنت الماویٰ
محمد وہ شبستانِ ازل کی شمعِ نورانی　　محمد وہ زسرتاپا جمالِ جلوۂ سینا
محمد وہ درِ تاجِ رسل وہ خاتمِ مرسل　　محمد وہ ظہورِ نورِ کل وہ جلوۂ یکتا
محمد وہ گروہِ اولیا کے سید و مولا　　محمد وہ کلاہِ انبیاء کے طرۂ زیبا
محمد وہ نبوت کے شرف کے عقدِ خاتم　　محمد وہ رسالت کی صدف کے لؤلؤ لالا
محمد وہ شہنشاہِ دو عالم سرورِ اکرم　　محمد وہ مہِ دو ہفتۂ یثرب شہِ بطحا
محمد وہ نویدِ لطفِ عام و رحمتِ عالم　　محمد وہ پیامِ نوبہارِ گلشنِ دنیا
محمد وہ سحابِ رشحہ بارِ مزرعِ گیتی　　محمد وہ شبابِ روزگارِ ملتِ بیضا
محمد وہ بہارِ تازۂ باغِ براہیمی　　محمد وہ چمن پیرائے باغِ ملتِ آبا
وہ خورشید ضیا بارِ عرب جس کی تجلی سے　　عرب کا ذرہ ذرہ آسمانِ قدس کا تارا
وہ رشکِ مہرِ عالمتاب جس کی جلوہ ریزی سے　　شبستانِ جہاں میں پھر ہوا نورِ سحر پیدا
ہوا پھر مطلعِ انوار ظلمت خانۂ عالم　　سرِ فاراں جو مہرِ ضوفشانِ مصطفیٰ چمکا
سیاہی ہو گئی کافور یکسر شامِ ظلمت کی　　صبا لائی پیامِ نور پھر صبحِ سعادت کا
نئے اندازِ بیداری سے کروٹ لی زمانے نے　　خمارِ خوابِ نوشیں سے یکایک جاگ اٹھی دنیا

جہاں کے گلشنِ پژمردہ میں تازہ بہار آئی رگِ افسردۂ ہستی میں خونِ زندگی دوڑا
دلِ بے نور میں رخشاں ہوئی پھر شمع ایمانی یہ خاکستر ہوئی پھر سوزِ ایمان سے شرر افزا
نگاہِ معرفت پیدا ہوئی پھر دیدۂ دل میں عطا ہر کور باطن کو ہوئے پھر دیدۂ بینا
عرب کی وادیاں تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھیں ہوا عالم میں آوازہ بلند اللہ اکبر کا
زبانِ کفر وقفِ کلمۂ حق ہو گئی یکسر زمیں سے آسماں تک غلغلہ توحید کا اٹھا
فضائے کفر و باطل ہو گئی پر شور شیون سے نوائے اہلِ دل سے ہو گئی معمور پھر دنیا
جھکا دیں گردنیں اربابِ طغیان و تمرد نے ہوئے نام آورانِ کفر اک اک بندۂ مولا
ہر اک کا فرپڑھا لبیک کہکر دعوتِ حق پر ہر اک منکر نے مضبوطی سے پیمانِ وفا باندھا
فدایانِ محمد بن گئے جو دشمنِ جان تھے تہِ تیغِ محبت ہو گئی یکسر صفِ اعدا
کہیں لطف و محبت تھی کہیں تہدید و شدت تھی کہیں شانِ جمالی تھی، کہیں قہرِ جلالی تھا
جہان کے گوشہ گوشہ میں صدائے دینِ حق پہنچی لوائے حق پرستی مشرق و مغرب میں لہرایا
دیا علم و عمل سے درسِ آئینِ جہانبانی پڑھایا پھر سبق دنیا کو تدبیر و سیاست کا
شتربانی بھی کرتے تھے جہانبانی بھی ہوتی تھی ابھی وہ بینوا تھے اور ابھی تھے وہ جہاں آرا
ہوا سکہ رواں عدل و مساوات و اخوت کا ہوئی پھر از سرِ نو مجلسِ صدق و صفا برپا
فضائل سے ہوئی آراستہ پھر بزمِ انسانی محاسن کا بنی گہوارہ پھر یہ فسق کی دنیا
دلوں کی خشک کھیتی لہلہائی جوشِ باراں سے سرابستانِ جاں میں چشمہ پھوٹا نورِ عرفاں کا
شرف بخشا گیا انسانیت کو پھر سعادت کا بلند اس دور میں پایہ ہوا پھر آدمیت کا
مٹی ظلمت سرائے دہر سے لعنت غلامی کی زمانہ سے اٹھی رسمِ تمیزِ بندہ و آقا،
جسے دیکھو وہ اب سرشارِ صہبائے اخوت ہے جسے دیکھو وہ اب ہے بادۂ وحدت کا متوالا

ہوا ختم آہ وہ دورِ شرابِ مجلسِ دوشیں — نہ وہ ساقی ہے اب باقی نہ وہ خمخانہ بطحا
کہاں وہ عہدِ سرشاری کہاں یہ دورِ محرومی — کہاں کیفِ مئے عرفاں کہاں رنج خمار افزا
وہی مینا ہے اب بھی پر نہیں وہ بادۂ رنگین — وہی صہبا ہے اب بھی پر نہیں وہ شورشِ صہبا
کرے گو دورِ گردوں لاکھ اپنی سعی امکانی — پلٹ کر پھر کبھی وہ عہدِ اقدس آنہیں سکتا
نہ دیکھی ہوگی چشمِ آسماں نے بزمِ قدسی ایسی — سُنے ہوں گے نہ عالم نے یہ نغماتِ طرب افزا
نہ پائے گا زمانہ پھر کبھی مجد و شرف ایسا — نہ دیکھے گا کبھی پھر یہ سعادت دیدۂ دنیا

منظاہر تھے یہ سارے رحمۃ للعالمینی کے،
کرشمے تھے یہ سب بس آپ کی لطف آفرینی کے

شہنشاہِ کونین کے دربار میں

از مولوی منظور حسین صاحب ماہر القادری حیدرآباد دکن،

اے کہ ترے کرم سے ہیں پست و بلند مستفید — اے کہ ترا وجود ہے وجہِ ظہورِ کائنات،
کھول دیئے اک آن میں تونے حقیقتوں کے راز — ایک نظر میں توڑ دی تونے حدِ تعینات
گردشِ چرخِ چنبری اسکا نہ کچھ بھی کر سکی — تونے نگاہِ لطف سے بخشدیا جسے ثبات
اے کہ ترے ظہور نے دہر سے محو کر دیئے — کفر کے سب تکلفات شرک کے سب توہمات
صلِ علیک یا نبیؐ، رد ازل دیا گیا — تیرے اصول کو خلود تیری حدیث کو ثبات
دہر کو جگمگا دیا طور کو گرد کر دیا، — قلۂ بوقبیس پر اُف رے تری تجلیات
عزم کا تیرے پرتوا شانِ جلالِ حیدری — صبر کا تیرے آئینہ غربتِ تشنۂ فرات
تیرے جلال کے حضور سطوتِ روم ریزہ ریزہ سجدہ — تیرے قدم پہ جبہ سا شانِ شکوہِ سومنات
کب سے کرم کا منتظر ماہرِ نامراد ہے — اس کی طرف بھی یا نبیؐ گوشۂ چشمِ التفات

مطبوعات جدیدہ

بلاغ مبین، از مولوی محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی، ۲۵۵ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت ۲ر، پتہ دفتر بلاغ مبین، سوئیوالان، دہلی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف سلاطین حکام، اور قبائل کے سرداروں کے نام جو تبلیغی خطوط ارسال فرمائے تھے، انھیں اس کتاب میں جمع کیا گیا ہے، کتاب تین حصوں "اصول تبلیغ" "فرامین سید المرسلین" اور "نتائج و عبر" کے عنوانون میں تقسیم ہے، پہلے حصہ میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کے اصول اور طریقے بیان کئے گئے ہین، دوسرے میں مکاتیب و فرامینِ نبوی ایک ایک کرکے درج ہین، اور ان میں سے ہر ایک سے متعلق جملہ مباحث و معلومات یکجا کئے گئے ہیں، اور مختلف مقامات پر مختلف فیہ روایتون پر ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے، عربی ماخذون میں مکاتیب و فرامین نبویہ کے متعلق جو معلومات و مباحث ہیں، لائق مصنف نے ان پر غور و فکر کی نظر ڈالی ہے، اور مختلف شبہات کا ازالہ کیا ہے، ایک دو عوتی مکاتیب کے فوٹو بھی دیے گئے ہیں جن میں مقوقس شاہ مصر کے نام کا ایک مکتوب ہے، لیکن لائق مصنف نے متن کتاب میں مقوقس کے نام کے خطوں کی دو اصلوں میں سے ایک کو جعلی قرار دیا ہے، اس طرح جس مکتوب کا فوٹو چھاپا گیا ہے، وہ مکتوب کی تیسری اصل قرار پاتا ہے، اور متن کے بیان کے لحاظ سے اُسے بھی جعلی قرار دینا پڑے گا، متن میں اس التباس کو دور کرنا تھا، کتاب کے آخری حصہ نتائج و عبر میں عہدِ نبوی میں اسلام کی اشاعت کے طریقے، اور اسلام کی اشاعت کے اسباب و وسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور اس کے بعض اعتراضوں کا رد کیا ہے،

حقیقت جاپان، (حصہ اول و دوم) از جناب شیخ محمد بدر الاسلام صاحب فضلی بی اے، حجم ۱۴۴

۳۰۰ صفحے، قیمت درج نہیں، ناشر انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن،

جاپان اور ہندوستان کے درمیان گہرے تجارتی تعلقات موجود ہونے کے باوجود ہندوستان کے عام لوگ بڑی حد تک جاپان کے حالات سے بے خبر ہیں، حقیقت جاپان کے لائق مصنف شکریہ کے مستحق ہیں، کہ انھوں نے جاپان کے متعلق معلومات کا قیمتی ذخیرہ اردو میں فراہم کردیا، موصوف حکومت ہند کی طرف سے جاپان کے مدرسۃ السنہ خارجہ میں اردو فارسی کے لکچرار بناکر بھیجے گئے تھے، اور اس سلسلہ میں انھیں وہاں مستقل سکونت اختیار کرکے اس کتاب کے مرتب کرنے کا موقع ملا، اس کا پہلا حصہ "سیاحت جاپان" اور دوسرا "جاپان کی معاشرت و تمدن" کے عنوان سے ہے، لائق مؤلف کو اس کتاب کے لکھنے کا خیال آغاز سفر سے ہوا، اسلئے وہ اپنا روزنامچہ قیمتی معلومات کیساتھ دلچسپ انداز میں مرتب کرتے گئے، جس میں جاپان کی خانگی اور پبلک زندگیوں کے دلچسپ واقعات تاریخی مقامات و عمارات کے مستند حالات، اور ہر قسم کے تمدنی معاشرتی اخلاقی علمی تعلیمی، اور سیاسی حالات و کوائف درج ہیں، اور دوسرے حصہ میں جاپان کے جغرافی حالات" قومی و نسلی خصوصیات" عقائد و مذاہب" حکومت و سیاست" "ادبیات" زبان" تعلیم اور صنعت و حرفت و تجارت" وغیرہ پر مفید و پر معلومات مضامین ہیں، پھر ایک تتمہ میں سیاحون کیلئے ضروری ہدایات ہیں، اور اس ضمن میں جاپانی زبان کی گویا ایک مختصر ریڈر اردو میں لکھ دی گئی ہے،

کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے، کہ معلومات تحقیق و جامعیت سے مرتب کئے گئے ہیں، اور اس سے جاپان کی مختصر تاریخ کیساتھ عام تمدنی معاشرتی حالات، رسم و رواج اور رہتے سہتے چلتے پھرتے جاپانیوں کی تصویر کھینچ گئی ہے، امید ہے کہ یہ کتاب دلچسپی سے پڑھی جائے گی،

اردو اور صوفیۂ کرام از مولوی عبدالحق صاحب بی اے، معتمد انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن، ۹۰ صفحے، قیمت ۸ر

ہندوستانی زبان (اردو) کی تخلیق میں ہمارے صوفیۂ کرام کا بڑا حصہ ہے، وہ عوام کی رشد و ہدایت

...ئے ان سے ان کی زبان سے ملی جلی ہوئی زبان میں باتیں کرتے، اور کبھی ان کی زبان سے معنی خیز جملے ہندوستانی
...ان میں نکلتے، جو ان کے ملفوظات اور تذکروں میں قلمبند ہوگئے ہیں، مولوی عبدالحق صاحب نے صوفیہ
...چند ایسے ہی فقروں، دوہوں اور منتروں کو اس رسالہ میں جمع کیا ہے، اور جن موقعوں پر وہ بولے گئے
...ن کی تشریح کی ہے، اس میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر سے لیکر بابا شاہ حسینی گجراتی تک کے تقریباً ۲۰ صوفیہ
...فقرے یکجا ہوئے ہیں، یہ رسالہ اردو زبان کی تاریخ کی ایک دلچسپ کڑی ہے،

داستان رانی کیتکی، ناشر انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد دکن، حجم ۱۵ صفحے، قیمت ۴ر

یہ سید انشاء اللہ خان انشاء کی ٹھیٹھ ہندوستانی زبان میں لکھی ہوئی ایک کہانی ہے، جس میں انھوں نے التزام
...یا تھا، کہ عربی فارسی کا کوئی ایک لفظ نہ آنے پائے، اگرچہ اسکی زبان کسی جگہ بعید نامانوس معلوم ہوتی ہے، مگر اکثر
...بلکہ سادہ طرز تحریر اور محاوروں اور ہندی کے میٹھے لفظوں کا لطف آتا ہے، تعجب ہو کہ اس کہانی کا نام داستان
...انی کیتکی کیسے قرار پایا!

میری ناتمام محبت اور دوسرے رومان، لاش اور دوسرے ہیبتناک افسانے، مصنفہ جناب حجاب اسمٰعیل صاحبہ، حجم ۱۷۰، ۲۱۱ صفحے، قیمت مجلد
۱۲، ۱۲ ناشر دارالاشاعت پنجاب، ریلوے روڈ، لاہور،

یہ دونوں جناب مس حجاب اسمٰعیل (حال مسز سید امتیاز علی تاج) کے چند افسانوں کے مجموعے ہیں، پہلے
...مجموعہ میں چار افسانے ہیں، کسی میں ناکام محبت کی تصویر کھینچی ہے، اور کسی میں عشق و محبت کے جذبات کی ترجمانی
...ہے، اور بعض المیہ افسانے ہیں،

دوسرے مجموعہ میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، ہیبتناک افسانے ہیں، جنمیں انسانوں پر روحوں کے
تسلط و متصرف ہونیکے واقعات بیان کئے گئے ہیں،

افسانوں کی زبان اگرچہ صاف ہے، مگر کہیں کہیں ترجمہ کی جھلک نظر آتی ہے، افسانوں کے پلاٹ وغیرہ

بھی مغربی طرز کے ہیں، اور اسی رنگ کی شوخی اور بے حجابی بھی ہے،

سوانح برادران باربروسہ، از جناب رحمت نبی خان صاحب رامپوری ۱۰۳ صفحے قیمت ۸ر

جناب صولت حسین خان ایم اے، قاضی ٹولہ بریلی،

اس رسالہ میں سولہویں صدی کے مشہور مجاہد خیرالدین (باربروسہ) کے سوانح حیات اور جنگی کارنامے بیان کئے گئے ہیں، واقعہ نگاری میں جذبات و عواطف کی ترجمانی زیادہ شامل ہوگئی ہے،

سبل السلام، از مولوی خواجہ محمد عبدالحیٔ صاحب فاروقی استاذ تفسیر جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی، ۹۶ صفحے، قیمت ۱۲ر

مولوی خواجہ محمد عبدالحیٔ صاحب فاروقی جدید مذاق پر قرآن مجید کی مختلف سورتوں کی تفسیریں وقتاً فوقتاً شائع کرتے ہیں، اس سلسلہ کی یہ بھی ایک کڑی ہے، اس میں اٹھائیسویں پارے کی سورتوں کی تفسیر درج ہے، فہرست مضامین کی بعض علمی سرخیاں یہ ہیں "مجلس شوریٰ" "قیام سلطنت" "ترک موالات" "علمائے ملت" "ارباب دولت" "دین و سیاست" اور "نصب العین کی حفاظت" وغیرہ۔

گاندھی نامہ (حصہ اوّل) از جناب میاں محمد رفیق صاحب خاور، ایم اے، باغبان پورہ، لاہور، ۱۹۲ صفحے، قیمت ۱۲ر،

یہ گاندھی جی کی منظوم سوانح عمری ہے، جسے ایک مسلم شاعر نے ایک مسلم شاعر کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک آزاد خیال شاعر کی حیثیت سے لکھا ہے اور یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ شاعر نہ صرف معانی میں آزاد ہے، بلکہ زبان و بیان کے مصنوعی اصولوں کی پابندی کو تنگ نظری و ناشناسی پر محمول کرتا ہے، واقعات گہرے وارفتگانہ انداز اور والہانہ جذبات کے ساتھ لکھے گئے ہیں، اور یہ پہلا حصہ گاندھی جی کے سفر ولایت تک کے حالات پر مشتمل ہے،

مسلمانانِ موریشس ملنے کا پتہ حکیم عبداللہ سید نواب نبی خانہ مولوی اکبر اردو محلہ حیدرآباد دکن حجم ۴۴ صفحے،

اس رسالہ میں مسلمانان جزیرہ موریشس کے تعلیمی معاشرتی صنعتی اور سیاسی حالات بیان کئے گئے ہیں، رسالہ پر معلومات ہے،

جلد ۳۶	ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۳۵ء	عدد ۲

مضامین

شذرات

اخبارات کی زبانی ناظرین تک یہ خبر پہنچی ہوگی کہ ہماری زبان کے پرانے ادیب و مصنف اور مسلمان لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے مشہور مبلغ مولوی سید ممتاز علی صاحب مہتمم تہذیب نسواں لاہور نے وفات پائی انا للہ، مرحوم کا وطن دیوبند تھا عربی کی تعلیم پائی تھی، اور ساتھ ہی جدید تعلیم سے بھی بہرہ ور تھے، اس زمانہ میں سر سید مرحوم کی تحریک کا شباب تھا، اس شمع کے گرد جو پروانے جمع ہوگئے تھے ان میں ایک یہ بھی تھے، مسلمانوں میں وہ پہلے شخص تھے جس نے تعلیم نسواں کی تبلیغ کی، اور اس تبلیغ میں ان کو کامیابی ہوئی وفات کے وقت ان کا سن ستر کے قریب ہوگا، ابھی اسی سال کی اخیر جنوری میں لاہور میں ملاقات ہوئی تھی، اسی وقت وہ زار و نزار، اور حبس بول کی شکایت میں مبتلا تھے، آخر وہ اس تکلیف سے جانبر نہ ہو سکے اور چل بسے، اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے، نہایت خوش خلق، متواضع، اور مرنج و مرنجان بزرگ تھے،

یکم جولائی ۱۹۳۵ء سے خاکسار اڈیٹر سفر میں ہے، چند روز راہ میں بھوپال ٹھہرا، اور اب ۸ جولائی سے حیدر آباد دکن میں قیام ہے، اور شاید اس پرچہ کے آپ کے ہاتھوں میں پہنچنے تک اعظم گڈھ کو واپسی ہو، وجہ سفر حیدر آباد میں فقہ کے قانون قتل و قصاص کی ترتیب و تدوین کی مجلس میں شرکت ہے، مجلس مذکور کے اجلاس متواتر ہو رہے ہیں، اور شاید دو ہفتوں تک اور ہوں،

اس سفر کے علمی فوائد انشاء اللہ واپسی کے بعد آپ تک بھی پہنچینگے، ریاست بھوپال کا سرکاری کتبخانہ جسکا نام کتب خانۂ حمیدیہ ہے، چند برسوں میں بہت کچھ بڑھ گیا ہے، اسی طرح حیدرآباد کے علمی خزانوں میں پہلے سے بہت زیادہ اضافہ ہوگیا ہے، جامعۂ عثمانیہ کے شہر کے باہر بنجانے سے کہنا چاہئے کہ ایک نیا مدینۃ العلم آباد ہو رہا ہے، سرکار آصفیہ اس کی تعمیرات پر جس فیاضی سے خرچ کررہی ہے، اسکی مثال تاریخوں میں بھی نہیں مل سکتی، اور ہماری زبان کو اس سرکار مدد دلتمدار کی ان کوششوں سے وہ استواری مل رہی ہے، جس کو انشاء اللہ حوادث کا طوفان بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکے گا،

جاپان کے اسکول آف فارن لینگویجز (مدرسۃ السنۂ خارجیہ) کے ہندوستانی پروفیسر نور الحسن برلاس صاحب اپنے ایک مکتوب مورخہ ۶ جون ۱۹۳۵ء میں لکھتے ہیں:-

"معارف جاری کرنے کا تہ دل سے شکریہ عرض ہے، پروفیسر گامو ہندوستانی زبان کے جاپانی پروفیسر اسے دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے، انھیں اسلامی تمدن کی تحقیقات کا بڑا شوق ہے، آپ کی اور علامہ شبلی کی تصنیفات سے بہت استفادہ کرتے ہیں، جاپانی زبان میں مضمون بھی لکھتے رہتے ہیں"

اس اقتباس سے معلوم ہوگا کہ ہماری ہندوستانی زبان مشرق اقصیٰ کے کناروں تک پہنچ چکی ہے،

ہندوستان کی اس عالمگیر اور وسیع زبان کا غلط نام اردو ایسا مشہور ہوگیا ہے کہ لوگ مذہبی اصطلاحات کی طرح اس کو پکڑے ہوئے ہیں، حالانکہ اس لفظ کے اندر اس زبان کی پیدایش کی بالکل غلط تاریخ پوشیدہ ہے، عموماً ہر زبان کا نام اس زبان کے ملک یا قوم کی ہمنامی سے پیدا ہوتا ہے، اس لئے ہندوستان کی اس عام مشترک زبان کا صحیح نام ہندوستانی ہوسکتا ہے، اور یہ وہ نام ہے جو کم از کم تین چار سو

برس سے اس زبان کا رکھا گیا ہے،

اردوے معلّٰی "شاہجہان آباد" میں مغل دربار یا قلعہ کی آبادی کا نام تھا، شروع شروع میں اسکا نام "زبان اردوی معلّٰی" یعنی دلّی کے شاہی قلعہ کی زبان مشہور ہوا، اور استعمال کی کثرت سے انگریزی عہد میں اردو یعنی شاہی قلعہ اس زبان کا نام قرار پاگیا، جو سراسر غلط اور بے اصل ہے، اور گویا یہ کہنا ہے کہ یہ دہلی کے شاہی قلعہ کی زبان تھی، جو سارے ہندوستان میں پھیلا دی گئی، حالانکہ یہ بات بالکل بے بنیاد ہے،

اس زبان کا ابتدائی نام ہندی، یا ہندوستانی اور زبان ہندوستان تھا، ہمارے ہموطنوں نے ہندی کو اپنی ایک خاص زبان اور رسم خط کے معنوں میں لیکر ایسا مشہور کردیا کہ یہ نام اس کے لئے خاص ہوگیا، اب دوسرا نام **ہندوستانی** باقی ہے، اگر اردو کو چھوڑ کر اس کے اس اصلی اور قدیم نام کو زبان زد اور عام نہیں کیا گیا، تو

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر
مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

پچھلے سال اس مسئلہ پر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں ایک مقالہ "ہندوستان میں ہندوستانی" کے عنوان سے پڑھا تھا، اس دفعہ اسی موضوع پر جامعۂ عثمانیہ کے یونین میں ایک مفصل تقریر کی، تاکہ شمال وجنوب کی دونوں یونیورسٹیوں کے سامنے اس نام کی اہمیت نمایاں ہوجائے، ضرورت ہے کہ ہمارے اخبارات اور رسالے جن میں بے عمل معارف بھی داخل ہے، آیندہ سے اردو کے بجاے ہندستانی کو رواج دیں،

ہندوستان کی اسلامی ریاستوں میں عورتوں کے حقوق کی اصلاح و تعیین اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے عدالتی قوانین کے وضع کرنے کا میلان بڑھتا جاتا ہے، اس راہ میں سب سے پہلا قدم اعلیٰحضرت رفعت مآب نواب بھوپال خلد اللہ ملکہٗ نے اٹھایا، اور قانونِ فقہی کے مختصر دفعات جو اس زمانہ کے لئے موزوں ہو سکتے تھے علماء کے مشورہ سے وضع کرکے نافذ فرمائے، اس کے بعد ریاست جاورہ نے اسی قسم کی کوشش کی جسکی تفصیلی اطلاع بجز ایک استفتاء کے ہم تک نہیں پہنچی، اب یہی تحریک سلطنت آصفیہ کی مجلس قانونی میں پیش ہے مجلس مذکور کے ایک مسلمان ممبر نے ایک مسودہ تیار کیا ہے، جو استصواب کی غرض سے عام طور سے شائع کیا گیا ہے اور وہاں کے علماء کی مجلس نے کسی قدر ترمیم کے ساتھ اپنا دوسرا مسودہ تیار کیا ہے لیکن ہنوز علماء عام طور سے اس دوسرے مسودہ کی تائید میں بھی نہیں ہیں، ہم ابھی حنفی اور شافعی اور مالکی کی جنگ میں مبتلا ہیں، اور زمانہ سرے سے فقہ اسلامی کی ضرورت سے منکر ہونے پر تل رہا ہے،

جنگِ عظیم کے بعد سے اہل حجاز اور خصوصاً ساکنین مدینہ منورہ جس فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گئے ہیں انکی طرف دنیائے اسلام نے اب تک جیسی توجہ چاہئے تھی نہیں کی، ملک حجاز ظاہر ہے کہ ایک بے آب و گیاہ ملک ہے لیکن مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس کی زمینیں سرسبز و شاداب ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ سلاطین اسلام نے ان کی خدمت مشائخ زادوں کی طرح کی ہے، ان سلاطین کی نیک نیتی اور جذبۂ ایمانی میں شک نہیں، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کما کر کھانے کی قوت ان سے زائل ہو گئی،

اب زمانہ کے انقلاب سے نہ وہ سلاطینِ اسلام باقی ہیں، نہ ان کے اوقاف کا پتہ ہے، ہندوستان، عراق، شام، روم، مغرب جہاں بھی حرمین محترمین کی خدمت کے لئے اوقاف تھے وہ غیر اسلامی سلطنتوں کے قبضہ میں چلے گئے، اور بند ہو گئے، لے دے کر مصر میں اوقاف باقی ہیں، مگر وہ قومیاتی سیاسیات کے چکر میں پڑ گئے ہیں،

کسی سال غلہ چلا جاتا ہے، کسی سال بند ہو جاتا ہے،

حیدرآباد بھی ایک اسلامی سلطنت ہے، یہ بھی اپنے مقدور بھر اہل حجاز کی خدمت بجا لاتی ہے، لیکن جو چیز زیادہ تسکین دہ ہے، وہ یہ ہے کہ یہاں کے متعدد اہل منصبداروں نے حجاز کی امداد کے لئے چند غیر سرکاری مجلسیں قائم کی ہیں، جنھیں یہ مشترک مقصد شامل ہے کہ حرمین محترمین میں ایسے کارخانے اور صنعتگاہیں قائم کیجائیں، جنھیں حجاز کے ناداروں کو کام میں لگایا جائے، اور ان کو اس محنت و مزدوری کے ذریعہ سے فائدہ پہنچایا جائے" ہمارے خیال میں اہلِ حجاز کی امداد کی یہ بہترین صورت ہے، کیا اچھا ہو کہ یہ کل کام کرنے والے مل کر کام کریں اور ساتھ ہی ہندوستان کے دوسرے شہروں میں بھی اس غرض کے لئے کچھ اشخاص کھڑے ہوں یا معتبر انجمنیں قائم ہوں۔

ایک زمانہ تھا کہ علماے اسلام باوجود سفر کی دقتوں، اور ذرائعِ اطلاع کی مشکلوں کے اس طرح باہم ایک دوسرے کے فضل و کمال سے آشنا تھے کہ مشرق کا عالم مغرب کے علماء سے، اور مغرب کا عالم مشرق کے علماء سے اچھی طرح واقف اور ایک دوسرے کے علم سے مستفید ہوتا تھا، اور یہ سب صدقہ تھا حج کے اصلی مقاصد کی زندگی کا اب جو لوگ حج کرنے جاتے ہیں، وہ تو صرف سر کا بوجھ اتارنے جاتے ہیں، نتیجہ بھی وہی ہے، کہ روحانیت اور قبولِ ثواب کی برکات کا حال تو اللہ جانے مگر مادی و علمی نقطۂ نظر سے تو یہ سفر جس عجلت اور بیگانہ وشی کے ساتھ کیا جاتا ہے، وہ نہ کرنے کے برابر ہے، ابھی آج سے تیس چالیس سال پہلے تک جب حرمین محترمین میں بڑے بڑے علماء موجود تھے، اور کچھ نہیں تو دنیاے اسلام کے علماء حصولِ برکت اور سلسلہ کے لئے قرآن پاک و احادیث کی سندیں ہی حاصل کرتے تھے، مگر افسوس کہ ساڑھے تیرہ سو برس کی جلتی ہوئی یہ شمع بھی بجھتی نظر آتی ہے، الا ماشاء اللہ،

مقالات

جدید کلام قدیم زبان مین

(۲)

از مولینا سید مناظر احسن صاحب گیلانی استاذ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

ان کل مباحث سے فارغ ہونے کے بعد آپ کی توجہ اسلام کے ان جزئی مسائل کی طرف منعطف ہوئی ہے، جن سے یورپ کی ساختہ پرداختہ جدید ذہنیت وعقلیت کو خواہ مخواہ دکھ پہنچتا ہے، یا پہنچ سکتا ہے، ان تمام مباحث میں آپ نے خصوصیت کیساتھ دو باتوں کا التزام کیا ہے، (۱) یورپ کے اسی فی صدی باشندے جس مذہب کو اپنی زندگی کا آئین و دین بنائے ہوئے ہیں، اسی پر جینا اور اسی پر مرنا چاہتے ہیں، خود اس مذہب میں ان مسائل کے متعلق کس قسم کے احکام اور معلومات ہین، اس سے بڑا مقصد آپ کا ان پادریون اور باشندگان یورپ کو شرم دلانا ہے، جو اسلام پر منہ آتے ہین، حالانکہ وہ ساری نکتہ چینیان خود اس دین پر ایک ایک کرکے منطبق ہیں، جسے انھون نے اپنا دین بنا رکھا ہے، اس قسم کی باتون کے بعد آپ نے لکھا ہے، اور بجا لکھا ہے کہ

"وہی حضرت عیسیٰ کی بات پوری ہوئی، کہ اپنی آنکھ کی شہتیر نہیں دیکھتے ہو، اور بیگانہ کی آنکھ کا تنکا دیکھتے ہو،"

۲- دوسری یہ کہ جن مسائل کے متعلق دعوی کیا جا رہا ہو کہ انسانی عقل وفطرت پر وہ گران ہیں گرانی کا یہ افسانہ آیا واقعی ہے یا صرف یورپ کے منہ زور دن، قلم کے چالاک دستوں، کلیسا کے دشمنون کے انتہا پسند گروہ کے فقط شور

وغو غا جدل و مشاغبہ سے یہ وہم پیدا ہو گیا ہے"؟

آپ نے ہر ایسے سوال کو جہانتک اس زمانہ میں رسائی ممکن تھی، اٹھایا ہے، اوران ہی دونون اصول کے ماتحت سب کے ایسے جوابات دیئے ہیں، کہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے، کہ آجتک جو کچھ کہا گیا ہے، اس کا ایک بڑا کارآمد اور قیمتی حصہ اس کتاب میں آگیا ہے، نمونہ کے لئے چند مسائل کا ذکر کرتا ہون،

اس ذیل میں آپ نے مسئلہ تقدیر، جسمانی دوزخ اور جنت، تعدد ازدواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ایمان و عمل کے نتائج، اوران کے امتیازات، حقیقت عبادات، قانون مغفرت کی تشریح، زمین کے قطبی علاقے جہان دن رات مہینون دراز ہو جاتے ہیں، وہان نماز و روزہ کی ادائی کی شکل، ذو القرنین کے قرآنی قصہ میں آفتاب کے چشمہ میں غروب ہونے کی نوعیت، مسئلہ نسخ ادیان، مسئلہ جہاد کی حقیقت، اسلام اور تلوار کا تعلق، قانون قتل مرتد، اشاعت اسلام کے اسباب، اسلامی حکومت اور غیر اسلامی حکومت میں اصولی فرق، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بائبل کی پیشینگوئیان، خود آنحضرتؐ کی وہ پیشینگوئیان، جو اس وقت تک پوری ہوتی جائیں گی، آپکے معجزات وغیرہ،

تعارف و تبصرہ کے کسی مضمون میں مشکل ہے، کہ ان تمام مباحث کا استقصار کیا جائے، جو اس کتاب میں درج ہین تاہم بطور نمونہ کتاب کی چند اہم باتون سے ناظرین کو محروم رکھنا بھی ایک ظلم ہے،

مسئلہ تقدیر | حسب دستور اس مسئلہ کے متعلق مغربی مذاہب یعنی یہودیت و نصرانیت کی مستند کتابون سے ان شہادتون کا انبار لگا دیا ہے، جن سے مسئلہ تقدیر ثابت ہوتا ہے، اور واقعہ یہ ہے، کہ دنیا کا کونسا مذہب یا دھرم ایسا ہے، جسمیں فطرت کے اس اٹل قانون کی تعلیم نہیں دی گئی ہے، پھر تحقیقی طور پر اس مسئلہ کی تقریر یون فرماتے ہین،

"قرآن اور حدیثون کے جمع کرنے سے دو باتین ثابت ہوتی ہیں، ایک تقدیر کا مسئلہ اور دوسرے یہ کہ آدمیون کے افعال بمشیت الٰہی ظہور میں آتے ہین"

آپ نے ان دونوں مسئلوں کو الگ الگ مسئلہ قرار دیا ہے، پہلے مسئلہ تقدیر کی تقریر کتنے صاف اور واضح لفظوں میں کرتے ہیں:۔

> "سو تقدیر کے معنی ہمارے اصول میں یہ ہیں، کہ جو کچھ عالم ظہور میں نمودار ہوتا ہے، منجملہ جواہر ہوا خواہ منجملہ اعراض، سب کا انداز ظہور کا یعنی یہ کہ کیا؟ کون؟، کیسا؟ کتنا؟ اور کب؟ وغیرہ لوازم ظہور ازل سے خداوند تعالیٰ کے علم میں داخل ہے، کہ سر مو اس کے خلاف ظہور میں نہیں آسکتا ہے، اور جو چیز جس انداز سے ظاہر ہوتی ہے، وہ خداوند تعالیٰ کے سابقہ علم ازلی سے باہر نہیں ہو سکتی، جو کچھ اسے معلوم ہے، اس کا ظہور اوس کی نسبت سے ہوتا ہے یعنی اگر وہ چاہتا ہے، تو ظاہر ہوتا ہے، اور اگر نہیں چاہتا تو نہیں ظاہر ہوتا:"

گویا آپ کے نزدیک تقدیر کا منکر وہی ہو سکتا ہے، جو عالم کو بجائے خدائے علام الغیوب کے مادہ اور اوس کے قوانین کا مظہر سمجھتا ہے، یا جو سمجھتے ہیں کہ خدا نے عالم کو بغیر کسی سابقہ پروگرام کے بنایا ہے، ان کے نزدیک اپنے لفظوں میں:۔

"خدا غیر مآل اندیش ٹھہرے گا"

یعنی کم از کم منکر تقدیر کے لئے یہ تو ناگزیر ہے کہ عالم اور اوس کے نظام کو کسی غیر مآل اندیش کا کارنامہ قرار دے، حالانکہ خدا اور "غیر مآل اندیش" دونوں متضاد باتیں ہیں، اس کے بعد دوسرے مسئلہ کی تشریح ان لفظوں میں فرماتے ہیں:۔

> "دوسرا مسئلہ مشیت کا سو ہمارے اصول میں اس طرح پر ہے کہ معلومات حضرت حق جل و علا کا ظہور نہیں ہوتا، مگر بموجب اوس کے ارادے کے نہ کسی اور کے ارادے سے"

مطلب یہ ہے کہ جب افعال انسانی بھی معلومات حق ہیں، اسلئے ان کا ظہور بھی بغیر ارادہ حق کے نہیں ہو سکتا، لیکن پھر بالاتفاق انسان کو اپنے اعمال و افعال کا ذمہ دار فطرۃً قانوناً شرعاً کیوں قرار دیا جاتا ہے؟

اس باریک مسئلہ کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں :-

"اور جس چیز کو خداوند تعالیٰ نے وصفِ ظہور میں ذی علم اور صاحبِ ارادہ بنایا ہے، مثلاً انسان کو سو اوس کے ارادے کے آثار نہیں متفرع ہوتے ہیں، اس طرح پر کہ اس میں ارادۂ الٰہی کو دخل نہ ہو"

لیکن انسانی ارادہ کے ساتھ ارادۂ الٰہی کس طرح دخیل ہے، اس کا حل محققانہ اور گہرے لفظوں میں پیش کرتے ہیں، فرماتے ہیں :-

"جس طرح انسان کی ہستی حدوثاً و بقاءً ہر آن حضرت وجود واجب کے فیض ارادی کی محتاج ہے، اسی طرح انسان کے خواص و لوازم کے آثار بھی حدوثاً و بقاءً اسی کے فیض کے محتاج ہیں" "انسان جو مکلف بالشرع ہے، اسی ذی علم و الارادہ ہونے سے اور اسی جہت سے مستحق ثواب و عذاب ہوا کرتا ہے"

کم از کم میرے علم و تحقیق میں نہ صرف اردو بلکہ عربی کی بھی کسی کتاب میں اس ژولیدہ اور عمیق مسئلہ کی اتنی اچھی تعبیر نظر سے نہیں گذری، لیکن افسوس ہے، کہ آپ نے اجمال سے کام لیا ہے، خواص تو انشاء اللہ تعالیٰ اسکی گہرائیوں تک پہنچ جائینگے، لیکن عوام کے لئے تشریح کی ضرورت تھی، جس کا موقع نہیں ہے[1] خود

[1] کم از کم ان دو باتوں پر غور کیا جائے ایک تو یہ کہ انسان حق تعالیٰ کا کن فیکونی مخلوق ہے، اور کن فیکونی مخلوق ذاتاً و صفاتاً اپنی پیدائش و بقاء میں ہر لحظہ خالق قیوم کی فیض تخلیقی و اتفاقی کی محتاج ہوتی ہے دوسری بات یہ ہو کہ انسان باوجود کن فیکونی مخلوق ہونے کے حق تعالیٰ کا خلیفہ اور اسکے تمام صفات کا مظہر ہے، جن میں اختیار و ارادہ بھی ہو، پس انسان نہ تو خدا کی طرح مختار مطلق ہے اور نہ آفاقی کائنات کے مانند مجبور مطلق، بلکہ وہ مختار ہے لیکن ایسا مختار جس کا اختیار حق تعالیٰ کے ارادہ و اختیار کیساتھ وابستہ ہو گویا وہ ایک مختار نما مجبور یا مجبور نما مختار ہو یا شاہ ولی اللہ کے لفظوں میں انسان میں اختیار ہو لیکن اس اختیار پر اسے اختیار نہیں واللہ اعلم بالصواب والایمان تعلیمی،

اس بحث کو ختم کرنے کے بعد فرماتے ہیں،

اگر اس مسئلہ کی وقت کا لحاظ نہ ہوتا، تو بحول اللہ و قوتہ و بہ تصدق نعلین مقدسہ

غلامان شاہنشاہ دوجہان حضرت سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے اس مقام پر اس مسئلہ کے ثبوت کی دلیلیں ایسے وضع پر لکھتا، کہ سننے والوں کو خدا چاہتا تو مزا آتا

تلوار، | مسئلہ کا ذکر چھیڑتے ہوئے پہلے ایک تاریخی شہادت ادا کرتے ہیں،

پادری لوگ عوام مسلمانوں اور اپنے تابعداروں اور ہندوؤں کو اکثر مسئلہ جہاد کو بہ تقاریر

رنگارنگ بیان کرکے دین اسلام سے بیزار کرتے ہیں، اور عجیب وغریب مغالطے دیا کرتے ہیں"

آج ہندوستان میں مختلف جماعتوں کے اندر "اسلام بزورِ شمشیر پھیلا" کا جو شور وغوغا ہے، اسلام کی سیاسی

کے متعلق عام مسلمانوں کو کالجوں اور اسکولوں کے فتنہ انگیز گمراہ کن نصاب سے جو شکوہ ہے، ایک صد سالہ

اس علمی شہادت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ یہ شوشہ ابتداءً کن لوگوں کا چھوڑا ہوا ہے، اس مغالطے

پر ہسٹری، ریسرچ اور تحقیقات وغیرہ الفاظ کے غازے کس طرح ملے جارہے ہیں، ہندوؤں اور انگریزوں

اروں کا خیال کرکے آپ نے اس مسئلہ کے متعلق خلاف دستور علاوہ مغربی مذاہب (یہودیت و نصرانیت)

ادیان ہند واور پارسی مذہب کی کتابوں سے بھی ان شہادتوں کو جمع کیا ہے، جس میں اس مسئلہ

نوناً وعملاً زور وشور سے کیا گیا ہے، اور آخر میں بائبل کے ایسے دفعات مثلاً

تم یہ سلوک کرو کہ ان مذبحوں کو ڈھادو، اور ان کے بتوں کو توڑدو، ان کے باغوں کو کاٹ

ڈالو، اور ان کی تراشی ہوئی مورتوں کو آگ میں جلادو جتنی لڑکی ہیں، سب کو قتل کردو...... لیکن

وے لڑکیاں جو مرد کیساتھ سونا نہیں جانتی ہیں، انہیں اپنے لئے جینے دو"

اس کے بعد آپ نے مسیحی یورپ سے یوں دریافت کیا ہے،

اس پر ہمارے یہاں کے مسئلہ جہاد پر ہنسنا کتنی ناانصافی ہے! اگر کوئی طحاد بے دین ہنسے تو ہنسے،

عیسائیون کو کوئی طعن کرنا نہیں پہنچتا"۔

اس کے بعد انھون نے پوچھا ہے کہ اسلام اور تلوار کے افسانے کو اس بلند آہنگی سے اچھالنے کا مقصد کیا ہے، اگر یہ غرض ہو کہ چونکہ اسلام تلوار سے پھیلا، اسلئے وہ باطل ہے، تو پھر اوس کا دوسرا پہلو یہ پیدا ہوتا ہے کہ جتنے خرافات، بدعادات، اوہام ورسوم جو دنیا میں بغیر تلوار کی مدد کے پھیل جاتے ہیں، اور آئے دن پھیلتے ہیں، یہ سب حق وراست ہوں" فرماتے ہیں"۔

"اگر یہی مطلب ہو تو محض جھوٹ ہو، کیونکہ اگر یہ بات سچ کہی جائے، تو چاہیئے کہ اگلے عربوں کی بت پرستی "اور اسی طرح انگلستان کی بت پرستیاں اور ہندوستان کی .... یہ سب مذہب حق ٹھہر جائیں"

ان جزئی امور کیساتھ آپ نے نفس مسئلہ پر ایک ایسی دلنشین تقریر فرمائی ہے، جس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ یہ آپ کا مخصوص حصہ ہو،

مسئلہ جہاد کی نوعیت، آپ کے خیال میں اسلامی جہاد کی ابتدا بھی تبلیغ سے ہوتی ہے، اور اس کی انتہا بھی تبلیغ ہی پر ہے، البتہ تبلیغی آواز میں زور پہنچانے یا حق وصدق کا آزاد تجربہ کرانے کے لئے بسا اوقات ضرورت ہوتی ہے کہ اصلاحی آواز کیساتھ جو قوم مخاطب کیجائے، وہ اپنی قومی سطوت صنفی وجاہت کی انانیت ونخوت کی آلائش سے پاک ہو، فرماتے ہیں"۔

"باتفاق اہل تجربہ بدیہی الثبوت ہے، کہ آدمی کو اپنے خلاف طبع بہ نسبت اور خصوصاً اپنے صنف کے دوسرے کی بات نہ ماننے کا بڑا سبب اکثر اپنے صنف کی وجاہت اور سطوت واقع ہوا کرتا ہے، کہ اس وجاہت وسطوت کے سبب سے دوسرے غیر صنف کی بات پر کان دھرنے کو ننگ وعار جانتا ہے، چہ جائے کہ اوس کو قبول کرنا، کہ یہ بات تو بہت دور ہے، اور جب تک جی لگا کر سنیگا نہیں تو ماننے کی نوبت کاہے کو آئے گی"

پھر جس طرح تجربی طور پر یہ ضروری ہو اسی طرح یہ بھی ضرور ہے کہ"۔

آپنے خلاف طبع امور مضمومہ صنفیہ کی مخالف باتین دوسرے کے کان رکھکر سننا، اوس کا بڑا باعث

تو یہی کوئی شئی غلبہ و جاہت اور سطوت صنفیہ اس کے کہنے والے کی بھی ہو"

ان چند مقامات کے بعد آپ نے نتیجہ نکالا ہے، کہ اسلام کفر کے مقابلہ میں کرۂ زمین پر اگر اپنی سیاسی برتری کا خواہان ہے، تو کیا تبلیغ و دعوت کی آواز کو مؤثر بنانے کیلئے یہ ضروری نہیں ہو؟ باقی دشمنوں کا یہ مشہور کرنا کہ اسلام میں لوگوں کو بزور شمشیر مذہب بدلنے یا دوسرے لفظوں میں منافق بننے پر مجبور کیا جاتا ہے، اسکی شدت کیساتھ تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

"اگر کہئے کہ بعضے جابرہ ملوک اسلامیہ نے کسی جگہ بطور اکراہ کے شمشیر زنی کی تو اول اسکا ثبوت چاہئے،

علاوہ بریں اگر کسی نے کی تو خال خال کہیں اتفاقیہ بسبیل ندرت کی ہو،

معہذا اس شمشیر زنی سے کچھ دین نہیں پھیلا، جیسا خلفاے راشدین اور اون کے تابعین بالاحسان

کے ہاتھ سے پھیلا، پس جابرہ کے اکراہ کرنے سے اصل دین باطل نہیں ہوتا؛

پھر سیاسی برتری حاصل کر لینے کے بعد اسلام اپنے فرض تبلیغ کو کس طرح ادا کرتا ہے، اس کے متعلق فرماتے ہیں"۔

"اور سطوت و فرمانروائی کی جہت سے دین کا پھیلنا دو طرح سے ہوتا ہے، ایک یہ کہ اہل حکومت کی فروتنی، اور مروت، و سخاوت، اور عدم تنگ گیری، اور تہذیب اخلاق اور حسن اعمال اور زہد، اور بزرگیان باعث ہوتی ہیں، جیسا کہ ہمارے یہاں پہلے طبقہ والون کے ہاتھ سے ہوا، جوں جوں انکے آثار کم ہوتے گئے دین کی ترقی بھی کم ہوتی گئی،"

بعد کے خلفاء اور سلاطین نے جو قیصری و کسروی رنگ اختیار کر لیا تھا، اس پر افسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ ان کے بعد اشاعت اسلام کا مرکز ثقل بجائے سلطنت کے زور کے بزرگون کی روحانی و اخلاقی قوت کی طرف منتقل ہو گیا، فرماتے ہیں"۔

"گوکہ سطوت اور طمطراق ظاہری جبر وقہر مسلمانوں کا بڑھتا گیا، اور بعد اس زمانہ کے جو پھیلا تو اکثر بزرگوں کی کرامتوں سے پھیلا"

بہرحال یوں مسئلہ جہاد کی ابتدا اور اس کی انتہا دونوں آپ کے خیال میں تبلیغ ودعوت ہی پر ختم ہوتی ہے، اسلامی سیاست کے ان دونوں نتائج کو دکھانے کے بعد آخر میں آپ کی نگاہ مغربی سیاست کے ان آثار ونتائج پر بھی پڑتی ہے، جو محکوم قوموں میں سیاسی برتری کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں، لیکن ان دونوں کے طریقہ تاثیر میں جو امتیازی فرق ہے، اسکو چند لفظوں میں عجیب طرح سے ادا کرتے ہیں:-

"دوسری طرح (یعنی سیاسی تفوق کا اثر دوسری طرح یوں بھی ہوتا ہے، کہ تنگی معاش رعایا اور ترفع حکام، اور زر کشی حاکم کے باعث ہو"

کیا آج مغربی سیاست کا یہ نظام کہ عام رعایا کی دولت کو مختلف ٹیکسوں، بلکہ عجیب وغریب ہتھکنڈوں سے اس طرح چوس لیا جائے، کہ وہ کبھی پنپنے نہ پائے، سول حکام عام رعایا سے اس طرح کنارہ رہیں، جس طرح آدمی جانوروں بلکہ ناپاک جانوروں سے دور دور رہتا ہے، اسکے ساتھ ساتھ یہ آہنی قانون بھی نافذ کر دیا جائے، کہ ملک کا ہر وہ باشندہ جو مغربی تہذیب وتمدن کی بھاٹ خوان یونیورسٹیوں، اسکولوں کالجوں کی سند نہیں رکھتا، خواہ کسی دل ودماغ، سلیقہ وقابلیت کا مالک کیوں نہ ہو رزق کے وہ تمام دروازے، عزت کے وہ تمام ابواب جو سلطنت نے کھول رکھے ہیں، اُس پر بند کر دیئے جائیں گے،

سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر اس سسٹم کو آج مغربی سلطنتیں اپنی حکومت کے اندر سے نکال دیں تو کیا رعایا کا کوئی فرد بھی ان کی تہذیب وتمدن ومعاشرت اور عقلیت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکتا ہے: اونچی اونچی لمبی چوڑی دلفریب عمارتوں قیمتی اور دیدہ زیب فرنیچروں کے اندر کروڑہا روپیہ کے مصارف سے ملک کے طول وعرض میں یہ کام ہو رہا ہے لیکن شاید دس فی صدی سے زیادہ آدمی بھی متاثر نہیں ہو سکے ہیں، اور وہ بھی ہو رہے ہیں، انکے متعلق مولانا بجا ارشاد فرماتے ہیں:-

سوائے ان لوگوں کے جو ننگے بھوکے بہت رہے، اور ابواب معیشت کے ان پر بند ہوئے؛

جزیہ اس ذیل میں آپنے جزیہ کا بھی ذکر کیا ہے، آپ کے نزدیک جزیہ حکومتوں کا انکم ٹیکس ہے، جو مسلمانوں کے اموال پر بڑی بھاری رقموں کی شکل میں زکوٰۃ وعشر کے نام سے عائد کیا جاتا ہو، لیکن غیر مسلموں پر اس ٹیکس کو نہایت حقیر رقم کی صورت میں اس لئے لگایا جاتا ہو، تا کہ دینے والے کو اپنے سیاسی صغر و حقارت کا احساس اور مسلمانوں کے سیاسی تفوق کا اندازہ ہو سکے، اور اسلام اپنی تبلیغی غرض کے لئے اس احساس کو زندہ رکھنا چاہتا ہے، آپ کے الفاظ یہ ہیں:-

"جو کسب وعمل کی طاقت نہ رکھتا ہو، اس سے کچھ بھی نہیں پھر ملک کے جو باشندے کماتے کھاتے ہوں، تو مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی مغلوبیت کے اظہار کیلئے فی نفر چند روپیہ سالانہ حسب استطاعت حتیٰ کہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو، (مثلاً راجہ مہاراج نائب نواب کیوں نہ ہو) تو تیرہ روپیہ[1] کی آنہ سے زیادہ نہ ہو، مقرر کر والینا چاہیے"

قطب شمالی وجنوبی میں نماز روزہ کی بحث حسب دستور یورپ کے اس مشہور طفلانہ مغالطہ کے متعلق آپ نے پوچھا ہے، کہ کیا یہ سوال صرف اسلام ہی کے نماز روزوں کے متعلق پیدا ہوتا ہے، آخر موقت پوجا پاٹ، نماز روزہ کس مذہب میں نہیں، خود یورپ کے مسیحی مذہب میں کیا نماز و روزہ نہیں ہی، اور اگرچہ اب نماز کی حقیقت عیسائیت میں صرف یہ رہ گئی ہو کہ:-

"آٹھویں روز بے طہارت ایک وقت یہ دعا مانگیں، کہ اے عیسیٰ ہمارے خدا پھر دنیا میں ظاہر ہو"

[1] مولانا نے فقہ کی خاص روایت کو اختیار کیا ہے، ورنہ دوسری روایتیں ایسی بھی ہیں، جن سے یہ رقم اور حقیر ہو جاتی ہے، اور جسقدر یہ رقم حقیر ہو گی، اسی قدر ادا کرنے والوں کے سیاسی صغر میں اضافہ ہو گا، اور مولانا کے نقطۂ نظر سے آیت حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون" کا یہی مفہوم ہو سکتا ہے"

"گور روزہ تو باتفاق اس کا نام تھا، کہ دن بھر کھانے پینے اور عورت کی صحبت سے علیحدہ رہنا
بہ تواتر ثابت ہے، کہ عیسائی بھی اس روزہ کو رکھتے تھے، سو دیکھئے کہ حوالی قطب والے کسی
طرح عیسائی نہیں ہو سکتے"

مطلب یہ ہے کہ جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوگی، وہاں آٹھ دن میں ایک وقت وغیرہ کے کیا معنی ہو سکتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ دنیا کے تمام مذاہب اس قسم کی وقتی عبادتوں کے متعلق جو جواب دیں گے، وہی اسلام دیگا، پھر اسلام کی طرف سے ایک محققانہ تقریر فرماتے ہیں، لکھتے ہیں،

"ایسے اعتراضوں کا اصلی مادہ یہ ہے کہ تعمیل بعضے احکام شرعیہ میں بعض اوقات کچھ عذرات درپیش
ہو جاتے ہیں، اور یہ بات کہ بروقت لاحق ہونے ان عذروں کے کیا کرنا چاہیے، ان حکموں کے ساتھ
مفسر امنصوص نہیں ہوتے، سو یہ معاملہ شریعت اسلامیہ ہی میں نہیں ہے، بلکہ تورات و انجیل کے
احکام میں بھی یہی حال ہے"

آگے چل کر فرماتے ہیں، ایک حوالی قطب کا عذر کیا، ایسے عذر بکثرت ہوتے ہیں:-

"مثلاً خوف حدوث مرض، یا شدت مرض، اور نقصان بدن، مثلاً اندھا ہونا، اور سہو خطا یا نسیان
اور فقدان مال، اور افلاس شدید، اور خوف دشمن، یا رہزن وغیرہ از باب تعذرات"

اس کے بعد کرۂ زمین کا آپ نے نقشہ بتایا ہے جس میں طول البلد، عرض البلد کے لحاظ سے دکھایا گیا ہے، کہ آفتاب کی شعاعیں کن علاقوں میں کس طرح پر، کتنی مدت تک پڑتی ہیں، اور سورج کے کرنوں کی ان مختلف نسبتوں کا اثر زمین کے کس قطعہ پر کیا مرتب ہوتا ہے، بحث کو ختم کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

"اور مبردہ (یعنی سرد علاقہ) اس حصہ کو کہتے ہیں، جو ایک جانب جنوب و شمال میں دائرۂ
قطبیہ کے اندر ہے، اور دائرۂ قطبیہ خط استوار سے ساڑھے چھیاسٹھ
درجہ یعنی ہمارے کوسوں کے حساب سے تخمیناً دو ہزار ایک سو اٹھائیس پر ہے، اور سب اہل جغرافیہ

"قدیم و جدید بالاتفاق لکھتے ہیں، کہ جن حصوں پر شعاعیں آفتاب کی جب پڑتی ہیں، تو ایسی

ترچھی پڑتی ہیں، جیسے ہمارے ملکوں میں جاڑوں میں تین چار گھڑی دن چڑھے تک پڑتی ہیں،

سو اس جہت سے وہاں کا برف کبھی پانی نہیں ہونے پاتا ہے،

بالجملہ ساڑھے چھیاسٹھ درجے سے پرے بلکہ وہاں تک بھی برف باری ایسی ہمیشہ برابر رہتی ہے

کہ آدمی وہاں نہیں گھر بنا سکتا"

لیکن اگر کوئی قسمت کا مارا کسی طرح ان علاقوں میں پہنچ جائے، تو یہ عذر کی صورت ہے، اور اسلام کا

ہی اس عذر کے پیش آجانے پر آپ کے نزدیک یہ ہے:۔

"وے لوگ جو ایسی جگہوں میں رہتے ہیں، دنوں اور راتوں کو چوبیس گھنٹوں پر تقسیم کرکے بارہ

گھنٹے کی رات اور بارہ گھنٹے کا دن قرار دے کر نمازیں اپنی چوبیس گھنٹوں میں پانچ وقت

کی ادا کریں"

پھر روزے کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"جواب اس کا بھی وہی ہے جو میں نے اوپر نمازوں کے ادا کرنے کی نسبت لکھا"

پھر فرماتے ہیں کہ اس قسم کی استثنائی مشکلیں دنیا کے تمام قوانین و شرائع میں پیش آتی ہیں، لیکن

"فرق اتنا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں از روے کسی حجت کے منجملہ حجہائے اربعہ اجمالاً یا تفصیلاً اور

کلیۃً یا جزئیۃً کوئی نہ کوئی بات ایسی مقرر ہے، کہ جس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے، کہ بروقت

پیش آنے ان عذروں کے کیا کرنا چاہئے، بخلاف توریت و انجیل کے اس میں سے ایسا کچھ

نہیں نکلتا"

مولانا نے جو کچھ لکھا ہے بالکل صحیح لکھا ہے، اس مسئلہ کا جواب جسے فقہ کی کتابوں سے مولانا نے نقل

کیا ہے، اسکی بنا دجال کی اس مشہور حدیث پر مبنی ہے جس میں پیشینگوئی کی گئی تھی، کہ ایک دن چالیس دن

کے برابر ہو جانے گا، تو صحابہ کے یہ پوچھنے پر کہ نمازیں کس طرح پڑھی جائیں گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اندازہ کر لینا" مولینا نے اسی اندازہ کی تشریح کرتے ہوئے "دنوں اور راتوں کو چوبیس گھنٹوں پر تقسیم کرنے" کا مشورہ دیا ہے، اور اندازہ کی یہ بہترین شکل ہو،

مضمون طویل ہوا جا رہا ہے، اور کتاب کے لطائف ختم ہی ہونے کو نہیں آتے، خصوصاً یہ خیال کرکے کہ خدا جانے کتاب کی اشاعت کی نوبت آتی ہے یا نہیں، جی یہی چاہتا تھا، کہ جہانتک ممکن ہو اس کتاب کی نادر و مفید باتیں اس مضمون کے ضمن میں آجائیں، لیکن مستقل رسالہ ہوا جاتا ہے، اس لئے صرف اسلامی "بہشت و دوزخ" کی بحث میں سے کتاب کے ایک فقرہ کو درج کرکے ناظرین کو اصل کتاب کی نشر و طباعت کا منتظر بناتے ہوئے مضمون کو ختم کر دیتا ہوں،

اسلامی بہشت و دوزخ کا عقیدہ جس طرح ہندو مذہب میں پاپی انسان کی اخروی سزا یہ سمجھی جاتی ہو کہ آدمی بجائے آدمی ہونے کے بیل، یا گھوڑا، سور، بندر، ہو جاتا ہو، یعنی بقول کار لائل انسان کی غیر تشفی یافتہ فطرت سزا بھگتنے کے لئے تشفی یافتہ جانوروں کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اسی طرح عیسائیوں کا خیال ہے کہ آدمی نیکیوں کی بدولت آدمی نہیں رہتا، بلکہ بجائے آدمی کے فرشتہ ہو جاتا ہے، یا دوسرے لفظوں میں خدا کا انعام انسان کو اس شکل میں ملتا ہو کہ

انسانیت کے تمام نازک احساسات، لطیف جذبات، کچل کر برباد کر دیئے جاتے ہیں، عیسائیوں کے خیال میں جنتی آدمی اسی لنڈ منڈ غیر حساس زندہ وجود کا نام ہے، انجیل کی ایک آیت سے مسیحیوں کو یہ مغالطہ ہوا کریلا نیم پر اسکے بعد اور بھی چڑھ گیا، کہ یہودیت و مسیحیت میں خدا جانے کیوں، عورت گناہ، پاپ، گندگی، نجاست آلودگی، کے ہم معنی خیال کیجاتی تھی، ظاہر ہے کہ اس کے بعد بہشت کے پاک علاقے میں گندگی کا تخیل عیسائیوں کے لئے سخت دشوار تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن نے جب انسانی مساعی کے آخری غیر منقطع نتائج کی حقیقت کو واشگاف کرتے ہوئے بتایا کہ آدمی نہ گھوڑا ہوتا ہو نہ بیل، نہ خدا، نہ فرشتہ بلکہ جو انسان ہے، وہ انسان ہی رہتا ہے، البتہ

اسی کثیف انسان کو دوسری نشاۃ میں لطیف سے لطیف ترین درجات تک ارتقاء حاصل ہو جاتا ہے، اور درجات واحساسات کی اس ارتقائی لطافت کی مناسبت سے اسکو وہ ساری نعمتیں قدرت اور اس کے قوانین کی طرف سے مہیا ہو جائینگی جنہیں لاکھوں برس سے انسان زمین کے اس کرہ پر تلاش کر رہا ہے، اور ابھی تک سرگرداں ہے'

حور وقصور جنات وانہار والی یہی جنت تھی جس کا ذکر جب یورپ میں پہنچا، تو پادریوں میں سخت شورش پھیلی، چونکہ اسلام انسان کی فطرت کو وہی دیرہا تھا، جو وہ مانگ رہی تھی، اور مسیحیت اس کے مقابلہ میں انسان سے جنت میں وہ سب چیزیں چھین رہی تھی، جنکی تکمیل کیلئے نسل آدم ہمیشہ بیتاب رہی، اور آجتک بیتاب ہے، آخر جزا کی اس سزائی حقیقت کے ساتھ آدمی کبتک وابستہ رہسکتا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ پادریوں نے حسب دستور پیشینیان لفظی تحریفوں اور تعبیری پینتروں سے کام لینا شروع کیا، نعرہ تراشا گیا، کہ قرآن کی جنت حیوانی جنت ہے، پادریوں کا یہ ایسا مغالطہ تھا، کہ اس میں اچھے سے اچھے عقل ودانش والے اپنے دماغی توازن کو کھو بیٹھے اور مذہبی وغیر مذہبی ہر قسم کی کتابوں میں اس چست فقرہ کا اعادہ اتنے زور شور سے کیا گیا، کہ خود مسلمانوں کی بھی ایک جماعت میں تزلزل پیدا ہوا، انھوں نے الفاظ کو معانی سے بیگانہ کرنا شروع کیا، اور اس درجہ بیگانہ کیا کہ قرآن میں صرف لفظی طور پر اسلامی جنت باقی رہی، ورنہ معنوی طور پر ان کے خیال میں بھی قرآن کا جنتی اچھا خاصہ لنڈ منڈ لیے مس عیسائی جنتی بن کر رہ گیا، مولانا کو اس آنے والے فتنہ پر خاص طور پر تنبیہ ہوئی ہے، اور خاص باب اس مسئلہ کی تحقیق کیلئے آپنے لکھا ہے،

بحث کو ختم کرتے ہوئے آخر میں کتنے لطیف وعمیق پیرایہ میں اسلامی جنت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں

عقلاً جائز اور نقلاً واجب التسلیم ہے، کہ وہاں لذائذ روحانی اور جسمانی دونوں ایک ہی ہو جائیں اور ہرگز کسی طرح کی کشاکشی اور تنازع ان میں باقی نہ رہے، اور جس طرح کمال لذت جسمانی ہوا کی طرح میں اسی لذت میں وہ کیفیت جو دنیا میں بڑے بڑے ماہر فنون کو کمال ترقی کے وقت حاصل

ہوتی ہو، بوجہ احسن حاصل ہو، بلکہ اس سے بمراتب زیادہ۔"

لیکن بقول غالب :-

محرم نہیں ہے، تو ہی نوا ہائے راز کا،

یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

کی نزاکتوں کا احساس ان کثیف و غبی فطرتوں کو کس طرح کرایا جا سکتا ہے، جنھوں نے انسانیت کے لطیف ترین حصہ کو گندگی و نجاست کا سرچشمہ قرار دیا ہو، یا انسان سے انسانی جذبات واحساسات کی بربادی کو لعنت کے رحمت اور بجائے سزا کے جزا، خیال کر لیا ہو[1]

---

[1] یہ مخطوطہ بطور ایک تاریخی یادگار کے انشاء اللہ تعالیٰ صوبہ بہار بلکہ شاید ہندوستان کی سب سے بڑی اردو لائبریری "دسنہ (بہار)" میں محفوظ کر دیا جائے گا، کہ جو اپنا اسی کا فطری حق ہے۔

امام سفیان ثوریؒ کے سوانح حیات

اور

ان کی تصنیفات

از

مولوی امتیاز علی خانصاحب عرشی ناظم کتبخانہ رامپور

(یہ مقالہ کتبخانہ عام رامپور کے جلسۂ تاریخی منعقدہ ماہ فروری ۱۹۳۵ء میں پڑھکر سنایا گیا، عرشی)

گذشتہ تیرہ صدیوں میں سپہرِ اسلام پر لاکھوں ستارے چمکے، اور ڈوبے، لیکن قضا و قدر نے قبولیت عام کا شرف تقریباً انہی کو عطا کیا، جو اسلام کے ابتدائی تین قرنوں میں صفحۂ گیتی پر رونق افروز ہوئے، موجودہ عقل زدہ دور میں اس قبولیت کی وجہ کچھ ہی قرار دیجائے، لیکن میرے نزدیک یہ ترجمان وحی الٰہی کی اس پیشینگوئی کا نتیجہ تھا، کہ "خیر القرون قرنی، ثم الذین یلونہم، ثم الذین یلونہم"،

اسلام کے ان مایۂ ناز فرزندوں کے حالات کی تلاش و تفتیش میں مورخین اسلام نے بڑی جانکاہی اور فراخ حوصلگی سے کام لیا ہو،

ہم ان افراد تاریخی کو دو طبقوں میں منقسم کرسکتے ہیں،

طبقۂ اول، وہ اصحاب جو خصوصیات عامہ و مشترکہ کے مالک تھے، اور اس لئے عام کتب رجال و تذکرہ میں مذکور ہوئے،

طبقۂ ثانیہ، وہ اصحاب جو مذکورہ خصوصیات کے ساتھ ساتھ بعض خصوصیات خاصہ بھی رکھتے

تھے، اسلئے مشترکہ خصوصیات کی بنا پر ان کا ذکر عام کتب رجال و تذکرہ میں کیا گیا، اور ممتاز ہستیاں ہونیکے باعث انکے حالات پر مستقل کتابیں تالیف کی گئیں،

صفحاتِ آیندہ میں میں آپ کو موخر الذکر طبقہ کی ایک ایسی ہستی سے روشناس کرنا چاہتا ہوں، جو بیک وقت جلوتِ شریعت و خلوتِ طریقت دونوں کی رازدار ہے، اور اس وجہ سے مجمع البحرین کہلائی جاتی ہی،

وہ ذاتِ گرامی "امام سفیان بن سعید بن مسروق الثوری الکوفی" کی ہے، چونکہ آپ قرنِ ثانی کے مشہور مجتہدین میں کے ایک ہیں، اسلئے علاوہ کتب تاریخ و رجال کے محدث ابن جوزی نے آپکے مناقب میں ایک مستقل کتاب بھی لکھی تھی[۱] یہ کتاب آج ناپید ہے، اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے، کہ اس میں امام ثوری کے کن حالات کو بالتفصیل لکھا گیا تھا تاہم محدث ذہبی نے اپنی تصنیفات میں اس سے فائدہ اٹھایا ہے، اگر ذہبی میرے پیش نظر ہے، اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے، کہ ابن جوزی کی مناقب سفیان کے اہم حالات و واقعات ہمارے علم میں آچکے ہیں[۲]

نام ونسب سفیان نام، ابو عبد اللہ کنیت، اور سید الحفاظ، امیر المومنین فی الحدیث وغیرہ القاب ہیں،

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص ۱۹۰ دول الاسلام ذہبی مخطوطا ذکر المہدی العباسی، [۲] اگرچہ اس مقالہ کی ترتیب میں تاریخ ورجال کیساتھ تذکرات صوفیہ کو بھی میں نے پیش نظر رکھا ہے، لیکن پھر بھی مجھے یہ اعتراف کرنا چاہئے، کہ میں ان سے کما حقہٗ فائدہ نہیں اٹھا سکا، کیونکہ ان کتابوں میں بیشتر وہ حکایات مذکور ہوتی ہیں جن سے بزرگان دین کی خرق عادت عبادات و واقعات پر روشنی پڑتی ہو، اس قسم کے حالات جن کا تعلق اخلاق و عادات، معاشرت و تہذیب اور دنیوی داد و ستد سے ہو، قریب قریب مذکور نہیں ہوتے، حالانکہ ہمیں اسوقت ان اصحاب کے دنیوی معاملات دیکھنے اور سیکھنے کی زیادہ ضرورت ہے، امید ہی کہ موجودہ دور ابتلا میں ہمارے نوجوان امام ثوریؒ کی حق جوئی، حق گوئی، اور حق پرستی سے سبق حاصل کریں گے، اور ان کے اقوال و اعمال کو اپنی شاہراہ حیات کیلئے مشعل ہدایت بنائیں گے،

شجرۂ نسب سفیان بن سعید بن مسروق بن حبیب بن رافع بن عبداللہ بن موہبہ بن ابی بن عبداللہ بن منقذ بن نصر بن الحرث بن ثعلبہ بن عامر بن ملکان بن ثور بن عبد مناۃ بن اُدّ بن طابخہ بن الیاس بن مضر بن نزار ہے[1]

سفیان، ثورِ مضر یا بالفاظ دیگر ثور بن عبد مناۃ کی نسل میں ہونیکے باعث ثوری کہلاتے ہیں لیکن بعض مورخین نے ثورِ ہمدان کی طرف منسوب کیا ہے[2]

سفیان کے والد سعید بن مسروق الثوری کوفہ کے مشہور محدث تھے، انھوں نے بقول ابن ابی عاصم سنہ ۱۲۶ھ بقول ابن قانع سنہ ۱۲۷ھ اور بقول احمد و ابن حبان سنہ ۱۲۸ھ میں وفات پائی[3] انکی والدہ بھی جو ام سفیان کے نام سے مشہور ہیں، بڑی نیک بی بی تھیں[4]

ان دونوں میاں بیوی کو خدا نے تین بیٹے اور ایک بیٹی عطا کی، بیٹوں میں سب سے بڑے سفیان ہیں، دوسرے عمر بن سعید اور مبارک بن سعید تھے، یہ دونوں اپنے عہد کے معزز ارباب حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں[5]

---

[1] نسب ناموں میں بالعموم اسماء کا حذف و اضافہ یا رد و بدل پایا جاتا ہے، سفیان کے نسب میں بھی قدرے اختلاف ہے، مرقومہ بالا شجرہ علامہ ابن سعد (طبقات جلد ۶ ص ۲۵۰، طبع لیڈن سنہ ۱۳۲۵ھ) اور مورخ طبری (الذیل المذیل ص ۱۰۵ طبع مصر) نے تحریر کیا ہے، ابن القیسرانی (الجمع بین رجال الصحیحین جلد ۱ ص ۱۹۱، طبع دائرۃ المعارف) اور الخزرجی (خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۱۲۵ طبع مصر سنہ ۱۳۲۲ھ) نے موہبہ، اور منقذ کے درمیان دو نام ابی ابن عبداللہ اور الحرث کے بعد ایک نام ثعلبہ حذف کر دیا ہے، نصر کے بعد الحکم بڑھایا ہے اور عامر کے عوض [illegible] ملکان لکھا ہے، (کتاب الانساب ص ۰۰، [illegible]) نے مسروق اور حبیب کے درمیان حمزہ اضافہ کیا ہے، اور عبداللہ منقذ الحکم، اور الحرث چار اسماء حذف کر دیئے ہیں، ابن خلکان (وفیات الاعیان جلد ۱ ص ۲۹۶) نے نصر بن الحکم بن الحارث، اور ثعلبہ بن ملکان ثبت کیا ہے [2] تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۱۱ طبع حیدرآباد، و خلاصۃ التہذیب ص ۱۲۵، [3] ابن القیسرانی جلد ۱ ص ۱۶۹ تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۸۲ و الخزرجی ص ۱۴۲

[4] الکواکب الدریہ للمناوی مخطوطہ، جلد ۱ ص ۱۶۲، [5] تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۵۴، و جلد ۱ ص ۴۸،

سعید کی بیٹی عمار بن محمد کی ماں تھیں، عمار بھی بڑے محدث اور صالح خدا پرست آدمی تھے، اونھوں نے ۱۸۲ھ میں وفات پائی،

ولادت سفیان ثوری، سلیمان بن عبد الملک اموی کے عہد خلافت میں ۹۷ھ کو عراق کے مردم خیز شہر کوفہ میں پیدا ہوئے[1]

ابن خلکان اور یافعی نے مذکورہ سنہ کے علاوہ ۹۵ھ یا ۹۶ھ بھی لکھا ہے[2] لیکن ان سنین میں ۹۵ھ قطعاً نادرست ہے، کیونکہ یہ امر تمام مورخین کے نزدیک مسلم ہے، کہ سفیان، عہد سلیمان بن عبد الملک میں پیدا ہوئے، حتی کہ ابن القیسرانی نے یہ لکھکر کہ سفیان عہد سلیمان بن عبد الملک کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے اپنی بیان ختم کر دیا ہے[3] اور سلیمان جمادی الاخری ۹۶ھ مطابق فروری ۷۱۵ء میں سریر آرائے خلافت ہوا لہذا سفیان کی ولادت مذکورہ سنہ جلوس کے قبل درست نہیں ہو سکتی،

طلب علم سفیان ثوری نے ہوش سنبھالا تو اس زمانہ میں کوفہ علم و فن کا مرکز تھا، شہرۂ آفاق ادیب فقیہ اور محدث مسند درس و افتاء پر رونق افروز تھے، خود ثوری کے والد سعید بن مسروق کوفہ کے نامور محدث مانے جاتے تھے، ان حالات کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ثوری صغر سنی ہی میں طلب علم میں مشغول ہو گئے[4] ان کی والدہ کو اشتیاق تھا کہ اپنے نور نظر کو لباس علم و فضل میں ملبوس دیکھیں، اس لئے اثنائے طلب علم میں سفیان کو نصیحت کرتی رہتی تھیں، مناوی نے ان کی دو نصیحتیں نقل کی ہیں، پہلی یہ کہ مصارف کے خوف سے تحصیل علوم میں کوتاہی نہ کرنا، میں چرخہ کات کر تمھارے اخراجات پورے کروں گی، دوسری یہ کہ جب دس لفظ لکھ چکو، تو غور کرنا کہ تمھاری چال ڈھال اور حلم و وقار میں بہتر اضافہ ہوا یا نہیں، اگر تمہیں کچھ فرق محسوس نہ ہو تو یقین کر لینا کہ حقہ تمھارے بکار آمد نہیں ہے[5]

[1] ابن سعد جلد ۶ ذکر سفیان، ذیل طبری ص ۱۰۵، معارف ابن قتیبہ ص ۲۵۹، مخطوطہ تذکرۃ الحفاظ للذہبی جلد ۱ ص ۱۹۲ و تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۱۱ طبقات الحفاظ للسیوطی ص ۱۳۵ طبع یورپ [illegible] [2] مراۃ الجنان جلد ۱ ص ۳۴۵ [3] تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد ۱ ص ۱۹۰ [4] الکوکب الدریہ ج ۱ ص ۱۶۲ مخطوطہ،

والدہ کی نصیحت، والد کی تعلیم، اور کوفہ کے ماحول نے سفیان کی تشنگی علم کو بڑھا دیا، اور ابھی کچھ ہی زمانہ گذرنے پایا تھا، کہ اساتذہ اور معاصرین دونوں پر اُن کی خداداد ذہانت آشکار ہونے لگی، سفیان نے حدیث کی ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، بعد ازاں عراق اور دوسرے مقامات کے اساطین حدیث کے روبرو زانوے شاگردی تہ کیا، ان شیوخ میں قرن ثانی کے تمام اجلہ محدثین وائمۂ مذہب شامل ہیں، عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں ان کے اسماء بالتفصیل ذکر کئے ہیں،[1]

سفیان کے زمانہ تک احادیث کے دفتر منضبط نہیں ہوئے تھے، اسلئے طالب حدیث کو مختلف مقامات کا سفر کرکے حدیثین جمع کرنی پڑتی تھیں، سفیان نے بھی اسیطرح علم حدیث حاصل کیا، لیکن یہ کہاں کہاں گئے، اس کے متعلق کوئی موثق بیان پیش کرنا دشوار ہے کیونکہ سوانح نگاروں نے اون کی سیرت کے اس حصہ کو بالکل تاریک چھوڑ دیا ہے،

درس و افتاء طلب علم سے فرصت پاکر ابو سفیان مسند درس و افتاء پر رونق افروز ہوئے، رفتہ رفتہ اون کے تبحر علمی کی شہرت تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئی، اور ہر چہار طرف سے مشتاقانِ علوم جمع ہونے لگے، یہ سلسلہ آخر عمر تک جاری رہا، چنانچہ جن ایام میں یہ یمن، بصرہ اور مکہ میں روپوش تھے، علم کے پروانوں سے وہاں بھی پوشیدہ نہ رہ سکے، کہا جاتا ہے، کہ تقریباً ۲ ہزار محدثین نے آپ سے روایت حدیث کی ہے،[2] جنمیں شیوخ اور معاصرین دونوں شامل ہیں، یہاں اس طویل فہرست میں سے اعمش، شعبہ، امام مالک، ابن المبارک اور یحییٰ بن سعید القطان کا تذکرہ کافی ہوگا، کیونکہ یہ حضرت بجائے خود سپہر علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب ہیں،

اجتہاد قرونِ اولیٰ میں سب سے پہلے محدثین مجتہدانہ انداز سے مسائل مذہب کی اشاعت کرتے تھے، مگر ان میں سے جن اصحاب کا اجتہاد مقبول خاص و عام ہوا، وہ انگلیوں پر شمار کئے جاتے ہیں، ہمارے زمانہ میں

---

[1] تہذیب عسقلانی ج ۴ ص ۱۱۱،

[2] تہذیب عسقلانی جلد ۴ ص ۱۱۱ والجوزجی ص ۱۴۵

ائمہ اربعہ کی مقبولیت کے باعث یہ تعداد چار پر ختم ہو جاتی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اب سے سو سال پہلے تک ائمہ مجتہدین پانچ مانے جاتے تھے، اور طبقات محدثین و فقہا میں ان حضرات کا تذکرہ واحد من الائمۃ الخمسۃ سے شروع ہوتا تھا،

ان پانچ مجتہدوں میں سے دوسرے امام سفیان ثوری ہیں ان کا اجتہاد کئی سو برس تک مسلمانوں کے ایک معقول طبقہ کا رہنما رہا، ابن خلکان، اور کفوی نے شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادی کو ان کا مقلد لکھا ہے[1]

سفیان ثوری کے مرتبہ اجتہاد کا اندازہ عیار شناسان مذہب کے ان اقوال و آراء سے ہوگا، جو ذہبی اور عسقلانی نے ان کے ترجمہ میں بالتفصیل نقل کئے ہیں، یہاں صرف محدثین کے اس نقد پر جو ابن خلکان نے نقل کیا ہے اکتفا کرتے ہیں، کیونکہ اس سے ثوری کے مرتبہ کا قدرے اندازہ ہو سکے گا وہ لکھتا ہے کہ

> "یہ بات زبان زد ہے کہ امیر المومنین عمر بن خطاب رضا اپنے زمانہ میں "راس الناس" تھے. اُن کے بعد علی الترتیب عبد اللہ بن عباس، امام شعبی، امام سفیان ثوری راس الناس قرار پائے"،

عقائد چونکہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیاسی مصالح کی بنا پر مدینہ کے بجائے کوفہ کو اپنا مستقر بنایا تھا، اس لئے کوفہ کے عوام و خواص اہلبیت رسول اللہ اور ان کے سیاسی خیالات کے حامی تھے، ان حامیوں میں مذہبی جماعت کے ممتاز افراد بھی شامل ہیں، چنانچہ منصور کے عہد خلافت میں ابراہیم نے خروج کیا تو خود امام ابو حنیفہ رح نے انکی امداد کی تھی[2]

سفیان بھی کوفہ کے رہنے والے تھے، اسلئے بنی امیہ اور بنی عباس کے مقابلہ میں بنی فاطمہ کی جانب "ما

---

[1] الکفوی ورق ۵۵، [2] سیرۃ النعمان، ۱، ۵۰، ۵۹،

مائل تھے، ایک بار کسی شخص نے دریافت کیا، کہ حضرات عثمان و علی رضی اللہ عنہما میں کون افضل ہے، آپ نے فرمایا، اہل بصرہ افضلیت عثمان کے قائل ہیں، اور اہل کوفہ افضلیت علی کا عقیدہ رکھتے ہیں، سائل نے کہا اور آپ؟ تو کہا میں بہرحال کوفہ کا باشندہ ہوں[1]

مورخین نے اون کے عقائد کے بارہ میں اختلاف کیا ہے، ابن قتیبہ اور ابن ندیم زیدی قرار دیتے ہیں[2] لیکن طبری لکھتا ہے کہ ابتدائً شیعہ تھے، جب طلب حدیث کے سلسلہ میں بصرہ گئے، اور ابن عون اور ایوب سے ملاقات ہوئی، تو اُن کے اثر صحبت سے تشیع ترک کر دیا[3] چونکہ طبری کے بیان کی تائید خود سفیان کے اُس عقائد نامہ سے ہوتی ہے، جو اونھوں نے شعیب بن جریر کو املا کرایا تھا، اس لئے یہاں اوس کا متن اور اردو ترجمہ دونوں درج کیا جاتا ہے، اس عقائد نامہ کی وجہ املا شعیب کی زبانی یہ بیان کی گئی ہے، کہ ایک بار اونھوں نے سفیان سے عرض کیا تھا، کہ سنت رسول اللہ کے متعلق مجھے کوئی نفع بخش بات بتائیے، اس پر اونھوں نے کہا، لکھو،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم،

القرآن کلام اللہ غیر مخلوق.	قرآن خدا کا کلام ہے، اور غیر مخلوق ہے،
منه بدا واليه يعود. من قال غير	اور وہی ذات اقدس اس کا مبدا و معاد
هذا فهو كافر والايمان قول وعمل	ہے، جو کوئی اس عقیدہ کے خلاف کہے، وہ
ونية. يزيد وينقص وتقدمة	کافر ہے، ایمان، قول، عمل اور نیت تینوں
الشيخين (الى ان قال) يا شعيب	کا نام ہے، اور وہ گھٹتا بڑھتا بھی ہے، اور
لا ينفعك ما كتبت حتى ترى المسح	شیخین کو مقدم رکھنا، (اس کے بعد کہنے لگے) کہ

[1] الکفوری ورق ۲۵ ب [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام حرف س بحوالہ کتاب المعارف ص ۳۰۱ و الفہرست ص ۲۲۵،
[3] الذیل المذیل ص ۱۰۵،

على الخفين. وحتى ترى ان اخفاء
بسم الله الرحمن الرحيم افضل
من الجهر به. وحتى تومن
بالقدر، وحتى ترى الصلوٰة
خلف كل بر و فاجر، والجهاد
ماض الى يوم القيامة، والصبر
تحت لواء السلطان جائر او
عدل (فقلت يا ابا عبد الله الصلوٰة
كلها، قال،)
لا ولكن صلاة الجمعة والعيدين
صل خلف من ادركت، و اما
سائر ذلك فانت مخير لا تصل
الا خلف من تثق به، وتعلم
انه من اهل السنة اذا وقفت
بين يدى الله فسالك عن هذا
فقل يا رب حدثنى بهذا سفيان
الثورى، ثم خل بينى وبين الله عز و جل

کہ شعیب جو کچھ میں نے لکھا ہے، یہ تجھے اسی
وقت فائدہ پہنچائے گا، کہ (۱) موزوں پر
مسح کرے، (۲) اور یہ مانے کہ بسم اللہ الرحمٰن
الرحیم بلند آواز سے پڑھنے کے مقابلہ میں آہستہ
پڑھنا بہتر ہے، اور (۳) قدر الٰہی پر ایمان
رکھے، (۴) ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھنا
جائز سمجھے، اور یہ جہاد قیامت تک جاری
رہے گا، اور بادشاہ کے جھنڈے کے نیچے صبر و
استقامت، خواہ بادشاہ ظالم ہو، یا عادل"
شعیب نے سوال کیا کہ تمام نمازیں، تو آپ
نے فرمایا نہیں
بلکہ صرف جمعہ اور عیدین کی نمازیں جس کے
پیچھے چاہیں، پڑھ لو، باقی نمازوں کے متعلق
اختیار ہے، کہ اگر جی چاہے، تو اس کے پیچھے
پڑھ لو، جس پر وثوق ہو، اور یہ معلوم ہو کہ
یہ اہل السنت میں سے ہے پھر جب خدا
کے روبرو حاضر ہو، اور وہ ان امور کے متعلق
سوال کرے، تو کہہ دینا کہ مجھے یہ باتیں سفیان
نے بتائی تھیں، میں خدا سے عرض کروں گا،

[1] تذکرة الحفاظ جلد ۱ ص ۱۹۳

شہرستانی نے سفیان کو فرقہ صفاتیہ میں شمار کیا ہے[1]، یہ فرقہ صفات خداوندی میں کسی قسم کی تاویل جائز نہیں رکھتا، اور استواء ری، ید، وجہ وغیرہ الفاظ کو علی حالہا تسلیم کرتا ہے، چونکہ عام محدثین اسی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے، اسلئے قرین قیاس ہے کہ سفیان بھی اسی عقیدہ کے حامی ہوں،

سفیان فرقہ مرجیہ کے بہت سخت مخالف تھے، ایک بار کسی مرجی کی نماز جنازہ پڑھنے کو ان سے کہا گیا تھا، مگر اونھوں نے صاف انکار کر دیا[2]، اسی طرح اہل نجوم کو بھی بُری نظر سے دیکھتے تھے، منصور کے عہد میں بغداد میں ایک مشہور یہودی منجم ماشاء اللہ نامی رہتا تھا، ایک بار اوس سے ملاقات ہو گئی، اونھوں نے کہا، "ماشاء اللہ تم زحل سے ڈرتے اور مشتری سے امید باندھتے ہو، اور میں زحل کے رب سے خوف کھاتا، اور مشتری کے رب سے آس لگاتا ہوں، نیز تم روزانہ صبح کو نجھتر دیکھتے ہو، اور میں استخارہ کرتا ہوں، دیکھو ہم دونوں میں کس قدر فرق ہے" ماشاء اللہ نے اعتراف کیا کہ سفیان کا عقیدہ بہتر ہے[3]،

زہد و اتقاء قرون اولیٰ کے تمام اصحاب شریعت راہ طریقت کے جادہ پیما ہیں، کیونکہ اس بابرکت عہد میں شریعت و طریقت دو علٰحدہ راہیں نہیں مانی گئی تھیں لیکن صوفیہ کو دوسرے ائمہ پر یہ شرف حاصل ہے کہ وہ محفل ظاہر و باطن دونوں میں صاحب اعتبار ہیں، آج ثوری فقہ ناپید ہے، لیکن صوفیہ کی مجلسوں میں اُنکے حکیمانہ اقوال واجب التعمیل شمار ہوتے ہیں، تمام ارباب سلوک زہد و اتقاء میں انمیں شاہنشاہ عہد تسلیم کرتے ہیں، اور اپنی تصانیف میں ان کو بطور سند پیش کرتے ہیں،

سفیان کی زاہدانہ زندگی کا آغاز ایک نہایت معمولی واقعہ سے ہوا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ ایک دن مسجد تشریف لے گئے، اور سنت کے خلاف پہلے بایاں قدم اندر رکھدیا، دفعۃً کان میں آواز آئی "سفیان تم در حقیقت چوپایہ ہو" ضمیر کی اس تنبیہ سے اُن کے ہوش پراگندہ ہو گئے، اور جب قدرے سکون ہوا، تو داڑھی پکڑ کر

[1] کتاب الملل والنحل طبع لندن ص ۶۵، [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام بحوالہ ابن سعد، [3] تاریخ حکماء للقفطی ص ۲۱۴،

گالوں پر طمانچے مارے، اور کہا سفیان جب تو نے مسجد میں داخل ہوتے وقت ادب ملحوظ نہ رکھا تو انسانیت سے تیرا نام خارج ہونا ہی بہتر ہے۔[۱]

اکلِ حلال۔ راہِ سلوک کا پہلا مقام "پاک روزی" ہے، سفیان کے زمانہ میں اکثر محدثین کو حکومت کی طرف سے وظائف وصلات ملا کرتے تھے، لیکن بسا اوقات یہ رقوم قلب میں امید وبیم کی کشمکش پیدا کرکے حق گوئی سے باز رکھتی تھیں، اس لئے اونھوں نے بجز ایک مرتبہ کے کبھی کسی حاکم سے عطیہ یا وظیفہ قبول نہیں کیا۔

ان کے پاس دو ہزار اشرفیاں تھیں، اس سرمایہ سے ابتداءً خود تجارت کرتے تھے، لیکن جب ۱۵۵ھ میں کوفہ کو خیرآباد کہا، تو برادری کے چند تاجروں سے شرکت مضاربت کرلی، یہ لوگ سال بھر خرید وفروخت کرکے سالانہ موسمِ حج میں حساب کرتے، اور مقررہ منافع ان کو دیجاتے۔[۲]

سفیان نے ہمیشہ منافع تجارت پر گذر کی، اور اصل سرمایہ آخر عمر تک محفوظ رہا، ابن سعد کہتا ہے، کہ جسوقت انکا انتقال ہوا، ۲۰۰ دینار نقد ان کے پاس موجود تھے، لیکن ابن قتیبہ نے ۱۰۰ دینار کا مال بتایا ہے، اسکے بیان کے مطابق سفیان نے نقد رقم قطعاً نہیں چھوڑی۔[۳]

صدقِ مقال۔ راہِ سلوک کا دوسرا مقام "حق گوئی" ہے، سفیان میں یہ صفت بھی حد تکمیل کو پہنچ گئی تھی، اسلئے تمام تذکرہ نگار ان کو "قوال بالحق" کہتے ہیں، بعض اصحاب سفیان کی ان گفتگوؤں کو جو منصور اور مہدی کو برسر دربار ہوتی تھیں سفیان کی درشتیٔ اخلاق اور مصلحت ناشناسی پر محمول کریں گے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس عہد کے عرب مسلمانوں کو دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز، پسند خاطر نہ تھا، وہ صرف قرآن پاک کا اصول "لاتکتموا الحق" (حق کو نہ چھپاؤ) پیش نظر رکھتے، اور اسی اصول کے عملی پہلو کو عام بنانا چاہتے وہ جان، مال، راحت، وطن، ہر شئے ترک کرنے پر آمادہ ہو جاتے لیکن حق کا ساتھ نہ چھوڑتے سفیان بھی عرب تھے، مسلمان تھے، اور وارث نبی تھے، اسلئے لازم تھا کہ جان پر کھیل جاتے مگر حق کا دامن نہ چھوڑتے کیونکہ۔

شہپر زاغ وزغن در قید وبند صید نیست — این شہادت قسمت شہباز وشاہین کردہ اند

(باقی)

---

[۱] خزینۃ الاصفیا، فارسی ص ۹۰، [۲] ابن سعد جلد ۶ ص ۲۵۸، [۳] کتاب المعارف ص ۲۵۵ مخطوطہ لیکن انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار نے لکھا ہو کہ ابن قتیبہ ۱۵ دینار کا مال بتاتا ہو،

تصوف کی اجمالی تاریخ

اور

اوس پر نقد و بحث

از مولانا عبد السلام ندوی

(۴)

تصوف کی مخالفت، تصوف کی ابتدا جس زمانے مین ہوئی، وہ تابعین کا زمانہ تھا، اور اس زمانے میں لوگ قرآن، حدیث، اور آثار صحابہ کے سوا، اور کسی چیز سے آشنا نہ تھے، اسلئے حضرت ذوالنون مصری نے اول اول تصوف کے مقامات مرتب کئے، تو لوگوں نے اسکو بدعت خیال کیا، اور عبد اللہ بن الحکم نے جو مصر کا رئیس تھا، اور مالکی مذہب رکھتا تھا، ان کی مخالفت کی، علماے مصر نے ان سے تعلقات منقطع کر لئے، اور لوگوں نے اون کو زندیق قرار دیا[۱]، علامہ سیوطی حسن المحاضرہ میں لکھتے ہیں، کہ پہلے پہل انھوں نے جب اس علم کی تشریح کی، تو اہل مصر ان کے مخالف ہوگئے، کہ انھون نے ایک ایسا علم ایجاد کیا ہو جس میں صحابۂ کرام نے گفتگو نہیں کی ہے، اور خلیفہ متوکل کے دربار میں شکایت کی، اور اوس نے مصر سے ان کو طلب کر لیا[۲]، علامہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ حارث بن مسکین نے اون کو سزا دی، اور لوگوں نے اون کو فلاسفہ کے گروہ میں شامل کیا[۳]،

حضرت ذوالنون مصری کے بعد اُن کے مرید یوسف بن الحسین المتوفی ۳۰۴ھ نے جب بہ مقام رے

---

[۱] تلبیس ابلیس ص ۱۷۷، [۲] حسن المحاضرہ جلد اول ص ۲۱۰، [۳] فتاوی ابن تیمیہ جلد اول ص ۲۰۶،

تصوف کے حقائق و معارف بیان کئے تو لوگوں میں سخت برہمی پیدا ہوئی، جسکی وجہ یہ تھی کہ اسوقت وہاں کے لوگ علم ظاہر کے سوا اور کسی علم سے آشنا نہ تھے، چنانچہ تذکرۃ الاولیا میں ہے:

"چوں مجلس آغاز کرد سخن حقائق بیان کرد، اہل ظاہر بخصمی برخاستند کہ دراں وقت بجز علم صورت علم دیگر نہ بود"

نتیجہ یہ ہوا کہ ایک روز وہ مجلس میں آئے، تو ہر طرف سناٹا تھا، واپس ہونا چاہا تو ایک بڑھیا نے آواز دی، کہ کیا تم نے ذوالنون سے یہ عہد نہیں کیا تھا، کہ نصیحت کرنے میں تمھاری نگاہ مخلوق پر نہ رہے گی، جو کچھ کہو گے خدا کے لئے کہو گے، یہ سنکر اونھوں نے وعظ کہنا شروع کیا، اور اسی طرح پچاس سال بسر کر دیئے، انکی پروانہ تھی کہ مجلس میں کوئی ہے بھی یا نہیں۔[۵]

یہ تصوف کے علمی اور فلسفیانہ حصے کا حال تھا، اخلاقی حیثیت سے محاسبۂ نفس کے متعلق حارث محاسبی وغیرہ نے جو کتابیں تصنیف کی تھیں، محدثین کے نزدیک وہ بھی کتاب و سنت کے مخالف تھیں، چنانچہ محدث ابو زرعہ سے حارث محاسبی کی کتابوں کے متعلق سوال کیا گیا، تو اونھوں نے سائل سے کہا، کہ ان کتابون سے احتراز کرو، یہ بدعتوں اور گمراہیوں کی کتابیں ہیں، تم کو صرف حدیث کا اتباع کرنا چاہئے، وہ ان کتابون سے بے نیاز کر دینے والی چیز ہے" ان سے کہا گیا، کہ ان کتابون سے عبرت حاصل ہوتی ہے، بولے جس کو کتاب اللہ سے عبرت حاصل نہ ہوتی ہو اوس کو ان کتابوں سے عبرت نہیں حاصل ہو گی، کیا مالک بن انس، سفیان ثوری، اوزاعی، اور ائمہ متقدمین نے خطرات اور وساوس کے متعلق یہ کتابیں تصنیف کی تھیں، ؟ ان لوگوں نے اہل علم کی مخالفت کی ہے کبھی حارث محاسبی کا نام لیتے ہیں کبھی عبد الرحیم دیبلی کا، کبھی حاتم اصم کا، اور کبھی شقیق کا، لوگ کسقدر جلد بدعتوں کی طرف مائل ہو گئے، امام احمد ابن حنبل کہتے ہیں، کہ وساوس وخطرات کے متعلق صحابہ اور تابعین نے کلام نہیں کیا، ایک بار انھوں نے

[۵] تذکرۃ الاولیا جلد اول ص ۱۱۸،

حارث بن محاسبی کا کلام سنا تو اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ تم ان لوگوں کے پاس نہ بیٹھو[۱]

تصوف کی مخالفت کا ایک بڑا سبب یہ ہوا کہ قدماء ہی کے زمانے میں صوفیہ کے دو مختلف فرقے قائم ہوگئے تھے، جن میں ایک کو اصحاب الصحو اور دوسرے کو اصحاب السکر کہتے ہیں، لغت میں صحو کے معنی ہوش میں آنے کے ہیں، اور سکر مدہوشی اور نشہ کی حالت کو کہتے ہیں، ان دونوں فرقوں میں پہلے فرقے کے امام حضرت جنید بغدادی تھے، اور اکثر مشائخ بغداد نے انہی کا طریقہ اختیار کیا تھا، چنانچہ تذکرۃ الاولیاء میں ہے:-

وبیشتر از مشائخ بغداد در عصر او، و بعد از وے مذہب او داشتہ و طریق او طریق صحو است بخلاف طیفوریان کہ اصحاب بایزید اند و معروف ترین طریقے در طریقت و مشہور ترین مذہبے مذہب جنید است در وقت او مرجع مشائخ او بود[۲]

اسی کتاب میں عمرو بن عثمان مکی، المتوفی ۲۹۱ھ کے حالات میں لکھا ہے:-

ہرگز سکر را بر خود دست نداد و در صحو رفت و تصانیف لطیف دارد، دریں طریق و کلماتے عالی وارادت او بجنید بود[۳]

لیکن دوسرے فرقے یعنی اصحاب السکر کے امام حضرت ابویزید بسطامی تھے، اور اس بیخودی کی حالت میں اون کی زبان سے بعض ایسے فقرے نکل گئے جو عوام کے نزدیک قابل اعتراض قرار پائے چنانچہ ایک بار ان کی زبان سے یہ فقرہ نکل گیا، کہ "رسول اللہ صلعم کی طرح مجھے بھی معراج ہوئی ہے" اس پر بسطام کے لوگ اسقدر برہم ہوئے، کہ انکو بسطام سے شہربدر کردیا[۴] تصوف کی اصطلاح میں اسی قسم کے فقروں کو شطحیات کہتے ہیں، اور حضرت ابوبکر شبلی کی زبان سے اس قسم کے فقرے زیادہ تر نکلے ہیں، چنانچہ علامہ ابن قیم مدارج السالکین میں لکھتے ہیں:-

---

۱؎ تلبیس ابلیس ص ۱۷۰، ۲؎ تذکرۃ الاولیاء جلد دوم ص ۵، ۳؎ تذکرۃ الاولیاء جلد دوم ص ۲۷، ۴؎ تلبیس ابلیس ص ۳۴۱

وهو صاحب الشطحات المعروفة ان کے شطحات بہت مشہور ہیں۔[۱]

سب سے بڑھکر یہ کہ دوسری صدی کے آخر میں صوفیہ کی جماعت میں سماع کا رواج ہوا، اگرچہ اکابر صوفیہ اس سے محترز رہے[۲] تاہم صوفیہ کے گروہ پر اس کا اثر پڑا، اور یہ تصوف کی مخالفت کا ایک بڑا ذریعہ بنگیا، چنانچہ تذکرۃ الاولیاء میں ہے:

چون غلام خلیل بدشمنی این طائفہ برخاست وپیش خلیفہ گفت کہ جماعتے پدید آمدہ اند کہ سرود میگویند ورقص سے کنند وکفریات میگویند وہمہ روز تماشا سے کنند ودر سرداب ہا سے روند پنہان وسخن می گویند، این قومے اند از زنادقہ اگر امیر المومنین فرمان دہد بکشتن ایشان مذہب زنادقہ متلاشی شود کہ سرہمہ این گروہ اند اگر ایں خیر از دست امیر المومنین آید، من او را ضامنم بثوابے جزیل خلیفہ درحال فرمود تا ایشاں را حاضر کردند وایشاں ابوحمزہ وارقام وشبلی ونوری وجنید بودہ اند۔[۳]

قدماء کے دور تک تصوف کی جو کچھ مخالفت ہوئی وہ عملی تھی، لیکن اس کے بعد تصوف نے علمی قالب اختیار کیا، اور تصوف کے متعلق بہترین کتابوں کا ذخیرہ تیار ہوگیا، اسلئے جو لوگ اسکو کتاب وسنت کے خلاف سمجھتے تھے، انھوں نے صوفیہ کی مخالفت میں کتابیں لکھیں، اوران کے قابل اعتراض طریقوں پر نقد وبحث کی، اور غالباً سب سے پہلے محدث ابن جوزی نے تلبیس ابلیس میں ان طریقوں پر نہایت تفصیل کیساتھ اعتراضات کئے، لیکن اسی کیساتھ انکو اصل تصوف یا قدماء صوفیہ، بلکہ تمام مشائخ صوفیہ پر کوئی اعتراض نہیں ہے، بلکہ زیادہ تر ان کے اعتراضات متصوفہ یعنی مصنوعی صوفیوں پر وارد ہوتے ہیں، چنانچہ قدمائے صوفیہ کی پابندی کتاب وسنت کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں، :-

"گو یہ مشائخ صوفیہ کے اقوال ہیں، لیکن علم کی دوری سے ان کے بعض مشائخ سے غلطیاں بھی

۱؎ تلبیس ابلیس جلد ۳ ص ۴۲، ۲؎ رسالہ سماع ورقص لابن تیمیہ ص ۳۰۰، ۳؎ تذکرۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۱۷۹،

سرزد ہوئی ہیں، اسلئے اگر ان کا انتساب ان کی طرف صحیح ہے، تو ان پر اعتراض وارد ہوگا، کیونکہ حق میں کوئی رد و رعایت نہیں، لیکن اگر یہ انتساب صحیح نہیں ہے، تو جس شخص سے بھی اس قسم کا قول اور اس قسم کا مذہب صادر ہو، ہم اس سے بچیں گے، لیکن جو لوگ صوفی نہیں ہیں، بلکہ صوفیہ کیساتھ تشابہت پیدا کرلی ہو، انکی غلطیاں بہت ہیں[1]،

بہرحال کتاب و سنت کو معیار قرار دیکر انھوں نے صوفیہ کے جن جن طریقوں پر اعتراضات کئے ہیں، ہم ان کا خلاصہ درج کرتے ہیں،

طہارت اسلام ایک آسان مذہب ہو، اور ہر چیز میں آسانی کی تعلیم دیتا ہے، اسلئے جب کبھی اس آسانی کو سختی کے ساتھ بدلا گیا ہو، تو یہ طریقہ قابلِ اعتراض قرار پایا ہے، صحابۂ کرام میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی طہارت کے معاملے میں سخت محتاط تھے، اور پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کیلئے شیشے میں پیشاب کرتے تھے، اور کہتے تھے، کہ بنو اسرائیل کے بدن پر جب پیشاب کے چھینٹے پڑجاتے تھے، تو وہ اسکو قینچی سے کاٹ ڈالتے تھے، لیکن حضرت ابو حذیفہ رضی کو اسکی خبر ہوئی، تو فرمایا کاش وہ اسقدر سختی نہ کرتے، کیونکہ میں رسول اللہ صلعم کیساتھ جا رہا تھا، آپ ایک گھور پر پہنچے، تو تمھیں لوگوں کی طرح کھڑے ہوکر پیشاب کیا[2]، اس کے بعد فرقۂ عباد نے اسمیں طرح طرح کی سختیاں کیں، مثلاً جس پانی سے وضو کرتے تھے، اسمیں طرح طرح کے احتمالات پیدا کرتے تھے، کہ یہ پاک ہو یا نہیں؟ وضو میں نہایت کثرت سے پانی استعمال کرتے تھے، اور بعض اوقات اس قدر دیر لگاتے تھے، کہ نماز کا وقت فوت ہوجاتا تھا، یا جماعت میں شریک نہیں ہوتے تھے، صوفیہ نے اس سختی میں اور اضافہ کیا، ایک بزرگ صرف نہر کے کنارے جاکر وضو کرتے تھے، ان کے لئے پانی کی معمولی مقدار کافی نہ تھی، ابن عقیل نے ایک خانقاہ میں وضو کیا، تو تمام صوفیہ ہنس پڑے، کیونکہ انھوں نے کم پانی استعمال کیا تھا، بعض صوفیہ چٹائیوں پر بھی جوتا پہنکر چلتے تھے، کہ پاؤں نجاست سے محفوظ رہیں، حالانکہ سلف کا یہ طریقہ نہ تھا،

---

[1] تلبیس ابلیس ص ۱۰۰، [2] مسلم کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین،

مال

قدما، صوفیہ چونکہ زاہد حقیقی تھے، اسلئے مال و دولت کی برائیوں سے ڈرتے تھے، اور اسکو ترک کرکے مسند فقر پر بیٹھ جاتے تھے، اگرچہ یہ ایک غلطی تھی، تاہم ان کی نیت نیک تھی، رفتہ رفتہ یہ صوفیوں کا ایک طریقہ ہوگیا، اور مال و دولت کا جمع کرنا یا اس کا پاس رکھنا زہد و تصوف کے خلاف سمجھا جانے لگا، حضرت حارث محاسبی نے اس پر ایک طویل بحث کی ہے، اور امام غزالی نے اسکی تائید کی ہے، حارث محاسبی نے جو کچھ لکھا ہے، اسکا خلاصہ یہ ہے کہ خدا اور خدا کے رسول نے مال و دولت کے جمع کرنے کی ممانعت کی ہے، اور صحابہ نے جو کچھ مال و دولت جمع کیا تھا، وہ حجت نہیں ہے، حضرت عبدالرحمن بن عوف رض کو قیامت کے دن یہ آرزو ہوگی کہ دنیا کے مال و دولت میں سے کاش ان کو صرف وجہ معاش ملی ہوتی، جب ان کا انتقال ہوا تو بہت سے صحابہ نے کہا کہ انھوں نے جو کچھ مال و دولت جمع کیا ہے ہمکو خوف ہے کہ وہ ان کے لئے مضر نہ ہو، اس پر حضرت کعب نے کہا کوئی اندیشہ کی بات نہیں، انھوں نے جائز مال کمایا، اور جائز مال صرف کیا، یہ سنکر حضرت ابوذر غفاری رض ان کے مارنے کو دوڑے، اور کہا کہ تم یہ کہتے ہو، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زیادہ دولتمند لوگ قیامت کے دن مفلس ہوں گے، بجز ان کے جنھوں نے مال و دولت کو اڑا دیا، پھر فرمایا کہ ابوذر تم زیادہ چاہتے ہو، اور میں کم چاہتا ہوں، حضرت کعبؓ اس کا جواب نہ دیسکے، تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا یہ حال ہے، کہ باوجود فضائل کے صرف مال و دولت کی وجہ سے جسکو انھوں نے جائز طریقہ پر خودداری کے محفوظ رکھنے اور نیکی کے کرنے کے لئے کمایا میدان قیامت میں رک جائیں گے، اور فقراء مہاجرین کیساتھ جنت کی طرف نہ دوڑیں گے، بلکہ ان کے پیچھے پیچھے گھٹنوں کے بل چلیں گے، صحابہ کرام کے پاس جب کچھ نہیں ہوتا تھا، تو خوش ہوتے تھے، اور تم محتاجی کے خوف سے مال جمع کرتے ہو، یہ خدا کیساتھ بدگمانی اور اسکی ذمہ داری پر یقین نہ کرنے کا نتیجہ ہے، جو بہت بڑا گناہ ہے، تم دنیوی عیش و لذت کے لئے مال جمع کرتے ہو، حالانکہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص دنیا کے فوت ہوجانے پر متاسف ہوگا، وہ جہنم کے قریب پہنچ جائے گا، جیسا کہ صحابہ کو حلال وطیب مال ملتا تھا، کیا تم کو اپنے زمانے میں مل سکتا ہے؟ تمکو سد رمق پر قناعت کرنی چاہئے، اور نیک

کاموں کیلئے بھی مال نہیں جمع کرنا چاہئے، ایک عالم سے سوال کیا گیا، کہ جو شخص نیک کاموں کیلئے مال جمع کرتا ہے، وہ کیسا ہی؟ تو بولے مال نہ جمع کرنا اس سے زیادہ نیکی کا کام ہی؛

امام غزالی نے بھی اسکی تائید کی ہے، لیکن یہ شریعت اور عقل کے خلاف ہی، خود خداوند تعالے نے مال کو قوام کہا ہی، یعنی وہ چیز جس سے دنیا قائم ہے، چنانچہ فرمایا،

ولا تؤتوا السفهاء اموالهم التی جعل الله لکم قیاما،	اور مال جس کو خدا نے تمہارے لئے (ایک طرح کا) سہارا بنایا ہی، ان (یتیموں) کے حوالے نہ کرو، جو کم عقل ہوں،

اور رسول اللہ صلعم نے مال کے ضائع کرنے کی ممانعت فرمائی ہی، آپ نے حضرت سعد رضہ سے فرمایا کہ اپنے ورثہ کو دولتمند چھوڑ جانا تمہارے لئے اس سے بہتر ہے، کہ ان کو محتاج چھوڑ جاؤ، اور وہ لوگوں سے بھیک مانگیں نیز فرمایا، ابوبکر کے مال کی طرح مجھے کسی کے مال نے فائدہ نہیں پہنچایا، ایک صحابی کو آپ نے ایک غزوہ میں بھیجا اور مال غنیمت کی توقع دلائی، انھوں نے کہا کہ میں مال کیلئے تو مسلمان نہیں ہوا ہوں، فرمایا صالح آدمی کیلئے صالح مال تو بہترین چیز ہے" حضرت انس بن مالک رض کو آپ نے بہت سی دعائیں دیں، اور بالآخر دعا میں فرمایا کہ خداوندا اون کے مال و اولاد کو بڑھا، اور اُن کو برکت دے، حضرت کعب بن مالک رض کی توبہ قبول ہوئی، تو اونھوں نے اپنا کل مال صدقہ کرنا چاہا، لیکن آپ نے فرمایا کہ کچھ مال روک لو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے؛

یہ سب صحاح کی حدیثیں ہیں، اور ان سے صوفیہ کے اس عقیدہ کی غلطی ثابت ہوتی ہی کہ مال کا جمع کرنا توکل کے خلاف ہی، البتہ اس میں شبہہ نہیں کہ مال و دولت میں برائیاں بھی ہیں، لیکن بہرحال ضروری معاش کیلئے جائز طریقہ سے مال حاصل کرنا تو لازمی ہے، البتہ جو شخص جائز طریقہ سے مال کو جمع کرنا اور اوسکو بڑھانا چاہتا ہے، اوسکے مقصد کو دیکھنا چاہئے، اگر اس کا مقصد صرف نام و نمود ہے، تو اس مقصد کی

برائی میں کوئی شبہہ نہیں، لیکن اگر یہ مقصد ہے کہ خود دریوزہ گری سے بچے، اپنے اہل وعیال کو بچائے، حوادث تا ت زمانہ سے بچنے کا اسکو ذریعہ بنائے، دوستوں کی مدد کرے، محتاجوں کو دولت مند بنائے، اچھے کام کرے، تو اس نیت سے مال جمع کرنا بہت سی عبادتوں سے بہتر ہے، اور صحابۂ کرام انہی اغراض کے لئے مال جمع کرتے تھے،

باقی رہیں وہ حدیثیں جن سے حارث محاسبی نے استدلال کیا ہے، وہ سب موضوع ہیں، البتہ یہ حدیث صحیح ہے، کہ فقراء مہاجرین جنت میں دولتمندوں سے پانچسو برس پہلے داخل ہونگے لیکن یہ انکے صبر کا صلہ ہے فقر و فاقہ کا صلہ نہیں،

بہت سے صوفیہ ایسے گذرے ہیں، جنھوں نے اپنی جائز کمائی کا تمام مال لٹا دیا، پھر بھیک مانگنے لگے، حالانکہ صحیح حدیثیں اسکی مخالفت کرتی ہیں، ابو داؤد میں ہے کہ ایک صحابی انڈے کے برابر سونا لائے، اور کہا کہ یا رسول اللہ میں نے اسکو ایک کان میں پایا ہے اسکے سوا میرے پاس اور کچھ نہیں، اسکو صدقہ میں لے لیجئے، آپ نے انکار کیا، لیکن وہ بار بار اصرار کرتے رہے، اور آپ انکار فرماتے رہے، اخیر میں آپ نے لیکر انکی طرف اس زور سے پھینکا کہ اگر ان پر پڑ جاتا تو ان کو چوٹ آتی، اور فرمایا، کہ تم لوگ اپنا سب کچھ دے کر آتے ہو، اور کہتے ہو کہ یہ صدقہ ہے، پھر بھیک مانگنے لگتے ہو، بہترین صدقہ وہ ہے، جس کے دینے کے بعد بھی مال بچ رہے، لیکن صوفیہ اسکو توکل کے خلاف سمجھتے تھے، ایک صوفی سے توکل کے بارے میں سوال کیا گیا، ان کے پاس صرف ایک درہم تھا، انھوں نے اسکو صرف کر دیا، تب جواب دیا، کیونکہ توکل کا اقتضاء یہی تھا، حالانکہ صحابہ اور تابعین توکل کے یہ معنی نہیں سمجھتے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب خلافت کے کاموں میں مشغول ہوئے، اور ان سے تجارت چھوڑنے کو کہا گیا، تو بولے، کہ "پھر اپنے اہل وعیال کو کہاں سے کھلاؤں گا؟"

لیکن مال و دولت سے یہ بیزاری صرف قدمائے صوفیہ کو تھی، اگرچہ ان کا یہ طریقہ غلط تھا، تاہم مقصد

کے لحاظ سے ان کی نیک نیتی تھی، لیکن متاخرین صوفیہ بالکل دنیا کی طرف مائل ہوگئے، اور ہر جائز و ناجائز طریقہ سے مال جمع کرنا شروع کیا، ان میں بعض لوگ ایسے تھے، جو محنت و مشقت کرکے روزی پیدا کر سکتے تھے، لیکن وہ مسجد یا خانقاہ میں بیٹھکر صدقہ و خیرات پر زندگی بسر کرنے لگے، بہت سے ظالم اور غاصب لوگ ان کے پاس روپیہ بھیجدیتے تھے، اور وہ اسکو بخوشی قبول کر لیتے تھے، اور اس کے لئے بہت سے اصطلاحی الفاظ وضع کرلئے تھے، مثلاً فتوحات کا لفظ، یا یہ کہ ہماری روزی خواہ مخواہ ہم تک پہونچ رہیگی، یا یہ کہ یہ خدا کا احسان ہی، اسلئے ہم اسکو رد نہیں کر سکتے، اور اسکے سوا کسی دوسرے کا شکر نہیں کرتے، لیکن یہ تمام باتیں شریعت کے خلاف اور سلف صالح کی روش کے مخالف ہیں، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہو کہ حلال بھی کھلا ہوا ہے، اور حرام بھی، لیکن ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں، جنکو بہت سے لوگ نہیں جانتے، تو جو شخص شبہات سے بچے گا، وہ اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ رکھے گا، حضرت ابوبکر صدیق رضنے ایک شبہہ کی چیز کھالی تو قے کر دیا، سلف صالحین میں بہت سے بزرگ خودداری کے خیال سے دوستوں کا عطیہ بھی نہیں قبول کرتے تھے، قدما صوفیہ ہمیشہ اس بات کا لحاظ رکھتے تھے، کہ مال کس طریقہ سے حاصل ہوا ہے، اور معاش جائز طریقہ سے حاصل ہوئی ہے، یا نہیں، امام احمد بن حنبل سے سری سقطی کا حال پوچھا گیا، تو بولے کہ وہ پاک روزی کے کھانے میں مشہور ہیں، سری کا بیان ہے، کہ میں ایک جماعت کیساتھ ایک غزوہ میں گیا، ہم سب نے کرایہ پر ایک گھر لیا، اور میں نے اس میں ایک تنور گاڑا، لیکن سب نے اس تنور کی روٹی کے کھانے سے احتراز کیا" لیکن ہمارے زمانے کے صوفیوں کا یہ حال ہو کہ میں ایک خانقاہ میں گیا، اور اس کے شیخ کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایک امیر نے ان کو خلعت دیا ہو، اور وہ اس پر اسکو مبارکباد دینے گئے ہیں، حالانکہ وہ امیر بہت بڑا ظالم تھا، ابوالحسن بسطامی ایک خانقاہ کے شیخ تھے، اور جاڑے اور گرمی دونوں موسموں میں پشمینہ پہنتے تھے، لیکن وہ مرے تو چار ہزار دینار چھوڑکر مرے، حالانکہ اہل صفہ میں سے ایک بزرگ دو دینار چھوڑ کر مرے تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ دونوں آگ کے داغ ہیں،

لباس رسول اللہ صلعم اپنے کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے، اور حضرت عائشہ رضؓ کو حکم دیا تھا کہ جب تک پیوند لگا کر کپڑا نہ پہن لو اسکو بدن سے نہ اتارو، حضرت عمرؓ کے کپڑوں میں بھی پیوند لگے رہتے تھے، انہی روایتوں کی بنا پر قدما صوفیہ نے گدڑی پہننا شروع کر دی، اور متاخرین صوفیہ نے اسکو ایک نمایش کی چیز بنا لیا چنانچہ مختلف رنگ کے دو تین قسم کے کپڑوں کو جمع کرکے باہم جوڑ لیتے تھے، اور اس طرح مختلف رنگوں کی ایک گدڑی تیار ہو جاتی تھی،

بعض صوفیہ گدڑی میں اسقدر پیوند لگاتے تھے، کہ وہ نہایت بوجھل ہو جاتی تھی، ایک صوفی کی گدڑی کی صرف ایک آستین کا اون تولا گیا تو گیارہ رطل ہوا،

یہ گدڑی صرف شیخ کے ہاتھ سے پہنتے تھے، اور اسکو ایک سنت قرار دے لیا تھا، اور اس پر یہ سند پیش کرتے تھے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام خالدؓ کو ایک کپڑا اپنے دست مبارک سے پہنایا تھا اور ان کو دعا دی تھی،

بہت سے صوفیہ پشمینہ پوش رہتے تھے، اور اس پر یہ استدلال کرتے تھے، کہ رسول اللہ صلعم بھی پشمینہ پہنتے تھے، بعض صوفیہ پشمینہ اور کپڑوں کے نیچے پہنتے تھے، صرف اوسکی آستین کھلی رکھتے تھے، اس کے برعکس بعض صوفیہ نیچے تو نہایت نرم کپڑے پہنتے تھے، لیکن اوس کے اوپر پشمینہ پہن لیتے تھے، اور اس طرح بعض اوقات نہایت قیمتی کپڑوں کو ضائع کر دیتے تھے:

بعض صوفیہ حد سے زیادہ چھوٹے کپڑے پہنتے تھے، اسی بنا پر خواجہ حافظ نے فرمایا ہے:-

"دراز دستی این کوتہ آستیناں بیں"

بعض صوفیہ عمامے کے بجائے سر پر صرف ایک چیتھڑا رکھتے تھے،

بعض صوفیہ محض وسوسہ کیوجہ سے بہت سے کپڑے رکھتے تھے، مثلاً پائخانے کیلئے الگ کپڑا ہوتا تھا، اور نماز کیلئے الگ، اس کے برعکس بعض صوفیہ ایک کپڑے سے زائد نہیں رکھتے تھے، لیکن ان سب کے خلاف بعض صوفیہ نہایت

قیمتی کپڑے پہنتے تھے، اور موتی کی تسبیح ہلاتے تھے،

لیکن یہ تمام باتیں اصول شریعت، سنت، اور طریقۂ سلف کے خلاف ہیں،

۱۔ رسول اللہ صلعم یا صحابۂ کرام ضرورۃً کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے، گدڑی پہننا اون کی کوئی سنت نہ تھی،

۲۔ رسول اللہ صلعم صحابۂ کرام کو عادۃً اپنے ہاتھ سے کپڑے نہیں پہناتے تھے، حضرت ام خالدؓ کو صرف محبت سے اتفاقاً کپڑا پہنادیا تھا،

۳۔ رسول اللہ صلعم بے شبہ بعض اوقات پشمینہ پہنتے تھے، لیکن یہ عرب کا عام لباس تھا، اور اس سے کوئی شہرت نہیں ہوتی تھی،

۴۔ نئے کپڑے میں شگاف کر دینا مال کا ضائع کرنا ہے، جسکی شریعت میں ممانعت ہے،

۵۔ بہت زیادہ چھوٹے کپڑے پہننے سے بھی زہد و قناعت کی شہرت ہوتی ہے، عمامے کے بجائے صرف سر پر چیتھڑا رکھنا بھی اسی قبیل سے ہے،

۶۔ ہر ضرورت کے لئے الگ کپڑا رکھنا اگرچہ معیوب نہیں، تاہم یہ خطرہ ضرور ہے، کہ کہیں سنت نہ قرار پاجائے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام ہر ضرورت کے لئے الگ الگ کپڑے نہیں رکھتے تھے،

۷۔ صرف ایک کپڑا رکھنا بھی عیب نہیں، البتہ جمعہ اور عید کے لئے کوئی خاص کپڑا رکھنا، اولیٰ بھی بہتر ہے،

خانقاہ گذشتہ عبادت گذار لوگوں نے خانقاہیں اس غرض سے بنائی تھیں کہ دنیا سے الگ ہوکر اوسمیں عبادت کریں، اگرچہ نیت صحیح تھی، تو اسمیں متعدد غلطیاں تھیں،

ا۔ یہ ایک بدعت ہے، کیونکہ مسلمانوں کی عبادت کی جگہ صرف مسجد ہے،

۲۔ یہ مسجدون کی نظیر بن گئیں، جن سے مسجدوں کی آبادی کم ہو جاتی تھی،

۳۔ مسجد کی طرف قدم اٹھانا ثواب کا کام ہے، اور خانقاہون کے قیام سے یہ ثواب فوت ہو جاتا تھا،

۴۔ اس سے عیسائیوں کی مشابہت لازم آتی تھی، جو گرجوں میں جاکر عبادت کرتے تھے،

۵۔ ان میں نوجوان لوگ مجردانہ زندگی بسر کرتے تھے، حالانکہ ان کو نکاح کی ضرورت تھی،

۶۔ یہ زہد و عبادت کا اشتہار تھیں، جن میں لوگ ان کی زیارت کو آتے تھے،

لیکن اگر یہ خانقاہیں بدنیتی سے بنائی گئی تھیں، تو وہ لہو و لعب کا ایک مرکز اور زہد و عبادت کی ایک نمائش گاہ تھیں اور ان میں قیام کرنے کی غرض صرف یہی ہو سکتی ہے، کہ فکر معاش سے بے نیاز ہو کر خورد و نوش اور رقص و سرود میں مصروف رہیں، اس لئے بشر کی گرسنگی سری کی پرہیزگاری اور جنید کی مستعدی کا منظر یہاں کیونکر نظر آسکتا ہے،

(باقی)

خیام

خیام کے سوانح، تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ، اور فارسی رباعی کی تاریخ اور رباعیاتِ خیام پر مفصل مباحث اور آخر میں خیام کے چھ عربی و فارسی رسالوں کا ضمیمہ، اور اوس کے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی شکل شامل ہے، خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل، مکمل، اور حتی المقدور محققانہ یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہے، ضخامت ۵۰۰ صفحات، کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ،

قیمت غیر مجلد ؎ مجلد للعہ

افکار عصریہ

سائنس نے جنگِ عظیم کے بعد جو ترقیاں کی ہیں، یہ کتاب ان تمام ترقیوں کا خلاصہ ہے، کتاب ۲۷ بابوں میں تمام ہوئی ہے، اور ہر باب میں سائنس کے مختلف اہم مسائل کی تحقیق کی گئی ہے، ضخامت ... صفحے، قیمت ؏

منیجر

قصائدِ مظہرؒ

(نظرِ مکرر)

از نواب صدر یار جنگ بہادر مولنا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی،

مقالۂ ہذا کا اوّل حصّہ ختم و روانہ ہونے کے بعد شوق نے کلام مظہر مکرر پڑھنے کا تقاضا کیا، اول سے آخر تک پڑھا، جو نئی باتین ملین حاضر ہین:-

مزید حالات مظہر صاحب اولاد تھا، شاہی جاگیر آخر عمر تک اس کے قبضے میں رہی، ۷۰ برس کی عمر کے بعد اس نے درخواست کی تھی کہ جاگیر اس کے بچوں کے نام کر دیجائے جیساکہ قصیدۂ نمبر ۲ سے ثابت ہوتا ہے یہ قصیدہ سلطان ابو الفتح ناصر الدین محمد شاہ تغلق کی مدح میں ہے جو بیٹا تھا سلطان فیروز شاہ کا (جیسا کہ اورینٹل کالج میگزین کے فاضل مدیر کا بھی خیال ہے) اس بادشاہ کا پہلا جلوس ۷۹۰ھ ہجری میں ہوا، اور دوسرا ۷۹۱ھ ہجری میں، اسکی مدح میں صرف یہی ایک قصیدہ پیش نظر نسخے مین ہے، ظاہر ہے کہ درباری تعلق کے لحاظ سے تخت نشینی کے وقت قصیدہ پیش ہوا ہوگا، اسی وقت موقع تھا کہ جاگیر کی بحالی اور اولاد کے نام منتقلی کی درخواست کیجائے، چنانچہ شاعر نے موقع سے نفع اٹھایا اور درخواست کی، جب یہ قرین قیاس ہے کہ یہ قصیدہ جلوس کے وقت پیش ہوا تو مظہر کے سال پیدایش کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو تقریباً ۷۱۶ھ ہجری ہے، قصائد مین صرف ایک قصیدہ کا جانشینِ فیروز شاہ کی مدح مین ہونا اس خیال کو بھی قرین قیاس کر دیتا ہے، کہ مظہر تخت نشینی کے بعد زیادہ زندہ نہین رہا ورنہ آئینِ شاہی کے مطابق اس کو دوسرے مواقع پر بھی قصیدے پیش کرنے چاہئے تھے، چنانچہ اپنے دوسرے ممدوحوں کی شان میں

مختلف تقریبوں پر قصیدے لکھتا رہا ہے، معہذا اس نے دو بادشاہ غیاث الدین تغلق ثانی اور ابوبکر شاہ کی مدح میں قصیدہ کا نہ ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان بادشاہوں کے مختصر عہد میں شاعر زندہ نہ تھا ورنہ قصیدہ پیش کرتا، ان قرائن سے شاعر کا زمانہ تخمینی طور پر سنہ ۷۱۶ھ سے سنہ ۷۹۱ھ تک معین ہو جاتا ہے، حافظ شیرازی کی وفات سنہ ۷۹۱ھ میں ہے، ثابت ہوا کہ مطہر بلبل شیراز کا ہمسفر و ہمعصر تھا، جس قصیدے میں مطہر نے ۷۷۳ھ لکھا ہے وہ تقریباً پچاس برس کی عمر میں لکھا ہوگا، سنہ ۱۹ جلوس فیروزشاہی میں جو اس عہد کے شباب کا وقت تھا، اس قصیدے میں ایک شعر یہ بھی ہے،

ابنا و اقربا و تبار و تبع ہنوز

میخواہدم برنج و تعب مبتلا کند،

اس سے صاف ظاہر ہے کہ علاوہ اولاد کے مطہر کا پورا کنبہ ہندوستان میں موجود تھا، اس صورت میں یہ کہنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے کہ مطہر ایران سے آیا تھا،

پہلے حصہ مقالہ میں ایک شعر لکھا جا چکا ہے جس میں اس نے اپنے والد کی نسبت لکھا ہے کہ وہ بھی دربار شاہی کا مداح و دعاگو تھا، ایک اور شعر لکھا جا چکا ہے جس میں اوس نے اپنے خویش و اقارب اور متعلقین کا شمار ایک ہزار لکھا ہے، یہ مزید ثبوت مطہر کے ہندوستانی ہونے کا ہے،

اب قصیدے کے اشعار ملاحظہ ہوں :-

من ہم چو دیدم اینکہ چو ہفتاد و سہ گذشت　　　عمر و فلک بدنیست کہ پشتم دوتا کند

ابنا و اقربا و تبار و تبع ہنوز　　　میخواہدم برنج و تعب مبتلا کند

درخواستم ز شاہ چو دیدے کہ شہ مرا　　　داد ایں عطا بمرحمت اولاد را کند

تا ہر کسے بحصۂ خود ز ستے برد　　　وز وجہ ایں معاش خود و اقربا کند

ویں خستہ با فراغ نشیند بگوشۂ　　　حمد خدائے گوید و شہ را دعا کند

سلطانِ شرق و غرب محمد شہ آنکہ او — جود و جہاد بر صفتِ مصطفیٰ کند

بو الفتح شاہ ناصرِ دنیا و دیں کہ او — تائید ملک و ملت و دین و دنا کند

اسی قصیدے کی تشبیب میں حوایجِ زندگی کی تفصیل کرتا ہے جس سے آج سے سات سو برس پہلے کے تمدّن پر روشنی پڑتی ہے، آخر عمر میں درویشانہ زندگی کے تین مرتبے قائم کرکے اور ادنیٰ اعلیٰ اور اوسط مرتبوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے، مطلعِ قصیدہ ہے،

مردم چو پیر شد خرد ایں اقتضا کند — کارِ فضول ترک و رعونت رہا کند

. . . .

اوساطش آں بود کہ بآئینِ صالحاں — در کنجِ عافیت بہ قناعت بقا کند

وار د بگرد خود درمے چند از حلال — تا حاجتش بقدرِ کفایت قضا کند

وز بہرِ آں کہ رنج و ریاضت ستودہ نیست — پیرِ ضعیف را کہ خلل در قوا کند

ناچار بر طریقتِ حکمت بقدرِ وسع — اصلاحِ حالِ خانہ لباس و غذا کند

محفوظ خانہ ایش بباید ز خشت و سنگ — کایں ز باد و آتش و باراں وراکند

وز وزد و ایمنی دہد و گربۂ و سگے — نتواند از بر و نش کہ قصد سرا کند

یک حجرۂ و صفہ و یک جار میر زش — یک مطبخے کہ منقمش چار جا کند

یک گوشہ کندوۂ[1] ایش و یکے گوشہ ہیزمش — یک گوشہ دیگدان و یکے آسیا کند

وانچ از متاعِ خانہ و اسبابِ حاجتش — خرد و لطیف و مختصر و دیر پا کند

طشتے و آفتابہ و شمعے و کرسیس — زیلوچۂ[2] و خرد پلنگے بسا کند

یک صحن و یک سکورہ یکے کاسہ یک قدح — با یک طبقچۂ ز شغافِ خطا کند

[1] خم کلاں از گل کہ در آں غلہ نہند۔ ۱۲ [2] زیلو۔ گلیم۔ ۱۲

یک تابۂ و دیگ مسینی کہ اندرو ¹ · · · گہ رشتہ ² گہ برنج و گہے شوربا کند
زُتو³ و تختۂ و طغار سے و کفچہ · · · با تنگ ⁴ بیز و چمچہ کزو احتنا کند
دستاک خرد و هاون و سنگ ملابۂ · · · نمے وعجلۂ کہ ازو استقا کند
صندوقے از برائے کتب طب بہر لوث · · · وانچہ اقتصار جنس اوام وا نا کند
وانگہ چو فرد خانۂ حکمت تمام شد · · · بر صورتے کہ جملہ حوائج روا کند
اصلاح حال قوت و غذائے کہ در خورست · · · بر راہ و رسم مطبخ دار الشفا ⁵ کند
ہرچہ از غذا بہ وزن قلیل و قوی کثیر · · · از وے تنا و سے بگہ اشتہا کند
در چاشتگاہ قلیہ برنجے و روغنے · · · با ترشئ کہ معتدل آید غذا کند
در شامگاہ نانے و آشے ز آب گوشت · · · پاکیزہ و لطیف غذا در عشا کند
تا در دل و دماغ و جگر قوتے دہد · · · و ندر تنش بدایت و نشو و نما کند
و ز سیخ و سغد ⁶ و سر بریاں کباب و کشک ⁸ · · · با دجن و پنیر و قدید احتما کند
در گوئی از لباس چہ حاجت بود ورا · · · کانرا بہ عید و جمعہ و جمع اکتسا کند
یک جبہ و یکے فرجئ ⁹ و یک دو تائیے · · · کز صوف وار کی و ز شامی عبا کند
با شملۂ حجازی و مصری عمامۂ · · · قرنے بس است عمر عزیزا رو فا کند

ممدوح حسام الملک کی جاگیر شاہی کی سالانہ آمدنی :-

بود ش خراج سال ز دیوان بادشاہ · · · شش صد ہزار تنکۂ سرخ از زر عیار
(چھ لاکھ اشرفی)

ایک اور موقع سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا اصل مشغلہ علم کی خدمت تھی، درباداری و شاعری

¹ نوعے از حلوہ ² فرتو ³ نوعے از غربال ⁴ ... ⁵ دارالشفا کی غذاؤں کی تفصیل خصوصاً سبق آموز ہے ⁶ سغد چسرب زدہ را گویند کہ از گوشت و برنج سازند ⁸ کشک قسمے از ہریسہ کہ از گندم یا جو و شیر گوسپند راست کنند ⁹ فرجی نوعے از قبا بے بند کشادہ پیش

ضرورت تھی، چنانچہ قصیدہ نمبر ۲۳ میں کہتا ہے،

عشقِ من کنج و کتابے بود مخدوماں را میل بر مدح و ندیمی و ملاقاتِ حضور

گر مراعات کنم علم و عمل راست خلل ور رعایت نکنم دیہ و درم راست فتور

قصیدہ نمبر ۳ مولنا جلال الدین رومی کی مدح میں ہے، اس کا ایک شعر ہے،

مصابیح و مشارق را چناں مستحضر البابت کہ گوئی از زبان مصطفیٰ کردہ است اصغارا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں کہاں حدیث مصابیح و مشارق کا استحضار تھا،

ٹھٹھہ کی فتح کے سلسلے میں وہاں کے دو راجاؤں کا ذکر کرتا ہے، ایک راؤ تماجی دوسرا راؤ جام جود

ٹھٹھہ کو جزیرہ کہتا ہے،

ٹھٹھہ کہ آں جزیرہ بلائیست پر کھٹ دریاش یک طرف و پنج آب یک طرف

تخلص علاوہ مذکورالسابق اشعار کے مظہر کا تخلص متعدد جگہ اور ملتا ہے، ملاحظہ ہو قصیدہ نمبر ۱۰ "اے مظہر سخن دراز مکن"۔ قصیدہ نمبر ۲۴ "وز زبانِ مظہرِ مسکیں"۔

ترکیب بند نمبر ۱:-

بندۂ کمتر مظہر را بمدح آستانت فیض خاقانی و ذہن انوری پیوستہ باد

قصیدہ نمبر ۱۴ – "مظہر در ثناخوانی چو درافشانست در پایت" ان تمام اشعار میں مظہر صاف لکھا ہوا ہے

مظہر کے ایک قصیدہ کے دو شعر ہیں:-

بہندستان سفر بسیار کردم ہر سوے لیکن ہوس دارم کہ یکچندے ببینم ملک بالا را

در آیم از حجاز اندریں زانجا سوے کہ ببینم مرصفا و مروہ و عرفات و بطحا را

ان اشعار سے اس کے ایرانی ہونے اور مشتاقِ ایران ہونے کا استدلال معلوم نہیں کس طرح ہو سکتا ہے، قصیدے میں ایران یا خراسان کا مطلق ذکر نہیں ہے جس سے طرفِ بالا کا اشارہ ہو، یہاں

بالا کا لفظ بلحاظ شرف استعمال ہونا قرین قیاس ہے، جس کی تشریح دوسرے شعر میں ہے، ایک بات قابل لحاظ ہے، کیا مظہر کو معلوم نہ تھا کہ مکہ حجاز میں ہے، اگر علم تھا تو پھر حجاز سے یمن جانے اور وہاں سے مکہ جانے کی تمنا کس بنیاد پر تھی،

کلام کے مختلف اسالیب (۱) ملاقاتِ احباب کا اشتیاق۔

بنود عجب از بہر ملاقاتِ عزیزاں گر موے شود بر تنِ مشتاق چو پرہا

موے بدن سے زبان کا تو کام لیا گیا تھا ع - "اگر ہر موے من گردد زبانے" لیکن پر کا کام غالباً مظہر ہی نے لیا ہے، اور بمقابلہ زبان کے زیادہ موزوں ہے، دیکھو پڑ کو بال و پر بھی کہتے ہیں،

(۲) مبالغہ۔

کس قدر لطیف ہے،

قلم کہ خط غبار آنچناں بنشتی راست کہ سطر در تہ موئے ہمی نمود اخفا

چشم روشن کہ پاے مور بدیدے بشب تیرہ در چہے فسلانی

ایں زماں اشترے بہ بار نہ بیسند بر بلندی اگر (تو ؟) بروانی

(۳) تشبیہ دہن و زلف۔

اے بر ورق گل ز شکر ساختہ میمے وز مشک بر آوردہ بکافور دو جیمے

(۴) تعریف اسپ،

از اسپ بیقرار قرارست ملک را بنود قرار ملک۔ چو گیرد قرار اسپ

شعر بالا اس عہد کی زندگی کی سچی تصویر ہے،

اوّل ز پائگاہ ہزار اسپ بادپاے ہر یک ز تازیانِ براق اصل برق سا

مہ روے خرد موے و سیہ چشم و تیز جسم خوش گام و خوش لگام و سبک سیر و راہوا

اسی سلسلے میں ترکستان اور ہندوستان کا فرق :-

در ترک اسپ بجد و در ہند آدمی   زیں جا فرست بردہ وزآنجا بیار اسپ

طلب اسپ :-

دارم امید آنکہ رکابی خویش را   بخشی زر او بلطف یکے راہوار اسپ

تعریفِ اسپ میں دوسری جگہ کہتا ہے :-

پرندہ ہمچو دخان و روندہ ہمچو سیل   جہندہ ہمچو درخش[1] و دوندہ ہمچو سحاب

سپید روے و سیہ چشم و برافراختہ پیش   بلند یارگہ و نرم پوست و سخت اعصاب

بخاک بادیہ پروردہ، آتش آہنگے   کز آب و کاہ کفایت کند بیاد و سراب

ہماں بدست کہ بر پشت او نشستم راست   بجُست تند چنانک از کماں نشاب

ہمی دوید بہ ہاموں ہمی گذشت بہ کوہ   ہمی نوشت بیاباں ہمیں برید خصاب

گہے بگام چو شیر و گہے بپویہ چو گرگ   گہے بہ تگ چو غزالے کہ گُرزد و بر غاب[2]

(۵) محبتِ مطلوب :

تو مرا باش کہ تا ہر دو جہانم باشد   بے توام گنجِ زر و تودۂ زر حاجت نیست

(۶) تشبیہ طلوعِ صبح کاذب :-

نگر کہ صبح نخستین نمود رایت خویش   بسانِ تیغۂ خنجر کہ برکشی ز قراب

(۷) تعریفِ خنجر :-

دگر ہزار خنجر خونریزِ مشرقی   ہر یک بسانِ صارم و صمصام و ذوالفقار

سوزندہ تر ز عشق و فروزندہ تر ز عقل   تابندہ تر ز نور و شتابندہ تر ز نار

ہم پشت او چو ماہی و ہم روے او چو ماہ   ہم گوہرش چو مور و ہم پیکرش چو مار

[1] بجلی برق ۱۲
[2] جنگل ۱۲

(۸) تشبیہ ساغر:-

بر سرِ دستہا چو بازِ سپید	ساغرِ بادہ را سوار کنید

(۹) تشبیہ طلوع صبح:-

دیدم نشانِ صبح ز گردونِ تیرہ رنگ	چوں بر حصارِ سنگِ سیہ ـ برجِ مرمرے
یا تودۂ سپید ز کافور ساختہ	بر ساحتِ سیاہ ز پاکیزہ عنبرے
یا برقیاس آنکہ کشاید کسے نگاہ	سیمیں دریچۂ ز سرِ تیرہ منظرے
گفتم مگر کہ بانگِ ثنا زِ مؤذناں	بکشاد از برائے دعا ز آسماں درے
یا در میانِ جنت فردوس جانفزائے	افگندہ جبرئیل شعاعے ز شہپرے
ہر دم میانِ صبح و شب از تیغ آفتاب	می رفت نیزہ جنگی و خوں ریز خنجرے
گفتی مگر کہ بر سرِ صحرائے نیلگوں	زد بر سپاہِ زنگ ز سقلاب لشکرے
یا خود سوادِ ملکت ہندوستاں تمام	بگرفت از مواکبِ اسلام محشرے

(۱۰) فلسفۂ محنت:-

خاطر آسودہ کن کہ یک شادی	بے غمِ بے شمار نتواں یافت
ہیچ مُل بے خمار نتواں خورد	ہیچ گل بے زخار نتواں یافت
بے زخوناب دیدہ از دلِ بحر	لؤلوئے شاہوار نتواں یافت
روشن است ایں کہ آبِ حیواں را	بے بیابانِ تار نتواں یافت
تا نہ بینی بلاے سیلابی	لذت از جویبار نتواں یافت
تا نسوزی وجود از محنت	بوئے مشکِ تتار نتواں یافت

ان اشعار میں "بے زخار" اور "بے زخوناب" کی ترکیب قابل لحاظ ہے،

(۱۱) مقصود کی بلندی :-

مرا با مال حرصے نیست من اعمال میخواہم | مرا با خلد کارے نیست من دیدار میخواہم

(۱۲) فلسفۂ آسایش :-

اے کہ آسایشے ہمی طلبی | زحمتے اختیار باید کرد
گنج خواہی ز رنج ناچار یست | صید خواہی شکار باید کرد
عافیت در جہاں اگر جوئی | ترکِ حرص و نقار باید کرد
ہر چہ یابی ز اندک و بسیار | ہم بداں اختصار باید کرد
ہیچ ازیں گفت و گوے نکشاید | اصل کار ست کار باید کرد

رومال :- مصرع

کہ شد رومالِ میخواراں مصلاے کہ من دارم

مشکل طرحیں :-

مظہر نے اکثر طرحیں شگفتہ اور صاف انتخاب کی ہیں، لیکن اسی کے ساتھ ایک سے زیادہ قصیدوں میں مشکل طرحوں کو بھی لیا ہے، وہاں بھی بیان کی روانی و شگفتگی قائم ہے، ایک قصیدے کی ردیف ہے "اسپ" قافیہ ہے "قرار" - "رہوار" ملاحظہ ہو،

تا آفرید بہر غزا کردگار اسپ | شد بر جمیع جانوراں شہریار اسپ
سوگند خورد حق بشمِ اسپِ غازیاں | بنگر۔ کہ در چہ پایہ رسانید کار اسپ
. . . . | . . . .
مردانہ راست یار دوم در نبرد رخش | فرزانہ راست پاے ثباتم در قرار اسپ
مرکبِ عزیز دار کہ دارد عزیز تر | از جانِ خویش۔ مردم خنجر گذار اسپ

بقیہ

تصرف :-

بعض جگہ جوش بیان میں تصرف کرجاتا ہے، ایک شعر ہے،

زمدح وذم بگراین دکاتبیں مانیم　　　کہ نیک وبد ہمہ درطی نامہ بنگاریم

کراماً کی جمع کراین خاصا تصرف ہے،

مرثیے :-

مظہر نے مرثیے بھی لکھے ہیں، دو مرثیے اس مجموعہ میں ہیں، ایک قصیدہ نمبر ۴۶ - کس کا مرثیہ ہے؟
اس کا پتہ نہیں چلتا، مطلع ہے :-

زدور محنت این نہ سپہر زنگاری　　　کدام دل کہ نہ خوں گشت از جگر خواری

حسن مطلع :-

کجا بجام طرب مجلسے بنا کردند　　　کہ از سپہر نبارید سنگ قہاری

یہ وہی مرثیہ ہے جس کو حضرت شیخ دہلویؒ نے حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کا مرثیہ لکھا ہے
شیخ نے جو اشعار نقل کئے ہیں، ان میں یہ شعر بھی ہے،

جہاں بماتم خواجہ نصیر دین محمود　　　ہزار گونہ فغاں کرد و نوحہ وزاری

یہ شعر اس مجموعہ کے قصیدے میں نہیں ہے، ممکن ہے کچھ اشعار کاتب کے قلم سے ساقط ہوگئے ہوں، مگر ایک
مشکل ہے، قصیدے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو صاحبوں کا مرثیہ ہے، تمہیدی چار شعروں کے بعد یہ شعر آتا ہے

بقیۂ سلف سادہ یادگار کرام　　　کہ کرد ختم خلافت بسلک دینداری

(قرین قیاس ہے کہ بیچ میں کچھ اشعار چھوٹے ہیں جنہیں مرثیے کے ہیرو کا نام آیا ہوگا) اسی طرح چار شعروں
میں صفت مرحوم بیان کرکے کہتا ہے،

دو بودہ اند یکے آفتاب و دیگر ماہ　　　کہ فیض رحمت شاں بود روز و شب جاری

چہ اوفتاد ندانم کنوں چہ روز آمد کہ شد ز روشنی ہر دو، روز و شب تاری

اسی طرح آخر تک دونوں مرحوموں کے واسطے ماتم کرتا گیا ہے، دعا میں کہتا ہے،

برحمتِ تو کہ عام ست در جہانبانی بعزتِ تو کہ خاص است در جہانداری

کہ روحِ اعظمِ آں ہر دو پیشوائے کرام کہ مقتدائے جہاں بودہ اند زاخیاری

اشکال یہ پیش آتا ہے کہ اگر حضرت شیخ چراغ دہلی مظہر کے پیر تھے تو موصوف کا مرثیہ دوسرے بزرگ کے ساتھ ملا کر لکھنا اور دعا وغیرہ میں دونوں کو مساوی رکھنا آدابِ مریدی کے کہاں تک موافق ہوگا ظاہر ہے کہ خلاف ہوگا،

دوسرا مرثیہ قصیدہ نمبر ۷ ہے، یہ مولانا شمس الدین کے ماتم میں ہے، ملاحظہ ہو:-

ایں چرخ تیرہ رنگ کہ بحریست پر حباب ہر دم کند بسیلِ اجل خانہ، خراب

ہر لحظہ بادِ ساحل او زیں شگفتہ باغ سروے برد ز بیخ و چراغے برد ز تاب

ماند بہ آسیائے و ما در میانِ او چوں دانہا کہ سودہ شود زیر آسیاب

. . . .

آفت بہ دہر چیست کہ شد دہر بس حزیں غوغا بہ شہر چیست کہ شد شہر بس مصاب

دلہا چرا شدہ است ہمہ چاک بے سلاح سرہا چرا شدہ است ہمہ پر ز خاک بے خراب

گریاں چرا ست اہلِ زمیں ہر کہ خاص و عام نالاں چرا ست خلق ہمہ ہر کہ شیخ و شاب

گوئی مگر کہ قبلۂ آفاق شد نہاں دانم مگر کہ کعبۂ حاجات شد خراب

یعنی نماند خدمت شمسِ دُنا و دیں صدر الشیوخ خواجگی آں خواجہ مستطاب

آں طجار ممالک و آں منجار ملوک آں عمدۂ خلافت و آں زبدۂ مناب

آں خاصۂ خدائے کہ روئے مبارکش بودے دلیل رحمت و آثار فتح باب

گریز کی ندرت :-

مطلع ہے،

ساقی بیار جام مے سرخ زان سبو — مشکیں چو تاب صبح و مصفا چو آب جوے

آگے اشعار میں شراب کی تعریف کرتے کرتے کہتا ہے،

تیز ست و تلخ و مرد شکار و گہر نما — مانند خنجر ملک المشرق ناموے

تغزل :-

اس مجموعہ میں مظہر کی کوئی غزل نہیں ہے، مگر بہت سے اشعار ایسے ہیں جو عمدہ غزل کے شعر ہو سکتے ہیں، مثلاً ترکیب بند نمبر ۵ کا بند چہارم فارسی نادر غزل کے ہم پہلو رکھا جا سکتا ہے، ملاحظہ ہو،

کارم از دست رفت سامان چیست — دم بدم از حد گذشت درمان چیست

طشت بدنامیم ز بام افتاد — راز در دل ہنوز پنہان ! چیست؟

تشنہ مُختم کشت و کس نمی پرسد — کہ بگو۔ جرم ایں مسلمان چیست

از من آں شوخ را بگو اے دوست — کیں ہمہ کینہ با محبان چیست

گر تو یوسف نشدی بزیبائی — دل من در چہ زنخدان چیست

در تو عیدی رخت مبارکباد — بے زری در غم تو قربان چیست

در نشینی بر آں کہ خوں ریزی — اینک استادہ ایم فرمان چیست

گر زنی نیش و گہ دہی نوشم — اگر ایں لطف می کنی آن چیست

وز تو چوں شمع جمع روشن شد — با من ایں گفتن پریشان چیست

من دعاگوے خسروم آرے — کار من جز دعاے سلطان چیست

شعر نمبر ۶ سے امیر خسرو اور سعدی شیرازی کا رنگ صاف جھلکتا ہے،

سحر حلال :

اکنوں کہ ہوا معتدل و آب مصفاست	وز سبزہ ہمہ روئے زمیں سبز چو دیباست
در دامن آفاق نہ گرد و نہ غبار است	در خلقت ایام نہ گرما و نہ سرماست
ہر سو کہ کنی رخ چمن و آب روانست	ہر جا کہ نہی پائے گل و سبزۂ و صحراست
در دست ہوا حقۂ کافور و عبیر است	در جیب صبا نافۂ عنبر سارا ست
حاصل شدہ از روئے زمیں ہر چہ مراد است	واصل شدہ از دور زماں ہر چہ تمناست
ہنگام مے و مجلس و معشوق و مغنی است	و ایام نشاط و طرب و عیش و تماشاست
تاخیر مکن ہیچ در آرایشِ مجلس	کاصحابِ طرب حاضر و اسباب مہیاست
اینک دہل و دف و نے و چنگ و چغانہ	و اینک غزل و نقل و گل و ساغرِ صہباست
خوباں ہمہ مہ روئے حریفاں ہمہ خوش خوئے	ساقی و مغنی طرب انگیز و دل آراست
بر سبزۂ سیراب فلک لعل بساطے	وز دیبۂ و زربفت بہ یاقوت محشّاست
برخیز بہ شادی کہ گہ نوش و نشاط است	بنشیں بہ تنعم کہ گہ نزہت و یغماست
و آہنگ بہ مے کن کہ مہِ روشنِ جامش	تابندہ تر از چشمۂ خورشید بجوزاست
وز دستِ بتِ شنگ کہ از شکل و شمائل	دلبند و دلآویز و دل آرام و دل افزاست
آں ماہ پری روئے کہ قرطیش و شمائل	بر دوش و بناگوش چو جوزا و ثریاست
شمشاد گیسو و سمن در بر و بازوست	گلنار بر خسار و سہی سرو بہ بالاست
ہر سو کہ رود آفتِ آفاق وراں سوست	ہر جا کہ بود فتنۂ عشاق در انجاست
نقل از لب شیرینش و شراب از لب ساغر	میخواہ کہ ہمشیرۂ مے شیرۂ خرماست
ایں حاصلِ ایام حیاتست کہ گفتم	در اعظم لذات کہ در عمر مو فاست

دیگر غم و اندوه جهانست فراوان   خوش وقت کسے کز غم و اندوه مبرّاست

فارغ به قرینے شده خرسنده به قوتے   نے در غم امروز نه اندیشهٔ فرداست

فارغ دل و فرخنده چنانست که گوئی   منجملهٔ اصحاب یل و صفدر والاست

والا ملک الشرق حسام دول و دیں   کاراسته لفظ ملک العرش تعالیٰ ست

(۲)

روز شادی و خوشی وقت سماع و طرب است   نوبت نوش و تماشاست گه نشو و نماست

گر کسے را سخنے در مے و مطرب باشد   بارے امروز دریں حال که مائیم رواست

مطربا نغمه برآور که آوانِ طرب است   ساقیا باده بیاور که زمانِ صهباست

باده بر یاد ملک ده که باقبال ملک   بزم فردوس و قدح کوثر و ساقی حوراست

ملک الشرق فلک قدر ملک عین الملک   کافتابِ کرم و سایهٔ الطاف خداست

(۳)

هر کرا شمع توئی نور قمر حاجت نیست   زلفِ مشکین ترا عنبر تر حاجت نیست

خسته کز لبِ شیرین تو یابد رشحے   شربتے دیگرش از قند و شکر حاجت نیست

عید نوروز جهاں طلعتِ زیبات خوش است   زینت صبحدم و منت خور حاجت نیست

با رخ و زلف و بناگوش و قدت مردم را   باغ و بستان و ریاحین و شجر حاجت نیست

چشمِ خونریز ترا غمزه پسندست سلاح   تیغ و رمح و گرز و تیر و تبر حاجت نیست

درج دندانِ تو در درج عقیقین دهنت   بس بود زینتِ تو لعل و گهر حاجت نیست

خواجه را نیز پئے ضبط جهاں رائے منیر   کافی آمد مددِ جیش و حشر حاجت نیست

صدر آفاق و زماں قطب جهاں زین الدین   که معالیش پدیدست خبر حاجت نیست

ترکیب بند روانی و شگفتگی میں ترکیب بند قصائد سے بڑھے ہوئے ہیں،

زمستانست و باد سرد از کہسار می آید بگرداں آتشیں جامے کہ آتش کار می آید
فروکن پردۂ خرگاہ و چنگ آہستہ تر می زن کہ ہر چہ آہستہ میگیری نوا ہا زار می آید
بدہ در جام کافوری شرابے زعفران گونہ کہ از بویش نسیم ناقۂ تاتار می آید
غلام آں مئی لعلم کہ چوں بر دست میگیرم بیوے او سر دردم از درود یوار می آید
مریزآں جرعہ ی بر گل کہ چوں در خاکش افگندن تو از آساں ہمی دانی مرا دشوار می آید
سبو بر سر گرفتن کار رندانست و قلاشاں مرا فرمائے ایں خدمت ترا گر عار می آید
نشاط مے غنیمت داں کہ جمع شادمانیہا اگر چہ اندک بود بعد از غم بسیار می آید
ندانم محتسب از من چہ میخواہد کہ ہر بارے بقصد من رواں تا خانۂ خمار می آید
ہمی خواہم کہ یک دزدے کنم وحشت و شرمے ازاں ریش سپید و گوشۂ دستار می آید
ملک را قصہ خواہم داد دزدے از جفائے او کہ شورے می فتد آں دم کہ در بازار می آید

جمالِ جود معین الملک والا رستمِ ثانی
کہ رشکِ حاتم طائی است در غم معن شیبانی

ترکیب بند ۷۔

روز شد پردہ ز خرگاہ و شبا بردارید بادہ در ساغر ریزید و نوا بردارید
تازہ حسنی ز جہاں تا بجہاں راست کنید بس سماعی ز زمیں تا بسما بردارید
نی و بربط و طنبور نوا بردارید وز دف و نائی و دہل صور صدا بردارید
ہم بیک زلزلہ و زمزمہ چوں نفخۂ صور کوہ اندوہ و غم از سینۂ ما بردارید

. . . .

ہر کہ دارد ہمراہ اندوہ از این مجلس سور — دست گیرید و را ہمرہ خدا بردارید

جامی از صدق و صفا بر کف اصحاب نبید — وز دل شان ہمہ تزویر و ریا بردارید

. . . .

قصیدہ نمبر ۵ کی تشبیب، دیکھو قاآنی کا رنگ صاف جھلک رہا ہے،

اہلا و نعم عینی اے باد نو بہاری — کز دم عبیر بیزی وز بوے مشکباری

گل دستہ خاکی یا شاخ ارغوانی — با غالیۂ یمانی یا نافۂ تتاری

عیسیٰ نۂ و در دل صد جاں ز تست حاصل — مانی نۂ و بر گل صد نقش می نگاری

چوں جنیاں نۂ پیدا پنہاں رخی و پیدا — چوں عاشقان شیدا مدہوش و بیقراری

نقاش سطح آبی فراش پر خیالی — لشکر کش سحابی فرماندہ بخاری

حور و پری سرشتی رضوان باغ و کشتی — دبوی چوں بہشتی خوشبوے چوں بہاری

ادریس ہمہ مانی قسیس راہبانی — بر جیس بوستانی بلقیس لالہ زاری

ہر صبح چوں طبیباں آئی بر جبیاں — وز مسکن غریباں شبہا خبر تو داری

پیک جہاں نوردی سیاح بادہ گردی — ہر جا کہ عزم کردی گوئی دراں دیاری

امروز بامداداں مست آمدی و شاداں — خرم چو طبع راداں خوش چوں دل جواری

مشک و عبیر بیزاں گلبرگ و لالہ ریزاں — افتاں ز شوق و خیزاں چوں مردم خماری

کلام پر رائے

مظہر کا کلام متانت و بلندی میں معاصرین کے برابر ہے، قوت مشاہدہ اور قدرت شگفتگی و روانی میں اُن سے بہت بڑھا ہوا ہے، میرا خیال ہے کہ اگر مظہر کا کلام رائج و مقبول ہوگا تو ایک سے زیادہ اس کے معاصرین بزم سخن میں وہ مرتبۂ بلند نہ پا سکتے، جو آج اُن کو حاصل۔

تلخیص و تبصرہ

نہایۃ الارب

نویری کی مشہور کتاب نہایۃ الارب فی فنون الادب پر ایک مصری اہلِ قلم کا مضمون چھپا ہے جسمیں اختصار و جامعیت سے اس کتاب کا تعارف کرایا گیا ہے، اسکی تلخیص درج ذیل ہے،

نویری پہلا شخص ہے، جس نے مختلف علوم و فنون کو ایک کتاب میں جگہ دیا، اس طرز خاص کی کوئی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی،

اس کا پورا نام شہاب الدین احمد بن عبد الوہاب بن محمد المعروف بالنویری ہے، تقریباً ۶۷۷ھ میں پیدا ہوا، اور باختلاف روایت ۷۳۲ھ یا ۷۳۳ھ مطابق ۱۳۳۲ء میں وفات پائی، قاہرہ اور جامع ازہر میں تعلیم حاصل کی تھی، اسکو زیادہ تر حدیث، تاریخ اور ادب سے دلچسپی تھی، اور خاص طور پر ادب میں کمال حاصل کیا، اور وہ بہترین کاتب اور خوشنویس بھی تھا، عمدہ اور بہترین کتابوں کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر فروخت کرتا تھا، وہ اتنا خوشخط تھا کہ اوس کے ہاتھ کا لکھا ہوا صحیح بخاری کا ایک ایک نسخہ ہزار ہزار دینار پر فروخت ہوتا تھا تعلیم سے فارغ ہوتے ہی ملک ناصر بن قلادون کا ندیم مقرر ہوا اور سلطان کی نظر عاطفت اور اپنی قابلیت و لیاقت سے جلیل القدر مناصب پر فائز ہوا، اور ہر ایک کام نہایت خوبی کیساتھ انجام دیا چنانچہ کوتوال محصل اور ناظر کے عہدوں سے ترقی کر کے طرابلس الغرب کے لشکر کا سپہ سالار مقرر ہوا اور سلطان کے بعض مخصوص امور میں اس کا نائب بھی بنا،

مختلف علمی، مالی، اور سیاسی اداروں میں کام کرنے کی وجہ سے اسکی نظر بہت وسیع ہو گئی تھی چنانچہ

اسکی کتاب اس پر شاہد ہے، لیکن یہ خشک زندگی اُسے پسند نہ آئی، اس لئے وہ اوس کو چھوڑ چھاڑ کر درس و تدریس اور علوم و فنون کا مطالعہ کرنے میں مشغول ہوگیا، اور جب ہر علم میں اوسکو مہارت حاصل ہو گئی، تو ایک ضخیم کتاب کے لکھنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ مقدمہ میں کہتا ہے کہ میں نے مطالعہ اور مراجعہ کے میدان میں اچھی طرح سے گھوڑ دوڑ کی، اور جب میرے لئے اسکی سواری آسان اور اوس کا پانی صاف ہو گیا، تو ایک ایسی کتاب کے طیار کرنے کا ارادہ کیا جس سے اپنا دل بہلاؤں، اور مشکل امر کے واقع ہونے کے وقت اوس کی طرف رجوع کرسکوں، میں نے خدا سے استخارہ کیا، اور حسن ترتیب کے ساتھ پانچ فنون کو اقسام و ابواب پر تقسیم کر کے یہ کتاب لکھی،

نویری نے اسکی پہلی جلد ذوالقعدہ ۷۱۴؁ھ میں ختم کی، جیسا کہ پہلی جلد کے خاتمہ سے ظاہر ہوتا ہے، اسکی اس ضخیم تالیف کو غور کیساتھ مطالعہ کرنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے، کہ اوس نے کتاب کو شروع کرنے سے پہلے پوری کتاب کا خاکہ ذہن نشین اور ہر قسم کے مواد کو فراہم کر لیا تھا، یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ماخذ اور مرجع کیلئے اپنے حافظہ پر اعتماد کرتا تھا، چنانچہ اوس کا یہ جملہ کہ "یہ ایسی کتاب ہے جس سے دل بہلے اور جس کی طرف رجوع کیا جاسکے" اس پر دلالت کرتا ہے،

اسکی یہ ضخیم تالیف ہر قسم کے ادبی اور تاریخی معلومات پر مشتمل ہے، اُس نے ادب کے وسیع معنی لئے ہیں، اسکے نزدیک ادب میں ادب و انشاء، تاریخ، جغرافیہ، ملکی سیاست، بیان، بدیع وغیرہ سب کچھ داخل ہیں،

وہ خشک اور خالص علمی مضامین مثلاً طب، ریاضی، کیمیا وغیرہ پر کبھی قلم نہیں اٹھاتا، اور اگر کبھی کچھ لکھتا ہے، تو صرف اون علوم کی اجمالی تعریفات و اوصاف کو ادب کی چاشنی دیکر بیان کر دیتا ہے،

اوس نے یہ کتاب ۳۱ جلدوں میں لکھی تھی، جن کو پانچ فنون پر تقسیم کیا تھا، اور ہر فن کی کئی قسمیں کی ہیں، اور ہر قسم کے تحت میں کئی باب باندھے ہیں، دار الکتب المصریہ مستحق ستائش ہے، کہ اوس نے اس نفیس اور ضخیم تالیف کی اشاعت کا ذمہ لیا، اب تک اس نے اس کی دس جلدیں گیارہ

مجلدوں میں شائع کی ہیں، جو حسب ذیل چار فنوں پر مشتمل ہیں،

۱- پہلا فن زیادہ تر جغرافی مضامین پر مشتمل ہے، اس میں عوالم علوی وسفلی، اور آسمان و زمین، ملائکہ اور کواکب کی پیدائش، ظواہر طبیعیہ مثلاً ابر، بارش، رعد، برق وغیرہ، رات دن، مہینے، عیدین، جشن کے ایام وغیرہ، پھر زمین، پہاڑ، سمندر، دریا، شہروں اور ان میں سکونت کرنے والوں کی خصوصیات وغیرہ پر بحث کی ہے،

۲- دوسرے فن کا موضوع "انسان اور اس کے متعلقات" ہے، اس میں انسان کی خلقت اور اس کے اعضاء و جوارح کے اوصاف، عورتوں کی پیدائش اور ان کے اوصاف اور اُن کے متعلق شعرا نے جو مدح یا غزل لکھی ہے، اسکو بیان کیا ہے، پھر مدح، ہجو وغیرہ کی تعریفیں کی ہیں، اور عجیب و غریب چٹکلے بیان کئے ہیں، پھر کنیز، ندیم، ساقی وغیرہ پر لکھا ہے، پھر غنا، کی تعریف کی ہے، اور مغنیوں کے کچھ حالات بیان کئے ہیں، آخر میں سیاستہ ملکیہ پر بحث کی ہے، اور دکھایا ہے، کہ امامت کے کیا شرائط ہیں، بادشاہ، وزراء، سردار، قاضی، اور کوتوال وغیرہ کو کن اوصاف سے متصف ہونا چاہئے، اور یہ بھی بیان کیا ہے، کہ کتابت کی کیا شرطیں ہیں، اور اوسکے ساتھ ہی علم معانی بیان، اور بدیع کے مسائل کا ذکر ہے،

۳- تیسرا موضوع حیوانات ہے، اسمیں وحشی وغیر وحشی جانوروں کے اوصاف و عادات کا ذکر ہے، پھر بری و بحری پرندوں کے اوصاف و عادات اور اخیر میں مچھلیوں اور حشرات الارض کے انواع و اقسام اور اوصاف و عادات پر بحث کی ہے،

۴- چوتھا فن نباتات ہے، اس میں انواع و اقسام کے درخت، پھل، پھول، میوے، عطر، اور خوشبو پر بحث کی ہے،

۵ پانچواں فن تاریخ ہے، یہاں پہنچکر نویری ایک بہت بڑا مورخ نظر آتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ حصہ جو اکیس جلدوں میں پھیلا ہوا ہے، اس ضخیم تالیف کا نچوڑ ہے، اس نے بعض معاصرین نے نہایۃ الارب کو فن

تاریخ میں شمار کیا ہے، فن تاریخ میں اتنی ضخیم کتاب صرف چند کے سوا مثلاً ابن عساکر، ذہبی وغیرہ اور کسی نے نہیں لکھی، اس میں کائنات عالم کی پیدائش سے لیکر ۷۳۱ھ تک کے حالات جمع کئے ہیں، ان اکیس جلدون کے موضوع اور مباحث درج ذیل ہین،

۱و۲- ان دو ضخیم جلدوں میں آدمؑ کی پیدائش سے لیکر حضرت موسیٰؑ تک کے انبیاء کے حالات حوادث بیان کئے ہیں،

۳- یہ حصہ یہودیوں کی تاریخ سے شروع ہوتا ہے، اور ان کے نبیوں کے حالات خاص کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں، پھر حضرت مسیحؑ کے حالات اور مذہب عیسوی کی اشاعت اور اوسکی نشوونما کا ذکر کیا ہے، اخیر میں اسکندر مقدونی، قدیم مصر، اور قدیم ایران کی تاریخ ہے، پھر قبل اسلام کی تاریخ عرب کا بیان ہے، اسمیں زیادہ تر وہ روایات و قصص ہیں، جو اس زمانہ میں لوگون میں پھیلے ہوئے تھے چنانچہ

۴و۵و۶- ان تین جلدون میں عرب کی قدیم تاریخ سے لیکر آنحضرت صلعم کی وفات تک کے حالات بیان کئے ہیں،

۷- یہ جلد خلفائے راشدین کی تاریخ پر مشتمل ہے، اس میں خاص طور پر حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی لڑائیون کو تفصیل سے بیان کیا ہے،

۸و۹- دولت امویہ،

۱۰و۱۱- خلافت عباسیہ کے قیام سے لیکر خلیفہ مستعصم باللہ کی وفات تک کی تاریخ،

۱۲- تاریخ اندلس، یہ حصہ گیارھویں جلد کے نصف آخر سے شروع ہو کر بارھویں جلد پر ختم ہوتا ہے،

۱۳- یہ جلد فتح افریقہ سے شروع ہوتی ہے، اور دولت اغالبہ، بربریہ، مرابطین اور موحدین تک کی تاریخ پر مشتمل ہے، اس میں دعوت شیعی کا تفصیلی ذکر بھی ہے،

۱۴ و ۱۵۔ یہ دونوں ضخیم جلدیں، ماوراء النہرین، اور دولت سلجوقیہ کی تاریخ پر مشتمل ہیں، نیز ان سلجوقیوں کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کا بھی ذکر ہے، جو وقتاً فوقتاً ایشیاے کوچک اور شام کے حصوں میں قائم ہوئی تھیں،

۱۶۔ دولت فاطمیہ،

۱۷۔ دولت ایوبیہ،

۱۸ و ۱۹۔ شام اور صلیبی لڑائیوں کی تاریخ،

۲۰، ۲۱۔ تاریخ مصر، ان دو جلدوں میں غلاموں کی سلطنت سے لیکر ۱۳۳۱ھ تک کے حوادث و واقعات کی تاریخ بیان کی ہے، اور ان کو سنین پر مرتب کیا ہے،

اخیر حصہ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے، کہ نویری سال بسال تاریخ کو مرتب کرتا جاتا تھا، چونکہ ۷۳۲ھ یا ۷۳۳ھ کے رمضان میں اس کا انتقال ہوگیا، اس لئے ۷۳۱ھ تک کی تاریخ لکھی، اگر اسکی عمر وفا کرتی، تو اور بھی لکھتا جاتا چنانچہ اکتیسویں جلد کے خاتمہ میں بتیسویں جلد کی طرف اشارہ بھی ہے، لیکن موت نے اس کو اس کے مرتب کرنے کی مہلت نہ دی،

"ی"

(الہلال مصر)

مسیحی تبلیغ کا ایک غیر مشہور طریقہ

عیسائیوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے جو مختلف طریقے جاری کر رکھے ہیں، انہیں سے اکثر معلوم اور مشہور ہیں، مثلاً تبلیغی انجمنیں ہیں، افراد و اشخاص ہیں جو انفرادی طور پر تبلیغ میں مصروف ہیں، نشر و اشاعت کے وسیع ادارے ہیں جو دنیا کی ہر زبان میں انجیل کے ترجمے شائع کرتے رہتے ہیں، مدرسے اور ہسپتال ہیں جہاں دنیوی تعلیم کیساتھ دین کی چاشنی اور تلخ دواؤں کے ساتھ مسیحیت کی شیرینی کا بھی اہتمام رہتا ہے لیکن ان کے علاوہ ایک غیر مشہور طریقہ بھی ہے جو اپنی نوعیت اور اثر کے لحاظ سے سب سے زیادہ اہم ہے، چنانچہ رسالہ مسلم ورلڈ (جولائی ۱۹۳۵ء) کے ایک مقالہ نگار المرڈوگلس (ELMER DOUGLAS) نے جسکی جماعت ۲۵ سال سے اسی طریقہ پر الجزائر میں تبلیغ کا کام کر رہی ہے اپنی کارگذاریاں شائع بھی کردی ہیں، الجزائر اب فرانس کے زیر حکومت ہے، وہاں مسلمانوں کی تعداد تقریباً

پچاس لاکھ ہے، یہ مبلغ لکھتا ہے :-

"جن لوگوں نے تبلیغی کاموں کی تنظیم کی تھی انھیں اس امر میں مطلق شک نہ تھا کہ تبلیغ کا کام بچوں میں شروع کرنا چاہیے مذہبی مدرسے قائم کرنا جیسا کہ دوسرے اسلامی ملکوں میں ہوا تھا، عملاً ناممکن تھا، علاوہ بریں سرکاری مدرسے کم از کم مسلمان لڑکوں کے لئے پہلے ہی سے موجود تھے لہٰذا اس کے بعد جو طریقہ سب سے بہتر تھا وہ اختیار کیا گیا یعنی مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کیلئے تربیت گاہوں کا قیام جہاں روز ملنے جلنے سے مسیحیت کا اثر لابدی طور پر پڑتا رہے ... نتیجہ توقع سے زیادہ نکلا، ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۴ء تک چھ تربیت گاہیں مکمل گئیں ... بحساب ۱۹۱۳ء میں ان تربیت گاہوں میں بچوں کی مجموعی تعداد پچاس تھی جو ایک نمایاں کامیابی تھی ... لڑکے اور لڑکیاں برابر فارغ ہو ہو کر نکلتی رہتی ہیں، ان کا کھانا، کپڑا، اور دن رات کی دیکھ بھال تقریباً تمام تر مشن ہی کے ذمہ رہتی ہے، بہت کم بچوں کے والدین اس قابل ہیں کہ خود بھی کچھ ادا کر سکیں ... یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ ان بچوں کو خود انکے والدین یا اعزہ پہنچا جاتے ہیں، حالانکہ انھیں پوری طرح معلوم ہے کہ ہمارے ادارے مسیحی ہیں ... ہمارا مقصد عیسائی مرد اور عیسائی عورتیں پیدا کرنا ہے، اس طریقہ پر عمل کرنے سے ہمیں علانیہ اسلام سے مقابلہ کرنا نہیں پڑتا جیسا کہ عموماً تبلیغی کاموں میں ہوتا ہے، بہت چھوٹے بچوں میں کام شروع کر دینے سے ہمیں موقع ہے کہ قبل اسکے کہ اسلامی معتقدات کے باعث انھیں کوئی رکاوٹ پیش آئے بچپن ہی میں انکے اندر عیسائی خیالات سرایت کر دیں، اصولاً ہر بچہ کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ سن شعور کو پہنچنے کے بعد وہ خود اس بات کا فیصلہ کرے کہ دین مسیحی کا پیرو ہوگا یا اسلام کا، لیکن جہانتک میں کہہ سکتا ہوں عملاً ہوتا یہ ہے کہ اسلام اختیار کرنے پر غور بھی نہیں کیا جاتا ... "

مندرجۂ بالا بیان میں اگر مبالغہ کا وجود تسلیم بھی کر لیا جائے جو عیسائیوں کے تبلیغی پروپگنڈا کا ایک نمایاں عنصر ہے تو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ تبلیغ کا جو طریقہ انھوں نے الجزائر میں جاری کر رکھا ہے وہ ایک نہایت موثر اور کامیاب طریقہ ہے، اس بیان میں ایک بات خاص طور پر قابل توجہ یہ ہے کہ ان تربیت گاہوں میں جو بچے داخل ہوتے ہیں انھیں سے اکثر اسے غریب اور نادار گھروں کے ہوتے ہیں کہ انکے والدین انکے طعام و لباس کے اخراجات بھی نہیں ادا کر سکتے، مسلمانوں کے افلاس کا رونا ایک مدت سے رویا جا رہا ہے لیکن اسکا سب سے زیادہ دردناک اور شرمناک پہلو یہی ہے جو مسیحی تبلیغ کی کامیابی ہر طرف ہمارے سامنے پیش کر رہی ہے۔

"ع ز"

اخبار علمیہ

نجف اور کربلا کی زیارتگاہوں میں قدیم آرٹ کے نمونے

حکومت عراق نے میچگن یونیورسٹی (امریکہ) کے اسلامی آرٹ کے تحقیقی ادارہ کو نجف اشرف اور کربلائے معلی کی زیارتگاہوں کا تحقیقی معائنہ کرنے کی اجازت گذشتہ نومبر ۱۹۳۴ء میں دی تھی، اس وقت تک ان زیارتگاہوں میں غیر مسلم داخل نہیں ہوئے ہیں، اس لئے یہاں کے نوادر سے اہل یورپ بالکل ناآشنا ہیں، گذشتہ نومبر میں رسالہ آرس اسلامیکا کے مدیر محمد آغا اوغلو ان دونوں زیارتگاہوں میں ایک فوٹوگرافر کے ساتھ گئے، حضرت امام حسینؓ کے روضہ میں سوا دو کلام پاک کے جو خط کوفی میں لکھے تھے اور کوئی چیز قابل ذکر نہ مل سکی، اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اپریل ۱۸۰۱ء میں جب نجدیوں نے شہر پر حملہ کیا تو اس مقبرہ کے تمام نوادر بھی اٹھا لے گئے تھے، البتہ نجف اشرف میں مدیر موصوف کی مایوسیاں دور ہوگئیں، یہاں انھوں نے سولھویں اور سترھویں صدی کے ایرانی کپڑے اور قالین دو کمروں میں بھرے دیکھے، کپڑوں میں زیادہ تر دروازوں کے پردے، مقبرہ کے لئے چادریں اور بعض دوسرے مصرف کی چادریں اور ٹکڑے تھے، یہ کپڑے زیادہ تر اعلیٰ قسم کی ریشمی، نقرئی اور طلائی زردوزی، اور مخمل کے ہیں، ان میں ایک غیر معمولی چیز یہ نظر آئی کہ ان پر چاندی اور سونے کے تاروں سے مختلف شکلیں بنائی گئی تھیں جن پر صناع کے نام بھی کندہ تھے، تاریخی حیثیت سے دو چیزیں نہایت اہم تھیں، ایک تو نقرئی زری کا ایک کپڑا ہے جس پر شیخ عباسی کے اور دوسری طلائی زردوزی کا ایک پرشکوہ پردہ جس پر قطب الدین کے دستخط ہیں

دونوں پر ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۵ء) منقوش تھا، ان پر صناع کے نام منقوش نہ تھے، اسی طرح ان نوادر میں صفوی عہد کے چند اعلیٰ صنعت کے قالین بھی رکھے ہیں،

پرندوں کے نغموں کا فلم

کورنل یونیورسٹی (امریکہ) کی طرف سے سائنسدانوں کی ایک جماعت ایک عجیب و غریب مہم میں مشغول ہے، یہ جماعت عام اور کمیاب پرندوں کی تصویروں اور ان کے نغموں کے محفوظ کرنے میں سرگرداں ہے، یہ جماعت گذشتہ فروری میں نیویارک سے روانہ ہوئی تھی اور اب تک امریکہ کے تمام حصوں کی خاک چھان رہی ہے، اس سفر کے دوران میں اس جماعت کے افراد نے بعض عجیب قسم کے پرندوں کا مشاہدہ کیا، مثلاً ایک ایسی چڑیا دیکھنے میں آئی جس کی چونچ ہاتھی کے دانت جیسی ہے، اب تک بہت سے پرندوں کے نغمے محفوظ کر لئے گئے ہیں، ان سائنسدانوں کے ساتھ دو گاڑیوں پر مشین اور آلات ہیں، نغموں کے محفوظ کرنے کا بہترین وقت صبح کا ہوتا ہے، جب کہ آفتاب کی شعاعیں پھیل نہ گئی ہوں، چار بجے صبح کو یہ جماعت اپنی مہم پر روانہ ہو جاتی ہے، ان کے ساتھ ایک خاص قسم کی گاڑی ہے، جس میں سونے اور رہنے کے لئے کمرے بنے ہوئے ہیں، گاڑی کے اوپر ایک چھت بنائی گئی ہے جو ضرورت کے وقت تہ کر دی جاتی ہے، اس چھت پر چڑھ کر فوٹوگرافر اپنے کیمرہ اور مائکروفون کے ساتھ زمین سے بیس فیٹ کی بلندی پر کھڑا نظر آتا ہے یہاں پہنچکر وہ اسی سطح سے تصویریں لے سکتا ہے، جس میں چڑیاں اپنے گھونسلے بناتی ہیں، اگر چڑیاں ایک ہزار فیٹ کی بلندی پر چہچہا رہی ہوں تو بھی ان کی آواز اس چھت پر چڑھکر محفوظ کر لیجا سکتی ہے، ورنہ ۴۰۰ سے ۵۰۰ فیٹ تک کی بلندی کے نغموں کو تو آسانی سے محفوظ کر لیا جاتا ہے، یہ آوازیں سینما کی گویا تصویروں کی طرح فلم پر محفوظ کیجاتی ہیں، اور یہ سیدھی اور ہلکی لکیروں کی طرح فلم پر منقوش نظر آتی ہیں، اگر لکیریں موٹی اور گہری ہوں تو ان سے آواز کی بلندی ظاہر ہوتی ہے، بعض پرندے ایسے ہیں

جن کے نغموں کی آواز انسان کے نغموں سے زیادہ بلند ہوتی ہے، سب سے زیادہ بلند آواز اس چڑیا کی ہے جس کو انگریزی میں گراس ہاپر اسپیرو (Grass hopper Sparrow) کہتے ہیں، پرندوں کے نغموں کے محفوظ کرنیکا طریقہ مسٹر برینڈ (Brand) نے رائج کیا ہے، اور وہ اسوقت تک سینکڑوں قسم کے مشرقی پرندوں کی آوازیں محفوظ کر چکے ہیں،

ایک جدید لغت

میچگان یونیورسٹی (امریکہ) کے ادارۂ تحقیق فنون اسلامی (Research Seminary in Islamic Art) کی طرف سے عنقریب ایک جامع اور مستند لغت مسلمان ماہرین فنون لطیفہ سے متعلق شائع ہونے والا ہے اس کی تالیف میں ایک بڑی تعداد تمام دنیا کے فاضلوں کی شریک ہے، اس میں تمام اسلامی ملکوں اور زمانوں کے معماروں، خوشنویسوں، مصوروں، جلد سازوں، کوزہ گروں، دھات اور شیشہ کی چیزیں بنانے والوں، لکڑی اور پتھر پر کھودائی کا کام کرنے والوں، کپڑے اور قالین بننے والوں، وغیرہ وغیرہ پر حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ مستند مضامین ہوں گے، ہر مضمون میں مندرجۂ ذیل شقیں ہونگی:- (۱) آرٹسٹ کی مکمل سوانحعمری، (۲) اس کے آرٹ کی خصوصیات، (۳) اس کے مسلمہ نیز منسوبہ کاموں کی فہرست، مضمون کے ساتھ ہر آرٹسٹ کا فوٹو بھی شامل ہوگا، نیز اس کا ذکر جن کتابوں میں ہے ان کی مکمل فہرست بھی ہوگی،

ضبطِ تولید اور امریکہ

مغرب کے موجودہ معاشرتی مسائل میں سے ایک مسئلہ ضبط تولید ہے، جس پر مغرب کے اخبار و رسائل میں سرگرم مباحث رہتے ہیں، لیکن مغربی مدبرین نے اپنی سیاسی و جنگی ضرورتوں کی بنا پر اس تحریک کے مضرات محسوس کر لئے ہیں، چنانچہ آبادی بڑھانے کے لئے نت نئی ترغیبیں دیجاتی ہیں، بلکہ بعض حکومتوں نے جبری قوانین سے بھی اس تحریک کا انسداد کیا ہے، چنانچہ امریکہ میں بھی اس وقت امتناعی قوانین

نافذ ہیں، لیکن اس تحریک کے حامی بھی اپنی کوششوں سے باز نہیں آتے، اور قانونی جواز کی شکلیں پیدا کرنے کی تدبیریں نکالتے رہتے ہیں، اس سلسلہ میں ایک طبی مجلس کی روداد حسب ذیل ہے،

امریکن طبی انجمن کا ایک اجلاس نیوجرسی (اطلانٹک سیٹی، امریکہ) میں منعقد ہوا، جس میں تمام نمایندوں نے متفقہ طور پر یہ تجویز پیش کی کہ امریکہ کے تمام طبی مجالس ضبط تولید کے متعلق ڈاکٹروں کی طبی رائے اچھی طرح واضح کردیں، ریاست اور وفاقی حکومت کے بعض قوانین ایسے ہیں جن سے ضبط تولید غیر قانونی قرار دیا جاتا ہے، اس لحاظ سے ڈاکٹروں کی پوزیشن نہایت نازک ہو جاتی ہے، وہ ایسے موقعوں پر جب کہ ضبط تولید بقاء صحت کے لئے لازمی ہو جاتا ہے، اپنے مفید مشوروں کے دینے سے معذور رہتے ہیں، پھر ضبط تولید کے لئے لٹریچر بھی عوام کے لئے علانیہ فراہم نہیں کیا جا سکتا اور حکومت حقوق کو کام میں لاکر بعض موقعوں پر ایسی مداخلت کرتی ہے، جو ڈاکٹروں کے خودداری پیشہ کے منافی ہے، ان تمام نازک مرحلوں کو مد نظر رکھتے ہوئے امریکن طبی انجمن نے ایک کمیٹی مقرر کی ہے، جو اس مسئلہ پر طبی اور قانونی حیثیت سے غور کرکے آیندہ سال رپورٹ پیش کرے گی، اس کمیٹی کی رپورٹ ضبط تولید کی حمایت یا مخالفت میں ہوگی؟ یہ ابھی نہیں کہا جا سکتا، مگر اتنا ضرور ہے کہ اس رپورٹ کی سفارشات پر کچھ ایسے قوانین ضرور بنائے جائیں گے جن کو ضبط تولید کے حامی اب تک تمام کوششوں کے باوجود حکومت سے نافذ نہ کرا سکے ہیں، امریکہ کی خواتین نے اس طبی مجلس کی تجویز کا پرجوش خیر مقدم کیا ہے، نیز بعض خواتین نے اس کی مذمت بھی کی ہے، چنانچہ ایک ڈاکٹر کی بیوی نے جو بیس سال تک ہیئت اجتماعیہ (سوسائٹی) کی خدمات انجام دے چکی ہے، اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ اس قسم کے قوانین محض تاجروں کو اس ضرورت کی دواؤں کے فروخت کرنے میں مدد دینگے، ایک دوسری نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس قسم کے قوانین صرف وہی لوگ چاہتے ہیں جو متاہل زندگی بسر کرنا پسند نہیں کرتے

"ص ح"

ادبیات

خزانۂ رحمت

از حکیم الشعراء امجد حیدر آبادی،

وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ

یعنی جمع[1] کرنے کی چیزوں میں سب سے بہتر چیز خدا کی رحمت ہے،

ڈیوڑھی نہیں، در نہیں، کہ دربان نہیں؟ بلبل نہیں، گل نہیں، کہ بستان نہیں
ہے جمع، جہان بھر کا ساماں گھر میں خاطر جمعی کا کوئی سامان نہیں

وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ

جمعیتِ مال و زر میں حکمت کیا ہے تکلیف کی اس جمع میں، راحت کیا ہے
دولت، حاصل تو کی بڑی محنت سے یہ سوچ، کہ اب حاصلِ دولت کیا ہے

وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ،

یہ دولت و ملک و مال سب فانی ہے فانی کی ہوس کمال نادانی ہے
وہ جمع کرو، کہ جس سے دل جمعی ہو یہ جمع تو موجبِ پریشانی ہے

وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ

راحت کے لئے دردِ محبت بس ہے عزت کے لئے عشق کی ذلت بس ہے

---

[1] معارف:- آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے، "اور تیرے رب کی رحمت ہر اس دولت سے بہتر ہے جسکو یہ لوگ جمع کرتے ہیں،

دولتمندوں کو ہو مبارک دولت امجد کے لئے خدا کی رحمت بس ہے

ورحمۃ ربک خیر مما یجمعون

جانے بھی دے اگر گئی دنیا رنج ہی کیا متاع کاسد کا

جمع ست تجھ کو کیا غرض امجد تو ہے بندہ خدائے واحد کا

شاعر کی دعا

از جناب اسد ملتانی بی اے

یارب نگاہ عقل کو ذوق جمال دے ایمان و آگہی کو محبت میں ڈھال دے

دل خوش ہو تجھکو جان کے موجود ہر جگہ اس کو ذرا تمیز فراق و وصال دے

روز ازل سے حسرت دیدار دل میں ہے اے بادشاہ حسن! یہ حسرت نکال دے

تیرا نشاں نہ ملے یہ مرا نصیب تو مجھکو جستجو کے تو رستے پہ ڈال دے

مل جائے تو کہیں تو الٹ دوں تری نقاب یہ ہمت اور یہ حوصلہ اور یہ مجال دے

دے وہ نظر جو حسن کو بے پردہ دیکھ لے

دے وہ زبان جو عشق کو لفظوں میں ڈھال دے

رباعیات اثر

از جناب عبدالسمیع پال صاحب اثر صہبائی وکیل، سیالکوٹ

آغاز کی فکر ہے نہ انجام کا ڈر مجھ کو نہیں عاقبت کے اوہام کا ڈر

ڈرتا ہوں تو اپنے دل کی بدمستی سے ڈر ہے دل دیوانہ دخود کام کا ڈر

ہوں عرصۂ زندگی میں سرگرم ستیز جنگ حق و باطل سے نہیں راہ گریز

ہشیار اے راہروان حق! جادۂ حق باریک ہے بال سے تو تلوار سے تیز

باب التقریظ والانتقاد

اردو کے نئے رسالے

اس ششماہی (جنوری تا جون ۳۰ء) میں ہمیں ذیل کے نئے رسالے ریویو کیلئے موصول ہوئے،

شاہکار لاہور (ماہانہ مصور) اڈیٹر پروفیسر تاجور نجیب آبادی، جوائنٹ اڈیٹر جناب ن م راشد ایم اے، ۲، صفحات، تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت سالانہ سلنے ریتہ:- دفتر اردو مرکز، لاہور،

مولینا تاجور اردو کے کہنہ مشق صاحب قلم ہاور اب تک متعدد رسالون کے بانی اور مورث ہو چکے ہین، رسالہ شاہکار انہی کے تجربہ کار ہاتھون سے ترتیب پاتا ہی صفحات ادار یہ وغیرہ کے علاوہ چند مستقل عنوانات ہیں مثلاً "موازنہ" کے عنوان سے کسی ایک عہد کے دو باکمال حریفون کو روشناس کیا جاتا ہے، ایک دو نمبرون میں تیرہویں صدی کے حریفانہ معرکون کا ذکر آیا ہی، "مشاہیر عالم" کے عنوان سے دور حاضر کی اہم شخصیتون کا تعارف کرایا جاتا ہے، "تعلیمی ادارات" کے ذیل میں مغربی و مشرقی یونیورسٹیون اور مدرسون کا ذکر آتا ہی "تعلیمات" کے عنوان سے موجودہ نظام تعلیم اور طریق تعلیم وغیرہ پر مباحث ہوتے ہیں "اصلاحات" کی سرخی کے نیچے ہندوستان کی معاشرتی خامیون پر نگاہ ڈالی جاتی ہی مثلاً ہندوستان میں "عاملون" کی فریب کاریوں، اور اون کے متعلق اپنے ذاتی معلومات اور تجربے بیان کئے ہیں اسی طرح جھوٹے اشتہارون کی نقلی دواؤن کے جو اثرات لوگون کے اخلاق و معاشرت اور صحت پر پڑتے ہین ان سے آگاہ کیا ہے، اسی طرح مولینا تاجور کے قلم سے اردو زبان کی ایک مفصل تاریخ بالاقساط نکل رہی ہے اچھے مضامین اور دلچسپ افسانے بھی خاصے اور پڑھنے کے لائق ہوتے ہیں، شاہکار اردو رسائل میں ایک مفید اور دلچسپ اضافہ ہی ظاہری شکل و صورت اور لکھائی چھپائی بھی اچھی ہی خدا کرے یہ قائم رہکر اردو زبان کی مفید خدمات انجام دیتا رہے، اور ادبی دنیا کی طرح اسکے سر بھی کوئی آفت نہ آئے،

فاران بجنور (ماہانہ) اڈیٹر مولانا سعید انصاری، ۰ ۵ صفحے، قیمت سالانہ سے ر، فی پرچہ ۴ر، پتہ:- دفتر فاران، مدینہ پریس، بجنور (یوپی)

یہ رسالہ مولانا سعید انصاری سابق رفیق دار المصنفین کی ادارت اور مولوی محمد مجید حسن صاحب مالک اخبار مدینہ کی ملکیت میں ماہ اپریل ۱۹۳۵ء سے نکلا ہے، اس کا مقصد مسلمانوں کی دینی خدمت کرنا اور مغرب زدہ حلقہ کے ذہنی و فکری شکوک و شبہات کو دور کرنا ہے، اس وقت تک اس کے تین نمبر نکل چکے ہیں، اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی، کہ میانہ روی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے مقاصد کو پورا کر رہا ہے، رسالہ کے مضامین چند مستقل عنوانوں "شذرات" "مقالات" "سوال و جواب" "ورزشگاہ" "مدرسہ" "ادبیات" اور "مطبوعات جدیدہ" میں تقسیم ہوتے ہیں، "مقالات" میں عام فہم دینی، تنقیدی، اور ادبی مضامین نکلتے ہیں، جیسے "الدین یسر" "ایک خدا کا ایک مذہب" ادبی مضامین میں اصغر کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے انکا نیا دیوان تقریباً پورا نقل کر دیا گیا، مدیر فاران کا وطن نگینہ ہے، اتفاق کی بات اس قصبہ سے منسوب بعض صاحب قلم کی تحریریں ایک ماہانہ رسالہ کے ذریعہ اردو زبان میں زہر پھیلایا کرتی ہیں، قدرت نے اسی قصبہ کے اس دوسرے صاحب قلم کو اس کا تریاق مہیا کرنے پر مامور کر دیا ہے، چنانچہ انہی چند اشاعتوں میں "مسئلۂ امامت و خلافت" "کیا اسلام اور مجوسی مذہب ایک ہیں، ؟" وغیرہ عنوانوں سے دلچسپ و پر معلومات مضامین نکل چکے ہیں، "سوال و جواب" کے صفحوں میں دینی و علمی شکوک و شبہات کے معقول جوابات دیئے جاتے ہیں، "علامہ شبلی کی تحقیقی غلطیاں" کے عنوان سے دلی کے ایک رسالہ میں جو مضامین نکلے تھے، ان پر التفات کر کے ان کی حقیقت کا پردہ بڑی خوبی سے چاک کیا گیا ہے، تاہم بعض سوالوں مثلاً کشمیر میں جناب مسیح کی قبر کے جواب میں جو کچھ کہا گیا ہے، وہ حقیقت سے زیادہ مصلحت پر مبنی معلوم ہوتا ہے، فاران کے لائق مدیر کو اردو ادب و انشاء کا خاص ذوق ہے، لیکن دراصل اردو کو صحیح ہندوستانی زبان بنانے کیلئے ضروری ہے، کہ زبان کو آسان اور طرز ادا کو سادہ کیا جائے، خدا کرے کہ رسالہ زندگی پائے اور ملت کیلئے مفید ثابت ہو،

شاہکار، بجنور (ماہانہ) ادارہ مولوی حامد الانصاری غازی جناب محی الدین، قائد بی اے،
شبیر حسین صاحب بی اے، ۴۴ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی قیمت سالانہ ہے،
پتہ:- دفتر شاہکار، بجنور، (یوپی)

یہ علمی وادبی رسالہ ہے، کارکنان رسالہ پرچہ کو دلچسپی سے مرتب کرتے ہیں، مختلف قسم کے اچھے مضامین ہوتے ہیں، سیاسی مسائل پر بھی گفتگو کی جاتی ہے، پہلے نمبر میں نو مسلم سائنس دان اور محمد تغلق کی ہندو نوازی" دیروں کے دلچسپ مضامین ہیں، موخر الذکر مضمون دراصل عہد تغلق کی مذہبیت پر ہے، اور مضمون کے عنوان کی رعایت سے جابجا فقرے بڑھائے گئے ہیں،

الشمس، پٹنہ (سہ ماہی) ادارہ جناب سید احمد عروج قادری و محمد حفیظ الرحمن صاحب آوج
۸۴ صفحے، قیمت سالانہ ۱۲ پتہ نمبر ۲ الشمس مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدی، پٹنہ،

ہمارے سابق رفیق دار المصنفین مولانا حاجی معین الدین صاحب ندوی جب سے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے عہدۂ اہتمام پر گئے ہیں، وہاں کے طلبہ میں ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی ہے، چنانچہ موصوف کی تحریک سے مولانا سید عبد السبحان صاحب ندوی استاذ ادب کی نگرانی میں طلبہ کا ایک علمی وادبی سہ ماہی رسالہ الشمس جاری ہوا ہے تاکہ ان میں علم و ادب کی تحقیق مضمون نویسی کی مشق اور انشا پردازی کا ذوق پیدا ہو، پہلا رسالہ ماہ مارچ ۱۹۳۵ء میں نکلا ہے جسمیں بیشتر طلبہ کے مذہبی تاریخی اور ادبی مضامین ہیں، اور اون کے لحاظ سے بہت امید افزا ہیں، امید ہے کہ وہ اپنے شفیق استاذ کی نگرانی میں رسالہ کو ترقی کے عروج پر پہنچائیں گے،

صبح امید، لودھیانہ (ماہانہ) اڈیٹر جناب لال گوپال متل، بی اے، ۴۴ صفحات، قیمت سالانہ عہ
پتہ:- نمبر ۲ ویکفیلڈ گنج، لودھیانہ،

یہ ایک ادبی رسالہ ہے، جو علمی ادبی اور تعلیمی رسالہ کے عنوان سے چھپتا ہے، لائق مدیر کا مقصد

ادبیات اردو کی نشر و اشاعت اور تمتنا و متانت ہے، یہ دیکھکر خوشی ہوئی، کہ ابھی ہمارے ہند و بھائیون میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو اردو کو ملک کی مشترکہ زبان سمجھ کر اوس کی خدمت کا جوش و ولولہ رکھتے ہیں، رسالہ کے مضامین خاصے دلچسپ ہیں، بعض مضامین (مثلاً طوائف اور ایکٹرس) میں قلم کی شوخی و بیباکی حد سے گذر گئی ہے،

غزال، لاہور، (ماہانہ) ادارہ جناب چوہدری عبد الرشید تبسم، حکیم محمد طالب صاحب و محمد عمر فاروق صاحب ایم اے، ۲۰۰ صفحات، قیمت للعہ، پتہ:- ماہنامہ غزال لکڑ منڈی اندرون اکبری دروازہ، پوسٹ بکس نمبر ۲۰۱، لاہور،

یہ ادبی رسالہ ہے جو ماہ مارچ ۳۵ء سے نکلا ہے، مختلف نوعیت کے سنجیدہ مضامین اور دلچسپ طبعزاد افسانے شائع ہوتے ہیں، نظمون کا معیار بھی خاصہ ہے، تاہم کہین کہین مشہور صنف انشار "ادب لطیف" کے شہ پارے بھی نظر آجاتے ہین امید ہے کہ رسالہ ترقی کریگا،

ارمغان کراچی (ماہانہ) اڈیٹر جناب سید لیاقت حسین صاحب تمنا میرٹھی، ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ عار، ہر پرچہ ۳ر، پتہ نمبر ۱ کچہری روڈ کراچی،

یہ رسالہ کراچی سے اردو کی خدمت کیلئے نکلا ہے، اور چند ماہ سے جاری ہے، رسالہ میں تاریخی و ادبی مضامین نظم و نثر ہوتے ہین، رسالہ توجہ سے مرتب کیا جاتا ہے،

ادب لطیف، لاہور، (ماہانہ مصور) اڈیٹر جناب چودھری برکت علی، بی اے، دار الاشاعت پنجاب، بک ڈپو، لوہاری، نمبر ۵ لاہور، ۷۰ صفحے، قیمت سالانہ صر، ہر پرچہ ۵ر

یہ ادبی رسالہ ہے، مختصر افسانون، چھوٹے چھوٹے ادبی مضامین، اور ادب لطیف کے جواہر پارون کا مجموعہ ہوتا ہے، مضمون نگارون میں ممتاز و روشناس اہل قلم میں سے جناب قاضی عبد الغفار صاحب

اور جناب منظور حسین ماہر القادری وغیرہ ہیں، اور شعراء میں اختر شیرانی، اختر انصاری اور عبد اللطیف تپش وغیرہ ہیں، رسالہ کا کاغذ نفیس اور لکھائی چھپائی عمدہ ہے،

دین و دنیا دہلی (ماہانہ مصور) اڈیٹر جناب شوکت علی فہمی، حجم ۶۰ صفحے تقطیع ۲۰×۲۲/۴ قیمت سالانہ ؏

پتہ رسالہ دین و دنیا، جامع مسجد، دہلی،

دین و دنیا دہلی کا پرانا رسالہ ہے اب اس نے نیا قالب اختیار کیا ہے، صوری و معنوی دونوں حیثیتوں سے اس میں تبدیلی ہو گئی ہے، رسالہ اپنے اگلے قالب میں مضامین کے اعتبار سے اپنے نام کے پہلے جزو "دین" کی طرف مائل تھا، اب اوس کی بیشتر توجہ اپنے نام کے دوسرے جزو "دنیا" کی طرف مبذول ہو گئی ہے، اور اس کے مستقل عنوانات کے ماتحت سیاست، اخلاق و اصلاح، تاریخ و ادب، علوم و فنون، سیرت و سوانح، سینما، اور نسائیات وغیرہ سے متعلق مضامین چھپتے ہیں، اور اوسط درجہ کا اچھا خاصہ ماہنامہ ہے،

کامران، دہلی (ہفتہ وار) ادارہ جناب شاہد احمد بی اے، و فضل حق صاحب قریشی، ۲۰ صفحے،

قیمت سالانہ سے، ہر پرچہ ار، پتہ دفتر کامران دہلی،

یہ مختصر تفریحی ادبی مصور ہفتہ وار صحیفہ ہے، رسالہ کو دلچسپ بنانے کی کوشش کیجاتی ہے،

تبصرہ لاہور، مدیر جناب محمد یعقوب حسن خان، مقام اشاعت دار الادب پنجاب بارود خانہ اسٹریٹ،

لاہور، قیمت سالانہ عہ، ہر پرچہ ۲ر

یہ تنقیدی رسالہ ہے جس میں صرف اردو کی نئی مطبوعات پر نقد و تبصرہ کیا جاتا ہے، فروری ۳۵ء کا پرچہ سامنے ہے، اس میں بعض مطبوعہ اور بعض زیر طبع کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، یہ رسالہ مفید اور کارآمد ہو سکتا ہے، بشرطیکہ اسے تجارتی فہرست کتب کی شان سے بلند رکھا جائے،

اتحادِ اسلام، لاہور (ماہانہ) اڈیٹر جناب حکیم محمد اقبال صاحب قریشی، ۲۶ صفحے، قیمت ؏

پتہ محلہ شیخان اندرون بھاٹی دروازہ، لاہور

یہ رسالہ مسلمانون کو فرقہ وارانہ تنازعات کے چھوڑنے اور اتحاد و یک جہتی پیدا کرنے کی دعوت دینے کیلئے نکلا ہے، لیکن اتحاد اسلامی کے داعی بنکر ایک خلافی مسئلہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کو باپ تسلیم کرنے کی تلقین کرنا اپنے اصل مقصد کے فوت کرنے کے مترادف ہی،

انوار السیادت لاہور، (ماہانہ) ادارہ جناب سید غلام عباس صاحب جعفری ایم اے علیگ ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ عہ، پتہ:- دفتر انوار السیادت موہنگ، لاہور،

مسلمانون کے مختلف قبیلون اور برادریون کو دیکھ کر پنجاب کے بعض سادات کو بھی اپنی جماعتی تنظیم کرنے کا خیال پیدا ہوا اور انجمن سادات پنجاب کے نام سے اونھون نے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی، یہ رسالہ اسی انجمن کی سرپرستی مین نکلتا ہے، اس کے پہلے نمبر مین جناب سید عطاء اللہ صاحب حسنی بیرسٹرایٹ لا نے تنظیم سادات پر امکانی اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں، کارکنان انجمن، سادات کی تنظیم، ان مین سیاسی بیداری، اور اقتصادی مرفہ الحالی پیدا کرنا چاہتے ہیں، اور پنجاب اور صوبہ سرحد میں فوج کی ملازمت میں داخلہ کیلئے سادات پر جو بعض امتناعی پابندیاں عائد ہیں، یہ انجمن انھیں دور کرنے کی کوششون مین مصروف ہے، رسالہ کے ہر نمبر میں ہندوستان کی کسی ذی مرتبت سید کے سوانح حیات بھی التزاماً چھپتے ہیں

معلومات آگرہ (ماہانہ مصور) اڈیٹر جناب عماشے عبد الکریم صاحب مجاہد نظامی ۷۰ صفحے قیمت سالانہ عہ یہ آگرہ کی تو مسلم تبلیغی جماعت کا آرگن ہے جسین مختلف قسم کے مفید مذہبی اور مناظرانہ مضامین چھپتے ہین، نیز سیاسی مسائل پر اظہار رائے کیا جاتا ہی،

صدائے نسوان، دہلی، (ماہانہ مصور) اڈیٹر جناب برتمی الہ آبادی، ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ عہ، ہر پرچہ ۴ر، پتہ:- دفتر صدائے نسوان چوڑی والان، دہلی،

یہ ایک اسلامی زنانہ رسالہ ہے، جو علیا حضرت نواب سلطان جہان بیگم مرحومہ سابق فرمانروائے بھوپال کی یادگار اور بیگم مولانا محمد علی مرحوم کی سرپرستی میں نکلا ہے، اور دہلی کے متمول رئیس نادے جناب سید الرحمن صاحب نے اوسکی مالی امداد و حمایت کی ہی، رسالہ کے اجراء کا مقصد مسلمان عورتوں کو اسلامی تہذیب کی طرف بلانا، اور مغرب کی

اس میں دکھایا ہے کہ ہندوؤں کے تقریباً ۱۲ ہزار مذہبی اداروں کو مختلف شکلوں میں وظائف دیئے جاتے ہیں، اس کے مقابلہ میں اسلامی مذہبی اداروں کی تعداد صرف پونے پانچہزار ہے،

مثنوی رموز العارفین، مصنفہ میر حسن دہلوی مع مقدمہ تاریخی و انتقادی از مولوی سید احمد اللہ قادری، صفحات ۱۰، قیمت عار

عاشقانہ مثنویوں میں میر حسن کی مثنوی سحر البیان نہایت مشہور اور بار بار چھپ چکی ہے، لیکن انھوں نے تصوف میں ایک دوسری مثنوی رموز العارفین کے نام سے لکھی تھی، جس سے اکثر لوگ ناواقف تھے، اور مختلف کتب خانوں میں صرف اوس کے قلمی نسخے پائے جاتے تھے، مولوی سید احمد اللہ قادری نے اب اوسکا ایک نہایت عمدہ اڈیشن چھاپ کر شائع کیا ہے، اور شروع میں میر حسن کے حالات اور ان کی تصنیفات پر مقدمہ کی صورت میں ایک نہایت مفصل مضمون لکھا ہے، جو نہایت محققانہ ہے،

آرسی، از مولوی نثار حسین خان شیدا، صفحات ۲۲۰، قیمت عار، پتہ جناب مقبول حسین خان دریاآباد، الہ آباد،

ریختی غزل کی ایک بگڑی ہوئی صورت ہے، جس میں زنانہ زبان میں زنانہ جذبات وخیالات ظاہر کئے جاتے ہیں، متوسطین شعرائے اردو کے دور میں اس صنف نے ترقی کی تھی، اور سعادت یارخان رنگین، سید انشار اور جان صاحب نے اس میں خاص طور پر نام پیدا کیا تھا، دور حاضر میں مولوی نثار حسین خان شیدا ریختی گو الہ آبادی نے ان متوسطین شعرا کی یاد تازہ کی ہے، اور اس صنف میں اپنا مستقل دیوان شائع کیا ہے جو شاید کسی جماعت کی تفریح کا ذریعہ بن سکے، دیوان بغیر کسی مقدمہ و دیباچہ کے شائع ہوا ہے،

درد زندگی، از جناب احسان بن دانش صفحات ۳۴۴ قیمت عار، پتہ ذیشان بکڈپو مزنگ لاہور

یہ جناب احسان بن دانش کی نظموں کا مجموعہ ہے، جسمین سیکڑوں موضوع پر اظہار خیال کیا گیا ہے، اخیر مین جناب احسان کے حالات زندگی ہیں، جناب احسان کی طبیعت مین زور ہے، اور زبان

پر قدرت رکھتے ہیں، اسلئے ان کی ہر نظم پر جوش اور پر کیف ہے، اور موجودہ شعراء کی طرح محض لفاظی اور غالب کی نقالی سے کام نہیں لیا گیا ہے،

اختلافات مرزا مؤلفہ مولوی حافظ نور محمد خان مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور صفحات ۴۴ قیمت ۱؎

اس رسالہ میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے متعارض و متناقض اقوال کو جمع کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ وہ پیغمبر نہ تھے، کیونکہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ خدا کے کلام اور انبیاء علیہم السلام کے کلام میں اختلاف و تناقض نہیں ہوتا، رسالہ کی زبان مناظرانہ ہے،

الاعلام المرفوعہ فی حکم الطلقات المجموع، مصنفہ مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی صدر مدرس مفتاح العلوم مؤ ضلع اعظم گڈھ صفحات ۳۲ قیمت درج نہیں،

اس رسالہ میں دکھایا گیا ہے، کہ اگر مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں، تو طلاق دینے والے کو حق رجعت باقی نہیں رہتا، فرقۂ اہلحدیث اوس کا مخالف ہے، اور اس رسالہ میں اس فرقہ کے دلائل کی تردید بھی کی گئی ہے،

تذکرہ قوم کوکنی، حصہ اول مؤلفہ منشی عبد الحمید خان بوہرے، صفحات ۵۶، قیمت ۲؍ ملنے کا پتہ درج نہیں،

اس رسالہ میں کوکنی قوم کے تاریخی حالات جمع کئے گئے ہیں اور ان کے تمدنی و معاشی حالات لکھے ہیں،

تحفۂ سعدیہ، مرتبہ جناب مرزا احمد نذیر عرشی دھنولوی دھنولہ، ریاست نابھ (پنجاب) صفحات ۱۰۴، بلا قیمت،

اس رسالہ میں شاہ ابو اسعد احمد خان (پنجاب) کے حالات، اخلاق و عادات، علمی نکات اور ملفوظات جمع کئے گئے ہیں،

"ع"

جلد ۳۶ | ماہ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۳۵ء | عدد ۳

مضامین

شذرات

۱۲ ماہ اگست کو حیدر آباد کے سفر سے واپسی ہوئی، ڈیڑھ ماہ کے قیام حیدر آباد میں دکن کے احباب اور عمائد نے جس محبت سے ذرہ نوازی کی، وہ میرے استحقاق سے زیادہ تھی، ہز ایکسلنسی سر مہاراجہ یمین السلطنۃ بہادر نے خلعت پارچہ سے نوازش کی، اور سب سے بڑھکر یہ کہ اعلیٰحضرت سلطان العلوم ہز اگزالٹڈ ہائنس شہریار دکن خلد اللہ تعالیٰ ملکہ و دولتہ نے یاد فرما کر باریابی بخشی، اور الوانِ خاصہ سے سرفراز فرما کر ہمچشموں میں حقیر کی توقیر بڑھائی،

الٰہی تا جہاں باشد نگہدار ایں جہانبان را

نظام الملک آصفجاہ عثمان علی خان را

آجکل اعلیٰحضرت شہریار دکن کی بست و پنج سالہ جوبلی کے اہتمام و انتظام کی دھوم دھام ہے، دکن کی یہ سلطنت گو دکن کے رقبۂ حکومت میں محدود ہے، مگر سچ یہ ہے کہ اُسکے انوارِ کرم کی تابانی سے ملک ہند کا ذرہ ذرہ روشن ہے، وہ اپنی تاریخی روایات کی بنا پر سلطنت مغلیہ کی یادگار، اور ہندوستان کی اُمیدوں کا چراغ ہے، جس امن و امان، عدل و انصاف اور ہندو مسلمانوں کی باہم یکجہتی کے منظر یہاں آنکھوں کے سامنے سے گذرتے ہیں، اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ دہلی کی سلطنت جب زندہ ہوگی تو اس میں اور کیسے کیسے دلفریب اور دلکش مناظر ہونگے، ضرورت ہے کہ اس تاریخی جشن کے موقع پر جو یکم شوال سے شروع ہوگا، پورا ملک ہند، دکن کی اس خوشی و مسرت میں شریک ہو، خصوصاً ملک کا تعلیمی و علمی حلقہ جو خاصہ وسیع ہے، اس قدردانی و قدرافزائی کا اعتراف کرے جو اس فیاض سلطنت کی جانب سے اسکی ہوتی رہی ہے، اور ہوتی رہتی ہے،

سرکار بھوپال کی طرف سے سیرۃ النبی صلعم کی تالیف کیلئے دار المصنفین کو دو سو ماہوار کی امداد شروع سے مل رہی تھی

لیکن بعض مالی دقتوں کے سبب سے ریاست نے اس امداد کو کئی برس سے نصف کر دیا تھا، پھر پچھلے سال سے دس فیصدی کی تخفیف کے اصول پر جو پوری ریاست میں جاری ہے، سو سے گھٹ کر نوّے روپئے ہو گئے، اس دفعہ حیدرآباد کے سفر میں بھوپال سے گذرنا تھا، اس موقع کو غنیمت جانکر تین روز بھوپال ٹھہرا، اور دوستوں کی ملاقات کا لطف اٹھایا، اسی درمیان میں حضور پر نور ہز ہائنس فرمانروائے بھوپال ادام اللہ تعالیٰ ملکہٗ نے ملاقات کی عزت بخشی، اور مختلف امور اصلاحی پر گفتگو فرمائی، دار المصنفین کی خدمات اور اسکی ضرورتوں کا حال معلوم فرماکر خود بنفس نفیس بدستور مقررہ رقم دوسو ماہوار کے اجراء کا حکم صادر فرمایا، اللہ تعالیٰ اس فیض رسان اور قدرشناس فرمانروا کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

سیرت کی پانچویں جلد جو عبادات سے متعلق ہے زیر طبع تھی، سفر کی غیر حاضری کے سبب سے اس کا چھپنا روک دیا گیا تھا، اب پھر اس کی چھپائی شروع ہو گئی ہے، شاید یہ جلد ساڑھے تین سو صفحوں میں تمام ہو جائے، اس وقت تک تین سو صفحے چھپ چکے ہیں، امید ہے کہ باقی صفحے، اور فہرست اور ٹائیٹل وغیرہ تین مہینوں کے اندر چھپ جائیں، اور دسمبر تک یہ ناظرین کے ہاتھوں میں آجائے،

ان دنوں مطبع معارف سے دو نئی کتابیں چھپکر شائع ہوئی ہیں، ایک **عربوں کی جہازرانی** اڈیٹر معارف کے قلم سے، یہ دراصل وہ چند خطبے ہیں، جو مارچ ۱۹۳۱ء میں بمبئی میں سنائے گئے تھے، اور اب انکو بمبئی کی اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن نے اپنے سلسلہ میں لیکر شائع کیا ہے، کتاب دو سو صفحوں میں ہے، اور ایسوسی ایشن مذکور کے لائق سکرٹری آصف فیضی ایم اے ۳۰ چوپاٹی روڈ بمبئی کے پتہ سے ملیگی، نفع عام کے خیال سے اسکی قیمت صرف ایک روپیہ رکھی گئی ہے،

دوسری کتاب "چینی مسلمان" ہے، جس کو چین کے نوجوان مسلمان عالم و ادیب بدرالدین چینی صاحب

بی اے (جامعہ) نے اپنے ہندوستان کے تعلیمی قیام کے زمانہ میں لکھا، اور مطبع معارف نے چھاپا ہے، اس میں سب سے پہلی دفعہ چینی مسلمانوں کی تاریخ، اور اُن کے ہر قسم کے موجودہ قومی، مذہبی، تعلیمی، علمی اور سیاسی حالات نہایت مستند ذریعوں سے لکھے گئے ہیں، مسلمانوں کو اس ملک کے دورافتادہ مسلمان بھائیوں کے حالات سے جو دلچسپی ہے، اس کی بنا پر یہ توقع بیجا نہیں کہ وہ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے، اور پڑھینگے ضخامت گو تین سو صفحوں سے زیادہ ہے، مگر قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ رکھی گئی ہے،

ہمارے صوبہ کے پیرسال لیکن جوان ہمت بزرگ مولوی **بشیر الدین** صاحب (اٹاوہ) کی قومی و تعلیمی خدمات سے کون واقف نہیں، ان کی پیری رشک جوانی ہے، ان کا وجود اس بات کی مثال ہے کہ دُھن کے پکے لوگ کیسے ہوتے ہیں، انھوں نے اپنی تنہا کوشش سے اسلامیہ اسکول قائم کیا، اس کی عمارت بنائی، اس کا بورڈنگ بنایا، ایک نادر کتبخانہ فراہم کیا، اور اس کس مپرسی کے عالم میں اخبار البشیر کو اس وقت سے لیکر آج تک چلا رہے ہیں، کئی سال سے انکی کوشش تھی کہ یہ اسکول انٹرمیڈیٹ کالج بنجائے، حکومت نے اس تجویز کو منظور کر لیا ہے، اور زراعت کی تعلیم کے لئے فیون گودام کو مع اسکی قطعہ آراضی کے ایک روپیہ سال کے پٹہ پر اسکو دیا ہے، ایک بوڑھے کی جوانانہ ہمت و عزیمت نے راستہ یہاں تک طے کیا ہے، اب دوسرے جوانوں کا کام ہو کہ وہ مناسب سرمایہ فراہم کرکے اسکی اس کوشش کو منزلِ مقصود تک پہنچائیں کیا یہ افسوس کی بات نہیں کہ پورے صوبہ میں علیگڈہ کے سوا ہمارا ایک بھی کالج نہیں،

مولٰنا **حالی** مرحوم ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے تھے مرحوم کی پیدایش کی صدسالہ یادگار آخر اکتوبر میں حالی ہائی اسکول پانی پت میں اعلیحضرت ہزہائنس نواب صاحب بھوپال کے زیر صدارت منائی جائیگی، اس موقع پر مرحوم کے سوانح حیات اور کارناموں پر مختلف تحریریں پڑھی جائینگی، اور انکی شہکار تصنیف **مسدس** کا ایک ممتاز اڈیشن شائع کیا جائیگا،

مقالات

سسلی میں مسلمانوں کا تمدن

از سید ریاست علی، ندوی،

(یہ مقالہ ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور کے اجلاس میں پڑھا گیا،)

مسلمانوں نے یورپ کے جن خطوں پر ابتداءً قدم رکھا، اور جن کی فضا میں مدتوں سطوتِ اسلامی کا پرچم لہراتا رہا، اور تمدن اسلامی کے برکات نازل ہوتے رہے، وہ صقلیہ (سسلی) اور اندلس (اسپین) ہیں، شومیِ قسمت کہ یہی دونوں خطے آج مسلمانوں کے وجود سے خالی ہیں،

انہیں سے سسلی پر ۳۲ھ ۶۵۲ء سے ۲۱۲ھ ۸۲۹ء تک مسلمانوں کے تیرہ[۱۳] حملے ہوئے، جن کے نتیجہ میں وہ اسلامی حکومت افریقیہ کا باجگذار بنا، مگر مواعید پر قائم نہ رہ سکا، تاآنکہ مختلف سیاسی اسباب کی بنا پر جن کے بیان کا یہ موقع نہیں، ۲۱۲ھ ۸۲۷ء میں مسلمانانِ افریقیہ نے اس کو دارالاسلام بنانے کا فیصلہ کیا، اور اسی سال قاضی اسد بن فرات کی سرکردگی میں دس ہزار مسلمانوں کا لشکر یہاں حملہ آور ہوکر سکونت پذیر ہوگیا، اور سسلی کی یہ اسلامی حکومت جزیرہ سسلی اور اس کے اردگرد کے چند جزائر مالٹا وغیرہ اور اٹلی کے وسیع جنوبی حصص کلبریہ و لنگو برڈا وغیرہ میں پھیلی، ان جزائر و مقامات میں مسلمانوں کی خاصی آبادی قائم ہوگئی[۱]، اور ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ کلیسائے روما کے پاپائے اعظم نے ادائے جزیہ کی شرط پر صلح کی، عربوں کی اصطلاح میں ان تمام حصصِ ملک کو مجازاً صقلیہ کہا گیا[۲]

[۱] کتاب المسالک و الممالک ابن حوقل ص ۱۲۶، [۲] اس مجازی تعبیر کے لئے دیکھو ابن اثیر حوادث ۳۱۳ھ ابن عذاری حوادث ۳۱۳ھ، تقویم البلدان ابو الفداء، و معجم البلدان یاقوت ذکر جبل البرد کا ن (روالکنو)

صقلیہ میں اسلامی حکومت کے حسب ذیل مختلف دور گذرے ہیں:-

(۱) دولت اغالبہ ۲۱۲ھ / ۸۲۷ - ۲۹۶ھ / ۹۰۹ء،

(۲) دولت فاطمیہ ۲۹۶ھ / ۹۰۹، ۳۰۰ھ / ۹۱۲ء،

(۳) طوائف الملوکی یا دولت ابن قرہب، ۳۰۰ھ / ۹۱۲، ۳۰۳ھ / ۹۱۵ء،

(۴) دولت فاطمیہ ۳۰۴ھ / ۹۱۶، ۳۳۶ھ / ۹۴۷ء،

(۵) دولت کلبیہ ۳۳۶ھ / ۹۴۷، ۴۳۱ھ / ۱۰۳۹ء،

(۶) طوائف الملوکی ۴۳۱ھ / ۱۰۳۹، ۴۴۴ھ / ۱۰۵۲ء،

(۷) صقلیہ میں اسلامی سلطنت کا خاتمہ، ۴۴۴ھ / ۱۰۵۲، ۴۸۴ھ / ۱۰۹۱،

اس کے بعد آخری آٹھواں دور صقلیہ کے مسلمانوں کا عیسوی حکومتوں کے ماتحت گذرا، جو ۴۴۴ھ / ۱۰۵۲ سے ۷۰۰ھ / ۱۳۰۰ء تک پر مشتمل ہے، اور انہی دونوں ہجری و عیسوی سنین کی صدیوں کے خاتمہ پر صقلیہ و جزائر صقلیہ مسلمانوں کے وجود سے خالی کرائے گئے، اور اس طرح صقلیہ کے مسلمانوں کی کم و بیش پانسو برس کی تاریخ ہے، جس کی سیاسی سرگذشت سے یہاں بحث نہیں، محض ان کا تمدنی مرقع چند عنوان مباحث عہد[۱] اسلامی کا تمدنی جغرافیہ نظام[۲] حکومت، معیشت[۳] اور علوم[۴] و آداب میں پیش ہے،

تمدّنی جغرافیہ

صقلیہ کے مسلمان | صقلیہ کے ابتدائی حملوں میں جو مسلمان یہاں آتے رہے، وہ عرب کے مختلف قبائل بنو کندہ، بنو فہر، بنو خطلہ، اور قبائل اوس و خزرج کے افراد تھے، انہیں سے بیشتر افریقیہ میں قیام پذیر ہوئے، پھر ان کے تعلقات سسلی سے بھی مستقل قائم ہوئے اور ۲۱۲ھ سے جو مسلمان یہاں سکونت پذیر ہوئے وہ عرب[۱]، بربر[۲] اور موالی[۳] تھے، اور آیندہ چل کر یہاں کے قدیم باشندوں کی ایک بڑی جماعت مسلمانوں کی صف میں داخل ہوگئی، جو چوتھی[۴] جماعت قرار پائی،

صقلیہ کے عرب قبائل میں بنو تمیم جن میں اغالبہ تھے، اور بنو کلب جنھیں کلبیین تھے، یہاں کے حکمران خاندان تھے، ان کے علاوہ ذیل کے قبائل اور خانوادے یہاں مستقل آباد تھے، جو اپنے انتسابوں سے ظاہر ہوتے ہیں، فہری، ربعی، بکری، ودانی، سہمی، معافری، کنانی، لخمی، قرشی، قیسی، طبری، حضرمی، طرزی اور عامری وغیرہ (ان انتسابات کی تشریح فرداً فرداً کتاب الانساب سمعانی میں موجود ہے، اور صقلیہ میں ان کے وجود کا پتہ صقلیہ کے مختلف اہل علم کی نسبتوں سے چلتا ہے،) صقلیہ کے بربر قبائل میں بنو کتامہ، اور بنو طبری زیادہ نمایاں تھے، لیکن ۴۰۵ھ (۱۰۱۴ء) میں بعض سیاسی حالات کے ماتحت صقلیہ سے جلاوطن کر دیئے گئے[1]، جماعت موالی بھی یہاں کچھ کم بارسوخ اور ممتاز نہ تھی[2]، خصوصاً شاہی خاندان کے موالی نے جماعت بندی سے تفوق حاصل کر لیا تھا، اسی لئے ایک سیاسی آویزش کے نتیجہ میں ۴۰۵ھ (۱۰۱۴ء) میں ان کا استیصال کیا گیا[3]، اور صقلیہ کے نومسلموں کی بھی گروہ بندی ہوگئی تھی[4]،

لیکن صقلیہ کے مسلمانوں کی مجموعی تعداد کا بتانا دشوار ہے، واقعات سے ایک اجمالی تخمینہ آپ بھی لگا سکتے ہیں، مثلاً ۳۵۱ھ (۹۶۲ء) میں ایک ہی دن سارے جزیرے کے غیر مختون مسلمان بچوں کے ختنہ کی تقریب ایک شاہی جشن مسرت کے طور پر انجام پانے لگی، تو جزیرہ میں پندرہ ہزار بچے غیر مختون نکلے[5]، لیکن مجھے اشتباہ ہوتا ہے، کہ شاید یہ فہرست دار الحکومت بلرم کے بچوں کی ہو، اسی طرح مستر ہکات ۳۳۰ھ (۹۳۸ء) میں ایک شہر ماز ر کی ترائی کی مجموعی آبادی چالیس لاکھ بتاتے ہیں، جنمیں نصف مسلمان تھے[6]،

صقلیہ کی آبادیاں صقلیہ کے شہر اگسٹس کے عہد تک بے رونق اور ویران ہو چکے تھے[7]، لیکن بیزنطی حکومت نے روم و عرب کی آویزش میں یہاں کے جنگی قلعے نئے سرے سے آباد کر لئے[8]، پھر اسلامی حکومت نے

---

[1] نہایۃ الارب نویری در بیلو تھیکا ا،اری ص ۴۴۴ [2] ابن اثیر ج ۹ ص ۲۲۹، طبع بریل لیڈن ۱۸۶۳ء، [3] نہایۃ الارب نویری در بیلو تھیکا ص ۴۴۳ و ابن اثیر ج ۱ ص ۱۲۰ بریل [4] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۲ بریل [5] ابو الفدا ج ۲ ص ۹۶ طبع حسینیہ مصر [6] اخبار الاندلس ج ۲ ص ۴۲ [7] اسٹوری آف دی نیشنس ج ۳۰ (سسلی از فریمان) [8] نزہۃ المشتاق و معجم البلدان ج ۵ ص ۳۰۲ طبع مصر،

مختلف شہروں کو پر رونق بنانے کے علاوہ ان قلعوں کو بھی جو قدیم سسلی سے بکثرت چلے آرہے تھے، پر امن آبادیوں میں منتقل کیا، اس طرح صقلیہ کے عہد اسلامی میں تین قسم کی آبادیاں ہو گئی تھیں، شہر[1]، فوجی قلعے[2]، اور قلعے[3] اور شہر کی درمیانی آبادی، اُن کی تعداد الگ الگ مختلف مورخین نے مختلف بتائی ہے، جن سے عمومی طور پر اندازہ ہوتا ہے، کہ مجموعی آبادی ۳۰۰ کے قریب تھی، جن میں ۳۵ شہر لب ساحل تھے، اور ان میں سے ۲۳ بڑے شہر کی حیثیت رکھتے تھے، دو تین اہم شہر اندرون ملک میں بھی تھے[3]، اُن کے نام یہاں گنانے کی ضرورت نہیں، اور نہ انکی تمدنی حیثیت پر روشنی ڈالنے کا وقت ہے، صرف ادریسی کے بیان کو استقصا سے دیکھیئے، یہاں کے اکثر شہروں کے ذکر میں پر رونق بازاروں، عالیشان عمارتوں، ہوٹلوں اور حماموں کا تذکرہ نظر آئیگا،

دارالحکومت بلرم مسلمانوں نے فنیقی عہد کے پایہ تخت پنرمس کو دارالحکومت قرار دیا، عربوں کے یہاں اسکے مختلف نام برمم، بلرموا، بلرموہ، بلرمہ، اور بلیرم وغیرہ ہیں، لیکن بالعموم بلرم کہا جاتا ہے، اس عہد میں اس کو وہی شہرت حاصل تھی، جو اندلس میں قرطبہ کو تھی، ۲۱۶ھ / ۸۳۱ء میں مسلمان اس میں داخل ہوئے، اور اسکی فتح کے بعد کچھ دنوں کے لئے فوجی مہمیں ملتوی کردیں[1]، ملکی نظم و نسق اور شہر کی ترقی میں مصروف ہوئے، مسلمانوں کے داخلہ کے وقت اس میں تین ہزار باشندے رہ گئے تھے، اسلامی حکومت کے آغاز کے بعد کچھ ہی دنوں میں اسکی آبادی کئی لاکھ نفوس تک پہنچ گئی[2]، شہر میں اضافہ کی ضرورت پیش آئی، مسلمانوں نے قدیم شہر پناہ کے باہر کئی محلے آباد کرلئے، جو اپنی وسعت میں گویا مستقل شہر تھے، ابن حوقل یہاں ۳۶۲ھ / ۹۷۲ء میں پہنچا، اس نے پانچ آبادیاں ایسی بتائی ہیں، جو مستقل حیثیت رکھتی ہیں، وہ حارۂ بلرم، خالصہ، صقالبہ، حارۃ الجدیدہ، اور حارۃ المسجد ہیں[3]، مودد اور چھوٹے محلے حارۃ الیہود اور حارۃ ابی حماز کا نام بھی تاریخوں میں آتا ہے،

حارۂ بلرم کو قصر قدیم بھی کہتے ہیں، اغالبہ کے عہد تک یہی حصہ پائے تخت تھا، اس کے بعد سرکاری

---

[1] نزہۃ المشتاق ادریسی طبع روما ۱۸۷۸ء ص ۲، معجم البلدان یاقوت ج ۵ ص ۳۰۲ طبع مصر [2] ابن اثیر ج ۶ ص ۲۳۵ بریل، [3] اخبار الاندلس ج ۲ ص ۲۳ [4] کتاب المالک والمسالک ابن حوقل ص ۸۲ طبع آخر،

ضرورتوں کے لئے وہ دوسری آبادی خالصہ ۳۲۵ھ ۹۳۶ء میں تعمیر ہوئی، اس کی خصوصیت ابن حوقل کے بیان میں یہ ہے کہ یہاں فرمانروا ئے صقلیہ اور اس کے عمال رہتے ہیں، بازار اور ہوٹل وغیرہ قائم نہیں کئے گئے ہیں، البتہ حمام اور غسلخانے بنا دیئے گئے ہیں، ایک جامع مسجد بھی ہے، جو یہیں کے باشندوں کے لئے مخصوص ہے، قیدخانہ، جہازسازی کے کارخانے اور دیوان حکومت کی عمارتیں بنی ہوئی ہیں[1]، اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اس حصہ کی تخطیط اس طور پر انجام پائی تھی، کہ عام آبادیوں سے مختلط نہ ہونے پائے،

بلرم کے شہری خصوصیات بلرم اپنے عہد اسلامی میں صقلیہ کا شیرازہ تھا، سربفلک عمارتیں، دلفریب تفریح گاہیں، نزہت بخش فوارے، پتھروں کی سڑکیں، پررونق بازار، عالی شان مہمان سرائیں، پرتکلف ہوٹل، اپنے دور میں ایسے ہی جاذب نظر تھے، جس طرح مسٹر اسکاٹ کے بقول آج عروس البلاد (پیرس) میں تہذیب جدید کا آب ورنگ ایک نووارد کی نگاہیں خیرہ کر دیتا ہے[2]، عرب مورخین میں ابن حوقل یہاں کے بازاروں کا حال تعجب سے بیان کرتا ہے، کہ بازار کی دکانیں ایک ہی وضع وقطع کی قطار در قطار بنی ہوئی ہیں، ہر چیز کی فروخت کے لئے الگ الگ حصے مقرر ہیں، صرف قصابوں کی دکانوں کی تعداد ۱۷۰ ہے، بلرم مسجدوں کی کثرت میں مشہور تھا، ابن حوقل کہتا ہے: "میں نے ایک دن بغور دیکھا، تو صرف اس قدر مسافت میں جہاں ایک تیر پہنچ سکتا ہے دس مسجدیں موجود تھیں، اسی طرح ادریسی نے بلرم کے دو حصوں معسکر و بیقا کے درمیان تین میل کی آبادی میں دو سو مسجدیں بتائی ہیں، اور یاقوت خالصہ کی شہرپناہ کے اردگرد دو سو مسجدیں بتاتا ہے، بعض مورخین نے بلرم کی مسجدوں کی مجموعی تعداد پانچسو سے زیادہ بتائی ہے[3]، اسی طرح یہاں کثرت سے ہوٹل اور حمام یعنی غسلخانے قائم تھے، اور ارباب تصوف کیلئے خانقاہیں اور رباط علحدہ تھے،

[1] کتاب المالک والمسالک ابن حوقل ص ۱۲۱ طبع آخر، ابن اثیر ج ۸ ص ۳۰۵ طبع بریل لیڈن، نخبۃ الدہر فی عجائب البر والبحر شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی طالب الدمشقی و امار ی ص ۴۴، معجم البلدان ج ۲ ص ۳۰۹ طبع مصر، [2] اخبار الاندلس ج ۱ ص ۷۰ تا ۹۹، [3] کتاب المسالک والممالک ۸۳، ۸۵، ۸۰ (طبع مصر) معجم البلدان یاقوت، نزہۃ المشتاق ادریسی، سفرنامہ ابن جبیر (گب) ذکر صقلیہ و بلرم،

ابن جبیر نے بلرم کا دلکش منظر کھینچا ہے، جو اس لحاظ سے زیادہ قابل قدر ہے، کہ وہ ایک اندلسی سیاح تھا، جس کی نگاہوں میں قصر الحمرا، اور غرناطہ و قرطبہ کے مناظر موجود تھے، اس کے چند جملے یہ ہیں،

بلرم تمدن کا گہوارہ ہے، جس سے ہر قسم کا حسن نمایاں ہے، قدیم ہے، خوشنما ہے، نظر افروز ہے، اور گویا روے زمین پر ایک خوبصورت سا چمن زار ہے، اس کی گلیاں اور سڑکیں نہایت کشادہ اور وسیع ہیں، تمام عمارتیں ایک خاص قسم کے پتھر کی بنی ہوئی ہیں، اس کے وسط میں ایک نہر جاری ہے، اور اطراف و جوانب میں بھی چار نہریں ہیں، . . . . . اس شہر کو قرطبہ سے گونہ مشابہت حاصل ہے[1]

زبان مسلمانوں کے داخلہ سے پیشتر یہاں کی دفتری زبان لاطینی اور بول چال کی یونانی تھی، مسلمانوں نے دفتری زبان عربی قرار دی، مگر ملک کی قدیم یونانی اور لاطینی زبانیں بھی زندہ رکھیں[2]،

ادیان مسلمانوں کے داخلہ کے وقت یہاں کے لوگ زیادہ تر کیتھولک، چند لا مذہب اور کچھ یہودی تھے، ایک مختصر گروہ بت پرستوں کا تھا[3]، مسلمان اپنے ساتھ مذہب اسلام لائے، اسلامی تہذیب کا یہ اثر تھا، کہ لوگ نہ صرف عہد اسلامی میں بلکہ اسلامی سلطنت کے خاتمہ کے بعد بھی اسلام کے دائرے میں داخل ہوتے رہے، جب راجر اول نے قانوناً اسلام میں داخلہ کا دروازہ بند کر دیا[4]، تو بھی لوگ مسلمانوں کے فیض صحبت سے اسلام لاتے، اور چھپ چھپ کر عبادت کرتے[5]، مسلمانوں نے اپنے عہد میں غیر مسلموں کو مذہبی آزادی دی، اور ان کے معابد کے اوقاف برقرار رکھے[6]،

صقلیہ کے اسلامی مذاہب و فرق مذاہب فقہ میں سے ابتداءً یہاں مذہب حنفی کو فروغ حاصل ہوا، کہ قاضی اسد کے تلامذہ اور حلقہ بگوشوں میں زیادہ حنفی المذہب تھے، مقدسی (۳۷۵ھ) کا بیان ہے، "اکثر اہل

[1] رحلۂ ابن جبیر ص ۳۲۳ اور گب، [2] انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا ج ۲۵ ص ۲۲ [3] اسٹوری آف دی نیشنس ج ۳۰ ص ۲۵۰، (سسلی از مریان) وانسائیکلوپیڈیا برطانیکا ج ۲۵ (سسلی) طبع یازدہم، [4] نہایۃ الارب نویری ازمری ص ۳۲۳ [5] رحلۂ ابن جبیر گب، [6] انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا ج ۲۵، طبع یازدہم،

صقلیہ حنفیون"؛ اکثر اہل صقلیہ حنفی ہیں؛ لیکن رفتہ رفتہ مختلف اثرات سے صقلیہ میں مذہب مالکی کو مقبولیت ہوگئی، چنانچہ صقلیہ کے اکثر اہل علم مالکی المذہب تھے، جن کے تراجم ترتیب المدارک، قاضی عیاض، دیباج المذہب، ابن فرحون اور معالم الایمان ابن ناجی وغیرہ میں مذکور ہیں،

علم کلام میں اسدا وران کے متبعین سلف صالحین کے متبع تھے، اور مالکیوں کے متعلق تو تاج سبکی کا کلیہ ہے، "ہر مالکی کا اشعری ہونا ضروری ہے"،

صقلیہ میں دولت اغالبہ کے بعد اگرچہ دولت فاطمی اسمٰعیلی قائم ہوئی اور ابتداءً حکومت کی جانب سے مذہبی حیثیت سے چند ایسے تغیرات بھی کئے گئے، جن سے اس مذہب کی اشاعت کا امکان تھا مگر جب بغاوت فرو کرنے کے بعد انھیں دوبارہ اقتدار ہوا، تو اس قسم کا کوئی اقدام نہیں کیا گیا، چنانچہ اس دور میں ہمیں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا ہے، جس میں شیعیت کو بجبر رائج کیا گیا ہو، لوگ اپنے قدیم مسلک اہل السنۃ والجماعت پر قائم رہے،

نظامِ حکومت

صقلیہ کی مرکزی حکومت صقلیہ کی حیثیت عہد اسلامی میں شمالی افریقہ کی ایک نوآبادی کی تھی، اس لئے اس کی مرکزی حکومت، افریقہ کی حکومت رہی، اغالبہ کے آخر دور میں حاجب صقلیہ یعنی وزیر صقلیہ کا عہدہ بھی نظر آتا ہے، جو صقلیہ کے والی اور فرمانروا کے درمیان کی کڑی ہوتا، اس کو ولاۃ کے عزل ونصب کا اختیار تھا، ابن عذاری نے حکومت افریقہ میں صقلیہ کے دو حاجب نصر بن صمصامہ اور حسن بن ناقد کے نام لکھے ہیں، اور ضمناً نہایۃ الارب میں بھی تذکرہ آیا ہے، جب فاطمیین کا دارالحکومت مصر قرار پایا، تو صقلیہ کا رسمی تعلق

۱؎ احسن التقاسیم ص ۲۳۰ مطبع بریل ۱۹۰۶ء، ۲؎ معالم الایمان ج ۲ ص ۱۴، ۳؎ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۴؎ ابن اثیر ج ۸ ص ۳۰، نہایۃ الارب درامادی ص ۴۴۴، ۵؎ البیان المغرب ترجمہ اردو ص ۱۶۵، نہایۃ الارب باب افریقیہ والمغرب حوادث ۳۰۳ھ درامادی ص ۴۵۰،

بھی مصر سے قائم ہوگیا، لیکن اس عہد تک صقلیہ میں کلبیین کی تقریباً خود مختار موروثی حکومت قائم ہو چکی تھی، اس لئے یہ رشتہ ایک برائے نام قائم تھا،

حکومت صقلیہ مرکزی حکومتیں یہاں ولاۃ نامزد کرتی تھیں، جن کی حیثیت دور حاضر کی اصطلاح میں گورنر جنرل کی کہی جا سکتی ہے، اغالبہ کے دور میں صقلیہ کی ولایت پر بالعموم اغلبی شاہزادے مقرر ہو کر آتے تھے، جن میں کبھی حکومت افریقہ کے ولی عہد بھی ہوتے، اس لئے یہ ولاۃ قدرۃً زیادہ خود مختار تھے، انھیں ملکی نظم ونسق کے ماسوا رومی مقبوضات پر حملہ آور ہونے، اور بیرون جزیرہ کی متحارب حکومتوں سے صلح کے معاہدے کرنے کے اختیارات بھی حاصل تھے، یہی طرز حکومت عہد فاطمی میں بھی کلبیین کے دور آغاز تک قائم رہا[1]، اور جب کلبیین کا زمانہ آیا، تو یہ موروثی حکومت تقریباً خود مختار ہو گئی، صرف خراج کی ایک متعینہ رقم مرکزی حکومت کو بھیج دی جاتی اور کلبی فرمان رواؤں کو خلافت فاطمی سے ایسے خطابات وخلعت عطا ہوتے، جو اس عہد میں سلاطین کو بارگاہِ خلافت سے ملتے تھے، اور یہ رسمی رشتہ بھی اس قدر کمزور ہو چکا تھا، کہ اگر کسی جزئی معاملہ میں بھی حکومت مصر سے اختلاف ہوا، تو کلبی فرمانروا نے انقطاع کی تہدید کی، اور حکومت مصر خاموش ہو گئی[2]، چنانچہ عرب مورخین میں ابن حوقل، لسان الدین بن الخطیب اور ابن فضل اللہ العمری وغیرہ کلبی فرمان رواؤں کا تذکرہ "ملوک وسلاطین" ہی کے القاب میں کرتے ہیں، تاہم انھوں نے اپنی رسمی خود مختاری کا کبھی اعلان نہیں کیا،

ولاۃ صقلیہ کا طرز بود وماند مشرقی طرز کا شاہانہ تھا، شاہی محلات میں خدم وحشم، غلام وخواجہ سرا رہتے، فرمانروا کے حضور میں مشرق کے شاہانہ آداب مجلس قائم تھے، شہر میں شاہ کی سواری تزک واحتشام سے نکلتی، جس میں چتر وجلوس کا اہتمام رہتا، چتر وجلوس کے تکلفات فاطمیین کے ذریعہ رائج ہوئے اور

---

[1] ابن اثیر ج ۹ ص ۱۵۱، ۲۰۰، ۲۰۸، ص ۳۵۰ طبع بریل، [2] اعمال الاعلام ویادگاری مضامین اماری ج ۲ ص ۴۷۸،

کی ذاتی ملکیتوں کا اندازہ اس سے لگائیے، کہ ثقۃ الدولہ یوسف (۳۶۹ھ - ۳۸۸ھ / ۹۷۹ء - ۹۹۰ء) جو علالت کی وجہ سے اپنے لڑکے کے حق میں دست بردار ہو چکا تھا، صقلیہ سے ترک سکونت کرکے مصر روانہ ہونے لگا، تو ابن اثیر اور ابو الفدا لکھتے ہیں، کہ اس کے پاس ۱۴ ہزار باڑے ایسے تھے جنہیں صرف اونٹ اور گھوڑے باندھے جاتے تھے، خچروں کا باڑہ ان سے علحدہ تھا، اور ۶ لاکھ ستر ہزار دینار نقد اس کے ساتھ مصر منتقل ہوئے[1]

صوبوں کی تقسیم اور ان کی حکومت

صقلیہ کی فتوحات کے ساتھ صوبوں میں اضافہ ہوتا گیا، آخر طور پر پانچ صوبے بلرم، جرجنت، مسینا، مازر، اور قصریانہ تھے[2]، ان کے ولاۃ، والی صقلیہ مقرر کرتا، جو ان کے معتمد ہوتے[3]، صوبہ جنوبی اٹلی کا انتظام جداگانہ تھا، اولاً ۲۳۲ھ میں وہاں ایک خود مختار والی خلافت عباسیہ کی طرف سے تسلیم کیا گیا[4]، پھر یہ مقبوضات سسلی کے ایک صوبہ کی حیثیت میں آئے، اس کے بعد[5] اس کے گورنر افریقہ سے آنے لگے، اور پھر تبدیلی ہوئی، اور سسلی ہی کی اسلامی حکومت یہاں کی نگراں ہوگئی[6]

سسلی کے اردگرد کے جزائر حکومت صقلیہ کے ماتحت تھے، لیکن مالٹا میں جداگانہ انتظام قائم ہوا، وہاں کی حکومت وہیں کے باشندوں کے سپرد کی گئی، اور ایک مختصر اسلامی دستہ شہر مالٹا میں مقیم رہا[7]،

---

[1] کتاب اعمال الاعلام فیمن بویع قبل الاسلام در یادگاری ج ۲، ص ۱۷۴، ۲۷۴، ذکر طرز بود و ماند بہ عہد ابو الاغلب والی، و ۱۱ ص ۲۲، ۲۴ ذکر خدم و حشم بہ عہد جعفر بن محمد والی و نہایۃ الارب حوادث ۲۵۸ھ در بیلو تھیکا، ص ۴۳۲، ۴۴۹، ذکر خواجہ سرا بہ عہد محمد بن خفاجہ والی و ابو الفدا ج ۲ ص ۶۹ ذکر مشرقی طرز شہنشاہی بہ احمد کلبی و ابن اثیر ج ۸ ص ۲۵۶، ذکر آداب مجلس بہ عہد حسن کلبی و کتاب نبذۃ المحتاجہ فی اخبار الملوک صنہاجہ در اماری ص ۲۱۰، ذکر چتر و ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۱۱ و ابو الفدا ج ۲ ص ۲۰۰ ذکر دولت و ثروت ثقۃ الدولہ [2] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۳۰، نہایۃ الارب نویری در اماری ص ۴۴۵، ابو الفدا ج ۲ ص ۱۰۸، تمدن عرب لیبان ص ۱۱۰، تاریخ عرب سدیو ص ۲۴۴ ترجمہ اردو [3] ابن اثیر ج ۸ ص ۲۰۸، [4] ابن اثیر ج ۷ ص ۱۲۷،۳ [5] ابن اثیر ج ۷ ص ۲، نہایۃ الارب در اماری ص ۴۳۳ و ۴۴۳، البیان المغرب ترجمہ اردو ص ۱۵۶، [6] ابن اثیر ج ص ۱، نہایۃ الارب در اماری ص ۴۴۳، [7] آثار البلاد

حکومت صقلیہ کے مختلف شعبے حکومت صقلیہ کی اسلامی حکومت چند شعبوں میں تقسیم تھی، دیوان الکتاب، یا دیوان الرسائل والانشاء (دفتر وزارت) دیوان الخراج (صیغۂ مالیات) صیغۂ عدالت وقضاجس میں ایک اور شعبہ دیوان المظالم تھا، شرطہ (پولیس) دیوان الجیوش (صیغۂ فوج) اور دیوان الصناعہ (صیغۂ جہازسازی) ان کے لئے علیحدہ عمارتیں خالصہ ہی میں بنی ہوئی تھیں[۱] لیکن اغلبی عہد میں صرف چار بڑے عہدوں کا پتہ چلتا ہے، یعنی والی[۲] سپہ سالار[۳]، قاضی[۴] اور صاحب الخمس[۵]،

دیوان الکتاب، یا دیوان الرسائل والانشاء

وزراء صاحب دیوان کہلاتے، اور ان کا لقب کاتب ہوتا، بعضوں کا تذکرہ الوزیر کے لقب سے بھی ملا ہے، وزراء کا تقرر فرمانروایان صقلیہ کرتے، حکومت کے محکموں کی نگرانی ان کے سپرد تھی، قوانین کا انضباط واجراء کرتے جن میں عوام کی مرضی کا بھی لحاظ رکھا جاتا، ۱۰۱۹ء/۴۱۰ھ میں بعض قوانین کے نفاذ پر شورش ہوئی، جو اس طرح فرو ہوئی، کہ وعدھم ان لایخرج عن رائھم (اور ان سے وعدہ کیا کہ ان کی مرضی سے باہر نہ جائے گا) مجمع نے نہ صرف اس قانون کے نافذ کرنے والے وزیر بلکہ خود اس وزیر کو مقرر کرنے والے صاحب حکومت کی معزولی کا مطالبہ کیا جو پورا کیا گیا[۱]،

صقلیہ کے وزراء یا کتاب کا تذکرہ بحیثیت عمدہ دار شاعر کے ابن القطاع نے کیا تھا، جن میں سے بعض کے نام ابن سعید اور اصفہانی نے نقل کئے ہیں، بعض نام عام تاریخوں میں آگئے ہیں، اور چند نام متفرق طور پر یاقوت، اور قفطی وغیرہ سے مل سکتے ہیں، اس طرح صقلیہ کے ۲۰ وزراء کے نام دستیاب ہو سکے ہیں[۲]،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۳) قزوینی، ص ۲۷۳، انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا طبع یازدہم ج ۲۵ ص ۱۱ ذکر بالرمہ، [۱] کتاب المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۰، [۲] نہایۃ الارب در اماری ص ۴۴۴، ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۳۰ [۳] الاکان المسلیہ در یادگاری اماری ج ۱ ص ۲۲۵، کتاب المشترک وضعاً والمفترق صقعاً، یاقوت در اماری ص ۲۲۳، خریدۃ القصر در اماری ص ۵۰۹ تا ۵۹۵ و ۶۰۱ و کتاب اخبار الرواۃ قفطی در اماری ص ۶۰۴ اور تاج العروس ج ۲ ص ۳۴۳،

دیوان الخراج یا صیغۂ محاصل

دیوان الخراج کے افسر اعلیٰ کو "صاحب الخمس" کہتے تھے، جو حکومت کے معزز عہدوں میں تھا، ۲۹۹ھ میں حسن بن احمد والی صقلیہ کی قائم مقامی خلیل صاحب الخمس نے کی[1]، صاحب الخمس جزیرے کے مداخل و مخارج کا نگران تھا، جس کے ماتحت افسر ہر شہر میں بطور محصل متعین تھے[2]، محاصل کی مدین فقہ اسلامی کے مطابق تھیں، صرف قانون عشر رائج نہ تھا، حسن بن محمد باغائی الکاتب نے ۱۱۹ھ میں اسی کو رائج کرنا چاہا، اور شورش برپا ہوئی[3]، عیسائیوں پر جزیہ عائد تھا، جس کے محصل بعض یورپین بیان کے مطابق عیسائی عہدہ دار تھے[4]، عرب مورخین بھی ایک موقع پر ایک عیسائی سربراہکار کے جزیہ لانے کا تذکرہ کرتے ہیں[5]، جزیہ کی مقدار و نوعیت وہی تھی، جو اسلامی قانون میں مذکور ہے، یورپین مورخین کی رائے ہے کہ یہ رقم مجموعی طور پر بیان کی پیشرو حکومت بیزنطی کے عائد کردہ محاصل سے کم تھی، اور ان کی وصولی کے طریقوں میں بھی آسانیاں تھیں[6]،

صیغۂ عدالت و قضاء

یوں تو صقلیہ میں عہدۂ قضاء کی بنیاد رسماً و مجازاً اسی وقت پڑی، جب فرمانروائے افریقہ نے قاضی اسد سے روانگی کے وقت کہا، تم عہدۂ قضا سے معزول نہیں کئے گئے، تمہیں ولایت بھی سپرد ہوئی اور تمہارا لقب "قاضی امیر ہوگا"[7]، اس کے بعد عہد اغالبہ میں افریقہ سے قضاۃ آتے رہے،

دار القضا کی عمارت شاندار تھی، قاضی ابوعمرو محمد بن میمون (۳۰۴ھ) جب اپنے عہدہ پر پہنچے،

---

[1] ابن اثیر ج ۸ ص ۳۰-۲۹، نہایۃ الارب در اماری ص ۴۲۵، [2] تمدن عرب ص ۲۰۲، [3] ابن اثیر ج ۱ ص ۱۳۰، نہایۃ الارب در اماری ص ۴۴۴، [4] تمدن عرب لیبان ص ۲۰۲، [5] ابن اثیر ج ۸ ص ۲۵۶ وغیرہ، [6] تمدن عرب لیبان ص ۲۰۲، اخبار الاندلس، سلاطِ ج ۲ ص ۴۴، [7] معالم الایمان ج ۲ ص ۱۴، ریاض النفوس در اماری ص ۱۸۳ و ۱۸۶،

تو استقبال کے بعد دار القضاء میں ٹھہرائے گئے، مگر اپنی فروتنی اور سادہ مزاجی سے یہ کہہ کر اس میں فروکش نہ ہوئے کہ یہ اکابر و علماء کی قیامگاہ ہے، اور ایک دوسرے مکان میں اٹھ آئے،[۱] قاضی دار الحکومت میں رہتا، اسکے ماتحت صوبوں میں ایک قاضی اور ایک منشی مقرر تھا، عیسائیوں کے لئے جداگانہ عدالتیں قائم تھیں جنمیں اسلامی قانون کے بجائے عیسوی قانون رائج تھے،[۲]

صقلیہ میں بعض سیاسی حالات کے باعث عصبیتیں پیدا ہوگئی تھیں، جن سے سازشوں اور باہمی مخالفتوں کی گرم بازاری رہتی، اس لئے جھوٹے مقدمے کثرت سے دائر ہوتے تھے، جن سے یہاں کے قضاۃ کو دشواریوں کا سامنا ہوتا، عثمان بن خزار ایک صالح بزرگ عہدۂ قضاء پر مامور ہوئے، تو وہ یہاں کے ان حالات سے ایسے برگشتہ ہوئے، کہ صقلیہ کے تمام باشندوں کی شہادت کلیۃً مردود قرار دے دی اور مقدمات میں باہمی مصالحت کرانے لگے،[۳] لیکن یہ عثمان بن خزار کا کمالِ تقویٰ تھا، عام قضاۃ ان مشکلات پر حاوی ہوتے، اور جانچ پڑتال کر مقدمات کے فیصلے سناتے،

یہی وجہ ہے کہ صقلیہ کے عہدۂ قضاء پر افریقہ کے ممتاز و تجربہ کار فقہا مامور کئے جاتے، جو بالعموم پہلے افریقہ کے صیغۂ عدالت و قضا میں کام کر چکے ہوتے، مثلاً قاضی ابو الربیع سلیمان بن سالم الکندی القطان المعروف بابن کحالہ المتوفی ۲۸۹ھ ۲۸۱ھ میں یہاں کے عہدۂ قضاء پر آئے، وہ ورود صقلیہ سے پیشتر اولاً ولایت باجہ کے قاضی تھے، پھر قیروان کے دیوان المظالم کے افسر مقرر ہوئے، جنھیں سو دینار تک کے مقدمات کی سماعت کا حق انھیں کو حاصل تھا،[۴] اسی طرح مثلاً قاضی ابو القاسم محمد بن خالد القیسی المعروف بہ طراطری متوفی ۲۹۹ھ صقلیہ کے عہدۂ قضاء پر آنے سے پیشتر قیروان کے محتسب تھے،[۵]

۱ ریاض النفوس مالکی در آماری ص ۱۰۳، ۲ تمدن عرب لیبان ص ۱۰۳، ۳ معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۶
۴ معالم الایمان ج ۲ ص ۱۳۶، ۱۳۷، دیباج المذہب ص ۱۱۹، ترتیب المدارک در یادگاری مضامین ج ۱ ص ۲۴۴
۲۴۹، ۵ ریاض النفوس در آماری ص ۱۰۹، ترتیب المدارک ج ۱ ص ۳۶۰،

قضاۃ کا تقرر والی صقلیہ کی طرح براہ راست حکومت افریقیہ کی جانب سے ہوتا تھا، اور حکومت افریقیہ میں اس عہدہ کے لئے انتخاب کرنے کا حق وہاں کے قاضی القضاۃ کو حاصل تھا، وہ مختلف ولایتوں کی طرح صقلیہ کے لئے بھی قاضی مقرر کرتا[1]، صقلیہ میں یہ قضاۃ اگرچہ اپنے عہدہ کی ذمہ داریوں میں مختار کل تھے، تاہم والی صقلیہ کے ماتحت ہوتے تھے، اور قضاۃ کے استعفے قبول کرنے کا اسے حق حاصل تھا، مثلاً قاضی ابو عمرو محمد بن میمون نے کبرسنی کے باعث جب خدمت قضارت سے علٰحدگی چاہی، تو اپنا استعفا والی صقلیہ ہی کی خدمت میں پیش کیا[2]۔

صقلیہ کے قضاۃ کا تذکرہ تاریخوں میں صقلیہ کے حوادث سنین کے ذیل میں بجز دو ایک ناموں کے موجود نہیں، البتہ طبقات میں ایسے فقہا کے نام اور حالات ملے جو صقلیہ کے عہدۂ قضار پر مامور تھے، ایسے گیارہ فقہا کے نام اب تک دستیاب ہوئے ہیں، لیکن ظاہر ہے، صقلیہ کے قضاۃ کی یہ مکمل فہرست نہیں، بعض قضاۃ کے سوانح میں اُن کے طریق قضار وغیرہ کی تفصیل بھی ہے، ان قضاۃ کے تذکرے معالم الایمان ج ۲ ص ۱۴۱، ۱۳۶، ۲۴۷، دیباج المذہب ص ۱۱۹، ۲۳۴، ترتیب المدارک در یادگاری ج ۱ ص ۲۴۴، ۲۴۹، ۲۷۰، ریاض النفوس در اماری ص ۱۸۹، ۱۹۳، کتاب العبر فی خبر من عبر ذہبی ص ۲۶۰، طبقات ابی العرب در یادگاری ج ۲ ص ۱۹۹، ابن اثیر ج ۸ ص ۳۰۲، ۳۰۵، نہایۃ الارب در اماری ۴۲۵، ۴۲۶، الالحان المسلیہ در یادگاری ج ۱ ص ۹۷، خریدۃ القصر در اماری ص ۵۹۹، اور معجم البلدان ج ۵ ص ۳۰۷ میں موجود ہیں۔

دیوان المظالم دیوان المظالم بھی صیغۂ عدالت وقضا کی گویا ایک شاخ تھی، جس میں عمال حکومت کے خلاف

---

[1] اس طریق کا پتہ معالم الایمان میں افریقیہ کے قاضی القضاۃ اور ولایات افریقیہ کے قضاۃ کے تراجم کے استقصار سے چلتا ہے، مثلاً اسی صقلیہ کے قاضی ابن کمالہ کے تذکرہ میں ملتا ہے، کہ انہیں باجہ کی قضارت پر ابن طالب قاضی القضاۃ افریقیہ نے بھیجا اور دیوان المظالم اور صقلیہ کی قضارت عیسیٰ بن مسکین قاضی القضاۃ افریقیہ نے ان کے سپرد کی، معالم ج ۲ ص ۱۳۶، ۱۳۷، [2] معالم الایمان ج ۲ ص ۲۴۷،

استغاثے دائر ہوتے، اوران کی بدعنوانیوں کا تدارک کیا جاتا، صقلیہ کے عہد اسلامی میں دیوان المظالم کا تذکرہ نویری نے کیا ہے، کہ نارمنوں نے اسی کے مطابق اپنے عہد میں بھی یہ عدالت قائم کی، نیز عیسائی مورخین بھی بالعموم اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔[1]

شرطہ (پولیس)

شرطہ (پولیس) کے افسر اعلیٰ کو "صاحب الشرطہ" کہتے تھے، ابوالفضل احمد بن علی صاحب الشرطہ کا تذکرہ اصفہانی نے کیا ہے۔[2] شرطہ کے فرائض تقریباً وہی تھے، جو دور حاضر میں پولیس کے ہیں، ابن المودب القیروانی الشاعر صقلیہ پہنچا، یہاں اس نے ایک جرم کا ارتکاب کیا، گرفتاری کا حکم ہوا، وہ روپوش ہو چکا تھا، ایک دن شراب کے نشہ میں مست باہر نکل آیا، صاحب الشرطہ نے گرفتار کر لیا، اور فرمانروائے صقلیہ ثقۃ الدولۃ کی خدمت میں پیش کیا، کہ اسی کی شان میں ہجو لکھ کر یہ مصیبت مول لی تھی، (ابن خلکان ج ۲ ص ۱۸۲، ترجمہ یحییٰ بن اکثم)

دار الحبس (قید خانہ)

دار الحبس (جیل خانہ) کا رواج اس عہد تک اسلامی ملکوں میں ہو چکا تھا، صقلیہ کا دار الحبس خالصہ (بلرم) میں قائم تھا جس کی مستقل عمارت کا تذکرہ ابن حوقل نے کیا ہے۔[3]

دیوان الجیوش

اسلامی حکومتوں میں لفظ دیوان کا اطلاق ابتدائً فوجی دفتر ہی پر ہوا، اگرچہ بعد میں دوسرے صیغوں سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے اس کو بھی دیوان الجیش یا دیوان الجیوش کہنے لگے، دولت کلبیہ کے استقلال سے پیشتر تک صقلیہ کی فوج کی فراہمی افریقیہ میں ہوتی تھی، اور حسب ضرورت کمک آتی رہتی،

---

[1] تمدن عرب لیبان، التمدن الاسلامی جرجی زیدان، "عربوں کا تمدن"، ڈاکٹر جوزف ہیل، [2] خریدۃ القصر در فارسی ص ۵۹۵، [3] المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۳،

حکومت صقلیہ کی نگرانی میں رومی مقبوضات پر مجاہدانہ تاختیں ہوتیں، لوگ ذوق سے شریک ہوتے، خصوصاً اس لئے کہ پاپائے روما کی طرف سے صقلیہ کے خلاف مذہبی جنگ کا اعلان ہوتا[1]،

تاہم صقلیہ میں بھی فوج کا اہتمام رہتا تھا، جب ضرورت پڑتی افریقیہ کی کمک کے علاوہ یہاں کی فوج کیل کانٹے سے درست کیجاتی[2]، مثلاً احمد کے عہد حکومت میں ابن اثیر ایک موقع پر لکھتا ہے،

"یہ خبریں امیر احمد امیر صقلیہ تک پہنچیں، اس نے المعز کے پاس افریقیہ پیغام بھیجا، اور حقیقت حال سے آگاہ کیا، اور اس سے امداد اور کمک طلب کی، اور خود جنگی بیڑے کی اصلاح و درستی اور اس میں اضافہ کرنا شروع کیا، بری و بحری سپاہ جمع کی، اور ادھر المعز نے فوج کی فراہمی شروع کی[3]. . . . ."

لیکن دولت کلبیہ کے معنًا استقلال کے بعد یہ ذمہ داری حکومت صقلیہ کے سر عائد ہوئی[4]، مثلاً ۳۶۵ھ ۹۷۵ء میں ابو القاسم نے اوتھو دوم کے مذہبی حملہ کے جواب میں فوجکشی کی، تو ساری فوج صقلیہ میں اکٹھا کی گئی، جس میں جزیرہ کے علماء و صالحین نے بھی شرکت کی[5]،

صقلیہ کی فوج میں قبائلی تقسیم تھی، ۲۱۲ھ کے پہلے حملہ ہی میں دس ہزار سپاہ میں عرب و بربر دونوں تھے، فیمی کا رومی لشکر بھی اگرچہ ہمرکاب تھا، مگر اسد نے شرکت جنگ کی ممانعت کردی تھی[6]، مسلمانوں کی چند اور قبائلی تقسیمیں بھی تھیں، جنکا استقصا یہاں مقصود نہیں،

اغالبہ کے عہد تک صقلی فوج کی شکل یہ تھی، کہ ایک مختصر لشکر تو فوج کی حیثیت سے رہتا، باقی فوج اپنی آبادیوں میں شہری زندگی بسر کرتی، اور حسب ضرورت زیر علم آجاتی، لیکن رفتہ رفتہ اس نظام میں فرق آیا، امراء، تجار، صناع، کاشتکار، اور مزدوروں کا طبقہ فوج سے کٹ کر الگ ہوگیا، اور فوجی جماعت

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برطانیکا ج ۲، ص ۴۳، طبع یازدہم، [2] ابن اثیر ج ۹، ص ۱۱۴، [3] ایضاً
[4] ابن اثیر ج ۹، ص ۴۹، [5] ایضاً ، [6] معالم الایمان ج ۲، ص ۲۲۶،

کو ترقی دی گئی، اگرچہ اس دور میں بھی صقلیہ کے تمام مسلمان فوج میں شریک ہو جاتے تھے، اس کی مثالیں یہاں کی سیاسی سرگذشت میں تفصیل سے ملیں گی،

سپہ سالار کا مستقل عہدہ فتح بلرم کے بعد ۲۱۶ھ سے قائم ہوا، یہ دو قسم کے لوگ ہوتے، یا تو وہ والی صقلیہ کے کوئی قریبی رشتہ دار، بھائی یا لڑکے ہوتے، جنمیں سے اکثر بعد میں ولایت صقلیہ پر بھی مامور ہوتے دوسرے وہ لوگ تھے جو افریقہ سے اس منصب پر بھیجے جاتے تھے، لڑائیوں میں بالعموم ولاۃ صقلیہ خود شریک ہوتے، صرف ایک والی ابو الاغلب کی مثال اس سے مستثنیٰ ہے، وہ ۱۶ سال (۲۲۱ھ تا ۲۳۶ھ) (۸۳۵ء تا ۸۵۰ء) تک والی رہا، کبھی جنگ میں شریک نہیں ہوا،[1]

چھاؤنی | صقلیہ میں پہلی اسلامی چھاؤنی مازرین ۲۱۲ھ میں قائم ہوئی،[2] اس کے بعد بلرم اور پھر خالصہ میں مستقل معسکر قائم ہوا،[3] اندرون ملک میں مستحکم قلعوں میں چھاؤنیاں قائم تھیں، ابن القطاع نے اہم قلعوں کی تعداد ۱۳ بتائی ہے،[4] ابن فضل اللہ دمشقی نے ۲۶ اہم قلعوں کو نام بنام شمار کیا ہے،[5] اور ادریسی نے ۵۰ قلعوں کا تذکرہ اہمیت سے کیا ہے،[6]

فوج کا گذارہ | فوج کی تنخواہیں بصورت زر دینے کے بجائے بصورت جاگیر دی جاتی تھیں، شرعی تقسیم کے رو سے مال غنیمت کا وافر حصہ ملتا تھا،[7] جو مقامات بزور شمشیر فتح ہوتے، اور وہاں کے باشندے ادائے جزیہ سے انکار کر چکے ہوتے، فتح کے بعد وہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جاتے، فوج میں داخلہ کے وقت بیش بہا کو بیش قرار رقمیں افریقہ میں دی جاتی تھیں، ابراہیم نے ۲۸۹ھ میں افریقہ سے روانگی کے وقت ۲۰، ۲۰ دینار

---

[1] ابن اثیر ج ۶، ص ۱۲۰، الحلۃ السیراء ابن الابار در اماری ص ۱۳۲، [2] نہایۃ الارب در اماری ص ۴۲۰، [3] المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۳، معجم البلدان ج ۲ ص ۴۶۰، [4] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۵، [5] مسالک الابصار در اماری ص ۱۵۷، [6] نزہۃ المشتاق، [7] ابن اثیر ج ۶، ص ۱۴، ۴۲، اعمال الاعلام در یادگاری ج ۲ ص ۴۷، نہایۃ الارب در اماری ص ۴۳۳ وغیرہ،

سواروں کو، ۱۰۰۰۰ دینار پیادوں میں تقسیم کئے[۱]، اسی طرح ابن اثیر المعز کے متعلق صقلیہ کے لئے ایک فوج جمع کرنے کے تذکرہ میں لکھتا ہے، جمع الرجال وحشر وفرق فیھم الاموال الجلیلہ (اس نے والوں کو جمع کیا اور جلیل القدر رقمیں ان میں تقسیم کیں[۲])

دیوان دار الصناعہ

صقلیہ کے جہازوں، کشتیوں، اور اسلحہ کی تیاری افریقہ میں ہوتی تھی، افریقہ سے جو سپاہ آتی، وہ اسلحۂ جنگ ساتھ لاتی تھی[۳]، ٹیونس میں دار الصناعہ (جہاز سازی کا کارخانہ) قائم تھا، صقلیہ کی ضرورتیں اسی سے پوری ہوتی تھیں[۴]، جب دولت کلبیہ کے عہد میں صیغۂ فوج کی تمام ذمہ داری حکومت صقلیہ ہی پر عائد ہوگئی، تو یہاں بھی دار الصناعہ قائم ہوا، ہوسکتا ہے کہ وہ عہد اغالبہ ہی سے ہو، لیکن کوئی تصریحی ذکر نہیں ملا، صرف فوجوں کی روانگی کے ذیل میں کشتیوں کے جمع کرنے کا ذکر آتا ہے، کلبیین کے عہد میں اسکا اہتمام ایسے اعلیٰ پیمانہ پر ہوا، کہ حکومت کا ایک مستقل شعبہ دیوان دار الصناعہ کہلایا، جو معاً دیوان الجیوش ہی کے ماتحت تھا، اس کے افسر اعلیٰ کو صاحب دیوان الصناعہ کہا جاتا، ابو الحسن علی بن المعلم صاحب دیوان الصناعہ کا ذکر آتا ہے[۵]،

دار الصناعہ صقلیہ کا مرکزی دار الصناعہ خالصہ (بلرم) میں قائم تھا[۶]، جس کے کاریگر اور مزدور زیادہ تر موالی ہوتے تھے[۷]، جہاز سازی کا خام مسالہ صقلیہ ہی سے حاصل ہوتا، جہاز کے لئے لکڑیاں شنت مارکو کے جنگل سے لائی جاتی تھیں[۸]، لوہا بلرم کے قریب کے ایک قصبہ بلہرا کے معدن سے آتا تھا[۹]، جہاز کے رسے ایک قسم کی گھاس بربیرے سے تیار کئے جاتے تھے،

دوسرا دار الصناعہ مینا میں قائم تھا، جس میں اسی کی کان سے لوہا آتا تھا، تیسرا دار الصناعہ اٹلی کے شہر باری

---

[۱] ابن اثیر ج ۸ ص ۷۰ [۲] ایضاً ج ۸ ص ۱۲۴ [۳] ابن اثیر ج ۸ ص ۷۰ [۴] ریاض النفوس مدارای ص ۸۸ الکتاب المونس ص ۳۲، ابن خلدون ج ۱ باب قیادۃ الاساطیل [۵] الاتحاف المسلمیہ مداد یادگاری ج ۱ ص ۲۹۶ [۶] ابن حوقل [۷] ابن اثیر ج ۸ ص ۱۰۹ [۸] نزہۃ المشتاق ذکر شنت مارکو، [۹] نزہۃ المشتاق ذکر بلرم،

میں تھا جو اٹلی کی اسلامی حکومت کی ضروریات میں مدد دیتا،[۱]

جنگی بیڑے | ایک بیڑے میں بالعموم تین قسم کی کشتیاں ہوتی تھیں، صقلیہ کے جنگی بیڑے ایسے جہازوں اور اور کشتیوں پر مشتمل ہوتے، جو لکڑیوں سے بنتیں، اور لکڑیاں لوہے کی میخوں سے باہم پیوستہ ہوتیں، اور ڈانڈا اور بادبان کے ذریعہ چلائی جاتیں، اس دور میں بحر روم میں ایسی ہی کشتیاں چلتی تھیں،[۲] وہ تین قسم کی کشتیاں شینی، مراکب اور طریدہ ہیں،

شینی جس کی جمع شوانی و شینیات آتی ہے، اور جسے غراب بھی کہتے ہیں، ایک سو چالیس ڈانڈوں سے چلائی جاتی تھی، اور اس پر سوار اور ملاح سوار ہوتے تھے، مراکب سامان رسد اور اسلحہ کیلئے بیڑے کے ساتھ ہوتیں، طریدہ ایسی چھوٹی کشتیوں کو کہتے تھے، جن پر گھوڑے وغیرہ لیجائے جاتے، دو قسم کی اور کشتیاں حربیا اور قطعہ رائج تھیں، صقلیہ کے معمولی بیڑوں میں بالعموم شوانی و مراکب ہوتیں، اور انہیں پر سپاہ سوار ہوتی،[۳] یہ بیڑے امیر البحر کے ماتحت ہوتے، جسے امیر البحر یا امیر الاساطیل کہتے تھے،

سپاہیوں کے اوزار میں قدیم اسلحہ تلوار، نیزے، تیر کمان، ڈھال، خود اور زرہ کا استعمال تھا، محاصرہ شکن آلات میں منجنیق جس سے پتھر برساتے، اور دبابہ کا استعمال تھا، جس سے نقب لگاتے اور نقب زن اسی میں بیٹھے اندر پہنچ جاتے، دبابہ کے متعلق دور حاضر کے ایک اہل علم کا خیال ہے، کہ وہ موجودہ عسکری آرمرڈ ٹینک سے ظاہری شکل و صورت اور حاجت روائی میں مشابہ تھا،[۴] صقلیہ میں ان آلات کا تفصیلی ذکر قصریانہ اور سرقوسہ کے محاصروں میں آتا ہے،

---

[۱] مسالک الابصار دادری ص ۲۶۵، نزہۃ المشتاق ذکر مسینا و باری و رحلہ ابن جبیر [۲] سفرنامہ سلیمان تاجر ص ۸۸، [۳] حوالہ کیلئے ابن اثیر کے ان حوادث میں دیکھا جائے جنمیں صقلیہ کے بحری حملوں کا ذکر آیا ہو، سنہ ۸ھ کے ایک نارمن بیڑے کے ضمن میں ان کا مجموعی تذکرہ بھی ہو اور کشتیوں کی نوعیت کی تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ جزیرہ صقلیہ من حین دخلہا المسلمون، و تمدن عرب ضمیمہ ۲ ص ۹، [۴] خطط الشام کرد علی۔

آتشیں مادے: آتشیں مادوں میں نفت اور نار یونانیہ کا استعمال تھا، نفت ایک قسم کا آتشیں سیال مادہ تھا جسکو شیشہ کی بوتلوں میں بند کرتے، اور ایک گرز اس میں پیوست کرتے، اور سوار سپاہ ان گرزوں کو گھما گھما کر دشمنوں پر اچھالتے[1]، نفت صقلیہ ہی سے حاصل ہوتا تھا، اس کے تین بڑے کنویں کوہ اٹنا کے دامن میں تھے، مسلمانوں نے اس کے نکالنے کا اہتمام کیا تھا، اسے ان کنووں میں سے کاچھ کاچھ کر نکالنا پڑتا جس کے لئے ان میں اترنے کی ضرورت تھی، لیکن کنووں کی آتشیں لہروں سے سانس لینا محال تھا، ایک خاص قسم کے لبادے تیار کئے گئے تھے ان کو پہنکر ان میں اترتے، برتن پہلے سے اتارے جا چکے ہوتے، انہیں میں سیال مادے کو جمع کر کر کے اوپر بھیجے جاتے، اس سیال مادہ پر ایک قسم کی جھاگ اٹھتی تھی، اسی کو چھانٹ چھانٹ کر بوتلوں میں بند کرتے[2]، اور نار یونانیہ (آتش یونانی) کے استعمال کا ذکر بالعموم بحری لڑائیوں میں ملتا ہے، یہ پانی میں بجھتی نہ تھی، صقلیہ میں اس کے سب سے پہلی مرتبہ استعمال کا ذکر ۲۲۱ھ کی بحری لڑائی میں ملتا ہے[3]، موسیو لیبان کی تحقیق میں یہ گندھک گوند اور چربی وغیرہ سے بنتی تھی، اور ایک دوسرے محقق کا خیال ہے کہ نفت اور آتش یونانی دونوں ایک ہی چیزیں ہیں، مگر ظاہر نظر میں اس کی کوئی وقیع دلیل نہیں[4]،

خفیہ خبر رسانی: صقلیہ کی اسلامی فوج میں خفیہ خبر رسانی کے وسائل موجود تھے، اسلامی حکومت کے جاسوس دشمنوں کے ملکوں سے خبریں لاتے، مثلاً ۲۴۵ھ میں والی صقلیہ خفاجہ کو ایک بزنطی بیڑے کی قسطنطنیہ سے روانگی سے پیشتر اس کی خبر جاسوسوں سے ملی، اسی طرح ۲۸۹ھ میں ابراہیم کے فتح طبرمین کی خبر سے جب قسطنطنیہ میں اضطراب ہوا، اور وہاں صقلیہ پر حملہ کی تیاریاں ہوئیں، تو ابراہیم کو خبر ملی، اور جواباً قسطنطنیہ پر اپنی حملہ آوری کی افواہ مشہور کرائی، اسی طرح صقلیہ کے مختلف شہروں قسینی وغیرہ کی فتح میں جاسوسوں سے مدد ملی، اور زمانہ

---

[1] النفح القسی ص ۲۰۳، ابن خلدون ج ۴، ص ۱۰۰، [2] آثار البلاد و اخبار العباد قزوینی ص ۱۴۲، [3] ابن اثیر ج ۶ ص ۲۳۹، [4] تمدن عرب لیبان ص ۴۹۳ و مقالہ جارج یعقوب "مشرق کا اثر مغرب پر" ترجمہ اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۶ء

کبوتروں سے خفیہ پیغام رسانی کا کام بھی لیا جاتا، جزیرہ قوصرہ کے مسلمانوں نے نارمنوں کے مہدیہ پر حملہ آور ہونے کی اطلاع نامہ بر کبوتروں کے ذریعہ سے وہاں پہنچائی، اور وقت پر تدارک کیا گیا[1]،

اسیران جنگ صقلیہ کے عہد اسلامی کے دور میں بین الاقوامی دستور جنگ کے مطابق لڑائیوں کے ایسے قیدی جنھیں متحارب حکومت اپنے کسی معاہدہ سے آزاد نہیں کراتی، وہ فتحیاب فوج کے غلام بنائے جاتے، صقلیہ کی اسلامی حکومت کے قبضہ میں بھی ایسے غلام آئے تھے، لیکن وہی باشندگان صقلیہ جو کبھی رومی حکومت کے غلام بنکر اسپنی تھیٹر میں درندوں کے سامنے شکار بنا کر چھوڑے جاتے تھے[2]، جب اپنے جدید فاتحین مسلمانوں کے پاس پہنچے، تو ان کے دوسرے مناظر دکھائی دیئے، اور ان میں سے جس میں جیسی استعداد تھی، ویسے ہی مراتب و مناصب اس نے حاصل کئے،

جوہر صقلی فاتح مصر کا نام اسلامی تاریخ میں روشناس ہے، وہ صقلیہ میں صارب صقلبی کے ہاتھوں گرفتار ہوا، اور دست بدست فروخت ہوتا، المنصور کے دربار میں پہنچا، اور کچھ ہی دنوں بعد القائد ابو الحسن جوہر صقلی کہلایا[3]، وزارت و سپہ سالاری کے عہدہ پر آیا، اور فتح مصر کے لئے اس شان سے نکلا، کہ خود گھوڑے پر سوار رہے اور ولیعہد اور ارکان دولت اس کی مشایعت میں پیادہ پا ہیں، فتح مصر کے بعد شہر قاہرہ کی تخطیط اسی صقلی نے کی، جامع ازہر کی بنیاد اسی صقلی نے ڈالی، اور پھر مصر اسی کی تحریک سے فاطمیوں کا پایہ تخت بنا[4]،

اسی طرح اس دور میں بکثرت صقلی غلام ممتاز عہدوں پر مامور ہوئے، مثلاً ابن یانس صقلی العزیز (۳۶۵ھ / ۹۷۵ء – ۳۸۶ھ / ۹۹۶ء) کے دربار میں تھا، برقہ و طرابلس الغرب کا والی بنا[5]، (۳) بشری الصقلی القائم (۳۲۲ھ / ۹۳۳ء – ۳۳۴ھ / ۹۴۵ء) کا خادم اور اس کے عہد میں سپہ سالار تھا[6]، (۴) زیدان الصقلی ۲۹۲ھ میں طرابلس الغرب کی ولایت

---

[1] ابن اثیر و نہایۃ الارب، [2] اسٹوری آف دی نیشنس ج ۱ ہ سسلی از فریمان، [3] الحلۃ السیراء در اماری ص ۱۰۶

[4] ابن خلدون ج ۴ ص ۴۷، ۴۸ و ۵۸ تا ۵۹، خطط مقریزی ج ۲ ص ۲۰۵، ۱۶۹، ج ۴ ص ۴۹ وغیرہ [5] رحلۃ التیجانی در اماری ص ۵۰۳، مرآۃ الزمان ابن جوزی در اماری ص ۲۲۶ [6] ایضاً،

کی ولایت پر مامور ہوا[1]، (۵) قیصر الصقلی المعز (۳۴۱ھ تا ۳۶۵ھ، ۹۵۲ء تا ۹۷۵ء) کے عہد میں صوبہ باغایہ کی ولایت پر تھا[2]، (۶) مظفر الصقلی بھی اسی کے عہد میں جوہر کا ماتحت افسر پھر الحاکم (۳۸۶ھ تا ۴۱۱ھ، ۹۹۶ء تا ۱۰۲۰ء) کے عہد میں ارکان حکومت میں تھا[3]، (۷) قائد طارق الصقلی سنہ ۳۸۴ھ میں دمشق کا والی تھا[4]، (۸) نصیر الصقلی المعز (۳۴۱ھ تا ۳۶۵ھ، ۹۵۲ء تا ۹۷۵ء) کے عہد میں ارکان دولت میں تھا، پھر باغایہ کا والی مقرر ہوا[5]، اور (۹) باسیل الصقلی عبدالملک بن محمد بن ابی عامر (اندلس) کے عہد (۳۹۲ھ) میں وزارت عظمیٰ کے عہدہ پر فائز تھا[6]،

(باقی)

---

[1] ابن خلدون ج ۴ ص ۴۸، [2] ایضاً [3] کتاب المونس ص ۷۰ و ابن خلدون ج ۴ ص ۶۱، [4] رحلۃ التیجانی درامارس ص ۵، ۳ [5] کتاب المونس ص ۶۱، [6] البیان المغرب ج ۲ ص ۲۵، ۲۶ طبع پیرس ۱۹۳۰ء،

امام سفیان ثوری کے سوانح حیات

اور ان کی تصنیفات

(۲)

از مولوی امتیاز علی خانصاحب عرشی ناظم کتبخانہ رامپور

عام حالات، ابتدا اً بنی عباس فاطمیین کی حمایت میں حکومتِ امویہ کی مخالفت کرتے تھے لیکن جب محمد حنفیہ کے صاحبزادہ ابو ہاشم عبد اللہ نے اپنی وفات کے قبل سفاح کے والد محمد بن علی کو اس تحریک کا علمبردار بنا دیا، تو عباسی مساعی کا رنگ بدل گیا، محمد نے بظاہر حقوق بنی فاطمہ کیلئے پروپیگنڈا کیا، لیکن درپردہ وہ عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتے رہے، اور جب ان کے بعد اموی خلافت کا شیرازہ منتشر ہوا تو خود ابو العباس سفاح نے کوفہ میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا،

کوفہ امیر المومنین علیؓ کے ہوا خواہوں کا مرکز تھا، اسلئے وہاں کے علما، اور سیاسی مدبرین کو یہ امر ناگوار ہوا، اور یہ لوگ حکومت پر نکتہ چینیاں اور فاطمی مدعیانِ خلافت کی عملی امداد کرنے لگے، اس زمانہ میں علما و محدثین کا حلقۂ اثر تمام عالم اسلامی کو محیط ہوتا تھا، اسلئے مدعیانِ خلافت سے ہٹ کر حکومتِ عباسیہ نے حامیانِ بنی فاطمہ کی طرف توجہ مبذول کی، اور بلطائف الحیل تمام با اثر اصحاب کو اپنے راستہ سے ہٹا دیا، ان میں بعض اصحاب نے وظائف قبول کر لئے بعض اراکین حکومت میں شامل ہو گئے، بعض نے روپوشی اختیار کر لی، اور کچھ قتل کر دیے گئے،

سفیان اور منصور، سفیان بھی حکومت کی جابرانہ حکمت عملی پر نکتہ چینیاں کیا کرتے تھے، چنانچہ ۱۴۵ھ

منصور نے حج کیا[1]، تو اتفاق سے سفیان بھی وہان موجود تھے، انھون نے سلیمان خواص سے کہا چلو منصور کو سمجھائین، اگر وہ مان گیا، تو مسلمانون کو فائدہ پہنچے گا، اور ہمیں اجر ملے گا، سلیمان قدرے جھجکے، لیکن آخر راضی ہوگئے، اسوقت منصور منیٰ میں موجود تھا، پہلے سلیمان اس کے پاس گئے، اور وعظ ونصیحت کرکے چلے آئے، ان کے بعد سفیان اندر داخل ہوئے، منصور نے کہا آئیے یہاں میرے پاس آجائے، سفیان نے کہا، میں اوس شے پر جو نہ میری ملکیت ہے، نہ آپ کی، کس طرح قدم رکھ سکتا ہون، منصور نے غلام کو حکم دیا کہ زمین اور فرش تہ کرکے الگ رکھدے سفیان آگے بڑہے، اور منصور کے روبرو زمین پر بیٹھکر آیت منہا خلقنا کم وفیہا نعید کم ومنہا نخرجکم تارۃً اخری، (اسی خاک سے ہمنے تمھیں بنایا، اسی میں لیجائین گے، اور ہم اسی میں سے دوبارہ تمھیں نکالیں گے،) پڑھی، منصور کی آنکھیں اشک آلود ہوگئین، سفیان نے بلا اجازت گفتگو شروع کردی، اثنائے وعظ وپند میں لہجہ قدرے درشت ہوچلا تو حاجب دربار نے کہا کہ او شخص تیری جان کی خیر نہیں معلوم ہوتی، سفیان نے کہا، تو پھر دیر کیا ہے، ابھی سہی،

منصور نے کوئی مسئلہ دریافت کیا، سفیان نے اس کا جواب دیکر کہا، امیر المومنین حضرت عمرؓ نے ایک حج کیا تھا جس کے تمام مصارف پر ۱۶ دینار خرچ ہوئے تھے، فرمایا تھا کہ

ما ارانا الا وقد اجحفنا بیت المال یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں نے سارا بیت المال لیلیا،

آپ نے خدا اور امت محمدیہ کا بیشمار مال بغیر اجازت صرف کیا ہے، آپ اس بارہ میں کیا کہیں گے، بالخصوص جب کہ آپ کو وہ حدیث بھی معلوم ہے، جو منصور بن عمار نے آپ کی موجودگی میں بیان کی تھی، اور سب کے پہلے آپ ہی نے اوس کو نوٹ کیا تھا، کہ ابراہیم نے اسود سے، اسود نے علقمہ سے، اور علقمہ نے ابن مسعود سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا کہ بہت سے اللہ اور اوس کے رسول کے مال کو اپنی خواہش کے مطابق خرچ کرنے والے کل قیامت میں آگ کے مستحق ہون گے، ابو عبد اللہ کاتب نے کہا کہ

[1] الاخبار الطوال ص ۳۸۱ میں منصور کے صرف دو حج ایک سنہ ۱۴۴ھ میں اور دوسرا سنہ ۱۴۷ھ میں ثبت کئے گئے ہیں،

امیرالمومنین اب اس شخص کو قتل کر دینے کا حکم دیدیجئے، کیونکہ اس سے زیادہ مستحق قتل کوئی نہ ہوگا، منصور نے کہا چپ "خدا کی قسم مالک بن انس اور اس شخص کے سوا آج روے زمین پر کوئی نہیں جس سے میں شرم کرتا ہوں"[۱]

کوفہ سے روپوشی، اس ملاقات کے بعد سفیان نے منصور کے خلاف اپنی آواز زیادہ بلند کرنی شروع کر دی، منصور نے انھیں سلسلۂ حکومت میں منسلک کرنا چاہا، مگر اونھوں نے انکار کر دیا، منصور نے حکم دیا کہ سفیان کو گرفتار کر کے دربار میں حاضر کیا جائے، جب انھیں اس حکم کی اطلاع ہوئی، تو وہ کوفہ سے روپوش ہوگئے،[۲]

سمعانی کے بیان کے مطابق یہ نصف ذی قعدہ ۱۴۴ھ کا واقعہ ہے، عسقلانی ثوری کے شاگرد ابونعیم کے حوالہ سے لکھتے ہیں، کہ ثوری نے ۱۵۵ھ میں کوفہ چھوڑا، اور پھر تاحیات وہاں واپس نہ جاسکے[۳] لیکن انھیں ابونعیم سے نووی ۱۵۰ھ روایت کرتے ہیں[۴]

بہرحال جسوقت سفیان نے کوفہ کو خیرباد کہا، معدان اون کے ہمراہ تھے، وہ بیان کرتے ہیں، کہ سفیان کو اس امر کا افسوس تھا، کہ اب کوفہ میں کوئی معتمد و معتبر ہستی نظر نہیں آتی،[۵]

ورود یمن، عدود عراق سے نکل کر سفیان نے یمن میں سکونت اختیار کی، لیکن یہاں بھی چین نصیب نہیں ہوا، ہر وقت حکومت بغداد کے جبر و استبداد کا خوف دامنگیر رہتا تھا، اس لئے یہاں سے

---

[۱] یہ تمام تفصیل کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص ۱۴۹، سے ماخوذ ہے، لیکن ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۹۰ میں الفریابی کی زبانی خود ثوری سے نقل کیا ہے، کہ حضرت عمرؓ کے مصارف حج کا واقعہ انھون نے مہدی سے بیان کیا تھا، اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ مہدی نے اس پر کہا تھا کہ پھر کیا میں تمھاری طرح ہوجاؤں، تو سفیان نے جواب دیا تھا کہ اگر تم مجھ جیسے نہ بنیے تو پھر تو اپنی حالت سے فروتر ہوگئے، [۲] یہ سمعانی کا بیان ہے لیکن کفوی نے لکھا ہے کہ ثوری گرفتار ہوگئے تھے، اور اپنے سپاہیوں کے ہاتھ سے چھوٹ کر بھاگ گئے، [۳] تہذیب عسقلانی جلد ۴ ص ۱۱۳، [۴] تہذیب الاسماء ص ۲۲۶، [۵] الذیل الطبری ص ۱۰۱

سفیان مکہ چلے گئے۔ لے

درودِ مکہ۔ سفیان کا خیال تھا کہ مکہ میں امن نصیب ہوگا، لیکن ان کا یہ خیال بھی خام نکلا، یہاں اونھیں دوسرے مقامات سے زیادہ تکالیف ومصائب کا سامنا کرنا پڑا، بسا اوقات کئی کئی فاقے بھی ہو گئے۔ ابوشہاب الحناط، سفیان کے دوست بیان کرتے ہیں، کہ جس زمانہ میں سفیان مکہ میں روپوش تھے، انکی بہن نے میرے ہاتھ کچھ خشک میوہ بھیجا، مکہ پہنچکر پتہ چلا کہ وہ کعبہ کی پشت پر باب الحناطین کے قریب بیٹھا کرتے ہیں، میں وہاں پہنچا تو سفیان چت لیٹے ہوئے تھے، میں نے پاس جاکر سلام کیا، مگر انھوں نے نہ تو سلام ہی کا جواب دیا، اور نہ یہ دریافت کیا کہ تم کون ہو اور کب آئے ہو، میرے ساتھ اونھوں نے پہلی بار یہ حرکت کی تھی، اسلئے میں نے از خود کہا، لیجئے، آپ کی بہن نے میوہ بھیجا ہے، میوہ کا نام سنتے ہی سفیان بول اُٹھے، لاؤ کہاں ہے، اور یہ کہکر اٹھ بیٹھے، میں نے کہا ابوعبداللہ میں تمھارا دوست ہوں، مگر جب میں نے آکر سلام کیا، تو تم نے جواب تک نہیں دیا، اور جب میں نے یہ کہا کہ میوہ لایا ہوں، تو اٹھکر باتیں شروع کردیں، حالانکہ میرے مقابلہ میں میوہ کی کوئی حیثیت نہیں، اس پر سفیان نے کہا ابوشہاب! مجھے ملامت نہ کرو، آج تین دن سے میرے منہ میں کھیل تک اڑکر نہیں گئی ہے، یہ بات سُن کر میں نے انھیں معذور تسلیم کرلیا۔ ؎

گرفتاری۔ آخر سرکار منصور کو پتہ چل گیا کہ سفیان مکہ میں مقیم ہیں، اوس نے ۱۵۸ھ میں عامل مکہ محمد بن ابراہیم کو لکھا، کہ سفیان اور چند دیگر اصحاب کو (جن کے نام خط میں تحریر تھے) گرفتار کرکے دربارِ خلافت میں بھیجدیا جائے، محمد بن ابراہیم نے سفیان کو بلاکر دریافت کیا وہ بغداد جانا چاہتے ہیں، یا نہیں، سفیان نے انکار کیا، تو اوس نے مشورہ دیا کہ پھر روپوشی مناسب ہے، سفیان روپوش ہوگئے، بظاہر شہر میں ان کی روپوشی کا ڈھنڈورا پیٹ دیا گیا، اور گرفتار کرنے والے کو معقول انعام کا وعدہ کیا گیا، لیکن درپردہ آزادی میسر تھی، اس لئے

لے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ذکر سفیان ثوری ؎ یہ تفصیل ابن سعد جلد ۶ سے ماخوذ ہے۔

سفیان مکہ ہی میں مقیم رہے، اور معتبر اصحاب سے ملتے جلتے رہے،

یہ ابن سعد کا بیان ہے لیکن طبری (جلد ۳ ص ۳۸۵) کہتا ہے، کہ عامل مکہ نے سفیان کو گرفتار کر لیا تھا، بعد ازاں بغیر اذن منصور رہا کر دیا، چنانچہ اس وجہ سے منصور محمد بن ابراہیم سے ناراض بھی ہو گیا تھا،

سفیان کی بد دعا، اسی سال منصور نے سفر حج کا ارادہ کیا، اور یہ تہیہ کر لیا کہ ثوری کو قتل کر کے چھوڑے گا، چنانچہ اون کی گرفتاری میں تاکید کی گئی، اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے چند خشابین مکہ روانہ کر دیئے گئے، اونھون نے مکہ پہنچکر سولی نصب کر دی، اور وقت کے منتظر رہے جسوقت یہ خبر مکہ پہنچی، سفیان حرم میں فضیل بن عیاض کی گود میں سر اور ابن عیینہ کی گود میں پیر رکھے سو رہے تھے، یہ دونون اصحاب اس خبر سے بے حد متوحش ہوئے، اور از راہ شفقت انھیں جگا کر کہا سفیان برائے خدا دشمنون کو ہم پر ہنسنے کا موقع نہ دو، سفیان اٹھے ملتزم کے پاس جا کر بیت اللہ کا پردہ پکڑا، اور دعا کی، رب کعبہ! منصور کو کعبہ میں آنا نصیب نہ ہو[۱]

منصور کی موت، سفیان کی دعا قبول ہوئی، منصور راستہ مین بیمار ہوا، اور مکہ میں داخل ہونے سے قبل بیر میمون میں ذی الحجہ ۱۵۸ھ (اکتوبر ۷۷۵ء) میں مرگیا، سفیان کو یہ خبر پہنچی تو باطمینان تمام اوٹھے اور منصور کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے[۲]

سفیان اور مہدی، منصور کے انتقال کے بعد سفیان مہدی کے دربار میں تشریف فرما ہوئے قعقاع بن حکیم اسوقت حاضر تھا، اس کا بیان ہے کہ انھون نے اندر داخل ہو کر خلیفہ کو عام مسلمانون کی طرح سلام کیا، آداب شاہانہ بجانہ لائے، ربیع حاجب دربار مہدی کے پس پشت تلوار کے سہارے کھڑا اس گستاخی

---

[۱] کواکب دریہ جلد ۱ ص ۱۶۹ میں سفیان کی دعا کے الفاظ یہ ہیں، اگر منصور یہان آگیا تو میرا اس عمارت سے کوئی واسطہ نہ رہے گا، لیکن میں نے سوء ادب کے خیال سے ان الفاظ کو ترک کر دیا ہے، [۲] تہذیب الاسماء ص ۲۰۶ کنوی ص ۱۶۹، کواکب جلد ۱ ص ۲۰۰

پر حکم قتل کا منتظر تھا، مگر مہدی نے کشادہ رو ہو کر کہا،

مہدی:۔ سفیان تم ہم سے کیوں بھاگے پھرتے ہو کیا تم یہ جانتے ہو کہ ہم تمھارے ساتھ کوئی برائی کرنی چاہیں تو نہیں کرسکتے، خوف کھاؤ کہیں ایسا نہ ہو، کہ ہم اپنی خواہش نفس سے تمھارے متعلق کوئی حکم نافذ کر دیں،

سفیان:۔ آپ میرے خلاف حکم دیں گے تو وہ بادشاہ قادر جسکو حق و باطل میں خوب امتیاز ہو آپکے خلاف کوئی حکم صادر کر دیگا،

ربیع کو اس جواب پر طیش آگیا، اور اُس نے مہدی سے عرض کیا، امیر المومنین کیا یہ جاہل حضور کیسا تھ اس طرح پیش آنے کا مجاز ہے، اجازت دیجئے کہ ابھی اس کا سر قلم کر دوں،

مہدی نے کہا، کمبخت چپ ہو جا، ان جیسے اشخاص کا مقصد یہی ہے، کہ ہم انھیں قتل کر کے شقی بنیں، میں انھیں کوفہ کی عدالت عالیہ کا جج مقرر کرتا ہوں: اور حکم دیتا ہوں کہ ان کے فیصلہ کی اپیل نہ ہوگی،

مہدی کے حسب حکم سفیان کو پروانہ عطا کر دیا گیا، مگر یہ اُس پروانہ کو دجلہ میں پھینک کر بغداد سے چلدیئے، مہدی کی یہ تدبیر ناکام رہی، تو وہ سخت ناراض ہوا، اور ان کی تلاش کا حکم دیا، لیکن جب یہ نہ ملے تو بجائے اُن کے شریک بن عبداللہ نخعی کو کوفہ کا جج مقرر کر دیا،[۱] اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کسی شاعر نے کہا ہے، ؎

تحرز سفیان وفر بدینہ	وامسی شریک مرصدا اللہ راھم
(سفیان تو بچے اور اپنا دین لیکر بھاگ کھڑے ہوئے	مگر شریک روپئے کی گھات ہی میں رہا)

[۱] یہ واقعہ مسعودی جلد ۲ ص ۲۰۰، ابن خلکان جلد ا ص ۲۹۶، الکنوی ورق ۶۵ ب شذرات الذہب سنہ ۱۶۱ سے ماخوذ ہے لیکن انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کو تاریخی نقطہ نگاہ سے یہ ملاقات درست نہیں معلوم ہوتی، یا للعجب،

نہ ہوتا تھا، تاہم جنازہ کے ہمراہ انسانوں کا دریا امنڈ آیا تھا، دفن سے فراغت کے بعد ابن عبد الملک اور ابن حیان نے کوفہ جاکر انکے ہموطنوں کو خبر موت پہنچائی،

تاریخ وفات، سفیان ثوری نے مہدی کے عہد خلافت میں شعبان ۱۶۱ھ کو بصرہ میں وفات پائی، ابن سعد اور ابن القیسرانی نے تصریح کی ہے، کہ اس سنہ پر تمام مورخین کا اجماع ہے، امام بخاری[1] طبری مسعودی سمعانی، ذہبی[2] عسقلانی، اور صاحب تاریخ گزیدہ[3] وغیرہ نے یہی سنہ اختیار کیا ہے، البتہ ابن خلکان، اور مورخ یافعی ۱۶۲ھ بھی لکھتے ہیں، لیکن خود انھیں اس پر اعتماد نہیں، چنانچہ دونوں نے "بقول بعض" لکھکر اس قول کی تضعیف کر دی ہے، صاحب خزینۃ الاصفیار (ص ۲۹) کو اجماعی سال کے علاوہ دوسرا ۱۵۵ھ ہجری ملا ہے، لیکن وہ بھی بقول بعض اہل اخبار لکھکر صحت کے ذمہ دار نہیں بنتے،

علامہ ذہبی کی طبقات الحفاظ کے خلاصہ میں جو سیوطی کا نتیجہ قلم ہے، ۱۶۹ھ ہجری سال وفات درج ہے،[4] لیکن اس کتاب کے قلمی نسخہ رامپور میں ۱۶۱ھ ملتا ہے، چونکہ یہ دونوں سنہ ذہبی کی تصریح کے خلاف ہیں، نیز پُر اغلاط نسخوں میں پائے جاتے ہیں، اس لئے اون کو ۱۶۱ھ کی تصحیف سمجھنا چاہئے،

عمر سفیان کی مقدار عمر میں بھی اختلاف ہے، سمعانی یافعی، اور مناوی نے ۶۶، عسقلانی اور صاحب تاریخ گزیدہ نے ۶۴، اور مسعودی نے ۶۳ سال لکھے ہیں، چونکہ ثوری کے سال وفات ۱۶۱ھ پر سب کا اجماع ہے، اور یہ امر ولادت کے بیان میں ثابت ہو چکا ہے، کہ وہ سلیمان کے عہد میں ۹۷ھ کو پیدا ہوئے

[1] مرآۃ الجنان و شذرات الذہب تحت ۱۶۱ھ [2] تاریخ صغیر ص ۲۰۶، طبع الہ آباد [3] تذکرۃ الحفاظ و دول الاسلام قلمی ذکر مہدی، [4] تہذیب و تقریب التہذیب ص ۱۵۱ طبع الہ آباد ۱۲۹۱ھ و تاریخ گزیدہ جلد اورق ۵۰، طبع لیڈن، [5] خلاصہ طبقات ص ۵۴ طبع یورپ

اسلئے عسقلانی کا بیان اصح ہو،

اولاد، سفیان نے اپنے بعد کوئی اولاد نہ چھوڑی، ان کے صرف ایک لڑکا تھا، یہ اس سے بے حد مانوس تھے، اور اکثر کہا کرتے تھے، کہ مجھے دنیا میں اس سے محبوب تر کوئی شے نہین، کاش میں اس سے پہلے چل بسون، لیکن جب وہ اون کے سامنے فوت ہو گیا، تو انھون نے اپنی ساری پونجی بہن اور بھانجے عمار بن محمد کو ہبہ کر دی، مبارک بن سعید ان کے بھائی نے بعد میں وفات پائی، لیکن اونھیں ورثہ میں کچھ نہ ملا[1]

حکیمانہ اقوال، سفیان کے حکیمانہ اقوال کتب تاریخ وادب وسلوک میں بکثرت منقول ہین، ہم یہان ان کا انتخاب درج کرتے ہیں،

۱- عالم طبیب اور روپیہ مرض ہے، پس جب طبیب خود مریض ہو، وہ دوسرون کا علاج کیا کریگا،

۲- لوگون کیلئے حدیث سے زیادہ نافع کوئی علم نہیں، نہ کوئی عمل طلب حدیث سے افضل ہو بشرطیکہ نیت صحیح ہو، لیکن یہ پر خطر بہت ہے،

۳- اہل حدیث کو زکوٰۃ دینا لازم ہے یعنی ۲۲ احادیث میں کم از کم ۵ پر ضرور عمل کرین،

۴- جو درویش تونگرون کے آس پاس پھرے، وہ ریاکار ہے، جو بادشاہ کے پاس آمدورفت رکھے وہ چور ہے، اور جو اپنی ذات کو دوسرون سے افضل سمجھے وہ متکبر ہے،

۵- کھانے کی لذت اور بدمزگی ہونٹ سے حلق تک رہتی ہے، اسلئے اتنا صبر کرلو کہ وہ حلق سے اتر جائے، چونکہ یہ سفر بہت جلد طے ہو جاتا ہی، اسلئے اتنا صبر چندان دشوار نہین،

۶- جو شخص خدا کی راہ میں ناپاک کمائی صرف کرتا ہے، گویا وہ پیشاب سے کپڑا پاک کرنا چاہتا ہے،

۷- جب خود عالم بگڑ جائیں تو بتاؤ ان کی اصلاح کرنے کون آئے،

---

[1] ابن سعد جلد ۶ ص ۲۵۰ و کتاب المعارف (ابن قتیبہ)

۸۔ جب تم کسی کو ایسا کام کرتے دیکھو جس کے تم خلاف ہو، تو اس شخص کی توہین نہ کرو،

۹۔ عقلمند کی شان یہ ہے، کہ اگر اس کا ہاتھ بٹانے والا کوئی ہو تو خود دنیا پر نہ جھکے،

۱۰۔ ایک شخص نے کہا کچھ نصیحت کیجئے، آپ نے کہا، یہ غور کرتے رہنا کہ تمھاری روٹی کہاں سے آتی ہے،

۱۱۔ بڑے آدمی کے ساتھ سفر کبھی نہیں کرنا، کیونکہ تم اس کے برابر خرچ کروگے، تو تمھیں نقصان پہنچیگا اور اگر اوس سے کم اٹھاؤگے، تو وہ تم سے بچے گا،

۱۲۔ بیویوں کی کثرت دنیا داری نہیں کہی جا سکتی، کیونکہ جناب علی رضؓ ازہد صحابہ میں تھے، مگر ایکے چار بیویاں اور ۱۹ باندیاں تھیں،

۱۳۔ اس زمانہ میں نجات لوگوں سے پرہیز کرنے میں ہے، لہذا امراء سے بچو، لوگ تم سے کہیں گے کہ امراء سے ملاقات رکھنے کی صورت میں آپ ضرورت مندوں کی سفارش کرسکتے ہیں مظلوم کی حمایت کرسکتے ہیں ظلم کو روک سکتے ہیں، مگر یہ سب شیطان کا فریب ہیں،

۱۴۔ اگر تم اپنے آپ کو پہچان لو، تو لوگوں کی بری بات سے تکلیف نہ ہو،

۱۵۔ عادل امام پانچ ہیں، خلفاے اربعہ اور عمر بن عبدالعزیز، جو شخص اون کے علاوہ کسی کو عادل کہے وہ حد سے بڑھگیا،

تصنیفات اس باب میں علماء کا اتفاق ہے، کہ مذہب اور متعلقات مذہب پر تصنیف و تالیف کا آغاز اسلام کی دوسری صدی میں ہوا، لیکن شرفِ اوّلیت میں مختلف اقوال مروی ہیں، حاجی خلیفہ لکھتا ہے،[۱]

"خلیب بغدادی کا بیان ہے، کہ بعض علماء امام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج البصری

[۱] کشف الظنون، جلد ۱، ص ۸۰ و ۸۱،

المتوفی ۱۵۰ھ کو، اور بعض سعید بن عروبۃ المتوفی ۱۵۶ھ کو پہلا مصنف قرار دیتے ہیں، مگر ابو محمد رامہرمزی بقول بعض اصحاب ربیع بن صبیح المتوفی ۱۶۰ھ کو یہ شرف عطا کرتے ہیں؛

حاجی خلیفہ نے یہ بھی لکھا ہو کہ یہ مصنفین اسلام کا طبقۂ اولیٰ ہے، طبقۂ ثانیہ میں ابن عیینہ، امام مالک، ابن وہب، معمر، امام ثوری، وغیرہ اصحاب ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے، کہ چونکہ یہ اصحاب معاصر اور ایک دوسرے سے صرف چند سال کے تفاوت سے فوت ہوئے ہیں، اس لئے بغیر کافی تاریخی شہادت کے کسی ایک کو بھی پہلا مصنف قرار نہیں دیا جا سکتا، البتہ امام سفیان ثوری کے متعلق اس قدر یقینی ہے، کہ یہ مصنفین اسلام کی ابتدائی جماعت سے تعلق رکھتے تھے،

سفیان ثوری کی مصنفات کی صحیح تعداد معلوم نہیں، بعض اصحاب نے ابن قتیبہ کی پیروی میں یہ یقین کر لیا ہے کہ ثوری نے مرتے وقت وصیت کر کے اپنی تمام تصنیفات نذرِ آتش کرادی تھیں، اسلئے آج ان کا وجود عنقا ہے، لیکن درحقیقت یا تو ثوری نے یہ وصیت ہی نہیں کی، یا اگر کی تھی، تو اس پر عمل نہیں کیا گیا، کیونکہ ان کی بعض تصنیفات ۱۳ ویں صدی ہجری کے وسط تک درس و تدریس میں کام آتی رہی ہیں،

ثوری کی وہ کتابیں جن کے اسماء اور مضامین دونوں ہمیں معلوم ہو چکے ہیں، حسب ذیل ہیں،

۱۔ الجامع الکبیر فی الفقہ والاختلاف:

یہ کتاب ابو بکر محمد بن ابی الخیر الاموی نے چوتھی صدی ہجری میں[1] اور علامہ محمد عابد بن احمد علی سندی نے تیرھویں صدی ہجری کے نصف اول میں پڑھی تھی؛[2]

۲۔ الجامع الصغیر

۳۔ کتاب الفرائض

[1] الفہرست ص ۲۲۵، طبع سرقسطہ ۱۸۹۳ء [2] حصر الشارد، مخطوط حرف جیم، تصنیف ۱۲۴۰ھ

یہ فرائض نامہ محمد عابد سندی نے پڑھا ہے، اسلئے ۱۲ وین صدی کی موجودات مین شمار کیا جائے گا۔[1]

۴۔ کتاب التفسیر:-

یہ تفسیر کشف الظنون مین تفسیر الثوری کے نام سے مذکور ہے، لیکن خود حاجی خلیفہ کی نظر سے نہیں گذر سکی، اسلئے وہ صرف ذکرہ الثعلبی لکھ کر گذر گئے ہیں، البتہ علامہ محمد عابد سندیؒ نے یہ تفسیر پڑھی تھی، چنانچہ وہ اس کا سلسلۂ سند اس طرح بیان کرتے ہیں، :-

"اما کتاب التفسیر للامام الثوری فانا ارویہ عن الشیخ صالح الفلانی عن محمد بن مسند عن مولائی الشریف محمد بن عبد اللہ باجازتہ عن محمد بن عبد الرحمن العلقمی عن الحافظ السیوطی عن الحافظ ابن حجر عن عبد القادر بن محمد بن علی الدمشقی سبط الحافظ الذھبی انا احمد بن علی بن الحسن الجزری انا محمد بن اسمعیل بن ابی الفتح خطیب مرو انا علی بن حمزۃ بن علی بن طلحۃ البغدادی انا ابو القاسم ھبۃ الدین محمد بن عبد الواحد بن الحصین انا محمد بن ابی ابراھیم بن غیلان انا محمد بن عبد اللہ بن ابراھیم الشافعی انا اسحاق بن الحسن الجزمی انا ابوحذیفۃ موسیٰ بن مسعود النھدی عن سفیان الثوریؒ"،

اس سند سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ سفیان سے روایت تفسیر کا شرف اون کے شاگرد ابوحذیفۃ النھدی کو حاصل ہوا، ان کتابون کے علاوہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں، فہرست ابن ندیم اور تاریخ ابی المحاسن کے حوالے سے ۲ رسالے اور بھی اون کی مصنفات میں شمار کئے ہیں، لیکن خود مقالہ نگار کو بھی ان رسائل کے القاب اور مضامین سے واقفیت نہیں، اسلئے انکا ذکر بیکار ہے،

گذشتہ صدی میں پریس کے وجود میں آجانے کے سبب جہاں علمای اسلام کی دوسری ہزارہا

---

[1] حصر الشارد حرف فا ص ۲ نسخہ خطی ورق ۱۳۹ الف،

ارکتابون کو صفحہ ہستی سے ناپید ہونا پڑا، وہین سفیان کی تصنیفات بھی نذرِ عدم ہوگئین، لیکن خوش
ے کتب خانہ عالیہ رامپور میں کتاب التفسیر کا ایک نسخہ نکل آیا، یہ علم کلام عربی کی ایک کتاب کے
لد تھا، مرتبین فہرست عربی نے اصل کتاب کا جز خیال کرکے اوس کی طرف توجہ نہ کی، اور تقریبًا
ک وہ نسخہ اپنی مستقل ہستی فنا کئے رہا، گذشتہ سال میں مخطوطات علم کلام عربی کی از سر نو فہرست مرتب
ا، کہ یہ درِ مکنون ہاتھ آیا،

یہ نسخہ قدیم عربی خط میں دبیز کاغذ پر لکھا گیا ہے، کاغذ، روشنائی، اور رسم خط سے یہ قیاس کیا جاتا ہے،
ی ہجری سے اوس طرف کا نوشتہ ہے، اوّل و آخر سے چند اوراق ضائع ہوگئے ہیں، اس
ورق باقی ہین، ہر صفحہ میں ۲۰ سے لے کر ۲۱ تک سطور ہین، سائز ۱۰×۲/۱ اور ۷ × ۳/۴ ہے،
تاب آیت "لا اکراہ فی الدین" کی تفسیر سے شروع ہوکر سورۂ والطور کی آیت اولیٰ کی تفسیر
ختم ہوجاتی ہے، ہر سورہ کا عنوان جدا ہے، تفسیر کے لئے وہی آیات انتخاب کی گئی ہین جن مین
لفظ یا محاورہ یا کوئی تلمیح ہو، اور ہر تفسیر حضرت تابعی یا صحابی اور کمتر خود رسول اللہ تک پہنچائی جاتی ہو،
افظ تفسیر میں بے حد اختصار سے کام لیا ہو،
فسیر کے موجودہ نسخہ کا آغاز یہ ہے:

......لا الاسلام یعنی ظور تصور (؟) فنزلت لا اکراہ فی الدین سفین عن منصور
ستر عن مجاهد فی قوله ویلعنهم اللاعنون قال العقارب والخنافس والدوا
حبس عن المطر بذنوب بنی آدم الخ،
تمہ کی عبارت یہ ہے:

ورۃ الطور. سفین عن عمرو بن مرۃ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال

....

سورۂ یٰسین اور سورۃ الصافات کے آغاز میں سند روایت اس طرح مذکور ہے :۔

حدثنا محمد ثنا ابوحذیفہ ثنا سفیان الخ،

ابوحذیفہ کا پورا نام موسیٰ بن مسعود النہدی ہے، عسقلانی وغیرہ نے ان کو تلامذۂ ثوری میں ذکر کیا ہے یہی بزرگ صاحب حرالشاروکی سند میں سفیان ثوری سے روایت تفسیر کرتے ہیں،

ثوری کی اس تفسیر کے متعلق تجویز یہ ہے، کہ کتب خانہ کی جانب سے اوسکو شائع کیا جائے چنانچہ آج کل میں اس پر کام کر رہا ہوں، انشاء اللہ سال آیندہ میں اس کا ایک اچھا اڈیشن نذر کیا جائے گا،

والحمد للہ فی الاوّل والآخرہ۔

چینی مسلمان

آغاز اسلام سے آج تک چین میں مسلمانوں کی جو مذہبی اخلاقی، تمدنی، سیاسی اور اقتصادی حالت رہی ہے، اوس کو خود چین کے ایک دردمند اور صاحب قلم مسلمان یعنی مولوی بدرالدین چینی نے جنھوں نے جامعۂ ملیہ میں بی اے تک کی تعلیم حاصل کی ہے، اور دارالعلوم ندوہ میں مدرسی کے فرائض انجام دئے ہیں، اس کتاب میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے،

مسلمانان ہندوستان جو اپنے چینی بھائیوں کے قدیم وجدید حالات سے بے خبر ہیں انکے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، ضخامت ۲۴۲ صفحے قیمت عہ

افکار عصریہ

سائنس نے جنگ عظیم کے بعد جو ترقیاں کی ہیں، یہ کتاب ان تمام ترقیوں کا خلاصہ ہے کتاب ۲۶ بابوں میں تمام ہوئی ہے اور ہر باب میں سائنس کے مختلف اہم مسائل کی تحقیق کی گئی ہے، ضخامت ۲۰۰ صفحے قیمت ہے، "منیجر"

"سرودِ زندگی"

از

مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

حضرت اصغر اور اون کی شاعری باذاق اور سخن فہم حلقہ میں بے گانہ نہیں، وہ دورِ جدید کے ان مشاطگانِ سخن میں ہیں جنھون نے "لیلائے تغزل" کے بکھرے ہوے گیسوؤن کو سنوارا ہے، اور اس کے دلفریب جمال کو جس کا پرانا اور دقیانوسی سامانِ زینت جمال شاعری کے ساتھ اربابِ نظر کی نگاہون کو بھی مجروح کر رہا تھا جدید طرزِ آرائش اور نئے آب ورنگ سے نکھار کر اربابِ نظر کی محفل میں آنے کے قابل بنایا،

آج سے دس سال پیشتر ان کا پہلا اسم بامسمّیٰ دیوان "نشاطِ روح" اربابِ ذوق سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے، ٹھیک دس سال کے بعد اونھون نے دوسرا دیوان "سرودِ زندگی" اربابِ نظر کے سامنے پیش کیا ہے، یہ مختصر دیوان چھوٹی تقطیع کے ۱۰۲ صفحات پر مشتمل ہے، شروع میں مصنف کا ایک مختصر دیباچہ ہے جو ان کے علوے نفس اور بلند نظری کا آئینہ دار ہے، اس کے بعد ہندوستان کے مشہور باذاق سر تیج بہادر کے قلم کا لکھا ہوا، دس صفحات کا ایک مقدمہ ہے جسمین انھون نے اجمالاً معیارِ شاعری پر بحث کر کے حضرت اصغر کی شاعری کو اس پر منطبق کیا ہے، یہ مقدمہ دلچسپ اور بعض حیثیتون سے مفید بھی ہے، آخر میں امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد کی ایک مختصر تقریظ ہو،

"سرودِ زندگی" پہلا دیوان بلکہ غالباً پہلی کتاب ہے، جسے مولانا کی تقریظ کا طرۂ افتخار حاصل ہوا ہے، دیوان

سلہ حجم ۱۰۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عہ کاپتہ:- جناب اصغر اڈیٹر ہندستانی، الہ آباد،

کی اشاعت سے پہلے مولانا کے مقدمہ کی شہرت سُن کر اس کے دیکھنے کا حیرت آمیز اشتیاق پیدا ہوا تھا، کہ مولانا کے پربہار قلم نے معلوم نہیں کیا کیا گلکاریاں کی ہوں گی، اور اردو میں شاعری کی جانچ کے لئے حالی کے مقدمہ شعر و شاعری اور ڈاکٹر عبد الرحمن مرحوم بجنوری کے مقدمۂ دیوانِ غالب کے بعد ایک اور معیار قائم ہوجائے گا، لیکن دیوان دیکھنے کے بعد معلوم ہوا، کہ اس شہرت کی حیثیت اشتہار سے زیادہ نہ تھی، اور مولانا نے حسبِ معمول اس معاملہ میں بھی اپنی انفرادیت اور امتیازی شان قائم رکھی ہے، جس کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے ہوگا، فرماتے ہیں:-

احباب میری کوتاہ قلمی سے بے خبر نہیں، خصوصاً تقریظ کے معاملہ میں، لیکن بعض تقاضے ایسے ہوتے ہیں جن کی تعمیل کرنی ہی پڑتی ہے.......... اگر یہ تقاضا صاحبِ کلام کا ہوتا تو میں حسبِ معمول معذرت کر دیتا، لیکن خود کلام کا تقاضا ہے۔ اور اس کے لئے میرے پاس کوئی معذرت نہیں،

کئی سال کی بات ہے، انھوں نے (اصغر) اپنے کلام کا پہلا مجموعہ جو نشاطِ روح کے نام سے شائع ہوا تھا، مجھے بھیجا تھا، اس وقت تک ان کا کلام میری نظر سے نہیں گذرا تھا، چونکہ وقت کی عام ادبی سرگرمیوں کی طرف سے طبیعت مایوسی کی عادی ہو چکی تھی، اس لئے میں نے بے دلی کے ساتھ مجموعہ اٹھایا، اور چاہا کہ ورق گردانی کرنے کے بعد رکھ دوں، لیکن مجھے اس اعتراف میں تامل نہیں کہ جوں ہی دو چار شعر نظر سے گذرے، میں چونک اٹھا، اور جوں جوں مطالعہ کرتا گیا، میری تعجب انگیز مسرت بڑھتی گئی، میں نے محسوس کیا کہ وقت کی عام مایوسیاں مستثنیات سے خالی نہیں،

میری نگاہ نکتہ چینی میں کمی نہیں کرتی، میں معیار کی پستی پر اپنے کو کسی طرح راضی نہیں کر سکتا، اہلِ فن کو مجھ سے خوش گمانی کی نہیں، بدگمانی کی شکایت ہے، تاہم میں محسوس کرتا ہوں، جس شاعر کے کلام میں حسبِ ذیل اشعار موجود ہوں، اس کی شاعری کی وقعت بحث و اثبات کی محتاج نہیں ہو سکتی،

ان سطور کی نگارش سے مقصود انتقاد و تبصرہ نہیں ہے، اس کام کے لئے اور لوگ موجود ہیں

مقصود یہ ہے، کہ اپنا تاثر ظاہر کردون، محاسن کا حق ہے، کہ انکی شہادت دیجائے میں نے اصغر صاحب کے کلام میں حسن و خوبی پائی، میرا فرض تھا کہ انکی شہادت دون"

ہم نے چند پیراگراف کے علاوہ قریب قریب کل تقریظ نقل کردی ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ مولانا تقریظ نگاری کے فرض سے کس خوش اسلوبی کیساتھ عہدہ برا ہوئے ہیں، جو انکا مخصوص کمال ہے، لیکن انکے قلم سے یہ سند تصدیق بھی کچھ کم نہیں،

اس کے بعد اصل دیوان شروع ہوتا ہے، جو چھوٹی تقطیع کے ۲۰۰ صفحات میں ہے، ابتدا میں دو ایک نظمین ہین، اس کے بعد غزلین، پھر ناتمام غزلین، اور متفرق اشعار ہیں، آخر کے چند صفحات میں فارسی کا کلام ہے، دیوان کی ترتیب جدید مذاق کے مطابق ردیف وار کے بجائے زمانی ہے، اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے، کہ پڑھنے والے کو شاعر کی تدریجی ترقی کا پورا اندازہ ہوجاتا ہے

کلام اصغر کی خصوصیات اور قدیم وجدید کلام کا فرق، اصغر صاحب کے کلام کی خاص خصوصیت اور اون کا امتیازی وصف جو انھیں دوسرے شعراء سے ممتاز کرتا ہے، ان کا تصوف اور فلسفہ آمیز تغزل ہے، جس کا رنگ ہر شعر میں نظر آتا ہے، اگرچہ اس وصف سے ان کے کسی دور کا کلام خالی نہیں، لیکن ان کا پہلا کلام اس دور نشاط کے تاثرات کا نتیجہ ہے، جبکہ ہر جلوۂ زیبا جنت نگاہ اور ہر نغمۂ رنگین فردوس گوش اور ہر خیال عشق کا بیان اور حسن کی تفسیر ہوتا ہے اور فضائے عالم میں ہر طرف رنگینی و مستی چھائی ہوئی نظر آتی ہے، دلولون اور جذبات میں طوفان کا جوش و خروش ہوتا ہے، اس لئے نشاط روح میں رنگینی و سرمستی اور کیف و سرور کا وفور ہے لیکن اس نشیلی اور بے بار فضا سے بھی شراب حقیقت کے قطرات ٹپکتے نظر آتے ہین،

اور سرود زندگی اس عہد کا کلام ہے، جبکہ جذبات کا طوفان تھم جاتا ہے، جوش و خروش کی جگہ فکر و تدبر لے لیتے ہین، نگاہین ظاہری آب و رنگ سے گذر کر حسن حقیقت کی تلاش میں لگ جاتی ہیں، اس لئے سرود زندگی میں پختگی ہے، گہرائی ہے، فکر و تدبر ہے، بیان حقیقت ہے، اخلاق ہے، فلسفہ ہے، تصوف ہے، غرض اس سرود

کے تمام نغمے لاہوتی ہیں، اگرچہ کہیں کہیں مجاز کا رنگین جامہ بھی نظر آتا ہے لیکن وہ اتنا لطیف اور ہلکا ہے کہ اندر سے حسن حقیقت صاف جھلکتا دکھائی دیتا ہے لیکن جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، ان تمام محاسن کے باوجود بڑا حصہ خیالات کی رعنائی اور جذبات کی بے ساختگی سے خالی ہے، اور خیال آفرینی کا غلبہ ہے، بہر حال پہلے انکا حقیقی رنگ ملاحظہ ہو،

رنگِ تصوف:۔

مجاز کا بھی حقیقت سے ساز رہنے دے یہ راز ہے، تو اُسے حُسنِ راز رہنے دے

لفظ پرست اس راز کے محرم نہیں،

نوا ئے راز کا سینہ میں خون ہوتا ہے، ستم ہے لفظ پرستوں میں گھر گیا ہوں میں

ابھی ظاہر پرست ان خیالات کے متحمل نہیں،

زمانہ آرہا ہے جب اُسے سمجھینگے سب اصغر ابھی تو آپ خود کہتے ہیں خود تنہا سمجھتے ہیں

اس مقام حقیقت اور راہ سلوک کے مختلف احوال و کوائف ہیں، حسنِ حقیقت کی مختلف کیفیتیں ہیں لطف پر مختلف اور بعض مرتبہ متضاد حالات گذرتے ہیں، سالکین کے خاص خیالات و معتقدات و مصطلحات ہیں اصغر نے ان تمام احوال و کوائف اور صوفیانہ نکات کو نہایت کامیابی اور دل آویز طریقہ سے بیان کیا ہے، مقام سلوک وہ ہے، جہاں خود سالک کا بھی گذر نہیں، اس راہ میں قدم رکھنے کے بعد قیل و قال اور وجد و حال سب ختم ہو جاتے ہیں،

اب نہ وہ قیل و قال ہے اب نہ وہ وجد و حال ہے میرا مقام ہے وہاں میرا جہاں گذر نہیں

اس مقامِ خلوت کے ماجرے اور راز و نیاز کفر و ایمان کی سرحدِ ادراک سے ماوراء ہیں،

ہوئے جو ماجرے خلوت سرائے راز میں اس سے نہ کفر اس سے ہوا واقف خبر اسکی نہ ایماں کو

یہاں پہنچکر قلب و دماغ، خیال و نظر سب پر مطلوب ہی مطلوب چھا جاتا ہے، اور خیال و نظر سے

تمام امتیازات مٹ جاتے ہین،

سما گئے میری نظرون میں چھا گئے دل پر   خیال کرتا ہون اُن کو کہ دیکھتا ہون مین

نظر و منظر کچھ بھی باقی نہیں رہتا، بس ایک محویت رہجاتی ہے،

اب نہ کہیں نگاہ ہے، اور نہ کوئی نگاہ میں   محو کھڑا ہوا ہون میں حسن کی جلوہ گاہ میں

جمال مطلوب اور خیال مطلوب کے علاوہ خود اپنا ہوش بھی باقی نہیں رہتا،

ترا جمال تیرا خیال ہے تو ہے،   مجھے یہ فرصتِ کاوش کہان کہ کیا ہون مین

اس عالم بے خودی میں بس ایک سجدۂ شوق کی بے قراری رہ جاتی ہے، سرِ نیاز اور آستانِ ناز

کی بھی خبر نہیں رہتی،

بے خودی کا عالم ہے محو جبہ سائی ہون   اب نہ سر سے مطلب ہے اور نہ آستانے سے

جلوۂ بے رنگ کی نمود سے حسن حقیقت کا چہرہ بھی نہیں پہچانا جاتا،

نمودِ جلوۂ بے رنگ سے ہوش اسقدر گم ہین   کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

صرف اتنا اڑا اڑا سا خیال آتا ہے،

ازل میں اک تجلی سے ہوئی تھی بیخودی طاری   تمھیں کو میں نے دیکھا تھا بس اتنا یاد آتا ہو

لیکن پھر چشم حقیقت نگر تمام حجابون کو چاک کر ڈالتی ہے، اور سازِ روح نغمہ سرا ہو جاتا ہے،

بے محابا اب فروغِ روے جانان دیکھئے   فکرِ ایمان کیا نظر سے عین ایمان دیکھئے

حسن حقیقت مجاز کے پردون میں نظر آتا ہے،

مے بے رنگ کا سو رنگ سے رسوا ہونا   کبھی میکش کبھی ساقی کبھی مینا ہونا

دیدۂ مینا فروغِ بادۂ حسنِ بتان   ہر طرف پھیلا ہوا ہے، نورِ عرفان دیکھئے

روزِ روشن یا شبِ مہتاب یا حسنِ چمن   ہم جہان سے چاہتے، وہ روے زیبا دیکھتے

جن پردون میں وہ نظر آتا ہو، اُن کی رنگینی اور تابانی کا عجیب عالم ہوتا ہو،

ردائے لالہ و گل پردۂ مہ و انجم جہان جہان وہ چھپے ہیں عجیب عالم ہو،

کبھی خود پاک نظر دیکھنے والا احترام حسن میں مجاز کا پردہ ڈال لیتا ہو،

کہہ کے کچھ لالہ و گل ۔ کھلیا پردہ میں نے مجھ سے دیکھا نہ گیا حُسن کا رسوا ہونا،

حسنِ حقیقت کا رنگ کچھ پردۂ مجاز ہی میں دلآویز نظر آتا ہو،

جان کر کھاہے کچھ ہم نے حجابِ دہر کو توڑ کر شیشہ کو پھر کیا رنگِ صہبا دیکھتے

حسنِ حقیقت کی بے حجابی حجابِ نظر بنجاتی ہے،

یہ جلوہ کی فراوانی یہ ارزانی یہ عریانی پھر اس شدت کی تابانی کہ ہم پردہ سمجھتے ہیں

ہون کامیاب دیدہ بھی محروم دید بھی جلوون کے اژدحام نے حیران بنا دیا

تخیل کسقدر لطیف اور پاکیزہ ہے کہ نظارہ کی کامیابی ذوقِ نظر کی بربادی ہو،

سمائے جارہے ہیں اب وہ جلوے دیدہ و دل میں یہ نظارہ ہے یا ذوقِ نظر برباد ہوتا ہے،

جو کچھ ہم دیکھتے ہیں وہ سب ظاہری آب و رنگ کا فریب ہے، حقیقت کی کسی کو خبر نہیں،

چمک دمک پہ مٹا ہوا ہو یہ باغبان تجھکو کیا ہوا ہے فریبِ شبنم میں مبتلا ہو، چمن کی ابتک خبر نہیں ہے

اس میکدۂ عالم میں بے خبری ہی چاہئے، باخبری اور ہوش معصیت ہو،

یہان میں ہون نہ ساقی ہو نہ ساغر ہو نہ صہبا ہو یہ میخانہ ہے، اس میں معصیت ہے باخبر ہونا

اس بے خبری اور بے ہوشی کی وجہ سے ساز اور آواز کی تمیز بھی باقی نہیں رہتی

ہوش باقی ہوں تو اس پر کاوش بیجا بھی ہو کیا خبر مجھکو کہ یہ آواز ہے، یا ساز ہے،

لیکن اس بے خبری اور بے ہوشی میں بھی ساقی کی محفل دیکھنے والے کچھ باخبر ہیں، جو خط ساغر میں حق و باطل

کا امتیاز کرتے ہیں،

ابھی کچھ لوگ ہیں ساقی کی محفل دیکھنے والے خطِ ساغر میں رازِ حق و باطل دیکھنے والے

ساقی نے مُصفا فی عنایت کی تھی، خود ہمارے پیمانے نے اسکو لون و رنگ سے مکدر کر دیا ہے،

رنگ جو کچھ دیکھتے ہو میرے پیمانہ میں ہے میرے ساقی نے عنایت کی تھی دردِ صاف

اگر اس تخیل کے ساتھ وہ حدیث پیش نظر رکھی جائے، کہ خدا نے سب کو دین فطرت پر پیدا کیا تھا ان کے والدین نے ان کو یہودی اور نصرانی بنالیا تو یہ ایک لطیف تلمیح ہوجاتی ہے، دماغی علم و حکمت سے عقدہ کشائی نہیں ہوتی، اس کیلئے میخانہ دل چاہئے،

یہ غنیمت ہے، در مے خانہ اتبک باز ہے گوشہ گوشہ علم و حکمت کا ہے سب چھانا ہوا

خرد کے سامنے حجاب عالم ہے اور نگاہِ عشق بے پردہ دیکھتی ہے

خرد کے سامنے اب تک حجاب عالم ہے نگاہِ عشق تو بے پردہ دیکھتی ہے اسے

ایمان کی بسیط حقیقت کفر ہے، اور یہ حقیقت ہے کیونکہ کفر ہی میں قیود لگانے سے ایمان بنتا ہے،

کچھ قید و رسم نے جسے ایمان بنا دیا اے شیخ وہ بسیط حقیقت ہے کفر کی

کس قدر ترمیم کیساتھ یہ تخیل غالب کے اس شعر سے ماخوذ ہے،

ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایمان ہوگئیں ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم

کفر و ایمان کی فرسودہ رسم اربابِ نظر کے شایاں نہیں،

اب کوئی منظر بلند از کفر و ایمان دیکھئے رسمِ فرسودہ نہیں شایانِ اربابِ نظر

یہ تخیل کسقدر رنگ حقیقت میں ڈوبا ہوا ہے،

جو اس سے بے خبر ہیں وہی ہیں عذاب میں دوزخ بھی ایک جلوۂ فردوس حسن ہے

بعض عرفا، کا یہ خاص مسلک ہے،

حرم نشینوں پر سکونِ مطلق طاری ہے اور صنم کدۂ دل میں تجلیوں کی بارش ہے،

بس اک سکوت ہے طاری حرم نشینوں پر صنم کدے میں تجلی ہے، اور ہیم ہے،

اسی سے نماز کی کیفیت میں جان پڑتی ہے،

موجِ نسیمِ صبح میں بوئے صنم کدہ بھی ہو اور بھی جان پڑ گئی کیفیتِ نماز میں،

لیکن شیخِ حرم نشین کا تنگ ظرف اس کا تحمل نہیں ہو سکتا،

صنمکدہ میں تجلی کی تاب مشکل ہے، حرم میں شیخ کو محوِ نماز رہنے دے،

کسقدر فلسفیانہ حقیقت ہے،

اسے کاش میں حقیقتِ ہستی نہ جانتا اب لطفِ خواب بھی نہیں احساسِ خواب میں

بعض بعض غزلیں پوری کی پوری رنگِ حقیقت میں ڈوبی ہوئی ہیں،

خدا جانے کہاں ہے اصغرِ دیوانہ برسوں سے کہ اسکو ڈھونڈھتے ہیں کعبہ و بتخانہ برسوں سے

تڑپنا ہے نہ جلنا ہے نہ جلکر خاک ہونا ہے، یہ کیوں سوئی ہوئی ہے فطرتِ پروانہ برسوں سے

کوئی ایسا نہیں یارب کہ جو اس درد کو سمجھے نہیں معلوم کیوں خاموش ہے دیوانہ برسوں سے

ترے قربان ساقی اب وہ موجِ زندگی کیسی نہیں دیکھی اداے لغزشِ مستانہ برسوں سے

کبھی سوزِ تجلی سے اُسے نسبت نہ تھی گویا پڑی ہے اس طرح خاکسترِ پروانہ برسوں سے

مری رندی عجب رندی مری مستی عجب مستی کہ سب ٹوٹے پڑے ہیں شیشہ و پیمانہ برسوں سے

حسینوں پر نہ رنگ آیا نہ پھولوں میں بہار آئی نہیں آیا جو لب پر نعرۂ مستانہ برسوں سے

کھلی آنکھوں سے ہوں حسنِ حقیقت دیکھنے والا ہوئی لیکن نہ توفیقِ درِ میخانہ برسوں سے

لباسِ زہد ہو پھر کاش نذرِ آتشِ صہبا کہاں کھوئی ہوئی ہے جراتِ رندانہ برسوں سے

جسے لینا ہو آکر اس سے اب درسِ جنوں لیلے

سنا ہے ہوش میں ہے اصغرِ دیوانہ برسوں سے

تغزل: اصغر صاحب کا اصل رنگ عرفان و حقیقت اور حقیقی مذاق فلسفہ و حکمت ہے، اور انھوں نے ان دقیق مسائل کو جس کامیابی اور جس دل آویز طریقہ سے ادا کیا ہے، اس کا اندازہ اوپر کے اشعار سے ہو گیا ہوگا، لیکن ان حقائق سے لطف اٹھانے والے مخصوص ارباب دل ہیں، ظاہر بین نگاہوں اور عام تماشائیوں کے لئے عشق مجازی کی روشنی اور ظاہری آب و رنگ کی نظر فریبی درکار ہے، بغیر اس کی آمیزش کے دل لذت گیر نہیں ہوتا، اصغر صاحب اس چمن کے بھی ایک خوشنوا نغمہ سرا ہیں، اور اپنی خوش مذاقی سے انھوں نے ایسے رنگ برنگ کے اور بوقلموں پھول کھلائے ہیں کہ ان کے کلام کا یہ حصہ تختۂ بہار نظر آتا ہے، لیکن ان پر تصوف کا رنگ ایسا چھایا ہوا ہے کہ مجاز و حقیقت میں امتیاز دشوار اور انھیں علحدہ کرکے دکھانا تو دشوار تر ہے، پھر بھی کچھ کلام کی رنگینی اور کچھ مذاق سلیم کی مدد سے ایک خیالی حد قائم کیجا سکتی ہے، انھوں نے اس رنگ میں بھی اتنا اور ایسا کہا ہے کہ اس سے پوری روداد عشق محبت مرتب ہو سکتی ہے، آغاز عشق و محبت :

وہ نغمہ بلبل رنگیں نوا اک بار ہو جائے ۔۔۔ کلی کی آنکھ کھل جائے چمن بیدار ہو جائے

عشق و محبت کی وسعت و ہمہ گیری :-

نشۂ عشق میں ہر چیز اڑی جاتی ہے ۔۔۔ کون ذرہ ہے جو سرشار محبت میں نہیں

عشق کی عظمت :-

دیکھا ہے کوہ طور کو بھی فرش خاک پر ۔۔۔ افتادگی عشق اگر نارسا نہ ہو، ؟

عشق کی تمنا :-

قلب پر گرتی تڑپ کر پھر وہی برق جمال ۔۔۔ ہر بن موسی سے وہی آشوب و غوغا دیکھئے

حسن تخیل :-

کم سے کم حسن تخیل کا تماشا دیکھئے ۔۔۔ جلوۂ یوسف تو گیا خواب زلیخا دیکھئے

عشق کی ابتدا :-

وہ شوخ بھی مجبور ہے معذور ہوں میں بھی
کچھ فتنے اُٹھے حسن سے کچھ حُسنِ نظر سے

التجائے خلوت:۔

خبر کسی کو نہ ہوگی کنارِ شوق میں آ
جہانِ چشم مہ و مہر باز رہنے دے،

تمنائے جذبِ شوق:۔

اس طرح کچھ رنگ بھر جائے نگاہِ شوق میں
جلوہ خود بیتاب ہو جاتا وہ پردہ دیکھئے

جوشِ تمنا:۔

رقصِ مستی دیکھئے جوشِ تمنا دیکھئے،
سامنے لاکر تجھے اپنا تماشا دیکھئے،

جذبِ عشق کا اثر:۔

اشک اب نہیں تھمتے دل پہ اب نہیں قابو
خود کو آزما بیٹھے مجھکو آزمانے سے،

حُسن کی لگاوٹ:۔

پرورش پاتا ہے رگ رگ میں مذاقِ عاشقی
جلوہ پھر دکھلائیے پھر مجھ سے پردہ کیجئے

التجائے جان نوازی:۔

تبسم کی ادا سے زندگی بیدار ہو جائے
نظر سے چھیڑ دے رگ رگ مری ہشیار ہو جائے

مشاہدۂ جمال:۔

بہارِ جلوۂ رنگین کا اب یہ عالم ہے
نظر کے سامنے حُسنِ نظر مجسم ہے،

عالمِ تحیر:۔

وہ سامنے ہیں نظامِ حواس برہم ہے
نہ آرزو میں سکت ہے نہ عشق میں دم ہے

نیرنگیِ حُسن:۔

نظر اس حُسن پر ٹھہرے تو آخر کس طرح ٹھہرے
کبھی جو پھول بن جائے کبھی رخسار ہو جائے

قصورِ نظر:-

نظر وہ ہے کہ جو کون و مکاں کے پار ہو جائے
مگر جب روئے تاباں پر پڑے بے کار ہو جائے

حسنِ نظر:-

کھل گیا رنگِ حسیناں کھل گیا رنگِ چمن
کم سے کم اتنا نظر میں حسن پیدا کیجیے،

ذوقِ بندگی:-

تم اس کافر کا ذوقِ بندگی اب پوچھتے کیا ہو
جسے طاقِ حرم بھی ابروئے خمدار ہو جائے

بہارِ نقشِ پا پر سجدۂ نیاز:-

کیا بہارِ نقشِ پا ہے اے نیازِ عاشقی
لطف سر رکھنے میں کیا سر رکھ کے مر جانے میں ہے

بے قراریِ محبت:-

کسی طرح بھی تری یاد اب نہیں جاتی
یہ کیا ہے روزِ مسرت ہے یا شبِ غم ہے

انجامِ عشق:-

بیخودی میں دیکھتا ہوں بے نیازی کی ادا
کیا نتائے عاشقی خود عشق بن جانے میں ہے

حسن و عشق کا امتیاز پردۂ بیگانگی ہے:-

میں راز دارِ حسن ہوں تو راز دارِ عشق
لیکن یہ امتیاز بھی کیوں درمیاں رہے

نثارِ دوست:-

دونوں عالم تری نیرنگ ادائی کے نثار
اب کوئی چیز یہاں جیبِ محبت میں نہیں

تشبیہات:-

یوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی
یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنا دیا

روشنی ہو جگنو کی جیسے شبستاں میں
وہ نقاب کا عالم اس کے مسکرانے سے

تصوّف کی اجمالی تاریخ

اور

اُس پر نقد و بحث

از مولانا عبدالسلام ندوی،

(۵)

وجد و سماع، غنار کی مختلف قسمیں ہیں،

۱- حاجیوں کا گانا، جس میں زمزم، مقام اور خانۂ کعبہ کی مدح ہوتی ہے، اور بعض اوقات اس کے ساتھ طبل بھی بجاتے جاتے ہیں،

۲- مجاہدین کا رجز جس سے جنگ کے لئے آمادہ کیا جاتا ہے، اور فخر و شجاعت کے جذبات پیدا کئے جاتے ہیں،

۳- حدی خوانی جس سے اونٹ میں نشاط پیدا ہوتا ہے،

۴- استقبال اور شادی بیاہ کے موقعوں پر گانا بجانا،

۵- زہدیہ اشعار جنیں آخرت کی ترغیب ہوتی ہو، اسے کے ساتھ گانا،

اور یہ تمام قسمیں مباح و جائز ہیں، اور جن ائمہ نے غنار کے جواز کا فتوی دیا ہے، اس سے ان کی مراد یہی قسمیں ہیں، لیکن ایسا گانا جس کے لئے مخصوص مغنی تیار کئے جائیں اور اسمیں شراب و کباب اور حسینوں کے حسن و جمال کا ذکر ہو، اور خاص خاص باجون کیساتھ گایا جائے، یقیناً ناجائز ہے، ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر نے ایک چرواہے کی بانسری کی آواز سنی، تو کانوں میں انگلیاں دے لیں، اور راستے سے الگ ہو گئے، اور

کہ میں نے اس قسم کے موقع پر رسول اللہ صلعم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے، رسول اللہ صلعم نے مغنیہ عورتوں کی خرید وفروخت اور ان کی تعلیم کی ممانعت فرمائی ہے لیکن بعض صوفیہ غنا کیلئے اس قسم کی کنیزیں رکھتے تھے، چنانچہ سعد ابن عبداللہ دمشقی نے اس قسم کی ایک کنیز خریدی جو صوفیہ کے سامنے قصائد گاتی تھی، ابوطالب مکی نے لکھا ہے، کہ قاضی مروان نے صوفیہ کیلئے اس قسم کی کنیزیں رکھی تھیں، جو ان کو گانا سناتی تھیں،

حدیث کے علاوہ بہت سے بزرگان دین کے اقوال سے بھی اسکی حرمت ثابت ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے، کہ غنا قلب میں نفاق پیدا کرتا ہے، جس طرح پانی سے گھاس اگتی ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے لڑکوں کے معلم کو لکھا تھا، کہ تمھاری تعلیم وتربیت سے یہ لوگ سب سے پہلے جس بات کو سیکھیں، وہ گانے بجانے کا بغض ہو، جسکی ابتدا شیطان سے ہوتی ہے، اور خدا کی ناراضی پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے، یزید بن ولید کا قول ہے، کہ اے بنو امیہ گانے بجانے سے احتراز کرو کیونکہ وہ نفسانی خواہشات کو بڑھاتا ہے، مروت کو ڈھاتا ہے اور شراب کا قائم مقام ہے اور وہی اثر رکھتا ہے، جو نشہ کا ہوتا ہے، قدما صوفیہ بھی مبتدی کو سماع کی اجازت نہیں دیتے تھے،

حضرت جنید بغدادی کا قول ہے، کہ جب تم مرید کو سماع کی حالت میں پاؤ، تو سمجھو کہ اسمیں لہو ولعب کا مادہ باقی ہے، لیکن متاخرین صوفیہ نے اسمیں اسقدر غلو کیا، کہ اسکو قرآن پر ترجیح دیدی، اور اس کے آگے ان کے نزدیک قرآن ایک بے اثر چیز ہو گیا، ایک شخص کا بیان ہے کہ میں بغداد سے یوسف بن حسین رازی سے ملنے کیلئے رے کو روانہ ہوا، وہاں ان کا گھر پوچھتے پوچھتے پہنچا، تو وہ اپنی مسجد کے محراب میں بیٹھے ہوئے تھے، اور ان کے سامنے ایک شخص قرآن کھولے ہوئے بیٹھا ہوا تھا، وہ اسکو پڑھ رہے تھے، میں نے سلام کیا، تو انھوں نے سلام کا جواب دیکر وطن پوچھا، میں نے کہا بغداد سے حضور کی زیارت کیلئے آیا ہوں، انھوں نے کہا کہ کچھ گانا بھی جانتے ہو، میں نے ایک عاشقانہ شعر پڑھا، تو انھوں نے قرآن مجید کو بند کر دیا، اور اسقدر روئے، کہ ان کی داڑھی اور کپڑے تر ہو گئے، محمد بن طاہر نے مروجہ غنا، کی بہت سی باتیں احادیث سے ثابت کرنا چاہی ہیں، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ایک صحابی سے امیہ کے اشعار پڑھنے کی فرمایش کی، انھوں نے ایک شعر پڑھا، تو آپنے فرمایا، اور، اسطرح آپ فرمایش کرتے گئے، اور وہ پڑھتے گئے، یہاں تک کہ سو شعر پڑھ ڈالے، اس سے محمد بن طاہر نے یہ استدلال کیا ہے کہ قوال سے فرمایش کرنا سنت ہو، حالانکہ غنا اور شعر دو مختلف چیزیں ہیں، اگر انگور کا شیرہ جائز ہے تو اوس سے شراب انگوری کا جواز کیونکر ثابت ہو سکتا ہے، اسی طرح حضرت کعب بن زہیر رضنے آپکے سامنے اپنا مشہور قصیدہ بانت سعاد" پڑھا، تو آپ نے ان کو اپنی چادر عنایت فرمائی، ابن طاہر نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ قوال کو انعام دینا اور اسکی عزت افزائی کرنا جائز ہے، حالانکہ قوال اور حضرت کعب بن زہیر کی حیثیت میں زمین وآسمان کا فرق ہو،

سماع کے وقت صوفیہ پر اور بہت سی کیفیتیں طاری ہوتی ہیں، مثلاً وجد کرتے ہیں، تالیاں بجاتے ہیں، ہائے وہو کرتے ہیں، اور کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں، رقص کرنے لگتے ہیں، اور اس پر یہ دلیل لاتے ہیں، کہ جب آیت وَاِنَّ جَھَنَّمَ لَمَوعِدُ ھُمْ اَجْمَعِیْنَ" نازل ہوئی، تو حضرت سلمان فارسی چیخے اور سر پر خاک ڈالتے ہوئے سر کے بل گر پڑے، ہم اُٹھ کر بھاگے، اور تین دن تک دوڑتے رہے، لیکن یہ حدیث بلا اسناد ہے، اور یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی اور حضرت سلمان فارسی رض مدینہ میں اسلام لائے، عام صحابہ کی حالت صرف یہ تھی، کہ جب ان پر قرآن مجید یا رسول اللہ صلعم کے وعظ و پند کا اثر ہوتا تھا، تو روتے تھے، اور خشوع وخضوع کا اظہار کرتے تھے، چنانچہ حضرت انس بن مالک رض سے اون لوگوں کا تذکرہ کیا گیا، جو قرأت کے وقت بیہوش ہوجاتے ہیں، تو انھوں نے کہا کہ ایک دن رسول اللہ صلعم نے وعظ کہا، اور اس کا یہ اثر ہوا کہ سب لوگ رو پڑے، لیکن کوئی بیہوش ہو کر نہیں گرا، حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے، کہ ایک دن رسول اللہ صلعم نے وعظ کہا جس سے آنکھیں ڈبڈبا گئیں، اور دل دہل گئے،

حضرت اسماء رض سے پوچھا گیا، کہ قرأت قرآن کے وقت صحابۂ کرام کی کیا حالت ہوتی تھی، ؟ تو فرمایا کہ وہی حالت ہوتی تھی، جسکو خود قرآن مجید نے بیان کر دیا ہے، یعنی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے، اور

رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، ان کو بتایا گیا کہ اب تو بہت سے لوگ اس موقع پر بیہوش ہو جاتے ہیں، تو خدا سے پناہ مانگنے لگے، اہل عراق میں سے ایک شخص بیہوش ہو کر گرا ہوا تھا، حضرت ابن عمرؓ کا گذر ہوا، اور انھوں نے اسکا حال پوچھا تو معلوم ہوا کہ قرأت قرآن کے وقت اسکی یہی حالت ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ ہم لوگ بھی خدا سے ڈرتے ہیں، لیکن بیہوش ہو کر گر نہیں پڑتے، بہت سے لوگ اسکو تصنع اور ریا سمجھتے تھے، محمد بن سیرین کا قول ہے کہ اگر اس قسم کے لوگوں کو ایک دیوار پر بٹھا دیا جائے، پھر اول سے آخر تک قرآن پڑھا جائے اگر یہ لوگ گر پڑیں تو ان کو سچا سمجھنا چاہئے لیکن اگر اسکو خلوص کا نتیجہ تسلیم کر لیا جائے، تب بھی یہ قوت علم اور صحابہؓ و تابعین کی سنت کے خلاف ہے،

تالیاں بجانا ثقاہت و متانت کے خلاف ہے، اور اس میں مشرکوں اور عورتوں کیساتھ مشابہت پائی جاتی ہے، مشرکین کی نماز یہی تھی کہ سیٹی اور تالیاں بجاتے تھے، اور خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسکی برائی بیان کی ہے

رقص پر صوفیہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کو حکم دیا تھا، کہ

ارکض برجلک

یعنی اپنے پاؤں کو زمین پر مارو،

لیکن اگر یہ حکم خوشی کی حالت میں دیا گیا ہوتا، تو دونوں میں ایک قسم کی مشابہت بھی پیدا ہو جاتی حالانکہ ان کو یہ حکم اسلئے دیا گیا تھا کہ اس طرح زمین سے پانی نکل آئے گا، ایک استدلال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے انت منی وانا منک" اور حضرت جعفرؓ سے، "اشبہت خلقی و خلقی" اور حضرت زیدؓ سے انت اخونا و مولانا" کہا، تو یہ لوگ اترا کر چلنے لگے، اور حبشیوں نے بھی آپ کے سامنے اسی قسم کی حرکت کی، حالانکہ خوشی کی حالت میں اترا کر چلنا اور چیز ہے، اور رقص اور چیز، اسی طرح حبشیوں کا چلنا بھی ایک خاص قسم کا چلنا تھا، جو جنگ کیلئے مخصوص تھا،

صوفیہ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے، کہ جب اون پر غنا کا سخت اثر ہوتا ہے، تو حاضرین مجلس میں سے ایک شخص کو کھینچ لیتے ہیں، اور اب اون کے مذہب میں اس کے لئے بیٹھنا جائز نہیں ہوتا، کھڑا ہو جاتا ہے

تو اور لوگ بھی کھڑے ہو جاتے ہیں، ان میں کوئی سر کھول دیتا ہے، توسب سر کھول دیتے ہیں
یہ تمام طریقے بظاہر مروت وادب کے خلاف ہیں،

اس حالت میں اپنے کپڑے بھی مغنی پر پھینک دیتے ہیں، بعض لوگ صحیح وسالم اور
کپڑے پھاڑ کر پھینکتے ہیں، اوراس پر یہ دلیل لاتے ہیں، کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی
پرستی کی، اوران کواس کا صدمہ ہوا، توانھوں نے تورات کی تختیاں پٹک دیں، اور وہ ٹو
لیکن قرآن مجید میں تو صرف تختیوں کے پٹک دینے کا ذکر ہے، ٹوٹنے کا نہیں، اوراگر ہو
سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ انھوں نے قصداً ان کو توڑ ڈالا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ازخود رفتگی
صوفیہ کی بیخودی میں بھی فرق ہے، یہ لوگ مغنی کو پہچانتے ہیں، اوراگران کے پاس کنواں ہو
بچتے ہیں، ابن عقیل سے اس کا سوال کیا گیا، توانھوں نے کہا کہ یہ ناجائز ہے، رسول اللہ صلعم
کے ضائع کرنے اور گریبان کے پھاڑنے سے منع کیا ہے، لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ ازخود رفتگی کی
ایسا کرتے ہیں، تو بولے کہ جب ان کو یہ معلوم ہے کہ ایسی حالت میں اس قسم کی ازخود رفتگی پید
ہے، توان کواس قسم کی مجلسوں ہی سے احتراز کرنا چاہئے،

توکل حضرات صوفیہ کے نزدیک توکل کی جو حقیقت ہے، وہ ان کے اقوال وافعال سے
ہے، حضرت ابوسلیمان الدرانی کہتے ہیں، کہ اگر ہم خدا پر توکل کرتے، تو چوروں کے ڈر سے نہ دیو
نہ گھر کا دروازہ بند کرتے، حضرت ابویعقوب زیات سے توکل کا کوئی مسئلہ پوچھا گیا، تواون
ایک درہم تھا، اس کو الگ کرکے جواب دیا، اور فرمایا کہ مجھے شرم آئی، کہ تم کو جواب دوں
پاس کچھ ہو، حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں، کہ میں نے مدتوں سفر کیا، لیکن صرف ایک
صحیح طور پر توکل کیا، میں بحری سفر میں تھا، کہ جہاز ٹوٹ گیا اسلئے میں نے جہاز کی ایک لکڑی پکڑ
میرے دل نے کہا کہ اگر تمھارے ڈوبنے کے متعلق خدا کا فیصلہ ہو چکا ہے، تو یہ لکڑی تمکو کیا فائدہ

اب میں لکڑی کو چھوڑ کر پانی پر تیرنے لگا، اور ساحل پر پہنچ گیا،

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات صوفیہ کے نزدیک مال و دولت، اور دوسرے مادی اسباب و ذرائع کے چھوڑ دینے کا نام توکل ہے، اسی لئے ان میں بہت سے لوگ کوئی پیشہ نہیں کرتے، یوسف بن حسین کا قول ہے کہ اگر کوئی مرید پیشہ کرتا ہے، تو یہ سمجھ لو کہ اس سے کچھ ہونے والا نہیں، اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ ان میں اکثر لوگ تو دریوزہ گری پر زندگی بسر کرتے ہیں، اور بہت سے لوگ خانقاہ نشین ہو کر نذرون پر گذارہ کرتے ہیں، یہی وجہ ہے، کہ ابو تراب اپنے اصحاب سے کہتے تھے، کہ تم میں جس نے گدڑی پہن لی، اور خانقاہ یا مسجد میں بیٹھ گیا، اس نے سوال کیا،

پیشہ کے چھوڑ دینے پر یہ لوگ متعدد استدلال کرتے تھے، ایک تو تقدیر کا بہانہ کہ جو روزی مقدر میں لکھی جا چکی ہے، وہ ہم تک ضرور پہنچیگی، دوسرے یہ کہ حلال روزی مل نہیں سکتی، اسلئے اسکی تلاش بیکار ہے، تیسرے یہ کہ پیشہ کرنے سے ظالمون اور گنہگاروں کو مدد ملتی ہے،

لیکن یہ تمام باتین قرآن، حدیث اور سلف صالحین کے طریقے کے خلاف ہیں، قرآن مجید نے مال کو قوام کہا ہے جس سے دنیا کا نظام قائم رہتا ہے، خدا نے فرمایا ہے کہ خذ وا حذرکم یعنی اپنا بچاؤ کرو، نیز واعدوالھم ما استطعتم من قوۃ، کفار کے لئے جو قوت بھی فراہم کر سکتے ہو، فراہم کرو، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ نیک آدمی کے لئے اچھا مال کسقدر عمدہ چیز ہے، رسول اللہ صلعم نے حفاظت نفس کیلئے دو دو زرہیں پہنی ہیں، اور غار میں چھپے ہیں، اور ایک رات آپ نے فرمایا کہ آج میری حفاظت کون کرے گا آپ نے گھر کے دروازہ کے بند کرنے کا بھی حکم دیا ہے، ایک شخص مسجد کے دروازے پر اپنی اونٹنی کو چھوڑ کر آپ کی خدمت میں آیا، آپ نے اونٹنی کا حال پوچھا، تو اس نے کہا کہ خدا پر توکل کر کے چھوڑ دیا، فرمایا کہ اسکو باندھ دو پھر توکل کرو،

تمام انبیاء علیہم السلام اور صحابۂ کرام کوئی نہ کوئی پیشہ کرتے تھے، حضرت آدم علیہ السلام کاشتکار تھے،

حضرت نوحؑ اور حضرت زکریاؑ بڑھئی، اور حضرت ادریسؑ درزی، اور حضرت صالحؑ تاجر تھے، اور حضرت سلیمان علیہ السلام چٹائی بنتے تھے، اور حضرت داؤدؑ زرہ بناتے تھے، اور حضرت موسیٰؑ حضرت شعیبؑ اور خود رسول اللہ صلعم نے بکریاں چرائی ہیں،

صحابۂ کرام میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ، حضرت طلحہؓ بزاز تھے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تیر بناتے تھے، اور حضرت عثمان بن طلحہؓ درزی تھے، اور تجارت و زراعت تو تمام صحابہ کا عام مشغلہ تھا، اور لوگوں کو کسب کی ترغیب دلایا کرتے تھے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ اے فقراء کے گروہ! سر اٹھاؤ راستہ کھلا ہوا ہے، فائدہ حاصل کرو، اور مسلمانوں کے سہارے پر زندگی نہ بسر کرو، جب ان کو کوئی غلام پسند آتا تھا تو پوچھتے تھے، کہ یہ کوئی پیشہ کرتا ہے، اگر معلوم ہوتا کہ وہ بیکار رہتا ہے تو وہ ان کی نظر سے گر جاتا، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ "میرے نزدیک سب سے اچھا درہم وہ ہے، جو تجارت سے حاصل ہو، میں دوستوں کے صلے کو ناپسند کرتا ہوں"، باقی رہا تقدیر کا بہانہ تو انسان دنیا میں احکام الٰہی کا پابند ہے، تقدیر کا نہیں، حلال و حرام کا فرق بھی شریعت نے ظاہر کر دیا ہے، اسلئے وہ بھی کوئی عذر نہیں، اگر کسب و تجارت صرف اسلئے چھوڑ دیئے جائیں، کہ ان سے ظالموں اور گنہگاروں کو مدد ملتی ہو تو دنیا کے تمام پیشے بیکار ہو جائیں،

(باقی)

فیہ ما فیہ

یعنی ملفوظات مولانا روم جو ایک نایاب کتاب تھی، مولانا عبد الماجد بی اے، دریابادی نے مختلف نسخوں سے مقابلہ کرکے اسکو مرتب کیا، اور معارف پریس اعظم گڈھ میں چھپا ہے، ضخامت ۲۴۲ صفحے لکھائی چھپائی نہایت عمدہ ہے، اور مختلف فلسفیانہ، و صوفیانہ مباحث پر مشتمل ہے، قیمت عام

منیجر

تلخیص و تبصرہ

چین میں اسلام اور یورپین طاقتیں

معارف بابت ماہ جولائی میں اس مضمون کی پہلی قسط شائع ہوئی تھی، ذیل میں اسکی دوسری قسط کی تلخیص درج ہے :-

اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط تک چین میں مسلمانوں نے آسودگی اور خوشحالی سے زندگی بسر کی، حکومت نے ان کے لئے مسجدیں تعمیر کیں، اور ان کے ساتھ ہر طرح کی رواداری ملحوظ رکھی، مسلمانوں کے جذبات کا احترام حکومت کی نظروں میں اس طرح بڑھتا گیا کہ شہنشاہ وولی سنگ (Wu. T. sung) نے مسلمانوں کی خاطر غیر مسلمانوں کو سور پالنے سے منع کیا، اسی عہد کے شہنشاہ جنگ وو ([illegible]) کے بارے میں مسلمان مورخین کا خیال ہے کہ اونے مذہب اسلام قبول کر لیا تھا، کیونکہ اوس نے ایک سوالقا نامی ایک رسالہ لکھا تھا جسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں درج تھیں، لیکن اہل چین اسلام کے اس روز افزوں اقتدار سے خوفزدہ ہوگئے، اور مسلمانوں کے مذہب، رسم و رواج، زبان، پوشاک اور روایات کو حسد اور رشک کی نگاہ سے دیکھنے لگے، اور مسلمانوں کے بارے میں خفیہ طور پر شہنشاہ وقت تک شکایتیں پہنچانے لگے، لیکن حکومت کی طرف سے ایک شاہی فرمان ۱۷۳۱ء میں جاری ہوا، جسمیں مسلمانوں کے مذہب اور روایات سے حسن ظن کا اظہار کیا گیا، اور ان مسلم اعلیٰ حکام کی خدمات کی تعریف و توصیف کیگئی جو حکومت کے قوت بازو بنکر آڑے وقتوں میں کام آتے تھے، غیر مسلم رعایا کو تلقین کی گئی کہ مسلمانوں کو اپنی ہی طرح چین کے بہی خواہ اور ذمہ دار باشندے سمجھیں، اس فرمان سے شہنشاہ چین کی غیر جانب داری بالکل

عیان ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے، کہ باوجود تمام مخالفتوں کے اسلام نے چین کی سرزمین میں بہت گھر اثر پیدا کر لیا تھا، ابن بطوطہ جو چودھویں صدی کے وسط میں چین میں وارد ہوا، بیان کرتا ہے کہ تمام یونن (Yunnan) نے اس وقت اسلام قبول کر لیا تھا، اس کا اس خیال سے بہت ہی پرجوش خیر مقدم کیا گیا کہ وہ ایسے ملک سے آرہا تھا، جہاں کے افق پر اسلام ظہور پذیر ہوا، وہ لکھتا ہے، کہ ہر قصبہ میں مسلمانوں کی آبادی ہے، جہاں عبادت کیلئے ان کی مسجدیں ہیں، اور وہ چینیوں میں خاص عزت اور وقعت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں،

چین میں اسلامی تبلیغی سرگرمیوں کی ابتدائی تاریخ کا پتہ نہیں چلتا لیکن موجودہ چینی مسلمانوں کی آبادی اور شہروں اور قصبوں کی پرانی مسجدیں ان کی بارآور کوششوں کے کھلی تاریخ ہیں، صوبہ شانسی کے صدر مقام طے یوآن (Taiyuan) میں ایک ایسی مسجد موجود ہے جو ۱۹۱ھ (۸۰۶ء) میں تعمیر ہوئی، ذے کوآن (Szechuan) کے صدر مقام چنگتو (Chengtu) میں چین کی سب سے بڑی مسجد ہے، اس شہر میں مسلمانوں نے اور بھی کئی مسجدیں بنوائی ہیں پکین سابق دارالسلطنت چین میں ۵۲ مسجدیں ہیں،

اسلام شہروں اور قصبوں میں پھیلتا رہا، یہودیوں کی ایک بڑی تعداد مشرف بہ اسلام ہوتی گئی، لیکن مسیحی مبلغوں نے اہل چین کو اسلام کے خلاف ابھارنا شروع کیا، یہانتک کہ ضانگ سی (Kwangse) کے حاکم نے ۱۶۹۳ء میں ایک اسلامی مبلغ کو گرفتار کرکے مسلمانوں کی تبلیغی کوششوں کو بغاوت اور شورش کا مترادف قرار دیا، لیکن شہنشاہ چین نے حاکم کے اس رویہ پر ملامت کی، اور اسلامی مبلغ کو رہا کر دیا، اسطرح اگرچہ چین میں اسلام کے خلاف فضا پرآشوب ہوتی گئی، لیکن شہنشاہان چین اپنے رویہ میں روادار اور صلح کل رہے، شہنشاہ چائن لنگ (Chien Lung) (۱۷۳۶ء - ۱۷۹۶ء) نے تو یہاں تک رواداری کا اظہار کیا کہ کلام پاک اور احادیث کے مجموعوں اور اسلامی علوم

نون کی دوسری کتابوں کو امپیریل انسائیکلوپیڈیا (Emperial Encyc. ofo Fr[illegible]) کے ساتھ رکھنے کا حکم دیا، اٹھارھویں صدی کے آخر تک مسلمان عزت اور وقعت کیساتھ رہے، اور اسی عہد میں مسلمان جنگ اور صلح دونوں زمانوں میں حکومت اور شہنشاہ کے حق میں اعلیٰ خدمات انجام دیتے رہے، لیکن چانگ خاندان (سنہ ۱۶۴۴ء سے سنہ ۱۹۱۲ء تک) کی حکومت کے دوران میں مسلمانوں کی طرف سے نظر التفات پھیر لی گئی، اور اوس کا سبب یورپین طاقتوں کا وہ رویہ ہے، جو اونھوں نے چین کے متعلق اختیار کیا تھا،

اب تک چین میں یوروپین طاقتوں کا سیاسی اقتدار مطلقاً نہ تھا، بلکہ یوروپین مبلغون اور تاجرون کا قیام اہل چین کی عنایتوں پر منحصر تھا، پرتگالیوں اور اون کے مذہبی پیشواؤں کو مکاؤ (Macao) سے آگے بڑھنے کی اجازت نہ تھی، پروٹسٹنٹ مبلغوں کا وہان سرے سے وجود نہ تھا، اہل برطانیہ کینٹن (Canton) کے حدود سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتے تھے، دیوار چین روسیون کے راستہ مین حائل تھی، اور فرانسیسیون کا بھی کہین نام نہ تھا، آخرکار ایک روسی پروفیسر چینی حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے اپنی حکومت کی طرف سے بھیجا گیا، اس نے اپنی روئداد مین چین کے مسلمانون کی روز افزوں زیادتی میں یورپین تمدن کی بربادی اور تخریب کے عناصر تبلائے، اس نے یورپ کو اس خطرے سے یہ کہکر آگاہ کیا کہ اگر چین جہان بنی نوع انسان کی تہائی آبادی ہے، اسلامی سلطنت بن گیا، تو مشرق کی سیاست کی بساط ازسرنو بچھائی جائے گی، اسلام کی دنیا جو جبل الطارق سے بحر منجمد تک پھیلی ہو گی، پھر عروج پذیر ہو گی، اسلام ایک بار پھر عیسائی دنیا کو معرض خطر اور ہلاکت میں ڈالدے گا، اور چین کا جمود جو دنیا کے بقیہ حصون کے لئے اسقدر منفعت بخش ہے، نہایت خیز مشغولیتون میں تبدیل ہو جائے گا،"

روسی پروفیسر کی روئداد کا شائع ہونا تھا، کہ یوروپین طاقتوں میں ہلچل پڑ گئی، انگلستان سب سے پہلے آگے بڑھا، کینٹن میں برطانوی تجارت کی نگہبانی لارڈ نیپیر کے سپرد کی گئی، اہل چین افیون کی درآمد کو

قطعی طور سے بند کر دینا چاہتے تھے، لارڈ نیپیر کو موقع ملا، اور تنازع کی ابتدا ہوئی، مگر یہ تنازع عملی صورت اختیار نہ کرنے پایا تھا، کہ لارڈ نیپیر کا انتقال ہوگیا، اسکے بعد سر چارلس ایلیٹ کی تقرری ہوئی، سر چارلس نے حکومت چین کے ساتھ ایک مصالحت کی جس سے چین میں افیون کی درآمد کو بند کرنے کا معاہدہ کیا گیا، مگر حکومت برطانیہ اسکو کب گوارا کرسکتی تھی، وہ ہندوستان کے افیون کی تجارت کو صرف فروغ ہی دینا نہ چاہتی تھی، بلکہ اس موقع کی تلاش میں تھی کہ چین کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرکے مسلمانوں کی بیخ کنی کرے، سر چارلس ایلیٹ کو واپس طلب کرلیا گیا، اور ۱۸۴۰ء میں چینیوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی گئی، برطانوی فوج نے کینٹن اور دوسرے شہروں پر قبضہ کرلیا، چینیوں نے اپنی بے بسی کا اظہار کرکے صلح کی، جس سے ہانگ کانگ اور دیگر چار بندرگاہ سلطنت برطانیہ کے قبضہ میں دیدئے گئے، ان میں ایک بین الاقوامی بندرگاہ قرار دیا گیا، افیون کی درآمد پر کوئی امتناعی قانون عائد نہیں کیا گیا، واقعات اور دلچسپ ہوگئے، جب ایک عیسائی نے اعلان کیا کہ وہ خدا کی طرف سے مسلمانوں کو چین سے نکالنے کے لئے بھیجا گیا ہے، اس نے آسمانی بادشاہ کا لقب اختیار کرکے اپنی حکومت قائم کی، سلطنت برطانیہ اس آسمانی بادشاہ کو حصول مقصد میں مدد دینے کے لئے آگے بڑھی، برطانیہ نے چینیوں کے خلاف ۱۸۵۳ء میں جنگ کا اعلان کرکے کینٹن کا صوبہ پھر اپنے قبضہ میں کرلیا، اور عیسائی شہنشاہ کی حکومت کو جائز قرار دیا، فرانس کو بھی اس اثنا میں چینیوں سے برسرپیکار ہونے کا موقع ملا، کوئی فرانسیسی مبلغ مارا گیا، پھر کیا تھا، برطانوی حکومت کے ساتھ ملکر فرانسیسیوں نے چینیوں سے تاوان وصول کرنا چاہا، دونوں کی متحدہ فوج ۱۸۶۰ء میں چین میں داخل ہوئی، اہل چین مقابلہ کی تاب نہ لاسکے، اور معاہدہ ہوا جسمیں عیسائی مبلغوں کو چین کے اندرونی حصوں میں تبلیغ کی کامل آزادی دی گئی، اور چینی فوج کی نگرانی برطانوی افسروں کے سپرد کی گئی،

روس کیوں پیچھے رہتا، اوس نے بغیر کسی معقول عذر کے والدی واسٹک اپنے قبضہ میں کرلیا،

جرمنی بھی اس لوٹ میں خاموش نہیں بیٹھا، دو جرمن مبلغون کا قتل ہوا تھا کہ اہل جرمنی مملکت چین کے کچھ حصوں پر چڑھ دوڑے، اب یورپ کی تمام بڑی طاقتوں نے چین میں کچھ نہ کچھ اقتدار حاصل کرلیا ہے اوران میں سے ہرایک گوے سبقت لیجانا چاہتی ہے،

اسی اثنا میں عیسائی تبلیغی انجمنوں نے اسلام کے خلاف ہرطرح کی زہرافشانیاں کین، تبلیغ کے وقت عیسائی مبلغین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نالائم کلمات کہہ جاتے، اگر کوئی چینی مسلمان مشتعل ہوکر جواب میں کچھ کہدیتا یا ایک پتھر پھینک دیتا توچینی فوجین جو یوروپین حکام کے ماتحت ہوتیں، فوراً قانون اور امن کے تحفظ کے بہانے طلب کرلیجاتین،

چینی حکومت روز بروز کمزور ہوتی جارہی تھی لائق وزرا، اور مشیر کار یا تو نکالدیئے گئے تھے، یا قتل کردیئے گئے تھے، حکومت کا نظام سلطنت ابتر ہوتا جارہا تھا، برسراقتدار وزرا، کی اخلاقی حالت پست ہوگئی تھی یوروپین طاقتین انکو اپنا آلۂ کار بنائے ہوئے تھیں، اوران کو رشوت دیکر مسلمانوں کے استیصال کی ہرممکن کوشش کررہی تھیں، رفتہ رفتہ چینی اون کے زیراثر ہوکر مسلمانون سے بالکل برگشتہ ہوگئے، انھیں یقین دلایا گیا کہ تاتاری اور چینی مسلمان ہرشورش اور بغاوت کے باعث ہیں، چنانچہ شہنشاہان چین جو اب تک مسلمانون کو جان نثار رعایا سمجھتے تھے، ان کو بدترین دشمن سمجھنے لگے، ان پر یہ خیال مسلط کیا گیا کہ چین اور شہنشاہان چین کی نجات اسی میں ہو کہ یہاں سے مسلمانوں کی بالکل بیخ کنی کردی جائے، ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی عنان حکومت شہنشاہ کے ہاتھ سے فوجی حکام کے ہاتھ میں چلی گئی شہنشاہ اچ سین فنگ (Hxien Feng) اور احمق شہنشاہ، ٹی انگ چیہ (T... ung Chih) کے زمانہ میں تو مسلمانوں کے قتل عام کا اعلان کردیا گیا، ان وحشیانہ حرکات کی تکمیل میں یوروپین فوجی حکام نے ہرقسم کی مدد پہنچائی، سال بہ سال یوروپین فوجی حکام کے ماتحت ان صوبون میں جہان مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی، مسلمانون کے قتل اور غارتگری کے لئے فوجین بھیجی جانے لگین، اور قتل، غارت، اور وحشیانہ مظالم ان پر برپا ہونے لگے،

ان ناقابلِ بیان مظالم کے دوران میں علمائے اسلام مسلمانوں کو صبر و سکون سے کام لینے کی تلقین کرتے رہے، وہ صرف مسلمانوں کو کسی محفوظ اور پرامن مقام میں ہجرت کرنے کی ہدایت کرتے، بسا اوقات مسلمان مدافعانہ جنگ کے لئے تیار ہوتے، تو وہ خدا اور رسول کا واسطہ دیکر انہیں باز رکھتے

یورپین طاقتوں کی چیرہ دستیوں اور شہنشاہانِ چین کے مظالم سے چین میں ایک اندوہناک انقلاب برپا ہونے والا ہی تھا، کہ ۱۸۹۴ء میں جنگ چین و جاپان کا اعلان ہوا، یورپین طاقتوں کی توجہ اس طرف مبذول ہوگئی، حکومتِ چین کو بھی ظالمانہ رویہ روکنا پڑا، مملکتِ چین معرضِ خطر میں پڑ گئی، اور چینی قوم ہلاکت کے ورطہ میں آگئی تھی، باوجودیکہ مسلمانوں پر ہر قسم کے مظالم ہوتے رہے تھے لیکن انھوں نے اس قومی مصیبت میں شریک حال ہونے سے گریز نہیں کیا، وہ جوق کے جوق چینی جھنڈے کے نیچے آکر جمع ہوگئے، اور جان و مال سے حکومتِ مانچو کی مدد کی، شانتنگ کے جنرل تی سو پاؤ کے اوئی (General Tso Pao Kui) اور کانسو (Kansu) کے جنرل مافیولیو (MAFU LU) اپنی کثیر التعداد مسلم فوجوں کے ساتھ میدان کارزار میں جان بحق ہوئے، اور کمانڈر این ٹی اچ سنگ (Ma Te Hsing) حملہ آوروں کے خلاف جنگ کرتے ہوئے اپنی تمام فوجوں کے ساتھ ہلاک ہوئے،

۱۹۱۲ء میں چین میں جمہوری حکومت قائم ہوئی، جنگ عظیم کا آغاز اس کے بعد ہی ہوا، اب یورپین طاقتوں سے چینیوں نے نجات پائی، تو قومی پیچیدگیوں کو سلجھانے کی کوشش کرنے لگے، نئی حکومت کا آغاز ہونا تھا، کہ حالات میں بالکل تغیر پیدا ہوگیا، مسلمانوں سے بیزاری اور نفرت کا جذبہ قطعی طور سے دور کر دیا گیا، آپس کے تفرقے دور ہوگئے، اور مسلمانوں کو حکومت کا ہاتھ بٹانے کی دعوت دی گئی، چنانچہ اب مسلمان وزیر، گورنر، فوجی حکام، اور حکومت کے کابینہ کے اراکین ہیں، مسلمانوں نے اب اپنے ابتدائی اور اعلیٰ مدارس، کالج، شفاخانے، اور کتب خانے باضابطہ قائم کرلئے ہیں، شانگھائی میں انکے

اعلیٰ معیار کے ابتدائی مدارس قائم ہیں چنگ جنگ میں اب ان کا ایک اسلامیہ ہائی اسکول بھی ہے، اب انکے کئی موقر رسالے بھی شائع ہوا کرتے ہیں، مثلاً نور اسلام، نور محمدی، واج وامیگ زن شمالی چین سے نکلتے ہیں جنوبی چین سے اسلامی جرس انسانیت اور شنگھائی سے اسلامک ریویو شائع ہوتے ہیں، اور دو اسلامی روزنامے بھی ہیں، ایک نیننگ سے اور دوسرا شن یانگ سے نکلتا ہے، اسلامی تعلیم کے بیس ادارے ہیں، ان ہی اکثر کلام پاک اور احادیث کے ترجمے چینی زبان میں شائع کر رہے ہیں، اور اب ہر ممکن صورت سے مسلمان چین میں اسلام کی فوقیت اور برتری برقرار رکھنے میں کوشاں ہیں، "م ع"

زلزلہ پر سیاروں کے اثرات

سائنس، ارضیات، اور ہیئت کے ماہرین نے زلزلہ کے اسباب کے متعلق مختلف نظریے قائم کئے ہیں بعض ماہرین سائنس کا خیال ہے کہ زلزلے اکثر زمین کی تہ کی ناقص ساخت کے سبب واقع ہوتے ہیں، چنانچہ ہندوستان میں جو زلزلے آئے، ان کا سبب ایک ہندوستانی ماہر سائنس یہ بتاتا ہو، کہ ہمالیہ کی جڑیں کھوکھلی ہوگئی ہیں جس سے ان کا وزن نسبتہً ہلکا ہوگیا ہے، اور وہ زمین کی اندرونی تہ پر اپنا توازن قائم کرنا چاہتا ہے، اسی کے اثر سے زمین میں جنبش پیدا ہو جاتی ہے، اور جو کبھی اتنی تیز ہوتی ہے، کہ اسکے اثر سے ایک وسیع آبادی تباہ و برباد ہو جاتی ہے، اسی طرح فضا کی تموجی کیفیت اور مقناطیسی قوت کے دباؤ، سمندروں کی طغیانی کے دھکوں اور سطح زمین کی تہ کے شق ہو جانے سے بھی زلزلے آتے ہیں، لیکن سچ یہ ہے، کہ اس سلسلہ میں ماہرین سائنس اور ارضیات کے معلومات اب تک نہایت محدود ہیں، موجودہ زمانہ کے سائنسدان زلزلہ کی آمد سے قبل اسکی خبر نہیں دے سکتے، وہ انہی اصولوں سے واقف ہیں، جو ارسطو نے ۳۰۰ قبل مسیح اور بطلیموس نے ۱۵۰ء میں قائم کر کے زلزلے کے وقت اور مقامات کو قبل از وقت وقوع جاننے کی کوشش کی ہے، ارسطو اور بطلیموس کے قوانین موجودہ زمانہ کے ارضیات، شہابیات، طبعیات اور اسی قسم کے دوسرے علوم سائنس کے اصولوں پر قائم نہیں، بلکہ علم ہیئت اور نجوم کے مجموعی اصولوں پر مبنی ہیں، ان کا خیال ہو کہ زمین کے اجزا

اور اسکی فضائی حالت پر سماوی اور کائناتی اثرات سمندر کی گہرائیوں سے نہیں بلکہ عالم بالا سے ظہور پذیر ہوتے ہیں،

یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ زلزلے کے جھٹکوں میں مقناطیسی سوئیاں غلط سمت بدل لیتی ہیں، گھڑیاں بند ہو جاتی ہیں، ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے، کہ زمین کی مقناطیسی قوت میں بجلی کی فراوانی سے ہلچل پڑ جاتی ہے بعض زلزلے آندھی بجلی اولے اور بارش کے بعد آتے ہیں، اور یہ بھی دیکھا گیا ہے، کہ افقی اور انتصابی جھٹکوں کے علاوہ چکری جھٹکے (WHIRLING SHOCKS) بھی آتے ہیں، جو تمام عمارتوں کو پست کر دیتے ہیں، سنے علم ہیئت کا یہ نقطہ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ بجلی کی (FELLURIC) لہر جو آفتاب ماہتاب اور دوسرے سیاروں کے اضافی مقامات سے پیدا ہوتی ہے، نہ کہ صرف برقی لہر زلزلہ کی تباہ کن بربادیوں کا سبب ہوتی ہے بطلیموس نے دوسری صدی ہجری میں لکھا تھا کہ "تمام سیاروں میں زمین سے سب سے زیادہ قریب ماہتاب ہے، اور ارضی چیزوں میں اس کا اثر سب سے زیادہ قابلِ قبول ہے، اسکی ضیا پاشی کے اثر سے دریاؤں میں مد و جزر ہوتا ہے، سمندر میں لہریں اٹھتی ہیں، اسی طرح پودوں اور جانوروں کے نشو و نما یا تنزل پر بھی اس کا اثر پہنچتا ہے، سفرئیل (SEPHARIAL) جو علم ہیئت اور سائنس کا بہت بڑا ماہر ہے، لکھتا ہے، کہ ہمیں یہ خیال کرنے میں مطلق تامل نہیں کہ وہ قوت جو پانی کی ایک موٹی تہ کو چند گھنٹوں میں کئی فیٹ اونچا لیجاتی ہو، وہ زمین کے سیال اجزا پر اپنا عمل کیوں نہیں کر سکتی، گرہن کے سلسلہ میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے، کہ آفتاب کا تاریکی میں چھپ جانا اور شعاعوں کا بالکل مفقود ہو جانا حرارت کے دفعۃً بسرعت سے کم ہو جانے کا سبب ہوتا ہے، اور پھر کائنات کو اپنی اصلی حالت پر لانے کیلئے زمین کی [illegible] سے گرمی اوپر کی طرف جاتی ہے، لیکن زمین کی تہ کا کوئی حصہ اتفاق سے شگاف یا کسی اور وجہ سے کمزور ہو گیا ہو تو حرارت کے دباؤ کی کثرت سے زمین میں جنبش پیدا ہو جاتی ہے، زلزلوں کی گذشتہ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کثیر التعداد زلزلے ایسے ہیں، جن کے

یا بعد آفتاب یا ماہتاب میں گرہن ضرور لگے، بعض زلزلے ایسے وقت میں آئے، جب ماہتاب اور زمین کے درمیان انتہائی فاصلہ ہوگیا تھا، بہت کم زلزلے ایسے ہوتے ہیں جن کے قبل یا بعد کوئی گرہن ہی نہ لگا ہو،

اگر اس قانون کو حقیقت سمجھکر ہم تسلیم کرلیں تو پھر ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سال میں کم از کم دو بڑے زلزلہ کا آنا ضروری ہے، لیکن ایسا نہیں ہوتا، اسکی وجہ یہ ہے کہ سیاروں کی جگہیں ہر سال بدلتی رہتی ہیں، لیکن جب کبھی گرہن ہو تو یہ یقین کرلینا چاہئے کہ کائنات میں کوئی واقعہ ظہور پذیر ہونے والا ہے، یورانس، نیپچون، زحل، مشتری اور مریخ جب متصل یا مخالف سمتوں میں مستطیل ہوں خصوصاً گرہن کے وقت، تو بس کسی مہلک خطرہ کے لئے تیار رہنا چاہئے،

اس تھوڑی سی وضاحت کے بعد ہم گذشتہ زلزلوں پر تبصرہ کریں گے، اور ان نجومیوں کے نام بتائیں گے جنھوں نے قبل از وقوع زلزلوں کی پیشگوئیاں کردی تھیں،

سنہ ۱۹۰۳ء میں کلیبریا میں ایسا زلزلہ آیا کہ چالیس ہزار افراد موت کے گھاٹ اتر گئے، اس زلزلہ کے وقت جدی میں زحل اور مشتری یورانس کے مخالف سمت پر اور نیپچون کے ساتھ میزان میں مستطیل تھے، اسی لئے سیاروں کے اثرات میں شدت تھی، سنہ ۱۹۵۲ء (۱۵ر جولائی) میں کمایا میں زلزلہ سے ۵۰۰ آدمی ہلاک ہوئے، اسی سال ۶ر جون کو آفتاب میں گرہن لگا تھا، زحل اور یورانس ثور میں تھے، جو زلزلہ کی لازمی پہچان ہے، مشتری، قوس الرامی میں گرہن کی ڈگری کی مخالف سمت پر تھا، مریخ اس دن اس ڈگری سے گذر رہا تھا، ایک سال قبل کمانڈر موریسن نے اس زلزلہ کی پیشگوئی کی تھی، ۱۵ر اگست سنہ ۱۹۶۰ء میں جنوبی امریکہ کے بہت سے شہر اور قصبے زلزلہ کی وجہ سے تباہ ہوگئے، یہانتک کہ جھرنے بھی خشک ہوگئے، اسی سال ۲۳ر فروری کو آفتاب میں گرہن لگا تھا، آفتاب، ماہتاب، مشتری اور مریخ برج حوت میں تھے، آفتاب اور ماہتاب زحل سے ۸ ڈگری، اور اسی طرح زہرہ بھی یورانس سے ۹۰ ڈگری کے فاصلہ پر تھا، زلزلہ کے وقت آفتاب مریخ

اور ماہتاب کی مخالف ڈگری سے گذر رہا تھا، اور ماہتاب مریخ سے متصل تھا، کمانڈر مورلیسن اور پیرس نے اس کی پیشنگوئی کی، ۳۰؍ اپریل ۱۸۳۱ء میں کیوس (ارکی پیلاگو) میں زلزلہ کے باعث پانچ ہزار آدمی مرے زحل اور مشتری برج ثور میں تھے، ۱۲؍ جون ۱۸۴۰ء میں آرمینیہ میں ۴۴ گاؤں تودۂ خاک بن گئے، زہرہ، مشتری، زحل، نیپچون سب کے سب ثور میں تھے، اسی طرح اور بھی کثرت سے مثالیں ہیں جو طوالت کے خیال سے نظر انداز کر دی جاتی ہیں، صوبہ بہار میں ۱۵؍ جنوری ۱۹۳۴ء کو جو زلزلہ آیا، وہ واقعی قیامت خیز تھا، چاند کا پہلا دن تھا آفتاب اور مریخ ساتھ تھے، لیکن یورانس اور مشتری کے ساتھ مستطیل تھے نیپچون مشتری اور یورانس بالمقابل سے تھے، اور اسی طرح ماہتاب، مریخ اور زحل تھے، سیاروں کا اس قسم کا اجتماع بہت کم دیکھنے میں آیا ہے، اور یکے اثرات جتنے بھی زیادہ مہلک ہوتے کم تھا،

ص ۔ ع

عرب کی موجودہ حکومتیں

یہ عجیب بات ہو کہ جزیرۃ العرب کیساتھ مذہبی تعلق و عقیدت کے باوجود ہندوستان کے مسلمانوں کو نجد و حجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے حصوں اور حکومتوں کے حالات سے بہت کم واقفیت ہے اسلئے اس کتاب میں عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور تمام قابل ذکر حکومتوں نجد و حجاز، عسیر، یمن، نجح، نواحی تسعہ بحرین، کویت اور فلسطین و شام کے مختصر جامع حالات جمع کر دیئے گئے ہیں، ضخامت ۰۰ا صفحے، قیمت ۱۲؍

خیّام

خیام کے سوانح، تصنیفات، اور فلسفہ پر تبصرہ اور فارسی رباعی کی تاریخ اور رباعیات خیام پر مفصل مباحث اور آخر میں خیام کے چھ عربی و فارسی رسالوں کا ضمیمہ اور اسکے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی نقل شامل ہے، خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل، مکمل، اور حتی المقدور محققانہ یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہے، ضخامت ۵۲۰ صفحات، کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ، قیمت غیر مجلد ہے، مجلد للعہ

"منیجر"

اخبارِ علمیہ

روس کی بازگشت

رسالہ لٹریری ڈائجسٹ کی اطلاع ہے کہ روس میں بالشیوک نظام کے قائم ہونے پر تمدن اور مذہب کی پابندیوں کے خلاف جو برگشتگی پھیل گئی تھی، اُسمیں اب نمایاں طور پر تخفیف نظر آرہی ہے، پہلے ہر شخص کو حق حاصل تھا کہ آج نکاح کرے، اور کل ہی طلاق دیکر دوسری بیوی گھر میں لائے، لیکن اب طلاق کی اس آزادی پر کچھ قیود بھی عاید کردیئے گئے ہیں، بالشیوک نظام نے خانگی زندگی کو بالکل برباد کردیا تھا، مگر اب یہ حقیقت ازسرنو دریافت ہورہی ہے کہ مہذب اور متمدن سوسائٹی کی بنیاد ہی خانگی زندگی پر ہے، ابھی حال تک ان بچوں کو انعام دیا جاتا تھا جو اپنے والدین کی سیاسی اور تمدنی غلط روی سے حکومت کو مطلع کردیتے تھے، لیکن اب انھیں والدین کے حقوق کی نگہداشت اور ان کے احترام کی تعلیم دی جارہی ہے، مدرسوں میں بھی بچوں کی تربیت پر خاص طور سے زور دیا جارہا ہے اور حکم ہوا ہے کہ اُن کی تعلیمی حالت کی اطلاع ان کے گھر والوں کو بھی برابر دیجاتی رہے، مذہب کی دشمنی میں بھی خاصی کمی ہوگئی ہے، چنانچہ گذشتہ ایسٹر کی تقریب میں گرجے بھرے ہوئے تھے اور لوگ حسب دستور قدیم ایک دوسرے سے مذہبی جوش کے ساتھ ملتے جلتے تھے، یہ صحیح ہے کہ اس موقعہ پر چند ایسے رسالے بھی تقسیم کئے گئے جنمیں لوگوں کو گرجوں میں جانے سے روکنے کی کوشش کی گئی تھی، لیکن حکومت کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہیں ہوئی اور نہ سرکاری اعلانات میں جو ریڈیو کے ذریعہ شائع ہوئے کوئی بات مذہب کے خلاف پائی گئی حالانکہ پہلے ہر اعلان میں مذہب کی مخالفت کا عنصر ضرور شامل ہوتا تھا، روس

کی اس بازگشت کی تصدیق وہاں کے ایک اشتمالی رسالہ پراودا (Pravda) سے بھی ہوتی ہے؛ وہ لکھتا ہے :- "سوشلسٹ خاندان کی تمام تر بنیاد محبت پر قائم ہے، اس کے بغیر خاندان کا وجود باقی نہیں رہ سکتا، نوجوان اشتمالیوں (Communists) میں اس جذبہ کا ہونا بہت ضروری ہے، جو لوگ اس جذبہ کی اہلیت نہیں رکھتے وہ خودغرض اور منفعت غور ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ رائے عامہ ان کا پیچھا کرے اور انھیں تحقیر و تذلیل کا نشانہ بنائے"۔ یہ بیان اس سابق نظریہ کے بالکل مخالف ہے جس کے روسے اشتمالی نظام میں خاندان کی کوئی اہمیت نہ تھی، تجربہ سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ طلاق کی آسانی ایک طرف خاندان کی مرکزیت کو ختم کر دیتی ہے اور دوسری طرف اوسط پیدائش میں بھی تخفیف ہونے لگتی ہے۔ اسکی اصلاح کے لئے رسالہ مذکور کا ایک مقالہ نگار لکھتا ہے :- "ہر لڑکی کی قدر و عزت نہ صرف اس وجہ سے کرنی چاہئے کہ وہ ایک انجنیر ہوگی، بلکہ اس حیثیت سے بھی کہ آیندہ وہ ایک ماں ہوگی، ایک بچے کی ماں کی عزت اس حیثیت سے کرنی چاہئے کہ وہ آٹھ بچوں کی ماں ہونے والی ہے۔

سائنس کی ایک جدید تحقیق

نیویارک (امریکہ) کے ایک ماہر انکشافات جرائم جان اوکانل (John O. Connell) نے اسٹاک ہولم (سویڈن) کے ایک ماہر ڈاکٹر سوڈرمین (Dr. Söderman) کی مدد سے انگوٹھے کے نشانوں کے متعلق ایک نئی تحقیق کی ہے، جسے انھوں نے حال میں شائع کر دیا ہے، اس کے روسے اگر انگوٹھے میں کوئی چیز نہ بھی لگی ہو تب بھی اس کے نشانات معلوم کئے جا سکتے ہیں، ماہرین مذکور نے اپنی تحقیق کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسامات سے جو پسینہ خارج ہوتا ہے اس سے انگلی کے سرے پر ایک قسم کی دہنیت آجاتی ہے، لہذا جس چیز پر انگلی پڑتی ہے، اس پر ایک نہایت باریک جھلی جم جاتی ہے، مسامات سے نکل کر جو چیز انگلی کے سرے پر آتی ہے اس میں (۹۸٫۵) سے لیکر (۹۹٫۵) تک پانی اور (۰٫۵) سے لیکر (۱٫۱) تک ٹھوس مواد ہوتا ہے، اس ٹھوس مواد میں تقریباً ایک ثلث غیر نامیاتی مادہ (Inorganic matter)

ہوتا ہے جو عموماً نمک ہوتا ہے، اسی نمک کی وجہ سے انگلی کے نشانات قائم ہو جاتے ہیں، اگرچہ بظاہر وہ دکھائی نہیں دیتے، جس چیز پر انسان کا ہاتھ پڑتا ہے اگر اسے دس فی صدی سلور نائٹریٹ (Silver nitrate) کے محلول میں ڈالدیں تو نمک کی ننھی ننھی قلمیں سلور کلورائڈ (Silver Chlorid) بنجاتی ہیں، آفتاب کی شعاعوں یا کسی تیز مصنوعی روشنی کی طرف رکھنے سے سلور کلورائڈ کا رنگ گہرا ہو جاتا ہے اور نشانات ظاہر ہو جاتے ہیں، اس وقت اُن کی تصویر آسانی سے لیجا سکتی ہے، مسٹر اوکانل نے اس تحقیق کا تجربہ کر کے دکھا بھی دیا، انھوں نے ایک سوتی رومال پر آہستہ سے اپنا انگوٹھا دبایا اور پھر اس رومال کو شیشہ کی ایک کشتی میں ڈبو دیا جس میں دس فی صدی سلور نائٹریٹ اور نوے فی صدی کشید کئے ہوئے پانی کا محلول تھا، ایک ہی منٹ کے بعد رومال کو کشتی سے نکال لیا اور ایک تیز برقی لمپ کے سامنے رکھا جس سے الٹراوایولٹ شعاعیں نکلتی تھیں، پانچ منٹ کے اندر انگوٹھے کے نشانات نظر آنے لگے،

آنکھوں کی غمازی،

نیویارک ہی کے ایک سابق پولیس کمشنر نے جس کا نام کارلٹن سائمن (Dr Carleton Simon) ہے سراغ رسانی کا ایک عجیب و غریب طریقہ دریافت کیا ہے جو مجرموں کے لئے مذکورہ بالا تحقیق سے کہیں زیادہ تشویشناک ہے، انسان کی آنکھ کے پیچھے پردہ شبکیہ کے دوسری جانب اعصاب اور شریان کا ایک خوشنما نقشہ ہوتا ہے، انگلیوں کے نشان کی طرح یہ نقشہ بھی ہر شخص کی آنکھ میں مختلف ہوتا ہے، اور اگر کسی مرض کے باعث اس میں تغیر نہ ہو تو تمام عمر یکساں رہتا ہے، ڈاکٹر سائمن نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ آیندہ مجرموں کی گرفتاری میں انگلیوں کے نشان کے علاوہ آنکھ کے اس نقشہ سے بھی مدد لیجائے، بڑے بڑے عادی مجرم پولیس کو دھوکا دینے کی غرض سے یہ تو کر سکتے ہیں کہ اپنے انگوٹھوں پر عمل جراحی کر کے ان کے نشانات بدل ڈالیں مگر آنکھ جیسی نازک چیز پر وہ اس قسم کا عمل مشکل ہی سے کر سکیں گے، پردہ شبکیہ کی تصویر ایک خاص قسم کے کیمرے سے لیجا سکتی ہے جو ابتک صرف امراض چشم کی تشخیص میں استعمال ہوتا تھا،

کرہ سماوی کی تقسیم

بین الاقوامی انجمن ہیئت (International Astronomical Union) کا پانچواں اجلاس گذشتہ جولائی میں پیرس میں منعقد ہوا تھا، جس میں پچیس قوموں کے بڑے بڑے ہیئت داں شریک تھے، اس مجلس کا مقصد ہیئت میں بین الاقوامی سوالات کو ترقی دینا تھا، چنانچہ اراکین مجلس نے کرہ سماوی کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے اُسیں تقسیم کرلیا ہے، تاکہ باہمی تعاون کے ساتھ ان کا مطالعہ کیا جائے، علاوہ بریں ۱۹ ارجون ۱۹۳۶ء کو آفتاب میں جو پورا گرہن لگنے والا ہے اور جو شمالی افریقہ، یورپ (بہ استثنائے اسپین) گرین لینڈ، امریکہ، کناڈا، اور الاسکا میں دکھائی دیگا، اس کے مطالعہ کے لئے بھی تجویزیں مرتب کرلی گئی ہیں، اس انجمن میں سوویٹ روس کے ہیئت دان پہلی بار شریک ہوئے ہیں، ان کی پیش کردہ تجویز کے مطابق نجوم متغیرہ کے مطالعہ وتحقیق کے لئے کرہ سماوی کے چوالیس (۴۴) خطے منتخب کرلئے گئے ہیں، اس انجمن نے ایک اہم سفارش یہ بھی کی ہے کہ آئندہ بین الاقوامی ضرورتوں کے لئے گرین وچ کے وقت (Greenwich mean Time) کو چھوڑ کر مطلق وقت (Universal Time) کو اختیار کرلیا جائے، مطلق وقت جو بعض یورپین ممالک میں پہلے سے رائج ہے، نصف شب سے شروع ہوتا ہے، اور اسکے گھنٹوں کا شمار ایک سے چوبیس (۲۴) تک ہوتا ہے،

مجلس امداد علمی کی کارگذاری،

موجودہ جرمن حکومت کی نسلی عصبیت سے جرمن یونیورسٹیوں کے تیرہ سو (۱۳۰۰) اساتذہ غیر آرین ہونے کی بنا پر برطرف کردیئے گئے تھے، انمیں سے تقریباً ۶۵۰ اساتذہ جرمنی چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں چلے گئے، انکی امداد کیلئے ایک مجلس علمی (Academic Assistance Council) قائم کیگئی تھی جسکا صدر دفتر لندن میں ہے، اس مجلس کی دوسری سالانہ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی سے باہر چلے جانے والوں میں سے ۲۰۷ آدمیوں کو دوسرے ملکوں میں پھر مستقل جگہیں ملگئی ہیں، اور ۳۳۶ آدمیوں کو وظائف دیئے جارہے ہیں، تاکہ وہ اپنی تحقیق کو جاری رکھ سکیں، مجلس مذکور کی سرگرمیاں صرف برطانیہ ہی تک محدود نہیں ہیں جہاں اُسنے گذشتہ سال عارضی وظیفوں کیلئے چوبیس ہزار پونڈ حاصل کئے تھے بلکہ وہ دوسرے ملکوں کو بھی اس کام میں شریک کررہی ہے،

ادبیات

آبِ حیات،

از حکیم الشعراء سید احمد حسین امجد، حیدرآبادی،

آفت ہے آئے دن طلبِ ملک و مال میں | راحت ہر دو جہاں کی، ترکِ سوال میں
جھکتا نہیں ہے بدر کبھی مثلِ ماہِ نو | کیا شان ہے کمال کی، اہلِ کمال میں
میں، خاک ہو کے، خاکِ رہِ یار ہو گیا | حاصل ہوا کمال، کمالِ زوال میں

کہتے ہیں، وہ بلند ہے وہم و خیال سے | یہ بھی ہے اک خیال، ہمارے خیال میں
دیکھو خدا کی شان، وہ آئے ہیں میرے گھر | جو آج تک نہ آئے کسی کے خیال میں

اُن کا غضب بھی، موجبِ اصلاحِ حال ہے | ہوتی نہیں تمیز، جلال و جمال میں
وہ، آنے والے ہجر کے جھگڑوں سے بچ گیا | جس زندہ دل نے جان ہی دیدی وصال میں
جب تک رہا فراق، رہی انکی جستجو | اب ہیں، کہ خود کو ڈھونڈھتے ہیں ہم وصال میں
دیکھو نہ کم نگاہی سے امجد فقیر کو | آبِ حیات ہے اسی جامِ سفال میں

کلامِ کیفی،

از جناب کیفی چریا کوٹی،

ہوئی تھیں پست جس دم ہمتیں جوشِ اسیراں کی | ستم دیکھو کہ اونچی ہو گئی دیوارِ زنداں کی
عدم کہتے ہیں جس کو صورتِ خوابِ پریشاں ہے | یہ ہستی کچھ نہیں تعبیر ہے خوابِ پریشاں کی
بہارِ دلکشا کھولے گی، بلبل نغمہ خواں ہو گی | کلی کے ہر ورق میں داستانیں ہیں گلستاں کی

مزا آیا ہے ان کو چھیڑنے کا صحنِ گلشن میں
اڑا جب رنگ رخ، رنگت نکھر آئی گلستاں کی

خدارا مطرب لذت نوا تو اس کو چھیڑے جا
ترے نغمے سے اب ملنے لگی جنبش رگِ جاں کی

نقابِ رخ جو الٹی ہے تو تابِ عقل حیراں ہے
کہ تم خود ہو کہ طرزِ دید ہے یہ چشمِ حیراں کی

بگولا بنگئی سرگشتگیِ بخت سے آخر
مری مٹی میں مل سکتی نہیں مٹی بیاباں کی

پڑا دستِ زلیخا میں وہ دامن کی رسائی تھی
لگا ہے ہاتھ دیوانے کے یہ قسمت گریباں کی

خدا چاہے اگر، اپنی سیہ بختی میں کام آئے
یہی دھندلی سی دل میں روشنی داغِ عزیزاں کی

الٰہی خیر ہو دم کی، بہا لے جائیں گی دل کو
ادائیں وہ جو موجیں ہیں تبسمہائے پنہاں کی

نظر آیا نہ روزِ وعدۂ دیدار بھی مجھ کو
سیاہی تھی مری آنکھوں میں ایسی شامِ ہجراں کی

تصور کی بھی دنیا خاک ہو جانے کو ہے جل کر
کہ لو اونچی ہوئی جاتی ہے شمعِ بزمِ امکاں کی

جو موجوں میں پھنسے ہیں آکے وہ اس کو سمجھتے ہیں
حبابِ بحر بھی ہے ایک صورت جوشِ طوفاں کی

میں بیٹھا ہوں جہاں تھک کر سمجھ میں آگیا کیفی
مری درماندگی سے اصل وسعت ہے بیاباں کی

رباعیاتِ اثر

از جناب عبدالسمیع پال صاحب اثر صہبائی وکیل سیالکوٹ

سیلابِ ہوس کیا ہے، محبت کیا ہے!!
ہنگامۂ عشق، داغِ حسرت کیا ہے!
اک عمر ہمیں رہی حقیقت کی تلاش
معلوم نہ ہو سکا حقیقت کیا ہے!

اے کاش میں نورِ پاکِ یزداں ہوتا!
یا نار ہی نار مثلِ شیطاں ہوتا
یزداں سے خجل ہوں، اہرمن سے منفعل
کچھ بھی ہوتا مگر نہ انساں ہوتا!

یہ بحرِ وجود کی روانی کیا ہے!
یہ موت و حیات کی کہانی کیا ہے!
غمہا و نشاطِ دہر ہیں نقش بر آب
سب کچھ فانی ہے، غیر فانی کیا ہے!

بَابُ التَّقرِیظِ وَالاِنتِقَاد

شرح دیوانِ مومن

مرتبہ

جناب مولوی ضیاء احمد صاحب ایم اے، بدایونی لکچرار مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲۶۰ صفحات قیمت عہ

اردو شعراء میں مومن و غالب صرف دو شاعر ہیں جنکے کلام کو نازک خیالی اور بلند پروازی نے اسقدر دقیق اور مشکل کر دیا ہے کہ انکا سمجھنا عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہے، لیکن اب تک زیادہ تر شرحیں صرف دیوانِ غالب کی لکھی گئی ہیں، مومن کے کلام کی طرف کسی نے اس حیثیت سے توجہ نہیں کی ہے اسلئے جناب ضیاء احمد ضیاء ایم اے، بدایونی لیکچرار مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں، کہ انھوں نے سب سے پہلے اردو زبان کی یہ اہم خدمت انجام دی ہے، اور دیوانِ مومن کا ایک نہایت عمدہ اڈیشن مع شرح کے شائع کیا ہے،

اس دیوان میں سب سے پہلے ایک مختصر سا تعارف ڈاکٹر سید محمد حفیظ ایم اے، پی، ایچ ڈی، لٹ، ڈی کا ہے، اس کے بعد شارح نے "سخنہائے گفتنی" کے عنوان سے اس شرح کی ضرورت ثابت کی ہے، اور جس کد و کاوش سے اس نئے اڈیشن کو مرتب کیا ہے، اس کی تفصیل کی ہے، اس کے بعد ان تمام غلطیوں کی ایک فہرست دی ہے، جو دیوان مومن کے متداول نسخوں میں پائی جاتی ہیں پھر مقدمہ کے عنوان سے مومن کے حالات اور ان کے تمام اصناف کلام پر مفصل تنقید کی ہے پھر ان اعتراضوں کو دور کیا ہے، جو مومن پر کئے جاتے ہیں اور معاصرین سے ان کا موازنہ کیا ہے، اور آخر میں مومن کے متعلق دور جدید کے نقادوں کی رائیں

لکھی ہیں، مقدمہ میں یہ بحثیں سیر حاصل ہیں، ان سب کے بعد دیوان مومن کی شرح شروع ہوتی ہے،

شرح صرف مشکل اشعار کی گئی ہے، متعدد معانی کی صورت میں زیادہ تر ایک اور کمتر دو معنیوں پر اکتفا کیا ہے، ورنہ اس معنی کو ترجیح دی گئی ہے، جو طرز مومن سے اقرب تھا، اطناب و ایجاز سے اجتناب کیا گیا ہے، اور صنائع کے بیان میں ہر جگہ تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ہے،

اس میں شبہہ نہیں کہ اس شرح سے دیوان مومن کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے، بالخصوص مومن کے بہت سے اشعار داخل نصاب بھی ہیں، اسلئے نزیب مدرسوں کو ان کے سمجھنے اور سمجھانے میں اس سے اور بھی مدد ملیگی لیکن بعض اشعار کی شرح میں ہمکو شارح سے اتفاق نہیں ہے مثلاً مومن کے اس شعر،

جاتے تھے صبح رہ گئے بے تاب دیکھکر   طالع ہمارے چونک پڑے خواب دیکھکر

کی یہ شرح کی گئی ہے، کہ معشوق صبح وصل رخصت ہو رہا تھا، مگر ہمیں بے تاب دیکھکر رک گیا، گویا ہمارے نصیب سو رہے تھے، جاگ اٹھے، معشوق کی تیاری رخصت کو اپنی خفتہ طالعی، اور رک جانے کو طالع کی بیداری سے تعبیر کیا ہے، حالانکہ خواب دیکھنا سونے کے معنی میں کہیں مستعمل نہیں ہے، بلکہ شعر کا مطلب یہ ہے کہ معشوق کے رخصت ہونے سے ہمارے نصیب سو گئے تھے لیکن خلاف توقع ہم کو بے تاب دیکھکر اس کا رک جانا گویا ایک خواب تھا، اور چونکہ انسان خواب دیکھکر اکثر چونک پڑتا ہے، اسلئے ہماری قسمت بھی اس خواب کو دیکھکر چونک پڑی، حاصل مطلب دونوں کا ایک ہے، مگر ہم نے جو مطلب بیان کیا ہے، وہ شاعرانہ لطافت کیساتھ بالکل محاورہ کے مطابق ہے،

مومن کا ایک اور شعر ہے، :-

سدِ راہ ایسی نہیں غیرت یاد اغیار   کب خیال اپنا ترے دل میں گذر کرتا ہے

جس کا مطلب شارح نے یہ بیان کیا ہے، کہ تیرے دل میں یاد اغیار ہے، جس کے باعث مجھے غیرت آتی ہے، یہ غیرت اس حد تک سد راہ نہیں کہ میرا خیال تیرے دل میں گذر کر سکے، بلکہ اس سے کہیں زیادہ آزردنی

غیرت اسقدر مانع ہی کہ میرا خیال تیرے دل میں جاتے ہوئے تامل کرتا ہی حالانکہ زبان ومحاورہ کے مطابق اسکا مطلب یہ ہی کہ تیرے دل میں اغیار کی جو یاد ہے، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ میرا خیال تیرے دل میں اس غیرت سے نہ جاتا باایں ہمہ میں نے تھوڑی سی بے غیرتی اختیار کرلی ہے، اس لئے یہ غیرت تیرے دل میں میرے خیال کے آنے کے لئے کچھ بہت زیادہ مانع نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تو میرا خیال ہی نہیں کرتا، اسلئے میرا خیال تیرے دل میں نہیں آتا،

مومن کے اس شعر کا:۔

تیغ غمزہ کو لگالے جلد سنگ سرمہ پر — حرف مطلب آرزومند جفا کہنے کو ہیں

یہ مطلب بیان کیا ہے، کہ "تیری جفاؤں کے آرزومند (عاشق) حرف مطلب کہنے والے ہیں، تجھے چاہئے کہ ان کے جواب کے لئے آمادہ ہو جا، اور غمزہ کی تلوار کو سنگ سرمہ پر تیز کرلے، یعنی آرائش جمال کرکے غمزہ کو مہیائے بیدادگری کر، کیونکہ یہی (آرزوئے بیداد) ہمارا مطلب ہے، حالانکہ شعر کا صحیح مطلب یہ ہے کہ تیرے آرزومند جفا حرف مطلب کہنے والے ہیں، ایسی حالت میں ان پر جفا کرنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ تو ان کے حرف مطلب کا جواب ہی نہ دے، اور اسکی صورت یہ ہے کہ تیغ غمزہ کو سنگ سرمہ پر تیز کرلے، کیونکہ شاعرانہ عقیدہ یہ ہے کہ سرمہ کے کھانے سے آواز بند ہو جاتی ہے، اسلئے غمزہ ان کا جواب نہ دیسکے گا، اس قسم کی اور بھی غلطیاں تتبع وتلاش سے نکل سکتی ہیں، لیکن باایں ہمہ انھوں نے ایک مفید خدمت انجام دی ہے جس سے اردو علم ادب کو معقول فائدہ پہنچے گا، "ع"

مطبوعات جدیدہ

الخیر الکثیر (عربی) از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مصحح مولانا سید محمد احمد رضا بجنوری استاذ جامعہ ڈابھیل، ناشر مجلس علمی ڈابھیل ضلع سورت، حجم ۱۴۰ صفحات، قیمت درج نہیں،

یہ حضرت شاہ صاحب کی کلام و تصوف میں مشہور کتاب ہے، جسے پہلی مرتبہ مجلس مذکور نے چند قلمی نسخ سے تصحیح و مقابلہ کرکے شائع کیا ہے، کتاب کے مباحث دس بابوں میں بیان ہوئے ہیں، ان میں ذات واجب معرفت ذات، شرح اسمائے حسنیٰ، صفات الٰہیہ، وحدت وجود، موجودات و مخلوقات، و ارواح، ماہیت نبوت اعیان انبیاء علیہم السلام، خصوصیات انبیائے سابقین، خصائص نبی آخر الزمان صلعم، علوم قرآن، حدیث صحابہ کرام، ستر اسمال تقرب الی اللہ اور حقیقت کلمہ شہادت کے اسرار و غوامض ہیں، پھر اوامر و نواہی شرعیہ، تلاوت و اذکار، تسبیح و تہلیل، جہاد، حد، ذبح وغیرہ کے مسائل ہیں، پھر معاد پر گفتگو ہے، جیسے قبر، برزخ، نزول عیسیٰ، دجال اور حشر و نشر کا بیان ہے، آخری باب میں چند متفرق مسائل و مباحث ہیں، اس کتاب میں شاہ صاحبؒ کا انداز بیان اور حقائق و اسرار کی عقدہ کشائی کا وہی انداز ہے، جو ان کی دوسری کتابوں میں پایا جاتا ہے، رسالہ کے مرتب و مصحح نے اپنے مقدمہ میں اس کتاب کے نسخوں کے حالات لکھنے کے بعد شاہ صاحب کے مختصر سوانح اور ہندوستان میں ان کی دینی تجدید و احیاء کی کوششوں کا اجمالی ذکر کیا ہے، اس کے بعد شاہ صاحبؒ کے ایک عزیز شاگرد مولوی محمد عاشق صاحب مرحوم پھلتی کا اس کتاب پر لکھا ہوا فارسی مقدمہ درج ہے، ان تصنیفات کی اشاعت سے جامعہ ڈابھیل کی مجلس علمی مفید دینی خدمات انجام دے رہی ہے

اصل حیات، از جناب ضامن حسین صاحب نقوی، ناشر جناب شفقت حسین صاحب وکیل،

سکریٹری رفاہ سوسائٹی، برہام پور بریلی، حجم ۱۰۰ صفحات تقطیع چھوٹی قیمت :- ۴ر

اس رسالہ میں حیاتِ مابعد کو عقلی دلائل و نظریات سے ثابت کیا گیا ہے، ادھر چند سال سے لکھنؤ کے رسالہ نگار میں حیاتِ مابعد بقائے روح، قیام قیامت، اور روزِ جزا و سزا کا مختلف پہلوؤں سے انکار کیا گیا تھا، اور موت و حیات کی تعبیر مادیین کے اسی فرسودہ نظریہ "عناصر میں ظہور ترتیب اور انہی اجزار کی پریشانی سے" کیگئی تھی، رسالہ اصل حیات کے مولف نے مدیر نگار سے علم و دلائل کے نام پر اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے نجی مراسلت کر کے انہیں سنجیدہ بحث و نظر کی دعوت دی، مگر موصوف اپنے جوابی خطوط میں ادھر اودھر کی باتیں بنا کر اصل مسئلہ پر گفتگو کرنے سے گریز کرتے رہے، اس کے بعد مؤلف نے مسئلہ حیات مابعد پر محض علمی حیثیت سے گفتگو کرتے ہوئے دلائل و نظریات سے مستحکم ایک مقالہ معارف میں شائع کرایا، اور اس موضوع پر مفصل تصنیف کا ارادہ ظاہر کیا، لیکن اس سے پہلے محض رفع شکوک کے لئے معارف کے اسی مقالہ پر ایک مفصل دیباچہ و مقدمہ بڑھا کر اسے "اصل حیات" کے نام سے مرتب کر کے شائع کرایا ہے، دیباچہ میں مولف اور مدیر نگار کی مفصل خط و کتابت بھی شائع کیگئی ہے، اور جن لوگوں کی نظر سے رسالہ نگار گذرتا ہے، انہیں یہ رسالہ مفت دینے کا اعلان کیا ہے، رسالہ کے مباحث اگرچہ فلسفیانہ ہیں، اسلئے فلسفیانہ الفاظ و محاورات کا استعمال ناگزیر تھا، تاہم عبارت اس قدر شستہ اور عام فہم ہے کہ سرسری مطالعہ میں اسکی روانی میں رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی

بھگوت گیتا یا نغمہ خداوندی، مترجمہ جناب محمد اجمل خانصاحب ایم اے، ادارۂ نوامیس الٰہیہ، دائرہ، الہ آباد، حجم ۲۲۰ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت عمر

یہ ہندوؤں کی مشہور مذہبی کتاب بھگوت گیتا کا سلیس اردو ترجمہ ہے، اگرچہ اس وقت تک اس کتاب کے متعدد ترجمے اردو میں ہو چکے ہیں، لیکن یہ ترجمہ اس حیثیت سے انوکھا ہے کہ اس میں ہندو مذہب کے اصطلاحی الفاظ کو بھی اسلامی مذہب و تصوف و اخلاق کی اصطلاحوں میں منتقل کیا گیا ہے، کتاب کے شروع میں مترجم نے ایک مفصل مقدمہ لکھا ہے، جس میں سری کرشن جی کو "رسول" مان کر ان کی تعلیمات کو الہامی قرار دیا ہے،

اور آیات قرآنی سے اس کے ثبوت پیش کئے ہیں، لیکن اسلامی شریعت کے روسے شخصی طور پر انہی انبیار کی تصد
کیجائیگی جن کے نام قرآن میں ہمیں بتائے گئے ہیں، نیز مترجم نے قدیم آریوں کے مذہب پر بحث کرکے دکھایا
کہ ایک خدا کا تصور ان کے ذہن میں موجود رہا تھا، لیکن ظاہر ہے کہ اس بنیاد پر انہیں موحد نہیں سمجھا جاسکتا
پھر بھگوت گیتا سے دکھایا ہے کہ اس وقت تک ہندوؤں میں جات پات کی تفریق نہ تھی، اس کے بعد بھگوت گیتا
کے زمانۂ تالیف وغیرہ پر بحث کرکے اسکی تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا، اور فلسفہ ویدانت کی مطابقت تصوف
سے دکھانی چاہی ہے، پھر گیتا کی مختلف اخلاقی و معاشرتی تلقین "جنگ" و "ایذارسانی" وغیرہ پر بحث کیگئی ہے
اور آخر میں عشق حقیقی کا مرتبہ دکھایا ہے، یہ مقدمہ متانت، سنجیدگی، بے تعصبی اور ایمانداری کے ساتھ لکھا گیا
اس لئے اگرچہ ہمیں اس کے بعض نظریوں سے اتفاق نہ ہو، تاہم وہ ہمارے نزدیک لائق ستائش ہے، اس
کتاب کا روشن پہلو یہ بھی ہے، کہ اس کے ترجمہ کی تصحیح ایک پنڈت صاحب نے کی، پھر ڈاکٹر بھگوان داس
نے اس کا ایک ایک لفظ سنسکرت سے ملا کر پڑھا، اور اپنے مقدمہ میں ترجمہ کی صحت کی تصدیق اور مقدمہ کے
نظریوں اور بیانوں سے اپنا کامل اتفاق ظاہر کیا۔

تبصرۂ ایلیہ، از جناب مرزا اسد علی بیگ صاحب برلاس، ہیڈ ماسٹر مدرسہ عالیہ جامع مسجد آگرہ، حجم ۴۴ صفحے، قیمت ۴؎

اس رسالہ میں مختلف لسانی، جغرافی، تمدنی، اور معاشرتی شہادتوں سے یہ دکھانے کی کوشش کیگئی ہے کہ حضرت
ابراہیم علیہ السلام قوم "ایل" سے تھے، جس سے مغل و ترک اقوام ہیں،

سودیشی اردو از مولوی قاضی عبد الصمد صاحب، ۳۰ صفحے، قیمت ۴؎ پتہ جناب قاضی ظہور الحسن صاحب
مکان مولوی فیض الدین وکیل محلہ عابد شاہ، حیدر آباد دکن،

یہ رسالہ سید انشاء کی کتاب داستان رانی کیتکی کے طرز پر لکھا گیا ہے یعنی اسمیں اردو فارسی کا کوئی لفظ نہ آنے پایا
ہے زیادہ حصہ چند چند سطروں کی کہانیوں پر مشتمل ہے اسی طرح کسی درخت پھل وغیرہ پر چند چند سطریں او
چھوٹے خطوط اور لطیفے درج ہیں، بچے اسے شوق سے پڑھینگے اور ان کیلئے مفید ہوگا،

جلد ۳۶	ماہ رجب المرجب ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۳۵ء	عدد ۴

مضامین

شذرات

افسوس ہے کہ ۲۲؍ اگست ۱۹۳۵ء (جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ) کو مصر بلکہ دنیائے اسلام کے سب سے بڑے عالم علامہ سید رشید رضا صاحب المنار نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، یہ مفتی عبدہ مرحوم کے سب سے ممتاز شاگرد، اور سید جمال الدین افغانی کے فیوض و برکات سے بیک واسطہ مستفید تھے، شام وطن تھا، لیکن سلطان عبدالحمید خان کی داروگیر سے گھبرا کر مصر چلے آئے تھے، اور آخر یہیں کے ہو کر رہ گئے، عمر اس وقت ستر سال سے کم نہ ہوگی پھر بھی ان کی جسمانی قوت اور کام کی طاقت بہت اچھی تھی، اسلام کے اصلاحی مسائل انکی تصانیف کا خاص موضوع تھا، المنار جس کی اشاعت دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں تھی، ان کی اڈیٹری میں نکلتا تھا، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ پورا رسالہ انھیں کے قلم کا مرہون ہوتا تھا، اُن کی سب سے اہم تصنیف تفسیر المنار تھی جو افسوس کہ انکی وفات سے ناتمام رہگئی، یہ تفسیر زمانۂ حال کی ضرورتوں کو سامنے رکھکر لکھ رہے تھے، وہ عقیدہ میں سلف کے پیرو، اور فقہ میں غیر مقلد تھے، ان کی انشا پردازی قدیم و جدید دونوں خوبیوں کو لئے ہوئے تھی، فقہ تفسیر اور حدیث میں ید طولیٰ رکھتے تھے، ان کی آخری تصنیف "الوحی المحمدی" ہے جس کا ہندوستانی ترجمہ کلکتہ سے شائع ہو چکا ہے، قدیم و جدید خیالات کی تطبیق ان کی ہر تحریر میں ہوتی تھی، اور وہ اسی کو اس زمانہ میں اسلام کے لئے مفید خدمت سمجھتے تھے،

اس زمانہ میں جب ایسے روشن خیال و روشن ضمیر علما، جو ایک طرف متقی و پرہیزگار اور دوسری طرف زمانۂ حال کی ضرورتوں سے باخبر ہوں، انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں، سید رشید رضا کا ہمارے درمیان سے اٹھ جانا، آج اسلام کا سب سے بڑا حادثہ ہے، وہ دنیائے اسلام کے کاشانہ میں ہدایت کا چراغ تھے، افسوس کہ یہ چراغ اب ہمیشہ

کے لئے بجھ گیا، اور اس سے زیادہ افسوس یہ کہ اس چراغ کے گل ہونے سے المنار کی وہ روشنی بھی بجھ جائے گی جس کی کرنیں ہر ماہ تمام دنیا میں پھیلتی تھیں، وَلَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا،

مولوی ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی مرحوم نے ۱۹۰۹ء میں امہات الامۃ کے نام ازواج مطہرات کے حال اور عیسائیوں کے جواب میں ایک کتاب لکھی تھی، کتاب تو اسلام کے جوش حمایت میں لکھی گئی تھی، مگر اس میں زبان کہیں کہیں وہ برتی گئی تھی جو ان مقدس ہستیوں کے شایان شان نہ تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں اس کے خلاف سخت ہیجان برپا ہوا، ۱۹۱۰ء میں ندوہ کا اجلاس دہلی میں ہوا، اور وہاں اس صورت حال پر غور کیا گیا، مصنف نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم کی وساطت سے یہ معاملہ طے ہوا کہ کتابیں نذر آتش کر دی جائیں، چنانچہ اسی پر عمل ہوا، کتاب جل گئی تو مسلمانوں کو بھی سکون ہوا، اور خود مصنف نے بھی سانس لی،

اس کتاب کے جلائے جانے کا واقعہ اس عہد کے مشہور و ممتاز، متین و سنجیدہ، مستند و معتبر عینی شاہد (نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خاں شروانی) کی زبانی سنیئے،

"حیات النذیر کے مقدمہ کے متعلق ایک واقعہ کا اظہار ضروری ہے، مولوی نذیر احمد خاں صاحب مرحوم کے رسالہ امہات الامۃ جلائے جانے کے واقعہ کو مولوی (عبد الحق) صاحب نے بڑی دلسوزی سے بیان کیا ہے، ایسا کہ دلسوزی نے اس میں کباب کا چٹ پٹا پن پیدا کر دیا ہے' واجب الاظہار واقعہ یہ ہے کہ ندوۃ العلماء کے ارکان و شرکاء اس کے جلانے پر آخر تک آمادہ نہ تھے، خود مولوی (نذیر احمد) صاحب مرحوم کی تحریک تھی، اس طرف کے تامل نے تحریک کو اصرار سے بدل دیا اور اصرار نے شدت اختیار کی، بلکہ دھمکی کی صورت جیسا کہ مولوی صاحب

[1] اس واقعہ کے اندرونی شاہد جناب حکیم مقصود علی خاں صاحب جو اس زمانہ میں حکیم صاحب مرحوم کے گویا سکریٹری تھے، حیدرآباد دکن میں موجود ہیں،

مطبوعات جدیدہ

کارنامۂ اسلام، از جناب سید عنایت علی صاحب مسرور انفونوی، مسجد کبرمنڈی، بشیرت گنج، لکھنؤ، حجم ۲۸۳ صفحے، قیمت عار

یہ آنحضرت صلعم کی منظوم سیرت پاک ہے، جس میں ولادت سے وفات تک کے حالات مع دینی وتبلیغی مساعی کے بیان کئے گئے ہیں، مصنف نے واقعات کی صحت کا التزام رکھا ہے، اور انھیں دلنشین پیرایہ بیان میں قلمبند کیا ہے،

میزان ابجد، از جناب عنایت اللہ صاحب وزیر آبادی، گجرات (پنجاب) حجم ۱۶ صفحے،

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اپنے دعاوی کے ثبوت میں آیات واحادیث کے ٹکڑوں سے حساب ابجد کے قاعدہ سے اعداد نکال کر بھی پیش کئے تھے، اس رسالہ میں الزامی جواب کے طور پر اسی قسم کے اعداد نکال کر ان کے دعاوی کے بطلان کے شواہد جمع کئے گئے ہیں، ایران کے بابی فرقے بلکہ ان سے پہلے باطنیہ فرقہ نے بھی قرآن واحادیث کے ظاہر الفاظ میں اپنی تائید نہ پاکر اس قسم کی صنعت سازیوں سے فائدہ اٹھایا ہے،

مغلظات مرزا، از جناب حافظ نور محمد خانصاحب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸۰ صفحے قیمت ۵؍

مرزا غلام احمد صاحب کی تحریروں میں مختلف بزرگوں، قوموں، فرقوں اور شخصوں کی شان میں سینکڑوں مغلظات اور غیر مہذب الفاظ اور جملے استعمال کئے گئے ہیں، اس رسالہ میں انہی کو یکجا کیا گیا ہے، ضرورت تھی، کہ حضرت عیسیٰؑ، اور امام حسینؓ وغیرہ کی شان میں ان کے نا ملائم الفاظ استعمال کرنے کا جو جواب احمدی وقادیانی جماعتوں کی طرف سے دیا جاتا ہے، کہ وہ عیسائیوں کے عیسیٰ اور شیعوں کے "حسینؓ" کے متعلق کہے گئے ہیں، اس رسالہ کے مقدمہ میں اس تاویل کا پردہ بھی چاک کیا جاتا، اور پھر آنحضرت صلعم پر نعوذ باللہ مرزا صاحب

مقالات

سسلی میں مسلمانوں کا تمدن

از سید ریاست علی ندوی،

(۲)

معیشت

اب ہمیں تھوڑی دیر کے لئے صقلیہ کے عہد اسلامی کی معیشت پر گفتگو کرنی ہے، کہ معیشت تمدن کا ایک جزو ہے، اور انسانی زندگی کا بڑا حصہ مادی ضروریات ہی کی فراہمی میں صرف ہوتا ہے،

انسان کی معاشی زندگی میں سب سے اہم احتیاج قدرت کے دین میں ہوتی ہے، اس لئے جو قدرتی سامان ملک میں موجود ہوں، معیشت میں سب سے پہلا مدار انہی پر ہوتا ہے،

قدرتی ذخائر و اشیاء

ملک کے قدرتی ذخائر و اشیاء میں آب و ہوا، کوہ و دشت، دریا، معادن، حیوانات و نباتات وغیرہ ہیں،

آب و ہوا صقلیہ کی آب و ہوا، بحر روم کی آب و ہوا کے مانند ہے، گرمی سردی کے درجوں میں فرق ہے، بارش بالعموم جاڑوں میں ہوتی ہے، شمالی ساحل پر باد سموم چلتی ہے، جو مضرت رساں اور خشک کرنے والی ہوتی ہے[1] شاید ابن حوقل ایسے ہی موسم میں صقلیہ پہنچا ہو، وہ یہاں کی آب و ہوا کا سخت شاکی ہے، اس کے خیال میں اس تعفن و خشکی پیدا ہوتی ہے، کہ یہاں کے باشندوں کی دماغی حالت پر اثر پڑتا ہے، اور اخلاق و عادات متاثر ہوتے ہیں[2]،

---

[1] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۵ [2] تاریخ جزیرۂ صقلیہ میں صبح دخلہا المسلمون، در اماری ص ۱۷۰،

یہ باد سموم عہد اسلامی میں بھی چلتی تھی، اور کسی سال مضر اثرات دکھاتی تھی،

کوہستانی سلسلے یہاں پہاڑوں کا ایک وسیع جال پھیلا ہوا ہے، خصوصاً دو وسیع سلسلے شمال مشرق میں ہیں، اور یوں تو پورے جزیرے میں کوہستانی علاقے ہیں[1]، ادریسی اور یاقوت نے تقریباً ۲۰ پہاڑوں کے نام گنائے ہیں، عرب مورخین اور جغرافیہ نویسوں کو کوہ اتنا سے بڑی دلچسپی رہی ہے، اس کے متعلق مختلف دلچسپ روایتیں لکھی ہیں[2]، اسلامی عہد میں اس کی آتش فشانی جاری تھی، مقدسی (۳۷۵ھ) لکھتا ہے، ہر دس برس میں ایک مرتبہ چار مہینوں تک آتش فشانی ہوتی ہے[3]، ابو علی حسن بن یحییٰ کا بیان ہے: آج کل اس کی آتش فشانی جاری ہے[4]، ابن جبیر نے بھی دھواں نکلتے دیکھا ہے[5]، یہاں کے پہاڑوں کی بلندی کچھ زیادہ نہیں، ہر طرف سے چڑھ سکتے تھے، سطح بھی اس قدر ہموار اور فیاض کہ عمدہ زراعت ہو سکتی تھی، پہاڑوں سے چشمے جاری تھے، ابن جبیر نے صرف ایک پہاڑ میں چار سو چشمے دیکھے[6]،

دشت و جنگل عہد اسلامی کے آغاز میں بکثرت جنگل، یہاں کے پہاڑی سلسلوں، پلیٹو، اور ہموار زمین میں لگے ہوئے تھے، جنہیں غیر بار آور درختوں کی کثرت تھی[7]،

دریا پہاڑوں کی کثرت کی وجہ سے دریا اور نہریں بکثرت تھیں، یہ دریا بعض بحر روم سے جا ملے تھے، اور بعض ایک دوسرے میں مل گئے تھے، ادریسی کے استقصا سے موخر الذکر قسم کے دریاؤں کی تعداد ۳۲ نکلتی ہے، جو اپنے علاقے کو سیراب کرتے تھے، اس نے ہر ایک کے سرچشمہ، دہانہ اور مسافت کو لکھا ہے، بحر روم میں ملنے والے دریا سو تھے، ان سے بحر روم کی بڑی کشتیاں اندرون ملک میں پہنچ سکتی تھیں[8]،

---

[1] انسائیکلوپیڈیا ج ۵ صفحہ ۲ [2] فرمان سسلی صفحہ ۱ و انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا ج ۲۵ صفحہ ۲ طبع یازدہم [3] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۰۴، عجائب المخلوقات و غرائب الموجودات در اماری ص ۱۳۹، تحفۃ الالباب و نخبۃ الاعجاب در اماری ص ۱۰۴، کتاب الاستبصار فی معرفۃ الزیارات در اماری ص ۵، [3] احسن التقاسیم ص ۱۴۲، [4] معجم البلدان ج ۵ ص ۲۰۵، [5] رحلہ ص ۳۲۲، [6] نزہۃ المشتاق ص ۲۴، رحلہ ابن جبیر ص ۳۲۵، [7] معجم البلدان ج ۵ صفحہ ۳۰۵ [8] نزہۃ المشتاق ص ۲۳ تا ۵۲ و کتاب المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۳، ۸۴،

معادن | معادن میں سونے، چاندی، پارہ، سیسے، اور لوہے کی کانوں کا پتہ چلتا ہے، کوہ آتش فشاں سے پھٹکری، معدنی نمک، سرمہ، نوسادر، گندھک اور نفت حاصل ہوتا تھا، قیمتی پتھروں میں سنگ یشب، اور مرمر قابل ذکر ہیں، مونگا یہاں کے ساحلی سمندر میں موجود تھا،[۱]

حیوانات ونباتات | پالو جانوروں میں گائے، بکری، مرغابیاں، مینڈھے، خچر، گدھے، گھوڑے تھے، وحشی جانور اگرچہ موجود تھے، مگر عرب مورخین استعجاب سے لکھتے ہیں، کہ شیر، چیتا، بھیڑیے، سانپ، بچھو اور یہاں تک کہ چیونٹے بھی موجود نہیں ہیں، مچھلیوں کے لئے یہ جزیرہ مشہور تھا، لبنیاذہ، اور طرابنش کے ساحل پر غیر معمولی قد کی مچھلیاں ہوتی تھیں، نباتات کے ہر قسم کے غلوں، اور میووں کے علاوہ بعض قیمتی جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی تھیں[۲]،

پیدائش دولت

ان قدرتی ذخائر سے مسلمانوں نے پیدائش دولت کے مواقع بہم پہنچائے، اور ان کی کوششیں قدرتی ذخائر سے فائدہ اٹھا کر ملک میں زراعت، صنعت، اور حرفت کو ترقی دینے میں ظاہر ہوئیں؛

زراعت | یہاں کی زرعی کوششوں میں ان قدرتی ذخائر کے اثرات دو شکلوں میں ظاہر ہوتے، دریاؤں اور نہروں کی روانی، چراگاہوں کی وسعت، اور ملک کی نباتی نشو ونما کی عمدہ استعداد سے زراعت کے لئے عمدہ پہلو نکلتے، اور جنگلوں اور پہاڑوں کی کثرت، کوہ اتنا کی آتش فشانی اور باد سموم کے جھونکوں سے زراعت کو نقصانات پہنچتے تھے، مسلمانوں نے ان کے افادی پہلوؤں سے استفادہ کیا، اور مضر رساں پہلوؤں اور مواقع کو دور کرنے کی کوشش کی، اور زراعت کی ترقی کے سامان بہم پہنچائے،

---

[۱] آثار البلاد قزوینی ۳۲۲، معجم البلدان ج ۵ ص ۴۷، ۳۷۵، نخبۃ الدہر دماری ص ۱۹۴، کتاب التنبیہ والاشراف، مسعودی ۵۹، جغرافیہ زہری درماری ص ۱۲۰، [۲] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۵، آثار البلاد قزوینی ص ۳۴۲، المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۵، خریدۃ العجائب ابن وردی، درماری، ص ۱۵۰، نزہۃ المشتاق ادریسی ذکر شہر لبنیاذہ وطرابنش،

چنانچہ غیر آباد قطعوں کو آباد کرکے بنجر زمینوں کو آباد کیا، کوہستانی علاقہ کی قابلِ کاشت زمینوں میں کاشت کی، پہاڑ کی ہموار اور مٹیالی سطح کو قابلِ زراعت بنایا، اور باغ لگائے، مثلاً اصطخری لکھتا ہے:-

"اور کوہ قلال تو وہ ویران پہاڑ تھا، اس میں چشمے اور زمین موجود تھی، چنانچہ مسلمانوں کا ایک گروہ پہنچا، اور اس کو آباد کر لیا"[1]

اسی طرح ابن جبیر کہتا ہے:-

"یہاں کے تمام پہاڑ بارآور باغ ہیں"[2]

لیکن کوہ اِتنا کی آتش فشانی کا تدارک قدرتِ انسانی میں نہ تھا، ابو علی حسن بن یحییٰ کا بیان ہے "آجکل اس کی آتش فشانی جاری ہے، جس کی وجہ سے اس کے مضافات میں کسی قسم کی زراعت نہیں ہو سکتی"[3] اسی طرح کبھی دریاؤں میں سیلاب آجاتا، اور اُن کے ایک دوسرے کے قریب ہونے کی وجہ سے علاقہ کا علاقہ تہ آب ہو جاتا، کبھی بادِ سموم کے جھونکوں سے پوری فصل برباد ہو جاتی، باغوں کے پھل گر جاتے، اور کبھی سیاسی انقلابات سے بھی ایسا قحط پڑ جاتا، کہ لوگ اپنے بچوں تک کو بھون کر کھا جاتے، ۳۲۲ھ میں جب فاطمیوں کے خلاف بغاوت تھی، اسی قسم کی نوبت پہنچی تھی[4]

لیکن ان آفاتِ ارضی و سماوی اور اتفاقی حادثات کو الگ کر دینے کے بعد مجموعی حیثیت سے مسلمانوں نے یہاں کی زراعت کو حیرت انگیز ترقی دی، یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں اس کی سرسبزی و شادابی ایسی نمایاں تھی کہ اکثر جغرافیہ نویسوں نے اس کا خصوصیت سے تذکرہ کیا ہے، مثلاً ابن حوقل لکھتا ہے، "یہاں پہاڑ اور قطعے زیادہ ہیں، تمام زمین مزروعہ ہے"[5] اصطخری لکھتا ہے، "صقلیہ میں سرسبزی و شادابی، وسعت رزق و زراعت، اور مویشی وغیرہ اس قدر زیادہ ہیں، کہ اس کو تمام ساحلی اسلامی ممالک پر تقدم و فضیلت حاصل ہے"[6]

---

[1] کتاب المسالک والممالک اصطخری ص ۱۰، [2] رحلہ ابن جبیر ص ۳۲۲، [3] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۰۵، [4] تاریخ جزیرہ صقلیہ من حین دخلہا المسلمون در امارہ ص ۱۰۰، ۱۳۰، [5] کتاب المسالک الممالک ص ۸۴، [6] ایضاً ص ۱۰۰۔

ابن جبیر طرم کے ذکر میں لکھتا ہے " یہ شہر سرسبزی اور وسعت رزق میں اپنی انتہا پر ہے، بلکہ ایک سرے سے پورا جزیرہ اپنی سرسبزی وشادابی اور وسعتِ رزق میں حیرت انگیز ممالک میں ہے[1] اور ادریسی نے تو یہاں کے چپہ چپہ کا ذکر کیا ہے اس کو استقصا سے دیکھئے، ایسے کم مقامات نظر آئیں گے، جہاں کی زراعت اچھی نہ بتائی ہو، کہیں لکھتا ہے "ومزارع نامیۃ وجنات کثیرۃ " یہاں بڑھنے والی کھیتیاں اور بہ کثرت باغ ہیں، کہیں صرف یہ ہے " ولھم اجنۃ کثیرۃ " اور ان کے بکثرت باغات ہیں، کسی جگہ ہے " بھا میاہ جاریۃ علیھا مزارع " یہاں رواں پانی ہے، اور اس کے ساحل پر زراعت ہوتی ہے،

جاڑے اور گرمی دونوں موسموں میں زراعت ہوتی تھی[2] فصلی چیزوں میں غلے، میوے اور ترکاریاں تھیں، غلوں میں گیہوں، چنا، مٹر وغیرہ، ترکاریوں میں کدو، بیگن، لکڑی اور پیاز وغیرہ خصوصاً بیگن اور پیاز کی کاشت کا یہاں مخصوص طریقہ رائج تھا، ان کو ابن العوام اشبیلی نے تفصیل سے درج کیا ہے اور تحسین کی ہے، زعفران بھی یہاں کی پیداوار میں ہے، یہاں کی خازنی بھی جو خازنی صقلی کہلاتی ہے لائق ذکر ہے، ابن العوام نے اس کی کاشت کا مکمل طریقہ بھی لکھا ہے[3] خشک و ترمیووں میں سیب، انگور، اخروٹ چلغوزے، ناشپاتی، انجیر، نارنگی، لیموں، زیتون، بادام، شفتالو، ناریل، کھجور وغیرہ ہیں، لکڑیوں میں شاہ بلوط اور صنوبر وغیرہ کی لکڑیوں کی پرداخت ہوتی تھی، خوشبودار و خوشنما درختوں اور پھولوں میں گلاب، بنفشہ، ہندی سرو اور اسی طرح کے چند اور نام ہیں جن سے ہم مانوس نہیں، ان کا اجمالی ذکر معجم البلدان (ذکر صقلیہ) میں اور مفصل تذکرہ اور پیداوار کے مقاموں کی تعیین ادریسی نے نزہۃ المشتاق میں کی ہے،

مسلمان یہاں کی ملکی پیداوار کو ترقی دینے کے علاوہ غیر ممالک سے زرعی چیزیں لائے مثلاً کپاس کے درخت شام سے آئے، روئی کا پودا سرزمین یورپ میں پہلی مرتبہ صقلیہ اور اندلس کے ذریعہ پہنچا

[1] رحلہ ابن جبیر، [2] معجم البلدان ج ۵ ص ۴۰۳، [3] کتاب الفلاحت مدارس ص ۴ ۲۶ معجم البلدان ج ۵ ص ۴۰۳،

ابن سعید ابو عبداللہ محمد بن ابو بکر زہری، ادریسی اور ابن العوام اشبیلی نے تذکرہ کیا ہے، اور اس کی کاشت میں اہل صقلیہ کے بعض اصول بیان کئے ہیں، نیشکر کی کاشت عربوں نے اہل چین سے سیکھی، افریقہ میں پہلے طرابلس الغرب اور وہاں سے صقلیہ لائے، اسی طرح غیر ممالک کی حسب ذیل زرعی چیزیں مسلمانوں کے ذریعہ صقلیہ میں داخل ہوئیں، لیموں ترش و شیریں، خربوزہ، شفتالو اور طبی جڑی بوٹیاں وغیرہ[1]۔

صنعت و حرفت صنعت و حرفت کی ترقی کا مدار اس عہد میں رسل و رسائل اور باربرداری کے وسیع نظام نہ ہونے کے باعث ملک کے قدرتی ذخائر و خام پیداوار ہی پر تھا، مسلمانوں نے یہاں کے معدنوں، پہاڑوں، جنگلوں، دریاؤں، اور سمندر سے انتفاع کیا، معدنیات کے انتفاع سے کان کنی اور آہنگری کے پیشوں کا رواج تھا، چاندی، لوہا، تانبا، گندھک اور نمک نکالتے تھے، پہاڑوں سے سنگتراشی اور جنگلوں سے نجاری کے پیشے قائم تھے، ان صنعتوں اور مصنوعات کا ذکر ادریسی وغیرہ نے کیا ہے، نباتی اشیا میں قابل ذکر یہاں کی کاغذ سازی ہے، ایک قسم کی گھانس بردی سے کاغذ بناتے تھے، ابن حوقل کا بیان ہے، اسی گھانس سے مصر میں بھی کاغذ بناتے ہیں، اب تک مصری کاغذ سے بہتر کوئی دوسرا کاغذ دیکھنے میں نہیں آیا تھا، یہاں بھی اسی نمونہ کا کاغذ تیار ہوتا ہے[2]؛ ابو الفدار نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے[3]، مختلف نبات اور پھل پھول سے دہنیات و عطریات کی کشید ہوتی تھی[4]، صقلیہ کے شاداب انگور مشہور تھے، مسینا میں شراب کی کشید ہوتی تھی[5]، انگور کے شیرے سے فالودہ کی قسم کا ایک قوام معنب تیار کرتے تھے، یہ صقلیہ ہی کی خاص صنعت تھی، اس کے تیار کرنے کا نسخہ اور اجزا ابن العوام نے بیان کئے ہیں، آخر میں لکھتا ہے

[1] کتاب الجغرافیہ زہری در اماری ص ۱۵۹، کتاب الفلاحہ اشبیلی در اماری ص ۲۵۰ و نزہتہ المشتاق ادریسی ص ۳۵، تاریخ الزراعۃ فی بلاد العالم العربی در المجمع العربی دمشق ج ۷، ص ۱۱۲ وغیرہ، [2] کتاب المسالک والممالک ابن حوقل ص ۵۵، [3] تقویم البلدان، [4] کتاب الہدی ابن سعید در اماری ص ۱۴۰ و جغرافیہ ابو بکر زہری در اماری، [5] تقویم البلدان ص ۱۹۳،

صقلیہ میں اسیطرح تیار کیا جاتا ہے، اور اس کا بھی صحیح نمونہ ہے، ابن بسال کا بیان ہے، کہ اس قسم کے قواموں میں اس سے بہتر قوام میں نے دیکھا۱؎

عربوں کی اشیائے خوردنی میں ایک قسم کا حلوا یا مٹھائی اطریہ تھا، یہ بلرم میں تیار کیا جاتا تھا۲؎

گھانس کی عمدہ چٹائیاں بھی بنی جاتی تھیں، ابن جبیر کہتا ہے "اس سے عمدہ بنی ہوئی چٹائی دیکھنے میں نہیں آئی۳؎" دریا اور سمندر سے ماہی گیری و صدف ریزی کو ترقی ہوئی۴؎، ابن الوردی لکھتا ہے "اس کے سمندر کے ساحل پر مونگا نکالا جاتا ہے، جو گویا سمندر کے ساحلی کنارے پر زمین کی طرح اگتا ہے۵؎"،

ریشم کے کیڑوں کی پرورش انجیر کے درختوں پر کرتے تھے، یہ طریقہ مسلمانوں نے اندلس میں رائج کیا، وہاں سے صقلیہ لائے، ان کیڑوں اور روئی کی پیداوار سے پارچہ بافی کو ترقی ہوئی، مسلمانان صقلیہ کا یہ پیشہ درجہ کمال پر تھا، ابن حوقل بلرم کے کپڑوں کے متعلق لکھتا ہے "میں نے تمام اقطار عالم میں اس کپڑے کے مانند کوئی کپڑا نہیں دیکھا، اور نہ ایسے کاریگر تمام روے زمین پر۶؎" اسی طرح مقدسی نے یہاں کے ایک قسم کے کپڑے کا تذکرہ کیا ہے، جو ایک دن میں کئی رنگ بدلتا تھا۷؎، یورپین مورخین کو اعتراف ہے، کہ کپڑے بننے کا فن یورپ نے صقلیہ سے سیکھا۸؎، اسی طرح کہتے ہیں، "کپڑے رنگنے کا فن یورپ نے صقلیہ سے سیکھا، فن رنگسازی پر ایک صقلی اہل علم نے ایک کتاب بھی لکھی ہے، جو ٹیونس کے کتب خانہ میں موجود ہے،

فن تعمیر فن تعمیر اگرچہ فنون جمیلہ کی ایک شاخ ہے، تاہم صنعت کے لحاظ سے یہاں بھی اس کا تذکرہ ناموزوں نہ ہوگا،

تعمیر کے لئے جن مسالوں کی عموماً ضرورت پڑتی ہے، وہ ہر جگہ کم و بیش پائے جاتے ہیں، اس لئے عہد قدیم سے اکثر متمدن اقوام اپنا کوئی نہ کوئی طرز رکھتی تھیں، جن میں سے تعمیر کے مختلف فارسی، مصری، یونانی

۱؎ کتاب الفلاحہ مدا ماری ص ۴۹۰، ۲؎ نزہتہ المشتاق ۳؎ رحلہ، ۴؎ نزہتہ المشتاق ص ۲۲، ۵؎ فریدۃ العجائب ص ۵۰ امدا ماری، ۶؎ المسالک والممالک مدا ماری ص ۱۱، ۷؎ احسن التقاسیم ص ۲۴۰ ۸؎ تاریخ عرب سدیو ۹؎ تمدن عرب لیبان ص ۲۰۲،

اور رومی طرز وغیرہ عہد اسلامی کے آغاز میں بھی موجود تھے، مسلمانوں نے ان میں اپنی ذہنی استعداد سے اضافے کئے، جن سے ایک مخصوص اسلامی طرز تعمیر کی بنا پڑی،

مسلمانوں کے داخلۂ صقلیہ کے وقت تک اسلامی طرز تعمیر کی بنا پڑ چکی تھی، وہ صقلیہ میں مشرقی طرز ملے ہوئے اسلامی طرز کو اپنے ساتھ لائے، اور یہاں یونانی، رومی اور بیزنطی طرزوں کے مشاہدہ کا موقع ملا، اور اپنی استعداد سے مشرقی و مغربی طرزوں میں آمیزش کی، اور ایک مستقل طرز کے بانی بنے، جس کو لیبان "صقلیہ کا شرقی عربی طرز" کہتے ہیں[1]

صقلیہ کے اسلامی طرز کے چند خصوصیات بیان کئے جاتے ہیں، مثلاً مسلمانوں نے عمارتوں میں سب سے پہلی مرتبہ اسی صقلیہ میں اینٹ کے بجائے پتھر استعمال کئے، جس کو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالۂ تاریخ فن تعمیر میں اسلامی فن تعمیر کی تفصیل میں بیان کیا گیا ہے[2]

دوسری خصوصیت ستونی طرز (COLUMM) کو صقلیہ میں معراج کمال پر پہنچانا ہے، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے،

"یونانیوں نے ستونوں کی ایجاد کی، رومیوں نے ترقی دی، مسلمانوں نے ان پر نوکدار محرابیں بنائیں، اور صقلیہ کے مسلمانوں نے انہی عناصر سے ایک بلند و حسین طرز ایجاد کیا، جو مختلف حیثیات سے پر شوکت و شان، سادہ اور حسین و جمیل تھا"[3]

اسی طرح آرایشی طاقچوں کا استعمال یہاں دسویں، گیارہویں صدی عیسوی میں پایا جاتا ہے، اسلامی عہد میں دیواروں پر مختلف نقش و نگار بناتے، خوبصورت مصنوعی بیلیں چڑھائی جاتیں، اور خط کوفی و طغری میں آیات قرآنی لکھی جاتیں،[4]

---

[1] تمدن عرب ص ۵۰۱، [2] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۲ ص ۳۲۴ طبع یازدہم، [3] ؁ ج ۲ ص ۵۵ طبع یازدہم، [4] رحلہ ابن جبیر، تمدن عرب ص ۴۰۴،

سسلی میں جب تک مسلمان موجود رہے، اسلامی طرز تعمیر اور مسلمان معماروں کو مقبولیت حاصل رہی، نارمن خود کسی تمدن کے حامل نہ تھے، وہ تقریباً ایک ہی زمانہ میں انگلستان اور سسلی دونوں جگہ آئے، انگلستان میں تو انہیں اپنے اس طرز کو رواج دینے کا موقع ملا، جسے انھوں نے لمبارڈ اور فرانسیسیوں سے حاصل کر لیا تھا، مگر صقلیہ میں انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا کے مقالہ نگار کے بقول انھیں کسی قسم کے اضافہ و ترمیم کی ہمت نہیں ہوئی، حالانکہ انگلستان اور سسلی کے باہم تعلقات موجود تھے، اور وہ یہاں انگلستان کے جدید نارمن طرز کو رواج دے سکتے تھے، لیکن یہاں انھوں نے جتنی عمارتیں بنوائیں، وہ سب مسلمان معماروں اور مہندسین کے ہاتھوں میں تعمیر ہوئیں، چنانچہ پلرمو، مونریل، سیفولو، اور مسینا کے شاہی محل اور گرجے خالص اسلامی طرز کے ہیں،[1]

صقلیہ میں عہد اسلامی کی مشہور عمارتیں قصر زیزہ، قوبہ، قصر سعد، وجعفر اور چند مساجد پلرم وترمہ وغیرہ ہیں، اور نارمن عہد کے اسلامی طرز کی عمارتوں میں قصر ابیض و کنیسۂ انطاکی وغیرہ معروف ہیں،

قصر زیزہ، پلرم کا مشہور قصر تھا، یورپ کے مورخین اس کا بالعموم اسی نام کے ساتھ تذکرہ کرتے ہیں[2] لیکن عربی ماخذوں میں اس نام کا کوئی قصر مذکور نہیں، لسان الدین ابن الخطیب نے ایک قصر عزیز کا نام لیا ہے، خیال ہوتا ہے، زیزہ اسی کا بگڑا ہوا تلفظ ہے، قصر عزیز خلیفہ فاطمی العزیز کی طرف منسوب ہے، لسان الدین ابن الخطیب نے ۲۳۲ھ کے ذیل میں اس کا تذکرہ کیا ہے، اور العزیز کا سال جلوس ۳۶۵ھ ہے، اس لئے قصر عزیز کی تعمیر کا زمانہ ۳۶۵ھ سے ۳۸۶ھ تک کے اندر ہے، جس کے مطابق عیسوی سنین ۹۷۵ء سے ۹۹۶ء ہوتے ہیں، موسیو لیبان بھی زیزہ کا زمانہ تعمیر دسویں صدی عیسوی قرار دیتے ہیں[4] لیکن ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں، اسکو تھیودوسس راہب نے جو ۸۶۵ء کی سیراکیوز کی جنگ میں گرفتار ہو کر پلرمو گیا تھا، دیکھا تھا[5] شاید لیبان کی مسامحت ہو، جس کی

---

[1] انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا ج ۲، ص ۴۲۳، مقالہ فن تعمیر طبع یازدہم تمدن عرب ص ۲۰۲، ۴۹۴ [2] اعمال الاعلام در یادگاری ج ۲ ص ۵۵۴، تمدن عرب ص ۲۰۹ [3] اسی لئے میں نے اس کا اردو املا، تمدن عرب کے اردو املا "ضیزہ" کے بجائے "زیزہ" اختیار کیا، جو "عزیزہ" یا "العزیز" سے زیادہ قریب ہے،

صحیح انہی کے مورد بالا بیان سے ہو جاتی ہے، تھیوڈوسس نے بلرم کے کسی دوسرے قصر کا تذکرہ کیا ہوگا،
ملکو زیزہ پر منطبق کیا گیا، ورنہ دسویں صدی کی عمارت نویں صدی میں کیونکر دیکھی جا سکتی ہے، اس لئے اگر
یزہ دسویں صدی کی عمارت ہے (جس کی عربی ماخذ سے تائید و تطبیق ہوتی ہے، اور بظاہر تغلیط کی کوئی وجہ
ہیں) تو وہ صقلیہ کے عہد کلبی کا قصر عزیز ہی ہے؛[1]

قصر قوبہ کا تذکرہ بھی جو اسی کے پاس ہے، یورپین مورخین کے یہاں آیا ہے، اس کے متعلق بھی عربی
ماخذوں سے بعض احتمالات پیش نظر ہیں، لیکن ابھی وہ اس لائق نہیں، کہ پیش خدمت ہوں، لیبان نے
ان قصروں کے کھنڈر دیکھکر ان کا نقشہ کھینچا ہے، ادریسی نے بلرم کے بعض قصروں کا پر شکوہ الفاظ میں
تذکرہ کیا ہے، اگرچہ ناموں کی تصریح نہیں، مگر جائے وقوع اور صفات کے لحاظ سے بہرصورت انہی
قصروں کا تذکرہ معلوم ہوتا ہے، اسی طرح ابن جبیر صقلیہ کے اون شاہی محلوں کی تعریف و توصیف
میں رطب اللسان ہے، جنہیں نارمن فرمانروا سکونت پذیر تھا، اور بہ تحقیق معلوم ہے، کہ ان میں سے
...ل ادریسی بجز ایک قصر کے جسے راجر دوم نے تعمیر کرایا تھا، سب کے سب عہد اسلامی کی یادگار تھے،
...وس ہے، کہ ادریسی اور ابن جبیر کے اقتباسات پڑھنے کا موقع نہیں، کہ ان قصروں کی جلالت شان
صحیح اندازہ ہوتا؛[2]

قصر سعد بلرم سے ایک فرسخ پر واقع تھا، ابن جبیر کے بیان کے رو سے اس کا طرز تعمیر اس قدیم
...مع کا معلوم ہوتا ہے، جو مسلمانوں نے ابتدائے جزیرہ میں رائج کیا، قصر میں داخلہ کے لئے لوہے کا ایک
پھاٹک ہے، اور اندر کشادہ اور وسیع قیام گاہیں اور دو منزلہ عمارتیں تھیں، قصر کے بلند حصہ پر ایک مسجد
...، جو ابن جبیر کے بقول دنیا کی خوبصورت ترین مساجد میں تھی، قصر کے سامنے ایک کشادہ سڑک تھی
قصر کے چاروں طرف گھومتی تھی، ابن جبیر کے عہد تک یہ قصر اچھے حال میں تھا،

[1] تمدن عرب ص ۴۰۱-۴۰۴-۴۰۲ [2] نزہۃ المشتاق ادریسی ص ۲۳، رحلہ ابن جبیر ۳۳، گب،

قصر جعفر، قصر سعد سے ایک میل پر واقع تھا، یہ بھی اپنے طرز اور خصوصیات میں اسی کے مثل تھا، ابن جبیر کے عہد تک اس کے فوارہ سے پانی اچھلتا رہتا تھا[1]، بظاہر یہ دونوں قصر عہد اغالبہ کی یادگار تھے، اور کیا عجب کہ تھیوڈوسس نے انھی کا نظارہ کیا ہو،

ابن جبیر نے بلرم اور بعض دوسرے شہروں کی مسجدوں کی تعریف کی ہے، جنمیں سے بعض کی وسعت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے، کہ ان میں شیشے اور تانبے کی چالیس قندیلیں آویزاں تھیں، اور اسی نے نارمن عہد کی بعض اسلامی طرز کی عمارتوں، قصر ابیض، سینا، اور کنیسہ انطاکی بلرم کی بھی تعریف کی ہے، خصوصاً کنیسہ انطاکی کی بیحد توصیف کی ہے، اس میں سونا، پانی کی طرح بہایا گیا تھا، سنہری، روپہلی قلعی، طلائی پچی کاری، رنگ آمیزی اور قیمتی رنگین پتھروں کا استعمال وغیرہ قابل ذکر ہیں، یہ سب مسلمان مہندسین اور معماروں ہی کے موئے قلم کے یادگار شاہکار تھے[2]،

سسلی کے عہد اسلامی کی یادگاریں جس طرح مٹائی گئیں، بقول بعض عیسائی مورخین اس کی مثال دوسری جگہ نظر نہیں آتی، جو یادگاریں باقی رہ گئی ہیں، ان پر ایک مقالہ پروفیسر لے۔ بسلیتیس نے یادگاری مضامین اماری میں لکھا ہے، جس کے مباحث زبان کی اجنبیت کے باعث ابھی تک معلوم نہ کر سکا[3]، چند دیواروں، کھڑکیوں، اور محرابوں کی تصویریں بھی چھاپی ہیں، عمارتوں کے یہ ٹکڑے سسلی کے عجائب خانے میں محفوظ ہیں، ان تصویروں میں بعض مخروطی شکل کی ہیں، بعض مستطیل ہیں، اور بعض تکمیلی معلوم ہوتی ہیں، محرابوں کی ساخت سے پتہ چلتا ہے

[1] رحلہ ابن جبیر ص ۲۲۹ گب، [2] ایضاً ص ۳۳۰، ۳۳۲ گب، [3] اسی طرح شاک اور بیکر نے سسلی کے اسلامی فن تعمیر پر جو کچھ لکھا ہے ابھی تک وہ نظر سے نہیں گذر سکا، ڈاکٹر سر اقبال، ڈاکٹر برکت علی قریشی، پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور، اور ڈاکٹر حسین ہمدانی سورتی کا شکر گذار ہوں، کہ ان میں سے اول الذکر نے اس خطبہ کی قرأت سے پہلے زبانی گفتگو میں شاک کی تصنیف کے دیکھنے کی ہدایت فرمائی، اور موخر الذکر دونوں اہل علم نے اس خطبہ کی قرأت کے بعد جنمیں تمہیداً ماخذوں کو بھی بتایا گیا تھا، ان دونوں کی کتابوں سے مقرر کو آگاہ کیا،

کہ پتھر کی تراشی ہیں، کھڑکیاں بھی سنگی اور جالی دار ہیں، جالیوں کے اقسام پر تو عبور نہیں، تاہم سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں، بعض بظاہر بھدی شکل کی ہیں، لیکن اکثر کی تراش خراش خوبصورت، نازک اور اپنے اندر کشش رکھنے والی ہے جن پر بے ساختہ نگاہ اٹھ جاتی ہے، بعض ٹکڑوں میں آیات قرآنی مثلاً نصر من اللہ وفتح قریب پاکیزہ خط میں نقش ہیں، بعض نقش خط طغرا میں ہیں، اور بعض کلیساؤں کی تصویریں بھی چھپی ہیں، یہ مختلف ٹکڑے مختلف شہروں بلرم (پلرمو) طبرمین (ٹاورمینا) سرقوسہ (سیراکیوز) اور مسینا کی مختلف عمارتوں کے ہیں[1]،

مہندسین صقلیہ صقلیہ کے ترقی یافتہ اسلامی فن تعمیر کے لحاظ سے یہاں کے مہندسین اور باکمال معماروں کی کثیر تعداد ہونی چاہئے تھی، مگر اس وقت تک اہل صنعت کے طبقات وتراجم کا رواج نہ تھا، اس لئے صرف ایسے چند مہندسین کے نام معلوم ہو سکے، جنھیں کسی دوسرے علم میں کمال حاصل تھا، یا کہیں کہیں بعض ایسے نام نظر آئے، جن کا تذکرہ اسلامی ممالک کی بعض عمارتوں کے ضمن میں آگیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی ان کے خدمات کی قدر تھی، جن مہندسین کے نام معلوم ہو سکے ان کی مجموعی تعداد صرف ۸ ہے، جن میں سے بعض جامع اشبیلیہ، فصیل طرابلس الغرب، رصد خانہ مصر اور جامع طرابلس الغرب وغیرہ کے معمار ہیں، ان کے تذکرہ کے لئے دیکھئے خطط مقریزی (ج ۱ ص ۲۰۶) اخبار مصر ابن میسر (ج ۲ ص ۴۸) رحلۃ التجانی (در اماری ص ۳۸۸، ۳۹۰) اخبار العلماء با خبار الحکماء قفطی (ص ۱۸۹) الحان المسلیہ ابن سعید (در یادگاری مضامین ج ۱ ص ۲۵۵) اور خریدۃ القصر اصفہانی (در اماری ص ۵۹۶)

مال غنیمت صقلیہ میں مسلمانوں کے لئے پیدائش حصول دولت کا ذریعہ لڑائیوں کا مال غنیمت بھی تھا، میں اس موقع پر صقلیہ کے اسلامی وعیسوی محاربات کے اسباب وعلل اور ان کی تفصیلات میں نہ جاؤنگا، کہ انکا تعلق سیاسیات سے ہے، مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ ان لڑائیوں کا سلسلہ مختلف اسباب وعلل کے باعث قریب قریب قائم رہتا، یہ لڑائیاں صقلیہ کے رومی مقبوضات کے علاوہ زیادہ تر اٹلی میں پیش آتیں، صقلیہ کے

[1] یادگاری مضامین در اماری ج ۲ ص ۴۹۵، ۵۰۰،

عام مسلمان اس میں شریک ہوکر وافر دولت حاصل کرتے، کہ مالِ غنیمت کی قانونی تقسیم کے رو سے حکومت کے حصہ کے علاوہ عام مجاہدین کو بھی حصہ ملتا، صقلیہ کے مالِ غنیمت کی قدر و قیمت کا اندازہ بعض موقعوں کے مالِ غنیمت سے کیجئے، مثلاً ۳۱۳ھ ۹۲۵ء میں ابوجعفر احمد بن عبید کی سرکردگی میں اٹلی کے مختلف شہروں پر حملے ہوئے، اور مالِ غنیمت جمع ہوا، ابوجعفر نے اس میں سے ایک واجب حصہ خلافتِ فاطمی کے دربار میں نذر کیا، عبید اللہ فاطمی کے ایک خادم نے دربار میں زر و جواہر بیش قیمت ریشم، اور دولت و ثروت کا انبار دیکھ کر ابوجعفر کی دیانت کی تعریف کی، تو عبید اللہ نے روک کر کہا: بخدا اس نے اونٹ کے دو نعلوں کے سوا مجھے کچھ نہیں دیا[۱]،

اسی طرح صقلیہ کے مختلف شہروں قصریانہ و سرقوسہ وغیرہ کی فتح میں بے دریغ دولت ہاتھ آئی[۲]، اور اٹلی پر عہد اسلامی کے زوال سے کچھ ہی پہلے تک مسلسل حملے ہوتے رہے، اور مشکل سے ایسا حملہ کوئی ہوگا، جس میں وافر دولت نہ ملی ہو،

تجارت | تجارت، پیدائش وحصول دولت کا متعارف ذریعہ ہے، اس میں پہلی ضرورت ذرائع آمد و رفت اور باربرداریوں کی آسانیوں کی ہوتی ہے، ذرائع آمد و رفت میں بری و بحری دونوں راستے تھے، ایک شہر سے دوسرے شہر تک کی سڑکیں صاف، کشادہ تھیں جن پر پتھر بچھائے گئے تھے[۳]، بحری راستہ دوسرے ممالک سے تھا، نیز اندرون ملک کے دریاؤں میں بھی کشتیوں سے آمد و رفت قائم تھی، یہی وجہ ہے، کہ صقلیہ کے عہد اسلامی میں یہاں بکثرت بندرگاہیں تھیں، جن سے معاشی و اقتصادی ترقی کا اندازہ ہوتا ہے، ادریسی نے سب کو یکجا اور ان کی جائے وقوع اور ایک سے دوسرے تک کی مسافت بیان کی ہے، انکی مجموعی تعداد ایک سو بارہ ہے[۴]،

۱؎ البیان المغرب ذکر جبارہ دو بھی ص ۱۹۵، ۲؎ ابن اثیر ج، ص ۳۴، ۳۳، ۲۲۱، اعمال الاعلام ورپا گکاری ج ۲ ص ۹۶، ۹۴، ۳؎ رحلہ ابن جبیر ص ۳۲۹، معجم البلدان ج ۵ ص ۴۹۶، ۴؎ نزہۃ المشتاق ص ۸۵

باربرداری کے ذرائع میں کشتیاں، جہاز، جانور، اور قلی تھے، اندرونِ ملک میں گھوڑوں اور دوسرے جانوروں پر سامان لادتے، اور لیجاتے، جہازوں اور کشتیوں پر جانور اور قلی دونوں سامان لادتے تھے[1]

مبادلہ کی ضرورت حصولِ دولت وارتفاعِ حاجت کے لئے ہوتی ہے، جس میں تجارت کی ابتدا، منڈیوں کا قیام، معیار تبادلہ کے لئے زر، ناپ اور تول کی تعیین، وسعتِ تجارت کے لئے دوسرے ممالک سے تجارتی تعلقات کا قیام، اور اسباب تجارت کے لئے درآمد، برآمد کا ہونا ضروری ہے،

تجارت کی ابتدا، صقلیہ میں عہد اسلامی سے پیشتر محض غلہ کی تجارت تھی، اور اس کی تجارت بھی رومیوں کے معرفتح کرنے کے بعد ماند پڑ گئی تھی، یورپین مورخین کے بقول مسلمانوں نے یہاں کی تجارت نئے سرے سے زندہ کی،[2] زراعت، صنعت، اور حرفت کو ترقی دے کر غیر معمولی تجارتی فروغ حاصل کیا[3]

تجارتی منڈیاں مسلمانوں نے یہاں تجارتی منڈیاں قائم کیں، جن سے مراد لین دین کا بازار ہے، یہ بازار دو قسم کے تھے، اندرونِ ملک میں خردہ فروشوں کی دوکانیں اور ساحل کی تجارتی گودیاں جہاں درآمد برآمد کا مال جمع ہوتا، صقلیہ کے اکثر شہروں میں کار، وبار کا بازار گرم تھا، ادریسی نے مشکل سے کسی بڑے یا اوسط درجہ کے شہر کے متعلق مثلاً یہ نہ لکھا ہو، "وبھا اسواق جامعۃ لاصناف الصنائع وضروب المتاجر" یہاں ایسے بازار ہیں جس میں صنعت و تجارت کی ہر قسم کی چیزیں موجود رہتی ہیں، یا بھا الاسواق العامرۃ یہاں معمور بازار ہیں، بازاروں کیلئے اہتمام کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ بلرم میں ہر صنعت کے لئے جدا جدا بازار تھے، جن میں یک ہی وضع کے مکانات بنائے گئے تھے[3] اور درآمد برآمد کی بڑی بڑی گودیاں شمال مشرق ساحل پر مسینا میں جنوب مشرق میں سرقوسہ میں، مغربی ساحل پر مازر، اور اسی طرح بلرم، مینا و طرابنش، لیاج، ترنیس، میلاص اور تسکلہ وغیرہ میں تھیں، ادریسی نے ہر ایک کو تفصیل سے بیان کیا ہے، مثلاً مسینا کے متعلق لکھتا ہے:-

"یہاں تمام ساحلی ممالک روم سے اکثر لنگر اندازی ہوتی ہے، اور بڑے بڑے جہاز لنگر انداز ہوتے

---

[1] نزہۃ المشتاق ورحلہ ابن جبیر [2] سسلی از فریمان تمدن عرب لیبان ص ۲۸۳، [3] نزہۃ المشتاق ص ۲۸، ۲۹، ۳۰ وغیرہ، والمسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۵،

ہیں، اور تمام بلاد روم و ممالک اسلام کے تجار آتے ہیں، سامان (تجارت) عمدہ اور آنے والوں کی تعداد بہت ہے[۱]"

زر: سکوں میں عام معیار سونا تھا، جو خواہ بغداد کا مسکوک ہوتا، یا افریقیہ یا اندلس کا، تاہم افریقیہ کا سکہ زیادہ رواں تھا، افریقیہ کا سکہ دوسرے سکوں سے کسی قدر مختلف بھی تھا، اغالبہ کے بعد فاطمی سکہ رواں ہوا، جو جنوب سے دمشق تک رائج تھا، اس سکہ کا بلند درجہ دینار تھا، پھر اس کا چوتھا، آٹھواں اور سولہواں حصہ متعین تھا، آخری حصہ کو خرنوبہ کہتے تھے[۲]، دولت کلبیہ نے اپنا سکہ بھی جاری کیا تھا، جو غالباً افریقی دینار اور اس کے حصص کے مثل تھا، اس کے ایک سکہ رباعی کی تصویر جرجی زیدان نے الہلال میں شائع کی تھی، ان سکوں پر کلمہ طیبہ سنہ ہجری اور فرمانروا کا نام مسکوک تھا، نارمنوں نے بھی اپنا سکہ اسی قسم کا مسکوک کرایا تھا، راجر اول کے عہد میں تو کلمۂ توحید کے ساتھ کلمۂ رسالت بھی سکہ پر مسکوک ہوگیا تھا، راجر دوم نے اقرار رسالت کو حذف کردیا، پھر پاپائے روما سے شاہ کا خطاب ملنے پر کلمۂ توحید بھی مٹا دیا گیا، ان سکوں پر فرمانرواؤں کے خطابات عربی ہی میں تھے، راجر دوم کا نام یوں تھا "المعتز باللہ الملک المعظم راجر الثانی" ولیم اول نے ذیل کے الفاظ کندہ کرائے "الہادی بامر اللہ الملک المعظم" اس کے عہد تک کے سکہ پر سنہ ہجری مسکوک ملا ہے، یہ سکے پلرمو، اور اٹلی کے عجائب خانوں میں آج بھی موجود ہیں[۳]، ابن جبیر نے اس عہد میں دینار مومنیہ بھی یہاں چلتے دیکھا تھا[۴]۔

ناپ تول کا معیار قفیز اور رطل پر قائم تھا، قفیز ۳۲ ثمن کا اور ثمن ۶ مد کا ہوتا تھا، مد عہد نبوی کا تھا، اور مد نبوی کہلاتا، مشرقی و مغربی رطلوں میں فرق تھا، بعض چیزوں کی تول ایک دوسرے رطل سے ہوتی تھی جو متعارف رطل سے ۱۰ درہم کم تھا، تولنے کے باٹ شیشے کے ہوتے تھے[۵]۔

---

[۱] نزہۃ المشتاق ص ۲۶ [۲] احسن التقاسیم مقدسی ص ۲۴۰ [۳] مقالہ لی مورتمس در یادگاری اماری ج ۱ ص ۲۰۲-۲۰۳ [۴] رحلۂ ابن جبیر [۵] احسن التقاسیم ص ۲۴۰،

غیر ممالک سے تجارتی تعلقات قائم تھے، یورپین مورخین کا بیان ہے، کہ اٹلی میں مسلمانوں کی تجارتی کوٹھیاں قائم تھیں[1]

ادریسی صقلیہ کے مختلف شہروں کے متعلق لکھتا ہے "و یحیز الی قلوریہ وغیرہا بلاد النصاری" یہاں کا سامان قلوریہ، اور دوسرے عیسوی ملکوں کو جاتا ہے[2]؛ اندلس سے بھی تجارتی تعلقات قائم تھے، فرمانروایانِ اندلس اپنے تجارتی جہاز صقلیہ بھیجتے[3]، شمالی افریقہ کے ساحلی مقامات سے تو دن رات کی آمد و رفت تھی، دور کے شہروں سفاقس وغیرہ سے بھی تجارتی جہاز آتے جاتے[4]،

اس لیے دراصل صقلیہ اس زمانے میں مشرق و مغرب، یورپ و افریقہ اور یورپ و ایشیا کی تجارت کا سنگم تھا جس کا سلسلہ نارمنوں کے عہد میں بھی قائم رہا، اور اس عہد میں بھی تجارت پیشہ زیادہ تر مسلمان ہی رہے، جو مختلف ملکوں کو جہاز لیجاتے، ابن جبیر نے ایک دن طرابنش کے ساحل سے اندلس سبتہ، اور سکندریہ کے لئے تین جہاز ایک ساتھ کھلتے دیکھے، اور بیان کیا "سب جہازوں پر مسلمان تاجر اور حاجی سوار ہیں[5]"

برآمد و درآمد، یہاں کی اشیائے برآمد میں غلہ کی مختلف قسموں کے علاوہ خشک و تر میوے، مچھلیاں، شہد، مٹھائی یا حلوا، لکڑی، لوہا، مونگا، موتی، گندھک، نوسادر اور کپڑے وغیرہ ہیں، جو چیز جس شہر کے مضافات کی پیداوار ہوتی، وہیں کے بندر سے لادی جاتی، ادریسی نے سب کو نام بنام گنایا ہے، اور جو چیز جہاں جاتی، اس کا تذکرہ بھی کیا ہے، مثلاً خشک و تر میوے، مچھلیاں، افریقہ اور یورپ کو، شہد یورپ کو، نوسادر مصر کو، لیکن مقدسی کی روایت کے بموجب مصر میں صقلیہ کے نوسادر کی مانگ ۳۷۵ھ کے بعد تقریب بند ہوگئی تھی، بعض دوسری مصری چیزوں سے اس کی ضرورت رفع ہونے لگی، اسی طرح مٹھائی یا حلوائے اطریہ یورپ کو جاتا، اور صقلیہ کا کپڑا تو قریب قریب اکثر متمدن ملکوں میں جاتا تھا، یہاں تک کہ

---

[1] تاریخ عرب سدیو ص ۲۲۰، [2] نزہۃ المشتاق ص ۳، [3] مسالک الابصار ابن فضل اللہ الدمشقی در اماری ص ۱۵۳، [4] معجم البلدان ج ۵ ص ۲۰، [5] رحلہ ابن جبیر ص ۳۲۴،

دولت کلبیہ کے عہد میں صقلیہ کے اس مشہور کپڑے کی برآمد جو دن میں کئی رنگ بدلتا تھا، صرف شاہانہ ذوق انفرادیت سے ممنوع قرار دے دی گئی تھی، مقدسی لکھتا ہے،

"صقلیہ ..... سے نفیس کپڑے بھیجے جاتے ہیں، ..... اور سلطان نے دوسرے ملکوں کو اس کپڑے کی برآمد ممنوع قرار دے دی ہے، البتہ جو اس سے چھپ چھپا کر لیجایا جائے[1]"

تقسیم دولت

ملک میں زراعت، صنعت، حرفت اور تجارت کے کاروبار سے آبادی کے مختلف طبقے کسان، زمیندار، صناع، تاجر، اور مزدور پیدا ہو گئے تھے، پھر نظام حکومت کے لحاظ سے عمال و ملازمین حکومت، موالی، اور غلاموں، کے طبقے تھے، لڑائیوں کی شرکت کے لئے مجاہدین کی جماعت تھی، اور اسی معیار و فرق مراتب کے لحاظ سے ان میں دولت تقسیم ہوتی تھی، اور اسی لحاظ سے امیر و غریب کے طبقے بھی قائم ہو گئے تھے،

صرف دولت

جس ملک کی زراعت، صنعت، حرفت اور تجارت اس درجہ فروغ پر ہو، اور اعلیٰ نظام حکومت قائم ہو، اس ملک کا معیار زندگی بہر حال بلند ہوگا، اور تقسیم دولت کے اصول سے غریب سے غریب طبقہ کو بھی اس قدر مہیا ہو جائیگا، کہ فارغ البالی کی زندگی بسر ہو،

پھر جب کسی قوم میں دولت و ثروت کی بہتات ہوتی ہے، تو تعیشات و تکلفات کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں، اور طرز زندگی کے محاسن سے ہر چیز میں خوش سلیقگی آجاتی ہے، اور فراغ بالی اور حسن معاشرت سے جسمانی حسن و جمال بھی پیدا ہو جاتا ہے، عام معاشرتی بلندی کا اجمالی نقشہ بلرم کے تذکرہ میں گذرا ہے، حسن معاشرت و تکلفات و تعیشات اور اس سے ملک کی عام خوشحالی کا، ذیل کے دو عرب مورخین کے بیانوں سے اندازہ لگائیے، صاحب کتاب ہیئۃ اشکال الارض کا صقلیہ کے اسلامی عہد کے

[1] احسن التقاسیم مقدسی ص ۲۲۹، ام ۲، و نزہۃ المشتاق ذکر مدن صقلیہ،

متعلق بیان ہے:-

یہاں کے لوگ اپنے ہمسایوں کے درمیان، سامان، لباس اور دیگر حالات کے لحاظ سے صفائی اور ستھرائی میں مشہور ہیں، اور لوگوں میں احسان، حسن صورت، معاشی اعتدال پسندی مروت اور عمدہ معاشرت کی وجہ سے ممتاز ہیں۔[1]

اسی طرح ابن جبیر نے بلرم کی مسیحی عورتوں کی ایک ٹولی کو سر راہ گذرتے دیکھا، اور اس متحرک گلدستہ کی تصویر چند خطوط کھینچ کر اتاری، اس کا بیان ہے، کہ ان عورتوں نے مسلمان عورتوں کا طرز زندگی اختیار کر لیا تھا جس سے صقلیہ کی مسلمان عورتوں کے پر تکلف طرز معاشرت کا اندازہ ہوتا ہے، وہ لکھتا ہے

اس شہر میں مسیحی عورتوں کی وضع قطع بالکل مسلمان خواتین کے ایسی ہے، یعنی وہ بھی بڑی شان سے نکلتی ہیں، سنہرے حریر کے کپڑوں میں ملبوس، عمدہ نرم، اور نازک، اور جواہر ٹکے ہوئے، چادروں میں سمٹی سمٹائی رہتی ہیں، جسم پر زرتار چادریں، اور چہروں پر رنگین نقاب اور پیروں میں سنہرے موزے ہوتے ہیں، غرض مسلمان عورتوں کی آرایش کے تمام سامانوں اور زیوروں سے آراستہ، مہندی لگائے، کپڑے عطر میں بسائے، بڑی شان سے ایک دن گرجے کی طرف چلتی دکھائی دیں۔[2]

بس یہی ہے صقلیہ کے عہد اسلامی کی معاشی زندگی کا ایک آئینہ، (باقی)

---

[1] کتاب ہیئۃ اشکال الارض ومقادیرہا فی الطول والعرض درادریسی ص ۱۲ [2] رحلہ ابن جبیر ص ۳۳۳،

تاریخ صقلیہ جلد اول

اس میں سسلی کے مسلمانوں کے عروج و زوال اور پھر مصائب و جلاوطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، اندلس کے مسلمانوں کے متعلق تو آپ نے بہت کچھ پڑھا ہوگا، سسلی کے مصیبت زدہ بھائیوں کی یاد بھی تازہ کیجئے، اور ان کے درخشان کارنامے ملاحظہ فرمایئے ضخامت ۶۴۶ صفحے، کاغذ لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت للعہ از سید ریاست علی ندوی "منیجر"

"سرود زندگی"

از مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۲)

خمریات۔ تغزل کا ایک لطیف جزو خمریات بھی ہے، خمریات کے معنی محض "مے پرستی" اور بادہ نوشی کے مضامین کے نہیں ہیں، بلکہ وہ ایک نہایت وسیع اور جامع مفہوم ہے، جسمیں حسن و عشق کی کیفیات سے لیکر عرفان و حقیقت کے اسرار تک سب داخل ہیں، اگرچہ خمریات تغزل کا کوئی ایسا ضروری جزو نہیں ہے جسکے بغیر وہ ناقص رہجاتا ہو، لیکن جو شعرا اس بادہ کے ذوق شناس ہیں، خمریات ان کے کمال کا بہت بڑا معیار ہے، قریب قریب ہر زبان میں کچھ نہ کچھ شعرا ایسے ہیں جنھوں نے اس وصف خاص میں کمال پیدا کیا ہے، عربی میں ابو نواس، فارسی میں خیام و حافظ، اردو میں ریاض، خیام و حافظ کی مقبولیت کا سب سے بڑا راز یہی ہے کہ انھوں نے بڑے بڑے نازک اور دقیق مسائل کو شراب اور اس کے لوازم کی تمثیلات میں ادا کیا ہے جس سے عام تماشائی اور ارباب نظر دونوں اپنے اپنے ذوق و نظر کے مطابق لطف اندوز ہوتے ہیں۔

اصغر اولاً خود بادۂ حقیقت کے لذت شناس ہیں، دوسرے وہ بڑی حد تک میکدۂ شیراز کے جرعہ کش ہیں، اس لئے اونھوں نے بھی حافظ کے اتباع میں حسن و عشق کی کیفیات اور تصوف کے مسائل و کوائف کو موجِ شراب کے پردہ میں بیان کیا ہے، انکی بادہ پیمائی اور جام و مینا کی تعبیر خود انکی زبان میں یہ ہے:

عقل ہو غرقِ تجلی روح پا جائے جلا
بیٹھ کر اک لحظہ شغلِ جام و مینا کیجئے

انکے میخانہ میں وہ تجلی ہے کہ پینے سے زیادہ کھو جانے میں مزا ہے اور انکا میخانہ اسرارِ حقیقت کا عقدہ کشا ہے،

ایک ایسی بھی تجلی آج میخانہ میں ہے،
لطف پینے میں نہیں ہے بلکہ کھو جانے میں ہے

گوشہ گوشہ علم و حکمت کا ہر سب دیکھا ہوا یہ غنیمت ہے درِ میخانہ اب تک باز ہے

انکی مینائے مے کی نورافشانی کے سامنے آتشِ وادیِ ایمن بھی چھپ جاتی ہے،

پتہ ملتا نہیں اب آتشِ وادیِ ایمن کا مگر مینائے مے کی نورافشانی نہیں جاتی

انکے جامِ رنگیں کی تجلی سے زمین سے آسمان تک عالمِ انوار ہو جاتا ہے،

تجلی چہرۂ زیبا کی ہو کچھ جامِ رنگیں کی زمیں سے آسمان تک عالمِ انوار ہو جائے

طوفانِ مے وجوشِ مستی،

یہ بن کر برق و باران دیکھو کیا کیا غضب ڈھائے خمِ گردوں کی موج اٹھی ہر کس قیامت کی

ہٹانا کے شیشہ و ساغر ہجومِ مستی میں، تمام عرصہ عالم یہ چھا گیا ہون میں،

ساقی کے کرم سے دنیا جوان ہوتی ہے،

بہارِ سبزہ و گل ہے کرم ہوتا ہے ساقی کا جوان ہوتی ہے دنیا میکدہ آباد ہوتا ہے

اصغر کی خمریات کی بہت سی کیفیتیں شرح و بیان کی متحمل نہیں ہو سکتیں، بیان کی ٹھیس سے اس بادۂ صافی کا نازک شیشہ چور ہو جاتا ہے،

ابھی یہ طرزِ مستی مجھ سے سیکھیں میکدے والے نظر کو چند موجوں پر جما کر بے خبر ہونا،

ہاتھ میں لے کے جام مے آج وہ مسکرا دیا عقل کو سرد کر دیا روح کو جگمگا دیا،

یکایک توڑ ڈالا ساغرِ مے ہاتھ میں لیکر مگر ہم بھی مزاجِ نرگسِ رعنا سمجھتے ہیں

اس رخ پہ ہے نظر کبھی جامِ شراب میں آیا کہاں سے نورِ شبِ ماہتاب میں

کہاں خرد ہے کہاں ہے نظام کار اسکا یہ پوچھتی ہے تری نرگسِ خمار آلود

ترے قربان ساقی اب وہ موجِ زندگی کیسی نہیں دیکھی ادائے لغزشِ مستانہ برسوں سے

خمریات میں اصغر کا مذاق نہایت لطیف ہے، اس لئے اونھوں نے ایسی ایسی نادر تشبیہیں پیدا

کی ہیں، کہ ذوقِ سلیم بے اختیار وجد میں آجاتا ہے،

ساقیا جام بکف پھر ہو ذرا گرم نوا، حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا دیکھیں

اوس نے دکھا دیا مجھے ساغر مے اچھال کر آج بھی کچھ کمی نہیں چشمک برق طور میں

موجوں کا عکس ہو خطِ جام شراب میں یا خون اچھل رہا ہے رگِ ماہتاب میں

میں اس ادائے مست خرامی کو کیا کہوں میری نظر تو غرق ہے موجِ شراب میں

لذتِ الم، گداز عشق اور سوز غم شاعری کا نہایت ضروری عنصر اور غزل کی جان ہو، اسی سے روح شعری پیدا ہوتی ہو، لیکن سوز و گداز بھی کو الفت عشق کی ابتدائی کیفیت ہے، اس کا بلند ترین درجہ لذتِ الم ہے جب دل دردِ عشق سے ذوق یاب اور روح جراحتِ غم سے لذت گیر ہونے لگتی ہو، اس لئے ہم نے سوز و گداز کی پرانی اصطلاح کے بجائے اسے لذتِ الم سے تعبیر کیا ہے، اصغر کا دردِ عشق اسی منزل میں ہو، اسکی بہار رنگیں بھی خزان کی پروردہ ہے،

ہے خستگی کے دم سے رعنائی تخیل، میری بہار رنگیں پروردۂ خزان ہے،

وہ اشک باری میں بھی مسکرائے جاتا ہو،

مسکرائے جاتا ہوں اشک بہتے جاتے ہیں غم کا کام لیتا ہون عیش کے ترانے سے

وہ لذتِ الم کیلئے خود آپ زخم لیتا ہے، اور درد کے بہانہ سے مطلوب کو یاد کرتا ہو،

زخم آپ لیتا ہون لذتیں اٹھاتا ہون تجھکو یاد کرتا ہون درد کے بہانہ سے

مستقل غم خود ایک کیفیت بنجاتا ہے، اور درد کی لذت جاتی رہتی ہے، اس لئے وہ تلخی غم کو قائم رکھنے کیلئے کبھی کبھی صہبائے خوشگوار بھی چاہتا ہے،

صہبائے خوشگوار بھی یارب کبھی کبھی اتنا تو ہو کہ تلخی غم بے مزہ نہ ہو،

وہ درد کو متاعِ زیست سمجھتا ہو،

متاعِ زیست کو ہم زیست کا حاصل سمجھتے ہیں
جسے سب درد کہتے ہیں اُسی کو ہم دل سمجھتے ہیں

آلامِ روزگار کو آسان بنانے کیلئے انھیں غم جاناں بنا دیتا ہے،

آلامِ روزگار کو آسان بنا دیا
جو غم ہوا اُسے غمِ جاناں بنا دیا

کچھ تو کہو یہ کیا ہوا تم بھی تھے ساتھ ساتھ کیا
غم میں یہ کیوں سرور تھا درد نے کیوں مزا دیا

خوشا حوادثِ پیہم خوشا یہ اشکِ رواں
جو غم کے ساتھ ہو تم بھی تو غم کا کیا غم ہے

بلندیٔ اخلاق | موجودہ شاعری پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ نہ صرف اخلاقی بلندی سے خالی ہے بلکہ پستی سکھاتی ہے، یہ اعتراض ایک حد تک صحیح ہے، ایک زمانہ تھا کہ شاعری تہذیبِ اخلاق کا سب سے بڑا ذریعہ تھی، اور شاعر معلّمِ اخلاق سمجھا جاتا تھا، اگرچہ گذشتہ شعراء میں سعدی کے علاوہ کسی نے اصلاحِ اخلاق کو مستقل موضوع نہیں بنایا، لیکن ان کے دواوین اخلاقی اسباق سے خالی نہیں ہوتے تھے، اس دَور جدید کے شعراء میں آزاد، حالی، اکبر، اور اقبال نے اسکو مستقل موضوع بنا لیا، اصغر اگرچہ کوئی اخلاقی اور مصلح شاعر نہیں ہیں، لیکن انکا دیوان اخلاقی عناصر سے خالی نہیں ہے،

خودداری:-

خود آپ اپنی آگ میں جلنے کا لطف ہے
اہلِ تپش کو آتشِ سینا نہ چاہیے،

آزادی:-

بنا لیتا ہے موجِ خونِ دل سے اک چمن اپنا
وہ پابندِ قفس جو فطرۃً آزاد ہوتا ہے

کوتاہیٔ عمل گرفتاری ہے:-

یہاں کوتاہیٔ ذوقِ عمل ہے خود گرفتاری
جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

عافیتِ کنجِ قفس موت ہے:-

مار ڈالے گی مجھے عافیتِ کنجِ قفس
جوشِ پرواز کہاں جب کوئی صیاد نہ ہو

زندگی خطرات کی زندگی ہے:۔

یہان تو عمر گذری ہو اسی موجِ تلاطم مین وہ کوئی اور ہون گے سیر ساحل دیکھنے والے

حوصلہ کی بلندی:۔

اُبھرنا ہو جہان جی چاہتا ہو ڈوب مرنیکو جہان اٹھتی ہین موجین ہم وہان ساحل سمجھتے ہین

اصغر کی کوتاہیاں: یہان تک جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ اصغر صاحب کی شاعری کے صرف ایک پہلو یعنی محاسن شاعری کے متعلق تھا، دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے معائب اور خامیون پر بھی ایک سرسری نظر ڈالی جائے، یون تو خامیون سے بڑے بڑے اساتذہ کا کلام بھی پاک نہین لیکن کسی کلام کی خوبی و خامی اور حسن و عیب کا اندازہ کلام کے مجموعی محاسن و معائب، انکی نوعیت اور کمی و زیادتی سے کیا جاتا ہے، اگر کسی بڑے شاعر کے کلام مین معمولی فروگذاشتین ہین، تو وہ چندان لائق التفات نہین لیکن اگر فروگذاشتین بڑھ کر لفظی اور معنوی خامیون بلکہ اغلاط تک پہنچ جائین تو وہ نظر انداز نہیں کیجا سکتین،

ہم کو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اصغر صاحب کا موجودہ کلام بعض حیثیتون سے ان کے مرتبۂ شاعری سے بہت گر گیا ہے، اور اسمین الفاظ، معنی، طرز ادا غرض ہر طرح کی بکثرت خامیان ہین، بعض بعض تو ایسے فاحش اغلاط ہین کہ اصغر صاحب کیجانب انتساب کرنے کو جی نہین چاہتا،

ان کے موجودہ کلام کا سب سے بڑا عیب اور نقص جو ہر صاحب ذوق کو اول نظر مین نظر آتا ہے، وہ الفاظ کا بے محل استعمال، جملون کی بے ترتیبی، ترکیبون کی ناہمواری اور طرز ادا کی خامی ہے، اصغر صاحب کے متعلق یہ سوئے ظن تو کیا نہین جا سکتا کہ ان کو الفاظ کے انتخاب، ان کے در و بست، ترکیبون کی نشست اور طرز ادا کی دلآویزی پر قدرت نہین، اسلئے کہ ابھی چند ہی برس پہلے وہ بلاغت ادا کا بہترین نمونہ نشاطِ روح پیش کر چکے ہین، لیکن اب معلوم نہیں اون کا حسن پرست مذاق شعر کے حُسن ظاہری سے اس قدر بے گانہ اور بے نیاز کیون ہو گیا ہے، کہ اوس کی جانب بہت کم توجہ رہتی ہے، حیرت ہوتی ہے کہ

وہ رنگین نوا ساحر جس نے نشاطِ روح کو حسنِ معنیٰ کے ساتھ حسنِ الفاظ کا بھی ایسا مرقع بنادیا تھا جسکی غزلیں آج بھی رنگینیٔ ادا اور دلکشیٔ بیان کے لحاظ سے خوشنما گلدستہ اور الفاظ کی مرصع کاری کی حیثیت سے عروسِ تغزل کا زیور معلوم ہوتی ہیں، اب اسقدر بے پروا ہ کیون ہوگیا کہ بعض اشعار میں بیان کی دلکشی تو کجا خیالات بھی مناسب الفاظ میں ادا نہیں ہوسکے ہیں اور بیان کی ژولیدگی، اور طرزِ ادا کی خامی کی وجہ سے ان کے بہت سے اشعار نہ صرف حسنِ ظاہری سے محروم ہوگئے ہیں، بلکہ ان کے معنی نکالنا مشکل ہیں،

دوسری خامی معنوی ہے، اس میں شبہ نہیں کہ جہان تک خیالات کا تعلق ہے، اصغر صاحب نے نہایت نمایان ترقی کی ہے، اب انکے خیالات رفعت و بلندی اور لطافت و پاکیزگی کی معراجِ کمال تک پہنچ گئے ہین، وہ روح القدس سے ہم کلام ہوتے ہیں اور انفاسِ مسیح سے حرارت حاصل کرتے ہین، انکی گہرائی تحت الثریٰ سے موتی نکالتی ہے اور انکا فلک پیما تخیل آسمان سے تارے توڑتا ہے، لیکن اس پرواز مین ان کا مرغِ خیال کہین کہین بہک جاتا ہے، وہ ندرتِ خیال اور اسرارِ تصوف کی دھن میں کبھی کبھی ایسے خیالات بھی پیدا کرتے ہیں جن کا ان کے ذہن کے سوا اور کہیں وجود نہیں، اور نہ کوئی انسان ان کا متحمل ہوسکتا ہے، اس میں شبہہ نہین کہ عارفانہ حقائق ان کی شاعری کا امتیازی وصف ہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر ایسے پرپیچ اور ذہنی خیال کو جسکی نزاکت معنی کی بھی متحمل نہ ہوسکے، تصوف کا کوئی دقیق نکتہ سمجھ لیا جائے محض صوفیانہ خیال یا صوفیانہ مصطلحات کی آمیزش سے کوئی خیال محض بامعنی حقیقت نہیں بن سکتا، اس دقت پسندی کی وجہ سے اصغر صاحب کے بعض اشعار بالکل بے معنی ہوگئے ہیں، اور مجذوب کا ہنون کی بڑ معلوم ہوتے ہیں، انکے علاوہ اور جو خامیان ہیں وہ انہی دونون کے ماتحت ہیں، بعض مثالیں ملاحظہ ہون.

وہ موت ہے کہ کہتے ہیں جسکو سکون سب | وہ عین زندگی ہے، جو ہے اضطراب میں

یہ شعر مطلب کے لحاظ سے بالکل درست ہے، اور اسمیں ایک بلند خیال کا اظہار کیا گیا ہے، لیکن طرزِ ادا کی خامی نے سارا لطف بے مزہ کردیا، لفظی عیب یہ ہے کہ "کہتے ہین جسکو سکون سب" میں نہایت فاحش تنافر حرف ہے، اور معنی مذمو

ہے، معنوی اعتبار سے دونوں مصرعوں کا تقابل صحیح نہیں، یہ اس طرح درست ہو سکتا تھا،

جو زندگی سکون میں گذرے وہ موت ہو   ہے زندگی وہی جو رہے اضطراب میں

ازل میں اک تجلی سے ہوئی تھی بیخودی طاری   تمھیں کو میں نے دیکھا تھا کچھ ایسا یاد ہوتا ہے،

"یاد ہوتا ہے" صحیح نہیں، "یاد آتا ہے" ہونا چاہیے، محض ردیف کی پابندی کی وجہ سے یہ تصرف کیا گیا ہے

ہے خرد کی، عشق کی دونوں کی ہستی پر نظر   یہ شہید نغمہ ہے، وہ مبتلائے ساز ہے،

اس شعر سے یہ صاف نہیں معلوم ہوتا کہ شاعر خرد اور عشق کی تحقیر کرنا چاہتا ہے یا عشق کو خرد پر ترجیح دینا چاہتا ہے یا دونوں کی حقیقت بتانا چاہتا ہے، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی حقیقت سے باخبر کرنا مقصود ہے کہ ایک شہید نغمہ ہے، دوسرا مبتلائے ساز ہے، لیکن "ہستی پر نظر" سے یہ مطلب واضح نہیں ہوتا، اسے یوں کہنا چاہئے ع ہے خرد اور عشق دونوں کی حقیقت پر نظر، اس سے ایک مصرعہ میں تین "کی" کے اجتماع کا عیب بھی جاتا رہے گا۔

طور پر لہرا کے جس نے پھونک ڈالا طور کو   اک شرار شوق بن کر میرے آب و گل میں ہے

اس شعر میں اولاً پہلے مصرع میں دو مرتبہ طور کی تکرار کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتی، دوسرے اسمیں ایک گذرے ہوئے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو اگرچہ بغیر علامت ماضی کے اظہار کے بھی صحیح ہے، اور معنی بھی سمجھ لئے جاتے ہیں لیکن اگر اس کا اظہار ہوتا تو زیادہ بہتر تھا، تیسرے لفظ "جس نے" کا اقتضاء یہ ہے، کہ مصرع ثانی میں "اک" کے بجائے "وہ" کی ضمیر لائی جاتی، اور اس موقعہ پر "اک" کے کوئی معنی بھی نہیں ہیں،

جان ہی محو تجلی چشم و گوش و لب ہیں بند   حسن کو حسن بیان حسن نظر سمجھا تھا میں

اس شعر میں چند در چند لفظی اور معنوی نقائص ہیں، لفظی اور نہایت فاحش نقص یہ ہے کہ فارسی معطوف معطوف علیہ کے بعد "ہیں بند" کا ٹکڑا لگا دیا گیا ہے، جو اگرچہ قاعدہ کے اعتبار سے صحیح ہے، لیکن اس قدر غیر فصیح ثقیل اور ناہموار ہے، کہ ذوق سلیم کیا کانوں کو یہ شتر گربگی سخت ناگوار معلوم ہوتی ہے، معنوی خامی یہ ہے

کہ اولاً مصرعِ ثانی میں حسنِ بیان صحیح نہیں ہے۔ دوسرے دونوں مصرعوں کا معنوی ربط بے جوڑ ہو، شاعر کا مقصد یہ تذکرہ میں حسن کو حسن بیان اور حسن نظر سمجھا تھا لیکن جان ایسی محو تجلی ہوئی کہ آنکھ کان لب سب محو حیرت ہو گئے، اور حسن، حسن نظر اور حسن بیان باقی نہیں رہا، حسن دیکھنے والے کے لئے حسن نظر تو ہر حالت میں ہے، اسلئے اسکا تعلق تو اس سے صحیح ہے، لیکن حسن بیان نہیں ہو، حسن بیان کا تعلق حسن سے البتہ ہو سکتا ہے، لیکن یہاں پر یہ مقصود نہیں ہو، دوسرے محویت جلوہ خود ایک حسن نظر ہے، اسلئے کہ تجلی چشم ظاہری سے دیکھی جاتی ہے، اگر محو تجلی کے بجائے محو حقیقت ہوتا تو شاعر کا خیال صحیح ہو سکتا تھا،

کبھی گل کہہ کے پردہ ڈال دیتے ہیں ہم اس رخ پر   کبھی مستی میں پھر گل کو رخ زیبا سمجھتے ہیں

اگرچہ اس شعر میں کوئی خرابی نہیں ہے، لیکن میرے خیال میں اگر "پھر گل" کے بجائے "گل کو بھی" ہوتا تو زیادہ بہتر تھا،

جسم کو اپنا سا کر کے لے اڑی افلاک پر   اللہ اللہ یہ کمال روح جولان دیکھئے،

جولان عربی مصدر ہے، اس کو فارسی اسم فاعل کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، جو صریحاً غلط ہے

غرق ہیں سب علم و حکمت دین و ایمان دیکھئے   کس طرح اٹھا ہو اک ساغر سے طوفان دیکھئے

مصرع ثانی میں "اک" حشو یا کم از کم بے جوڑ ہو،

در پہ جو تیرے آگیا اب نہ کہیں سبھے اٹھا   گردشِ مہر و ماہ بھی دیکھ چکا ہوں راہ میں

اس شعر میں "آگیا" کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے، کہ عمداً نہیں بلکہ پھرتا پھراتا اتفاقیہ آگیا، اسکے بجائے در تک پہنچ جانے کا ہم مفہوم جملہ ہونا چاہئے تھا، "اب نہ کہیں سبھے اٹھا" سے اگرچہ مطلب نکل آتا ہے لیکن اگر اسکے بجائے "اب نہ یہاں سے تو اٹھا" ہوتا زیادہ مناسب تھا، معنوی نقص یہ ہے کہ گردش مہر و ماہ دیکھنا کوئی ایسا کمال نہیں ہو، جو نہ اٹھانے کا سفارشی بن سکے، اگر گردش کے بجائے جلوہ ہوتا تو زیادہ مناسب اور معنی خیز ہوتا کہ تیرے آستان تک پہنچنے میں مہر و ماہ کے جلوے بھی نظر آئے، لیکن میں نے ان

پرانگہ نہیں ٹھہرائی،

دہر ہی سو وہ نمایاں بھی ہے پنہاں بھی ہے جیسے صہبا کے لئے پردۂ مینا ہونا،

مصرعِ ثانی میں "ہونا" نہ صرف حشو ہے، بلکہ نہایت ناموزون ہے، اور محض ردیف کی مجبوری سے لایا گیا ہے،

جہان کی خیر ہو جانِ حزین کی خیر ہو یارب کہ تو اونچی ہوئی جاتی ہے اب سوزِ محبت کی

لفظی خامی یہ ہے، کہ "لو" "سوز" کی نہیں ہوتی، اس کے لئے شعلہ ضروری ہے، جو سوز کے بعد کا درجہ ہے، وہ بھی عموماً شمع کے لئے آتا ہے، معنوی اعتبار سے یہ خرابی ہے، کہ ایک عاشقِ جانباز کے لئے سوزِ محبت کی زیادتی پر جان کی خیر منانا شانِ عشق سے بعید ہے، اس کا تو کام یہ ہے کہ سوزِ عشق میں جل کر خاکستر ہو جائے، اور منہ سے اُف نہ نکلے،

وہ برقِ رنگ خرمنِ جاں کے لئے کہاں مانا کہ بوئے گل تو ملے گی گلاب میں،

اس شعر میں برقِ رنگ کی ترکیب معنوی اعتبار سے محلِ نظر ہے، رنگ جلاتا اور خاکستر نہیں کرتا بلکہ تازگی اور تراوت بخشتا ہے، لیکن اگر بالفرض رنگِ عارض کی خیرہ کن چمک اور عاشق کے دل پر اوس کے تاثر کے لحاظ سے برقِ رنگ کو صحیح بھی مان لیا جائے، تو بھی یہ شعر معنوی نقص سے پاک نہیں، اسلئے کہ یہاں پر رنگ و بو دونوں پھول کی مراد ہیں، جب شاعر گل سے بو ملنے کا معترف ہے، تو برق رنگ سے کیوں منکر ہے، جب کہ دونوں میں سے کوئی شے محبوب کی نہیں، بلکہ اس کے برعکس محبوب کے رنگ سے مشابہ رنگ تو مل سکتا ہے، کیونکہ وہ ایک عارض اور ظاہری شے ہے، البتہ اوس کی بو نہیں مل سکتی، جو اصل جوہر اور معنوی شے ہے، اس لئے رنگ کا تقابل تو صحیح بھی ہو سکتا ہے لیکن بوئے گل تو محبوب کی بو کے مقابلہ میں لائی ہی نہیں جا سکتی، ع کہاں وہ اون کا پسینہ کہاں گلاب کی بو،

کبھی یہ فخر کہ عالم بھی عکس ہے میرا، خود اپنا طرزِ نظر ہے کہ دیکھتا ہوں میں،

اس موقعہ پر کبھی کا لفظ تقابل چاہتا ہے، اس لئے مصرع ثانی میں مصرع اول کا مقابل مفہوم ہونا چاہئے لیکن اگر کہیں اس سے قطع نظر بھی کر لیا جائے، تو بھی مصرع ثانی کے الفاظ سے مصرع اول کا ثبوت تام نہیں ہوتا اسلئے کہ اپنے طرز نظر سے دیکھنا عالم کے عکس ہونے کا ثبوت نہیں، اسکے بجائے ع خود اپنا پر تو ہے، جو کچھ کہ دیکھتا ہوں میں، یا اس کا کوئی اور ہم مفہوم مضمون ہونا چاہئے،

ترے نغمے کی لے اے مطرب آفت نوا کیا ہے یہ موج برق ہے یا اک چمک درد محبت کی

"اک" کے بجائے "ہے" ہونا چاہئے، اک تک کے یہاں کیا معنی،

اٹھا رکھا ہے اس نے اپنے جلوے کو قیامت تک قیامت ہو وہ جلوہ اسکو کیا حاجت قیامت کی

مصرع ثانی اس طرح ہونا چاہئے، ع قیامت ہے وہ خود ہی اس کو کیا حاجت قیامت کی

حسن ساقی کا تو مستوں کو ذرا ہوش نہیں کچھ جھلک اس کی سر پردۂ مینا دکھیں

شاعر کا مقصود یہ ہے کہ جمال حقیقت کو کوئی نہیں دیکھ سکتا، اگر دیکھتا ہے تو پردۂ مجاز میں اسکی جھلک۔ یہ لیکن طرز ادا کی خرابی سے مستی اور بے ہوشی محرومی جمال کا سبب بن گئی ہے، جس سے یہ اعتراض ہوتا ہے، کہ مست و بےخود پردۂ مینا کی جھلک بھی کیسے دیکھ سکتا ہے،

یہ آنا جلوہ بن کر اور پھر میری نظر ہونا یہی ہے دید تو پھر دید بھی اے فتنہ گر ہونا

یہ شعر نقص ادا اور ژولیدگی بیان کا بدترین نمونہ ہے، نقص بیان کی وجہ سے اس کا مطلب بھی خبط ہو گیا ہے، شاعر جمال حقیقت کی نیرنگی اور شعبدہ بازی دکھانا چاہتا ہے، کہ جب وہ جلوہ بھی دکھاتا ہے، تو خود ہی نظر بنجاتا ہے، اس کے بعد کہتا ہے کہ جب یہی شعبدہ بازی ہے، تو دید کا لطف بھی تیرا ہی رہا، لیکن اس مفہوم کو ادا کرنے کیلئے جو الفاظ انتخاب کئے گئے ہیں اور ان کی جو ترکیب ہے، اس سے زیادہ غیر فصیح قیاس میں بھی نہیں آسکتے ع۔ یہ آنا جلوہ بن کر اور پھر میری نظر ہونا، خیر یہاں تک بھی قابل گذر ہو لیکن ع یہی ہے دید تو پھر دید بھی اے فتنہ گر ہونا، تو معلوم ہوتا ہے کسی افغانی کا کہا ہوا مصرع ہے؛

لفظی خوبیوں سے قطع نظر اس کے معنی کیا ہوئے تیہی ہے دید تو پھر دید بھی اے فتنہ گر ہونا"

تماشا ہے نیاز و ناز کی باہم کشاکش کا
میں ان کا دل سمجھتا ہوں وہ میرا دل سمجھتے ہیں

یہ شعر نقص بیان کی وجہ سے موضوع الفاظ کا مہمل مجموعہ معلوم ہوتا ہے، غالباً اس کا مطلب یہ ہے، کہ یہ ناز و نیاز کی کشاکش کا تماشا ہے کہ میں ان کا دل اپنا سمجھتا ہوں، اور وہ میرا دل اپنا سمجھتے ہیں، لیکن اس شعر کے الفاظ سے یہ مطلب ادا نہیں ہوتا، بلکہ اس سے محض دل شناسی کے ملکہ کا پتہ چلتا ہے، جو نہایت حیرت انگیز ہے

عکس جمالِ یار کا آئینہ خودی میں ہے،
یہ غمِ ہجر کیا دیا مجھ سے مجھے چھپا دیا،

اولاً مصرع اولیٰ کا تخیل ہی محلِ نظر ہے، اسلئے کہ خودی میں عکس جمالِ یار کی گنجایش کہاں؟ اسکے لئے تو ترکِ خودی پہلی شرط ہے، اور اگر کسی صوفیانہ خیال میں جس کی مجھے خبر نہیں صحیح بھی مان لیا جائے، تو مصرع ثانی کو اس سے کیا تعلق، اور اس کے کیا معنی غم ہجر سے کوئی شخص اپنے سے چھپ نہیں جاتا،

اب وہی شعلۂ بے تاب ہے رگ رگ میں مری
پھونکے دیتی تھی کبھی تابشِ مینا مجھکو،

اس شعر کا تخیل نہایت بلند ہے، لیکن عجز بیان کی وجہ سے مطلب واضح نہیں ہوتا، شاعر کا مقصود یہ ہے، کہ کبھی میرا یہ حال تھا، کہ مینا کی تابش تک میری برداشت سے باہر تھی، اور اسکی تابش ہی سے میں پھنکا جاتا تھا، اور اب یہ حال ہے کہ پردۂ مینا کی جلوہ نشیں میری رگ رگ میں شعلۂ بیتاب بنی ہوئی دوڑ رہی ہے، یہ مطلب شعر کے الفاظ سے نہیں نکلتا،

وہ نکہت سے سوا پنہاں وہ گل سے بھی سوا عریاں
یہ ہم ہیں جو کبھی جلوہ کبھی پردہ سمجھتے ہیں،

اس شعر میں دونوں مصرعوں کا مطلب ایکدوسرے کے خلاف پڑتا ہے، جب یہ تسلیم ہے کہ وہ نکہت سے سوا پنہاں اور گل سے سوا عریاں ہے، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے، کہ کبھی پردہ نظر آئے، اور کبھی جلوہ، جلوہ اور پردہ سمجھنے کا الزام دیکھنے والے کے سر کہاں سے عائد ہوتا ہے،

یہ ذوقِ دید کی شوخی وہ عکسِ رنگ مجبوری
نہ جلوہ ہے نہ پردہ ہم اسے تنہا سمجھتے ہیں

اس شعر میں "تنہا" کا لفظ بالکل بے محل اور بے جوڑ ہے، تنہا کہنا اسوقت صحیح ہوتا جب پردے اور جلوے کی حیثیت دوئی کی ہوتی، حالانکہ یہ دونوں کیفیتیں ہیں، انمیں یکتائی اور دوئی سے کوئی علاقہ نہیں،

نظارۂ پرشوق کا اک نام ہے جینا　　　مرنا اسے کہئے کہ گذرتے ہیں ادھر سے

اس شعر میں لفظی نقص یہ ہے کہ "اک" حشو ہے، معنوی خرابی یہ ہے، کہ جب جینا نام ہے نظارۂ پرشوق کا تو مرنا اس کے مقابلہ میں محرومی کا نام ہونا چاہئے، لیکن مصرع ثانی سے اس کے برعکس مطلب نکلتا ہے، کیونکہ معشوق کے ادھر سے گذرنے سے نظارۂ شوق کے اور مواقع پیدا ہوتے ہیں، اور اگر گذرنا "چلے جانے" کی جگہ استعمال کیا گیا ہے، تو یہ درست نہیں،

تا بکے آخر ملالِ شامِ ہجران دیکھئے،　　　نالۂ نے کی طرح اڑ کر نیستان دیکھئے

تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ یہ شعر مثنوی مولانا روم کے مشہور ابتدائی اشعار سے ماخوذ ہے لیکن اسی ترمیم نے اسکی تمثیلی خوبی غارت کردی، نالہ اڑ کر نیستان نہیں دیکھتا، کہ اسے وصل سے تعبیر کیا جائے، بلکہ وہ تو فضا میں تحلیل ہوجاتا ہے،

دکھائی صورتِ گل پر بہارِ شوخیِ پنہان　　　چھپایا معنیِ گل میں کبھی حسنِ نمایان کو

اس شعر میں متصوفانہ نکتہ آفرینی کے علاوہ کوئی واقعی معنی نہیں نظر آتے، سوائے اس کے کہ اس میں متضاد کیفیتیں، "صورتِ گل" "معنیِ گل" "شوخیِ پنہان" "حسنِ نمایان" "چھپانا" "دکھانا" وغیرہ متجانس الفاظ جمع کر دیئے گئے ہیں، اور کوئی خوبی نہیں معلوم ہوتی، صورتِ گل میں شوخیِ پنہاں کو دکھانے اور معنیِ گل میں حُسنِ نمایان کو چھپانے کا مطلب کیا ہوا،

اس کے سوا تو معنیِ مجنون بھی کچھ نہیں　　　ایسا بھی ربط صورتِ لیلیٰ نہ چاہئے،

پہلے شعر میں تو کھینچ تان کر معنی نبھائے بھی جاسکتے ہیں، لیکن یہ شعر اس رنگ کی بے نیاز الفاظ صوفیانہ چیستان ہے، اسی قبیل کا یہ شعر ہے،

کائناتِ دہر کیا، روح الامین بیہوش تھے زندگی جب مسکرائی ہے قضا کے سامنے

قضا کے سامنے زندگی کے مسکرانے کا مطلب اور اسکی وجہ کیا ہوئی، ممکن ہو اسکی یہ صوفیانہ توجیہ ہو کہ سالکین راہِ حقیقت کی موت وصلِ حبیب کا پیام ہوتی ہے اس لئے انکی زندگی قضا کا جو وصل کا دیباچہ ہے مسکرا کر استقبال کرتی ہو لیکن بالفاظ سو شاعر کا یہ منشا نہیں معلوم ہوتا بہرحال اگر یہ مان بھی لیا جائے تو اسپر کائناتِ دہر اور روح الامین کی بیہوشی کے کیا معنی

رشکِ صد ایماں ہے اصغر میرا طرز کافری میں خدا کے سامنے ہوں بت خدا کے سامنے

اس شعر میں بھی بت، خدا، کفر و ایمان کے متضاد و متجانس الفاظ کے علاوہ اور کوئی مطلب نہیں معلوم ہوتا، بت اور بت پرست کا خدا کے سامنے ہونا رشکِ صد ایمان کہاں سے ہو گیا، بلکہ یہ تو اور اشد کفر و نفاق ہوا،

ہم نے نمونہ کے طور پر محض تھوڑے سے اشعار نقل کئے ہیں، ورنہ اس مختصر مجموعہ میں اس قبیل کے اشعار بکثرت ہیں، طرزِ ادا کے نقص سے تو انکے بہت کم اشعار خالی ہیں، امید ہے کہ اصغر صاحب آئندہ اپنی شاعری کے "بادۂ ناب" میں پردۂ مینا کی شفافیت کی جانب بھی پوری توجہ رکھا کریں گے، ان کے جیسے بلند مرتبہ شاعر کیلئے اس قسم کے اسقام زیبا نہیں ہیں، ورنہ خطرہ ہے کہ ان کا یہ شعر کہیں واقعی صحیح نہ ثابت ہو جائے،

مائل شعر و غزل پھر ہے طبیعت اصغر ابھی کچھ اور مقدر میں ہے رسوا ہونا

فارسی کا کلام نہایت مختصر بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے خیالات کے اعتبار سے یہ کلام بھی اردو کلام جیسا ہے لیکن زبان میں فارسیت نہیں ہے، فارسی کلام کا نمونہ یہ ہے:-

آرزو پیکر تراش و شوقِ من جان آفرین شب معاذ اللہ ہمیں مخلوق من معبود بود
در حریم عشق یک رمز حیات آموختند بے زبان سودے کہ من می خواستم بے سود بود

جہانے را تپش بخشم جہانے را بوجد آرم دریں خاکستر حسن شرارے کردہ ام پیدا
بسے روحانیاں را در کمندِ شوق آوردم بہ اوج عرش اعلیٰ ہم شکارے کردہ ام پیدا
ز نالہ تسخیر کردم این جہان ماہ و انجم را ز جوش بندگی پروردگارے کردہ ام پیدا

تصوف کی اجمالی تاریخ اور اس پر نقد و بحث

از مولانا عبد السلام ندوی

(۶)

غذا — صوفیہ تقلیل غذا کے لئے عجیب عجیب طریقے اختیار کرتے تھے چنانچہ بہت سے لوگ برابر بھوکے رہتے تھے، صرف اسوقت کھاتے تھے، جب ضعف محسوس ہوتا تھا، بعض صوفیہ اس قدر کم کھاتے تھے، جس سے جسم کی طاقت قائم نہیں رہ سکتی تھی، حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ ابتدائی ریاضت میں ایک درہم کی کھجور، دو درہم کا گھی، اور ایک درہم کا چاول کا آٹا خریدتے تھے، اور ان سب کو ملا کر تین سو ساٹھ گولیاں بنا لیتے تھے، اور روز ایک گولی سے افطار کرتے تھے، اونھوں نے تین سال تک بھوسی پر گذر اوقات کی تین درہم میں تین سال بسر کر دئے، اور مدتوں درخت کی پتیاں کھاتے تھے، ایک صوفی کا بیان ہے کہ میں نے ۳۰ سال تک کچھ نہیں کھایا، بجز اسوقت کے جب مردار کھانا انسان کے لئے حلال ہو جاتا ہے، ایک صوفی نے جو تین دن تک بھوکا رہ چکا تھا، ایک خربزہ کے چھلکے کی طرف ہاتھ بڑھایا، دوسرے صوفی نے ڈانٹا کہ تم خربزے کے چھلکے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہو، تصوف تمہارے لئے مناسب نہیں، عبداللہ بن خفیف چالیس[۴] مہینے تک صرف تھوڑے سے باقلا پر افطار کرتے رہے، انھوں نے ایک شخص کو حکم دیا تھا کہ ان کے افطار کیلئے روزانہ دس دانے منقے کے لایا کرے، ایک دن وہ پندرہ دانے لایا تو اسکو تنبیہ کی، اور صرف دس دانے کھائے، اور بقیہ چھوڑ دئے،

بہت سے صوفیہ کو لذیذ غذاؤں سے اجتناب تھا، چنانچہ ان میں بعض صوفیہ کا قول تھا، کہ درہم برابر گوشت کھانا بھی چالیس دن تک دل کو سخت رکھتا ہے، بعض صوفیہ ٹھنڈے پانی کے بجائے گرم پانی پیتے تھے، بعض صوفیہ صاف پانی نہیں پیتے تھے، اور بعض تو سرے سے پانی ہی نہیں پیتے تھے، ابویزیدؒ نے نفس کش

کے رام کرنے کیلئے یہ معاہدہ کیا تھا کہ ایک سال تک نہ پانی پئیں گے، نہ سوئیں گے،

ابو طالب مکی نے صوفیوں کی غذا کا ایک ضابطہ مرتب کیا ہے جس میں بیان کیا ہے، کہ مرید کو رات دن میں صرف دو روٹیاں کھانی چاہئیں، ابو عبد اللہ محمد بن علی ترمذی نے ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام "ریاضۃ النفوس" ہے، اس میں لکھا ہے کہ مبتدی کو متصل دو مہینے تک روزہ رکھنا چاہئے، پھر افطار کرے تو تھوڑا تھوڑا مثلاً روٹی کا ایک ٹکڑا کھائے، اور شوربہ، میوہ، دوست احباب کی صحبت اور کتابوں کا مطالعہ چھوڑ دے کیونکہ یہ سب دل بہلانے کی چیزیں ہیں، اسلئے نفس کو لذت کے بجائے غم کا خوگر کرے۔

بعض متاخرین نے اربعینیہ ایجاد کی یعنی ۴۰ دن تک صوفی کو روٹی نہیں کھانا چاہئے، بلکہ شربت اور لذیذ میووں پر زندگی بسر کرنا چاہیے،

اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں، اور محدث ابن جوزی نے ہر ایک کی الگ الگ تردید کی ہے، لیکن ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تمام سختیاں:-

۱۔ سنت کے خلاف ہیں، خود رسول اللہ صلعم کو شہد اور شیریں چیز بہت مرغوب تھی، گوشت نہایت رغبت سے کھاتے تھے، صاف اور شیریں پانی کا سخت اہتمام تھا،

۲۔ تقلیل غذا صحت کیلئے سخت مضر ہے، بالخصوص اس سے نوجوانوں کی صحت پر سخت مضر اثر پڑتا ہے، ردی اور خشک غذاؤں کے کھانے سے قولنج، جنون، اور وسوسہ وغیرہ پیدا ہوتا ہے،

۳۔ بہت سے صحابہ نے متصل روزے رکھنا شروع کئے، گوشت کھانے سے احتراز کرنا چاہا، اور لذائذ دنیوی سے علیحدگی اختیار کرنی چاہی لیکن رسول اللہ صلعم نے منع فرمایا،

لیکن یہ قدمائے صوفیہ کی حالت تھی، متاخرین صوفیہ نے اسکے بالکل برعکس صرف خورد و نوش کو اپنا مطمح نظر بنا لیا تھا، اور عبادت و ریاضت کے بجائے صرف کھانے پینے، اور لہو و لعب میں مصروف رہتے تھے،

عزلت گزینی سلف میں بہت سے برگزیدہ بزرگ ایسے تھے، جنھوں نے علم کی خدمت اور خداوند تعالیٰ کی

عبادت کے لئے عزلت گزینی اختیار کرلی تھی، لیکن بایں ہمہ جمعہ وجماعت میں شریک ہوتے تھے، مریضوں کی عیادت کرتے تھے، جنازوں میں شریک ہوتے تھے، صرف تنہائی اس لئے اختیار کی تھی کہ برائیوں اور بدکاریوں سے محفوظ رہیں، صوفیہ نے اسی روش کو ترقی دی، اور پہاڑوں اور غاروں میں رہبانوں کی طرح تنہائی میں رہنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ اون کو جمعہ وجماعت اور اہل علم کی صحبت سے محروم رہنا پڑا، لیکن یہ صرف بعض لوگوں کی حالت تھی، ورنہ عام طور پر صوفیہ کسب و تجارت کو چھوڑ کر خانقاہوں میں رہتے تھے اور حضوری مسجد کے ثواب کو بالائے طاق رکھدیا تھا، امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں، کہ ریاضت کا مقصد دل کو ہر چیز سے خالی کرنا ہے، اور یہ صرف اسوقت ہو سکتا ہے جب ایک تاریک مکان میں خلوت گزینی اختیار کی جائے، لیکن اگر تاریک مکان نہ مل سکے، تو سر کو جبہ میں لپیٹ لینا چاہئے، یا کمل یا تہ بند اوڑھ لینا چاہئے، اسی حالت میں انسان صدائے حق سنتا ہے، اور جلال الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہے، لیکن یہ سب خواب وخیال کی باتیں ہیں، بالخصوص جو لوگ تقلیل غذا کرتے ہیں، ان کے دلوں میں یہ وسوسے اور زیادہ پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ تقلیل غذا سے انسان کی دماغی حالت خراب ہو جاتی ہے، حدیث میں بھی اس قسم کی عزلت گزینی کی ممانعت آئی ہے، ایک صحابی رسول اللہ صلعم کیساتھ شریک جہاد تھے، راستے میں اونھوں نے ایک غار دیکھا جسمیں پانی تھا، اور اس کے اردگرد روئیدگی تھی، دل میں آئی کہ دنیا سے الگ ہو کر اسی میں رہ پڑیں، اسی کا پانی پئیں، اور آس پاس کی گھاس پات پر گذر اوقات ہو، رسول اللہ صلعم سے اس کا تذکرہ کیا، تو فرمایا کہ میں یہودیت اور نصرانیت کو لیکر مبعوث نہیں ہوا ہوں، میری بعثت ایک سیدھے اور نرم دین پر ہوئی ہے، اُس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جہاد کیلئے سفر کرنا دنیا ومافیہا سے بہتر ہے، اور صف جہاد میں تمھارا ٹھہرنا ایک سال کی نماز سے بہتر ہے،

خشوع وخضوع اسمیں شبہہ نہیں کہ جب انسان کے دل پر خوف الٰہی مستولی ہوجاتا ہے، تو اوس کا اثر

اس کے اعضاء و جوارح سے بھی ظاہر ہوتا ہے، مثلاً گردن جھک جاتی ہے مسکینت کا اظہار ہوتا ہے، اور سخت باادب بن جاتا ہے، لیکن قدما اس حالت کا اخفا کرتے تھے، چنانچہ محمد بن سیرین دن کو ہنستے تھے، اور رات کو روتے تھے، عوام کے سامنے اگرچہ ایک عالم کو ہر حالت میں باوقار سنجیدہ اور متین رہنا چاہیے، لیکن اس غرض سے کہ لوگ زاہد سمجھیں، معانقہ کے لیئے ہاتھ بڑھائیں، ہاتھ چومیں، اور طالب دعا ہون، گریہ و بکا کرنا، سر جھکائے رکھنا اور بہ تصنع خشوع و خضوع کا اظہار کرنا مذموم ہے چنانچہ ایک بار حضرت ابراہیم نخعی سے دعا کرنے کیلئے کہا گیا، تو اونھون نے اسکو ناپسند کیا، لیکن ان صوفیہ مین بعض لوگ ایسے تھے، جو آسمان کی طرف نظر نہین اٹھاتے تھے، حالانکہ کوئی شخص رسول اللہ صلعم سے زیادہ خشوع کا دعوی نہیں کرسکتا، اور آپ جیساکہ صحیح مسلم میں ہے، اکثر آسمان کی طرف آنکھ اٹھا اٹھاکر دیکھا کرتے تھے خود خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

اولو ینظروا الی السماء فوقھم کیف بنیناھا۔ — کیا وہ لوگ آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ ہم نے اسکو کیونکر بنایا ہے،

خود صحابۂ کرام نہایت زندہ دل تھے، اپنی مجلسوں میں شعر پڑھتے تھے، اور زمانۂ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کرتے تھے، البتہ جب کوئی دینی معاملہ پیش آجاتا، تو اپنی ہنسی کو بھول جاتے تھے، حضرت عمرؓ نے ایک جوان کو سر جھکائے دیکھا، تو فرمایا، کہ سر اوٹھاؤ کیونکہ خشوع قلب کی کیفیت میں کوئی اضافہ نہین کرسکتا، بلکہ جس شخص نے اوس سے زیادہ خشوع کا اظہار کیا، جتنا اوس کے دل میں ہے، تو اوس نے نفاق پر نفاق کا اظہار کیا، ایک شخص نے عمرؓ کے ہوکر ان کے سامنے ٹھنڈی سانس بھری، تو اونھون نے اسکو طمانچہ مارا، حضرت شفاء بنت عبد اللہ رضہ نے چند نوجوانون کو دیکھا کہ آہستہ آہستہ چلتے ہیں، اور آہستہ آہستہ بولتے ہیں، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ زاہد ہیں، بولیں کہ حضرت عمرؓ سچے زاہد تھے، لیکن با آواز بلند بولتے تھے، اور تیزی کیساتھ چلتے تھے،

سلف کا دستور یہ تھا کہ اپنے حالات کو چھپاتے تھے، حضرت سفیان ثوری کا قول ہو کہ میرے جو اعمال ظاہر ہو جاتے ہیں، میں ان کو شمار میں نہیں لاتا، انھوں نے اپنے ایک شاگرد کو نماز پڑھتے دیکھا، تو کہا کہ تم کسقدر دیر ہو، کہ نماز پڑھتے ہو، اور لوگ دیکھ رہے ہیں، حضرت ابو امامہ رضؓ نے ایک شخص کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تو کہا "کاش یہ سجدہ تمھارے گھر میں ہوتا"

تجرد، قدمائے صوفیہ میں متعدد لوگ اسلئے نکاح نہیں کرتے تھے کہ اس سے عبادت میں خلل واقع ہوتا تھا اور بعض لوگ اسکو صرف دنیوی میلان کا نتیجہ سمجھتے تھے لیکن نوجوان صوفیہ کی صحت اخلاق پر اسکا مضر اثر پڑتا تھا انہی اسباب سے رسول اللہ صلعم نے نکاح کو سنت قرار دیا، اور تجرد و عزوبت کی ممانعت فرمائی چنانچہ متعدد صحابہ نے آپ سے تجرد کی اجازت چاہی لیکن آپ نے ان کو منع فرمایا، ایک دولتمند صحابی کی نسبت جب آپ کو معلوم ہوا کہ ان کے پاس بیوی نہیں ہے، تو فرمایا کہ تم شیطان کے بھائی ہو، اگر تم عیسائی ہوتے، تو راہب ہوتے، ہماری سنت نکاح ہے" ایک بار آپ نے فرمایا کہ تمھارا بیوی کے پاس جانا صدقہ ہو" صحابہ کو اس پر تعجب ہوا، اور کہا کہ کیا یہ بھی کار ثواب ہو سکتا ہے، ؟ فرمایا اگر وہ حرامکاری کرتا تو کیا گناہ نہ ہوتا، صحابہ نے کہا ضرور ہوتا، ارشاد ہوا تو اسی طرح جائز طریقہ میں بھی ثواب ہے، امام غزالی فرماتے ہیں، کہ جو مرید نکاح کرے گا، وہ بیوی سے مانوس ہو جائیگا، اور جو شخص خدا کے سوا کسی اور سے مانوس ہوگا، وہ خدا سے روگردانی کریگا لیکن خود خداوند تعالیٰ کہتا ہو:-

وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا اِلَيْهَا، تمھارے لئے خود تمھیں میں سے بیبیاں پیدا کیں، تاکہ تم لوگ اون سے سکون

جب رسول اللہ صلعم ازواج مطہرات سے شگفتہ دلی کیا کرتے تھے، تو کیا خدا کیساتھ آپ کا انس قائم نہیں رہتا تھا، ؟

بعض صوفیہ اولاد کو ایک دینی اور دنیوی مصیبت سمجھتے تھے، سلیمان دارانی کہتے ہیں، کہ اولاد

کا خواہشمند احمق ہے، نہ دین کا نہ دنیا کا، اولاد کھانے پینے سب کا لطف کھو دیتی ہے، اور عبادت میں خلل انداز ہوتی ہے، لیکن خود رسول اللہ صلعم نے اولاد پیدا کرنے کی ترغیب دی ہے، اور فرمایا ہی،

تناکحوا، تناسلوا فانی اباھی	نکاح کرو، اولاد پیدا کرو کیونکہ میں
بکم الامم یوم القیامۃ ولو	تمھارے ذریعہ سے قیامت کے دن اور
بالسقط،	قوموں پر فخر کروں گا، گو وہ ادھوری ہی

انبیاءؑ تک نے اولاد کی خواہش کی ہی، ایک پیغمبر کی دعا ہے :-

رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ	خداوندا! مجھ کو اپنے پاس سے پاک
ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً	اولاد دے،

جو شخص اولاد کی پرورش کرتا ہی، اور اونکے مرنے پر صبر کرتا ہی، اپنے مرنے کے بعد اولاد چھوڑ جاتا ہی احادیث میں اسکے لئے ثواب کی بشارت دیگئی ہے،

سیاحت، صوفیانہ زندگی کا ایک لازمی جزو سیاحت تھی، اور اس سیاحت کے حسب ذیل خصوصیات تھیں،

۱- صوفیہ بغیر کسی مقصد کے سفر کرتے تھے، اور اوس سے کوئی خاص شہر یا خاص مقام تک جانا مقصود نہ تھا، (۲) تنہا سفر کرتے تھے (۳) راتوں کو تنہا سفر کرتے تھے (۴) توکل کے خیال سے زاد راہ ساتھ نہیں لیتے تھے لیکن یہ تمام باتین شریعت کے خلاف ہین، اگرچہ قرآن مجید میں بھی السائحون مسلمانون کا ایک خاص وصف قرار دیا گیا ہی، لیکن مفسرین کے نزدیک اس سے روزہ دار یا سفر جہاد، سفر ہجرت، سفر بغرض طلب علم، اور سفر حج مراد ہے، اور صوفیہ کے سفر کی یہ خصوصیات قرآن مجید میں مذکور نہیں، بلا قصد سفر کرنا بنو اسرائیل کے عبادتگذار لوگون کا طریقہ تھا، اسلام نے اسکی ممانعت کی ہی، چنانچہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلعم سے سیاحت کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ میری امت کی سیاحت خدا کی راہ مین جہاد کرنا ہے"،

علم سے بے نیازی، متاخرین صوفیہ کی تمام گمراہیوں کا اصلی سبب یہ تھا کہ انھون نے علم یعنی قرآن وحدیث کی

علم سے بالکل روگردانی اختیار کرلی تھی، جسکے متعدد وجوہ تھے،

۱- ایک تو یہ کہ قدیم زمانے میں قرآن وحدیث کی تعلیم کے لئے سخت مشقتیں اوٹھانا پڑتی تھیں، اور دور دراز ممالک کا سفر کرنا پڑتا تھا، اس تکلیف سے بچنے کے لئے صوفیہ نے گدڑی پہن لی، اور خانقا ہوں میں بیٹھ کر بیکاری کی زندگی بسر کرنے لگے، یہی وجہ ہے، کہ امام شافعی نے فرمایا ہے، کہ تصوف کی بنیاد کاہلی پر قائم ہے،

۲- دوسرے یہ کہ قرآن وحدیث کے علم کیلئے مسلسل اسناد و رواۃ کی ضرورت تھی، لیکن بہت سے صوفیہ کہتے تھے، کہ ہمکو علم بلاواسطہ حاصل ہوتا ہو یعنی الہام کے ذریعہ سے،

۳- تیسرے یہ کہ بہت سے صوفیہ کے نزدیک مقصود صرف عمل تھا، اسلئے وہ علم کو بیکار سمجھتے تھے، حالانکہ خود علم خود ایک بہترین عمل ہی،

۴- چوتھے یہ کہ علم کی دو قسمیں تھیں، علم ظاہر اور علم باطن، قرآن وحدیث کو وہ علم ظاہر سمجھتے تھے، اور اپنے مکاشفات وخیالات کو علم باطن اور اسی کو اصلی علم سمجھتے تھے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسکے متعلق ایک اصل روایت بھی نقل کرتے تھے، بعض صوفیہ کا قول ہے کہ قرآن ایک حجاب ہے، رسول ایک حجاب ہے، اصل چیز صرف بندہ اور خدا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ علم کو حجاب اکبر کہتے تھے، شریعت وحقیقت کی تفریق بھی اسی بنا پر ہے،

۵- علم حدیث میں جرح وتعدیل کے رو سے بہت سے لوگوں کی پردہ دری کرنی پڑتی تھی، اور اس کو وہ غیبت سمجھتے تھے، چنانچہ ایک محدث نے ایک راوی کو ضعیف اور دوسرے کو ثقہ قرار دیا، تو ایک بڑے صوفی نے کہا کہ عالموں کی غیبت نہ کرو، ایک بار عبدالرحمن بن ابی حاتم شاگردوں کو کتاب الجرح والتعدیل سنارہے تھے، اس پر یوسف بن حسین نے کہا کہ سینکڑوں برس گذر چکے کہ یہ لوگ جنت میں داخل ہو چکے، اور تم یہاں ان کی غیبت کر رہے ہو،

ان اسباب سے صوفیہ نے قرآن وحدیث کی تعلیم بالکل چھوڑ دی تھی، اور الہامی علوم پر قناعت کرلی تھی، چنانچہ امام غزالی لکھتے ہیں، کہ صوفیہ کا میلان الہامی علوم کی طرف ہے، تعلیمی علوم کی طرف نہیں، اسلئے اونھون نے تعلیم نہیں حاصل کی، اور مصنفین کی کتابوں کو نہیں پڑھا، بلکہ اون کا طریقہ یہ ہے، کہ بُرے اوصاف کے مٹانے کے لئے سب سے پہلے مجاہدہ کرنا چاہئے، اور سب سے قطع تعلق کرکے صرف خدا کی طرف متوجہ ہوجانا چاہئے" یعنی یہ کہ انسان، اہل وعیال، دولت ومال اور علم وفن سے قطع تعلق کرکے ایک گوشے میں تنہا بیٹھ جائے، او صرف فرائض وسنن ادا کرتا رہے، نہ قرآن پڑھے، نہ حدیث وغیرہ لکھے بلکہ اللہ اللہ کہتا رہے، یہاں تک کہ زبان ہلانا بھی چھوڑ دے، پھر دل سے اس لفظ کی صورت بھی مٹا دے،

احیار العلوم میں ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ "ربوبیت کے بعض اسرار ایسے ہیں کہ اگر کھل جائیں، تو نبوت باطل ہوجائے، اور نبوت کے بعض اسرار ایسے ہیں، کہ اگر کھل جائیں، تو علم باطل ہوجائے، اور خدا شناس علمار کے بعض اسرار ایسے ہیں کہ اگر اون کو وہ ظاہر کردیں تو تمام احکام باطل ہوجائیں، اس طریقہ اور اس تعلیم کا نتیجہ یہ تھا کہ صوفیہ خود قرآن وحدیث کی تعلیم نہیں حاصل کرتے تھے، بلکہ جن لوگون نے حدیثیں لکھی تھیں، اونھون نے اپنے اپنے مجموعۂ احادیث کو ضائع کردیا، بہت سے صوفیہ لوگون کو علم حدیث حاصل کرنے سے روکتے تھے، اور قرآن وحدیث کے متعلق عجیب عجیب تاویلات کرتے تھے،

محدثین کو الہامی علوم سے انکار نہیں ہے، لیکن کوئی الہامی علم اوس وقت تک قابل عمل نہیں ہوتا جب تک وہ شریعت کے موافق نہ ہو، اس لئے الہامی علوم کی جانچ پڑتال کیلئے سب سے پہلے شرعی علوم کا حاصل کرنا ضروری ہے،

شطحیات، علم قلب میں خوف وانکسار پیدا کرتا ہے، چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ،	خدا کے بندوں میں سے خدا سے صرف وہ لوگ ڈرتے ہیں، جو عالم ہیں،

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں :-

اِنَّا اَعْرَفُکُمْ بِاللّٰہِ وَاَشَدُّکُمْ بِخَشْیَتِہٖ
میں تم میں سب سے زیادہ خدا کو پہچانتا ہوں اور تم میں سب سے زیادہ اوس سے ڈرتا ہوں،

صحابۂ کرام اور تابعین میں بھی خوف غالب تھا، اور اسی قسم کے تواضع و انکسار کی باتیں کرتے تھے، حضرت ابوبکر رض کا قول ہے کہ کاش میں مسلمان کے سینے کا بال ہوتا حضرت عمر رض نے موت کے وقت فرمایا، اگر عمر کی مغفرت نہ ہو تو اوس پر افسوس ہے" حضرت ابن مسعود رض کہتے تھے، کہ "مرنے کے بعد کاش ... نہ اٹھایا جاتا" حضرت عائشہ رض کہتی ہیں، کاش میں خواب فراموش ہو جاتی حضرت سفیان ثوری رحنے موت کے وقت حماد بن سلمہ سے کہا کہ تم کو توقع ہے، کہ مجھ جیسا شخص بخش دیا جائے گا، یہ جو کچھ تھا قوت علم کا نتیجہ تھا، لیکن صوفیہ نے چونکہ علم سے روگردانی اختیار کر لی تھی، اسلئے بالکل اس کے برعکس نہایت متکبرانہ دعوی کرتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت ابویزید بسطامی رہ نے فرمایا کہ اگر قیامت آئے تو میری خواہش یہ ہے کہ میں جہنم کے اوپر اپنا خیمہ کھڑا کروں" ایک شخص نے سوال کیا "کیوں"؟ بولے اسلئے کہ مجھے یقین ہے کہ جہنم جب مجھے دیکھے گا، تو اسکی آگ بجھ جائے گی، اور میں مخلوق کیلئے رحمت بن جاؤں گا، اونہیں کا قول ہے کہ "دوزخ کیا چیز ہے؟ اگر میں اوسکو دیکھوں گا، تو اپنی گدڑی کے ایک کنارے سے بجھا دوں گا" حالانکہ قرآن و حدیث میں دوزخ کے بڑے بڑے خوفناک مناظر دکھائے گئے ہیں، اور ان سے ملائکہ، انبیا اور صحابہ تک کے دل دہل گئے ہیں،

ایک بار کچھ لوگ حضرت شبلی رح سے ملنے کو آئے، جب چلنے لگے، تو انھوں نے فرمایا کہ "جاؤ جہاں تم لوگ ہوگے، میں تمھارے ساتھ ہوں گا، اور تم میری حفاظت میں رہوگے" اس قسم کے اقوال اور صوفیہ کی نسبت بھی مذکور ہیں، اور کرامات کے دعوی بھی اسی قسم میں داخل ہیں،

مجاہدہ اور ریاضت کی بے اعتدالی، اسلام ایک آسان مذہب ہے، اس لئے اوس نے ہر چیز میں اعتدال پیدا کیا ہے، لیکن صوفیہ مجاہدہ و ریاضت میں اس قسم کی بے اعتدالیاں کرتے تھے، جو شریعت کے بالکل مخالف

ہوتی تھیں، ابن ابی الکرنی حضرت جنید بغدادی رہ کے استاد تھے، ایک بار ان کو نہانے کی ضرورت ہوئی بدن پر نہایت موٹی گدڑی تھی، اور سخت سردی پڑ رہی تھی، دجلہ کے کنارے آئے تو سردی کے خوف سے پانی میں گھسنے کی ہمت نہ پڑی، انھوں نے نفس کی اس سرکشی کا یہ علاج کیا کہ گدڑی سمیت پانی میں کود کر غوطہ لگایا، اور باہر نکلے تو یہ عہد کر لیا کہ جب تک گدڑی خود خشک نہ ہو جائیگی، بدن سے نہ اتارونگا، چنانچہ وہ ایک مہینے تک خشک نہیں ہوئی،

ایک شخص کا بیان ہو کہ میں نے حضرت نوری کے پاؤں پھولے ہوئے دیکھے، وجہ پوچھی تو بولے کہ میں نماز پڑھنی چاہی، تو نفس نے انکار کیا، اسلئے یہ نذر مان لی، کہ تشہد کے سوا زمین پر نہ بیٹھوں گا، اسلئے کھڑا رہا اور یہ ورم اوسی کا نتیجہ ہے، امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہو کہ بعض شیوخ ابتدا میں نماز کے لئے کھڑے ہونے میں کاہلی ظاہر کرتے تھے، اسلئے انھوں نے رات بھر سر کے بل کھڑے ہونے کا التزام کیا، بعض لوگوں نے مال کی محبت دل سے اس طرح نکالی، کہ اسکو دریا میں پھینک دیا، کیونکہ اگر لوگوں کو تقسیم کرتے، تو اس سے فیاضی کے غرور و ریاکارانہ نمایش کا خوف تھا، بعض لوگ خوگر حلم ہونے کیلئے اجرت پر لوگوں کو مقرر کرتے تھے، کہ مجمع عام میں اُن کو گالیاں دیں، بہادر بننے کیلئے بعض لوگ سخت طغیانی کی حالت میں سردی کے زمانے میں دریا کا سفر کرتے تھے، اونھوں نے اس قسم کی اور بھی بہت سی باتیں لکھی ہیں، مثلاً اگر مبتدی کے پاس ضرورت سے زائد مال ہو، تو شیخ کو چاہئے کہ اوس سے لیکر وجوہ خیر میں صرف کر دے، اگر اوس میں غرور ہو تو اس سے بازار میں بھیک منگوائے، اگر وہ بیکار رہنا چاہے، تو اس سے جھاڑو دلوائے، اور باورچی خانے میں کام لے، لیکن اس قسم کی تمام باتیں جو خودی کے مٹانے کیلئے کیجاتی ہیں، شریعت کے خلاف ہیں، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہو کہ "مسلمان کو چاہئے کہ اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے" حضرت خدیفہ رض کا جمعہ قضا ہو گیا، اس لئے جب انھوں نے دیکھا کہ لوگ جمعہ پڑھکر لوٹ رہے ہیں، تو چھپ گئے، تاکہ لوگوں کی نگاہ میں سبک نہ ہوں، صوفیہ کا ایک خاص گروہ ملامتیہ ہے، وہ برے کام اسلئے کرتا ہے کہ لوگوں کی نگاہ میں سبک ہو کر رہ جائے،

ریاء سے محفوظ رہے، لیکن شریعت نے فطری جاہ پرستی کو نہیں مٹایا ہے، بلکہ اوس کے قائم رکھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی برا کام کر بیٹھے، تو اوس کو چاہئے کہ خدا کے پردے میں چھپ جائے،

یہ تو اُن لوگوں کا حال تھا، جو ریاضت و مجاہدہ میں اس قدر غلو کرتے تھے، لیکن اس کے مقابلے میں فرقہ اباحیہ کے لوگ جن کی مختلف قسمیں تھیں، تصوف کے حلقہ میں داخل ہوگئے، اور چند شبہات پیدا کرکے تمام اعمال و عبادات کی پابندی ترک کر دی، اور حصول لذت میں مصروف ہوگئے، ان لوگوں نے جن شبہات کی بنا پر ایسا کیا تھا، وہ حسب ذیل ہیں،

۱۔ تقدیر الٰہی میں جو کچھ لکھا جا چکا، اوس کے خلاف نہیں ہو سکتا، جن کی قسمت میں سعادت لکھی جا چکی، وہ شقی نہیں ہو سکتے، اور جو شقی لکھے جا چکے، وہ سعید نہیں ہو سکتے، اس لئے تمام اعمال و عبادات بیہودہ ہیں،

۲۔ خدا ہمارے اعمال سے بے نیاز ہے، اور اس پر اون کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا،

۳۔ خدا کی رحمت عام ہے اور اسمیں ہم لوگ بھی شامل ہیں،

۴۔ ریاضت و مجاہدہ کا مقصد تزکیۂ باطن ہے، لیکن تمام اوصاف رذیلہ سے نفس کا تزکیہ ناممکن ہے، اسلئے ریاضت و مجاہدہ بے کار چیز ہے،

۵۔ اور جن لوگوں کو ریاضت کے بعد صفائی باطن حاصل ہو جاتی ہے، انکے لئے شریعت کی پابندی غیر ضروری ہے، شریعت صرف عوام کیلئے ہے، اور یہ لوگ خاصان خدا ہیں،

یہ لوگ اگرچہ صوفی نہیں تھے، تاہم آگے چل کر تصوف پر اس کا اثر پڑا، اور اس قسم کے بہت سے لوگ پیدا ہو گئے، جو شرعی اوامر و نواہی کی پابندی نہیں کرتے تھے، اور بے قید کہے جاتے تھے، حافظ و خیام کا کلام درحقیقت انہی شبہات کی آواز بازگشت ہے،

تلخیص و تبصرہ

کیمیا پر ایک قدیم چینی رسالہ

عنوان بالا سے پروفیسر پارٹنگٹن (J. R. Partington) کا ایک مضمون نیچر (۲۴ اگست ۱۹۴۵ء) میں شائع ہوا ہے، جس میں موصوف نے ایک قدیم چینی رسالہ کے ذکر کے ساتھ چین میں کیمیا کی نشوونما پر بھی کچھ معلومات پیش کئے ہیں، ذیل میں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

کیمیا پر قدیم ترین چینی رسالوں میں ایک رسالہ تسان ٹنگ چی (Tsan Tung Chi) ہے جس کا مصنف وائی پو یانگ (Wei Po Yang) ہے، وائی پو یانگ چینی کیمیا کا موجد کہا جاتا ہے، اس کے رسالہ کے متعلق یہ خیال ہے کہ یہ چینی زبان کی سب سے پہلی تصنیف ہے جو تمام تر اسی موضوع پر لکھی گئی ہے، اگرچہ اس سے پہلے کی لکھی ہوئی اور تصنیفیں بھی موجود ہیں جنمیں اور مضامین کے ساتھ کیمیا کا بھی ذکر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے، رسالہ تسان ٹنگ چی کی تصنیف کے وقت کیمیا سے متعلق وسیع روایات موجود تھیں، اس رسالہ میں اس سے پیشتر کے چند کیمیا گروں کا بھی ذکر ہے، جن کے حالات یا تو خود انہی کی کتابوں میں ملتے ہیں یا چین کی تاریخی کتابوں میں درج ہیں، لہذا یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ وائی پو یانگ سے دو تین صدی پہلے اہل چین نے کم قیمت دھاتوں سے سونا بنانے کی کوشش شروع کردی تھی، نہ اس لئے کہ سونا بذاتِ خود ایک قیمتی شے ہے بلکہ اس تخیل کی بنا پر کہ مصنوعی سونا زندگی کے بڑھانے میں جادو کا اثر رکھتا ہے، یہی عقیدہ قدیم مصر میں بھی پایا جاتا تھا، اہل چین کا خیال تھا کہ مصنوعی سونا شنجرف سے بنایا جاسکتا ہے اور اسے وہ قدرتی سونے سے زیادہ قوی سمجھتے تھے،

مصر کے ماہرین کیمیا کی قدیم ترین تصنیفات کی نسبت جو یونانی زبان میں موجود ہیں، خیال کیا جاتا ہے

کہ سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیوں کی لکھی ہوئی ہیں، چونکہ وائی پو یانگ کا زمانہ دوسری صدی عیسوی ہے اور چونکہ اس سے دو تین صدی پیشتر کی چینی تاریخوں میں کیمیاگروں کا ذکر موجود ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ چین اور یونانی مصر میں کیمیا کی ابتدا تقریباً ایک ہی زمانہ میں ہوئی، دونوں ملکوں کی قدیم ترین معلوم تصنیفات کا زمانہ قریب قریب ایک ہی ہے اور دونوں جگہ ان قدیم ترین تصنیفات میں ان سے بھی قدیم تر تصنیفات اور روایات کا ذکر موجود ہے، لہذا موجودہ معلومات کی بنا پر اس امر کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ مصر اور چین میں کیمیا کی ابتدا علیحدہ علیحدہ ہوئی یا نہیں، اور اگر علیحدہ علیحدہ ہوئی تو ان میں سے کون زیادہ قدیم ہے؟

وائی پو یانگ ایک تاوی فلسفی (Taoist) تھا، وہ کیانگسو کے صوبہ میں پیدا ہوا، اور سنہ ۱۲۱ء میں شاہی دربار میں طلب کیا گیا، لیکن چونکہ اسے سرکاری عہدوں کی طرف کوئی رغبت نہ تھی اس لئے اس نے اس دعوت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، تسان ٹنگ چی کے خاتمہ پر وہ اپنے متعلق یہ الفاظ لکھتا ہے:-

"ایک مسکین شخص جسے دنیاوی قوت، عظمت، شہرت اور منافع کی کوئی خواہش نہیں۔ اس کی خواہش تھی کہ اپنی زندگی کسی ویران وادی میں امن و قناعت سے گذار دے، اس کے یہ خیالات متعین طور پر "تاوی" ہیں، اس کی تصنیف کا شمار "تاوی" فرقہ کی معیاری کتابوں میں ہے اور وہ آج تک چین میں پڑھی جاتی ہے، بظاہر یہ قدیم چینی تصنیف "کتاب تغیر" (Book of Changes) کے حاشیہ کے طور پر لکھی گئی ہے، لیکن دراصل یہ آب حیات کی تیاری پر ایک مستقل رسالہ ہے، چینی کتابوں کی روایت ہے کہ وائی پو یانگ اور اس کے تین شاگرد آب حیات تیار کرنے کی غرض سے پہاڑ پر گئے اور جب یہ تیار ہو گیا تو وائی پو نے اسے ایک کتے پر آزما کر دیکھا، کتا فوراً مر گیا، وائی پو نے شاگردوں سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے، انھوں نے یہ تجویز پیش کی وہ اسے خود اپنے اوپر آزمائے، چنانچہ اس نے یہ کہکر کہ اگر دوا اجزار کے تحلیل نہ ہونے کی وجہ سے ناکام ہوئی ہے، تو زندہ رہنا شرم کی بات ہے اسے خود بھی پی لیا اور پیتے ہی ختم ہو گیا، اس پر ایک شاگرد نے کہا کہ "ہمارا استاد کوئی معمولی آدمی نہیں ہے، اس نے دوا پی اور مر گیا، ضرور اس نے کسی خاص مقصد سے ایسا کیا ہوگا، چنانچہ

اس شاگرد نے بھی دوا پی لی اور وہ بھی مرگیا، تب بقیہ دونوں شاگرد تجہیز و تکفین کے انتظام کے لئے نکلے، لیکن ان کے جانے کے بعد وائی پو پھر زندہ ہوگیا اور تحلیل شدہ دوا کی ایک خوراک سے اس شاگرد اور کتے کو بھی دوبارہ زندہ کرلیا،

وائی پو یانگ کے اس رسالہ کا ترجمہ ڈاکٹر لو چیانگ وو (Lu Chiang Wu) نے کیا ہے اور حاشیہ پروفیسر ڈیوس (Y. L. Davis) نے لکھا ہے، ترجمہ سے پہلے علم کیمیا پر ایک دلچسپ بحث ہے، اس رسالہ کے رو سے کتاب تغیر، تاؤی اصول اور علم کیمیا سب ایک ہی چیز کی تین مختلف شکلیں ہیں، جن کے نام الگ الگ رکھ لئے گئے ہیں، اس میں بھی دوہسنگ (Wu hsing) اور ین یانگ (Yin Yang) کے قدیم چینی فلسفیانہ خیالات پیش کئے گئے ہیں، دوہسنگ کے معنی ہیں عناصر خمسہ یعنی لکڑی، خاک، پانی، آگ اور دھات، ین یانگ سے مراد دو متضاد اصول ہیں، شروع میں ین کے معنی دھندلے اور یانگ کے معنی روشن تھے لیکن بعد میں یہ الفاظ متعدد متضاد جوڑوں کے لئے استعمال ہونے لگے، مثلاً یانگ کے معنی سورج اور ین کے معنی چاند ہوگئے اور ان کے باہمی فعل سے عناصر خمسہ پیدا ہوئے جن میں سے ہر ایک کسی سیارہ کے ساتھ منسوب ہے، ڈاکٹر دو اور پروفیسر ڈیوس کا بیان ہے کہ یہ اصول ضدین علم کیمیا پر ایک طویل عرصہ تک حاوی رہا، اہل فن کی عام رائے کے خلاف ڈاکٹر دو کا خیال ہے کہ ین اور یانگ کا تخیل خالص چینی نہیں ہے اور یہ کہ یہ تخیل اُن پُراسرار اصولوں کیساتھ جو اس سے وابستہ ہیں چین میں کسی دوسرے تمدن سے آئے، موصوف کی رائے ہے کہ ین اور یانگ کا تخیل بابل یا مصر سے آیا اور شاید کیمیا کا علم بھی اس تخیل کے ساتھ اسی زمانہ میں چین میں آیا ہے،

یہ رسالہ جو ۹۰ ابواب پر مشتمل ہے ایک مغلق اور بعید الفہم تصنیف ہے، اس میں بہت سے دقیق خیالات ہیں اور جو چیز اسے عرب اور بعد کے یورپین علماء کیمیا کی تصنیفات سے ممتاز کرتی ہے وہ اسکا خوشگوار اور دلچسپ طرز تحریر اور مصنف کی خودنمائی کا فقدان ہے، کیمیا کے متعلق صاف اور واضح معلومات جیسے کہ اکثر یونانی ماہرین کیمیا کی کتابوں میں ملتے ہیں اس رسالہ میں بہت ہی کم ہیں، اخفا پر بہت کچھ زور دیا گیا ہے، "ع ز"

ایک بین الاقوامی زبان کی تجویز

آج جبکہ سائنس کی ترقیوں سے زمین کی طنابیں کھنچ رہی ہیں اور وسائل آمد و رفت کے محیر العقول اختراعات سے دور دراز ممالک دفعتاً ایک دوسرے سے قریب ہوتے جارہے ہیں ضرورت ہے کہ ایک ایسی بین الاقوامی زبان پیدا کیجائے جو ہر ملک میں آسانی کے ساتھ سمجھی جا سکے، اس ضرورت کا احساس عرصہ سے تھا، چنانچہ بہتیری زبانیں اس مقصد کے لئے تجویز بھی ہوئیں، لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی کامیاب نہ ہوسکی، اب اورتھولوجیکل انسٹی ٹیوٹ، کیمبرج، (ادارۂ صحت الفاظ) کے ڈائرکٹر مسٹر اوگڈن (C. K. Ogden) نے ادارۂ مذکور کی طرف سے ایک نئی زبان کا اعلان کیا ہے، اور ان کا دعویٰ ہے کہ یہ زبان بین الاقوامی ضروریات کے لئے بالکل کافی ہوگی، اس زبان کا نام انھوں نے "بنیادی انگریزی" (Basic English) رکھا ہے اور اس پر ایک دلچسپ مقالہ بھی لکھا ہے جو سنڈے اسٹیٹسمین مورخہ ۲۵ راگست ۳۵ئہ میں شائع ہوا ہے، ناظرین معارف کے لئے ہم اس کا خلاصہ ذیل میں درج کرتے ہیں:-

گذشتہ تین صدیوں میں تین سو سے زیادہ مصنوعی زبانیں تجویز کی جاچکی ہیں، ان میں سے اکثر فنا ہو گئیں جو باقی رہ گئی ہیں، ان میں اسپرانٹو (Esperanto) زیادہ مشہور ہے، ان میں سے کوئی بھی کسی زندہ زبان کی بنیاد پر قائم نہیں کیگئی، وہ سب نئی زبانیں تھیں جن سے بجز اس کے کہ زبانوں کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا گیا اور کچھ حاصل نہ ہوا، حالانکہ زبانوں کے نقطۂ نظر سے اس وقت دنیا کی بڑی ضرورت افراط نہیں بلکہ تفریط ہے، انگریزی پہلے ہی سے پچاس کروڑ آدمیوں کی مادری یا دفتری زبان ہے، دس سال ہوئے ہم میں سے بعض اشخاص نے محسوس کیا کہ اگر اسے آسان بنادیا جائے تو تجارت، سائنس اور تمام دوسرے اغراض کیلئے یہ ایک بین الاقوامی زبان بن سکتی ہے، چنانچہ کیمبرج کے اورتھولوجیکل انسٹی ٹیوٹ (Orthological Institute) نے یہ کام شروع کردیا اور یہ بنیادی انگریزی اسی کی دس سالہ محنت کا نتیجہ ہے، ہم لوگوں

نے ساڑھے آٹھ سو الفاظ چن لئے ہیں جسے بیس ہزار الفاظ کا کام لیا جا سکتا ہو، تجربہ سے ثابت ہوگیا ہے کہ استعمال کے چند ضروری اصولوں کے ساتھ وہ چوبیس گھنٹوں میں یاد ہو سکتے ہیں، اکثر غیر ممالک کے طلبہ اگر اس زبان پر روز دو گھنٹے صرف کریں تو ایک مہینہ میں عبور حاصل کر سکتے ہیں،

انگریزی لغت کے معتبر الفاظ کا شمار پانچ لاکھ ہے، ان میں سے پروفیسر تھورن ڈائک (Thorn Dike) نے بیس ہزار الفاظ منتخب کرلئے ہیں جو اکثر بچوں کی کتابوں میں استعمال ہوتے ہیں، بہت کمسن بچوں کے لغت میں بھی دو ہزار سے تین ہزار تک الفاظ ہوتے ہیں، سرخیوں اور اشتہاروں کے لکھنے والے تقریباً سات ہزار الفاظ استعمال کرتے ہیں، اوسط ناظرین کو پچیس ہزار الفاظ سے واقفیت رہتی ہے، پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ صرف ساڑھے آٹھ سو الفاظ سے تمام ضروری مطالب ادا کئے جا سکیں ؟

اکثر انگریزی افعال (verbs) غیر ضروری ہیں، ان کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے، ہزاروں ایسے ہیں جنکا مفہوم آسان تر افعال کے ساتھ ظرف، حرف جر، یا اسم کو شامل کر کے ادا کیا جا سکتا ہے، مثلاً (Accelerate) کے معنی ہیں To go more quickly (جلد جانا) اور Climb کے معنی ہیں To go up (اوپر چڑھنا) اسی طرح To break the law کے معنی ہیں، To go against the law (قانون شکنی کرنا) اور To kick کے معنی ہیں To give a kick (ٹھوکر مارنا) ان مثالوں میں چار افعال یعنی Accelerate; Climb, Break, Kick ایسے ہیں جو چھوڑے جا سکتے ہیں، ماہرین اوارہ نے نہایت کاوش اور محنت سے تمام غیر ضروری افعال کو خارج کر کے صرف اٹھارہ افعال کو منتخب کرلیا ہے، ان میں بھی بعض صرف اسلئے رکھ لئے گئے ہیں کہ ان سے دوسرے الفاظ کو مدد ملتی ہے، وہ ضروری افعال مندرجۂ ذیل ہیں :-

Come. Get. Give. Go. Keep. Let. Make. Put. Seem
Take. Be. Do. Have. May. Will.

اگر یہ مناسب طریقہ سے استعمال کئے جائیں تو ان سے تمام دوسرے افعال کا کام لیا جاسکتا ہے،

واضح طور پر مفہوم کے سمجھنے کے لئے جن اسمار کی ضرورت ہے ان کی تعداد چار سو ہے، اسی طرح ضروری صفات (adjectives) کی تعداد سو اور افعال اور ان الفاظ کی جن سے افعال کو مدد ملتی ہے، مجموعی تعداد بھی سو ہے، ان کے علاوہ دو سو الفاظ اُن اسمار کے ہیں جن کی تصویر لیجا سکتی ہے، مثلاً پنسل اور گاڑی وغیرہ اور پچاس الفاظ مقابل صفات کے لئے ہیں مثلاً تنگ اور سست" بنیادی انگریزی" کے الفاظ بس یقدر ہیں، ان کے علاوہ پچاس الفاظ ایسے ہیں جو عام طور پر رائج ہیں، اور ہر ملک میں سمجھے جاتے ہیں، مثلاً ہوٹل، تھیٹر، وولٹ، ٹیلی گرام، پولیس، میڈم، سر، القاب مثلاً پرنس اور پریزیڈنٹ، علوم کے نام، اعداد، جغرافیائی نام، اور وہ الفاظ جو پیمائش اور سکون سے متعلق ہیں، یہ سب پہلے ہی سے بین الاقوامی استعمال میں رائج ہیں، اور ساڑھے آٹھ سو کی فہرست میں شامل نہیں ہیں،

اگر تمام دنیا کے ماہرین سائنس کسی مجلس میں اکٹھا ہوں، اور ان (۸۵۰) بنیادی الفاظ کے ساتھ عام سائنٹفک اصطلاحات کے ایک سو الفاظ نیز پچاس دوسرے الفاظ جو کسی متعین سائنس کے لئے مخصوص ہوتے ہیں، استعمال کریں تو وہ ایک دوسرے کا مطلب بغیر کسی دشواری کے سمجھ سکتے ہیں، ان ایک ہزار الفاظ کے ذریعہ ہر علم سے واقفیت حاصل کیجا سکتی ہے،

"ع ز"

چینی مسلمان

آغاز اسلام سے آج تک چین میں مسلمانوں کی جو مذہبی اخلاقی تمدنی، سیاسی اور اقتصادی حالت رہی ہے، اسکو خود چین کے ایک ہونہار صاحب قلم مسلمان یعنی مولوی بدرالدین چینی نے جنھوں نے جامعہ ملیہ میں بی اے تک کی تعلیم حاصل کی ہے اور دارالعلوم ندوہ میں مدرسی کے فرائض انجام دیئے ہیں، اس کتاب میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے،

مسلمانانِ ہندوستان جو اپنے چینی بھائیوں کے قدیم و جدید حالات سے بے خبر ہیں، ان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، ضخامت ۲۴۲ صفحے، قیمت:- عہ

اخبار علمیہ

روس میں ماہرین عضویات کا ایک عظیم الشان اجتماع

گذشتہ ماہ اگست کے وسط میں ماہرین عضویات (Physiologists) کی ایک عظیم الشان کانگریس روس میں منعقد ہوئی تھی جس کے اجلاس ایک ہفتہ تک لینن گراڈ میں اور تین روز تک ماسکو میں ہوتے رہے، یہ پندرہویں بین الاقوامی عضویاتی کانگریس تھی جس میں ۸۵۰ ماہرین عضویات وحیاتیات ۳۷ ملکوں کے نمایندوں کی حیثیت سے شریک تھے، اس کے صدر روس کے ممتاز ترین فاضل عضویات پروفیسر آئیوان پٹرووک پاولوف (Ivan Petrovich Pavlov) تھے جن کی عمر اس وقت ۸۶ سال ہے، افتتاحی اجلاس میں بارہ سو سے زیادہ روسی اور غیر ملکی سائنس داں شریک تھے، انقلاب کے بعد یہ پہلی عظیم الشان سائنٹفک کانگریس تھی جو روس میں منعقد ہوئی، خطبۂ صدارت کے بعد ڈاکٹر والٹر کینن (Walter Cannon) نے جو امریکی علمائے عضویات کے صدر ہیں کھڑے ہوکر قومی عصبیت کے خلاف ایک نہایت پرجوش تقریر کی اور جرمنی کے استبداد کی جانب خاص طور پر اشارہ کیا، موصوف نے فرمایا :- " قومیت کے جذبہ نے یہانتک شدت اختیار کرلی ہے کہ اب اسمیں تلخی پیدا ہوگئی ہے، بلند پایہ فضلا، ومحققین جو بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں تحقیر و تذلیل کا نشانہ بنائے گئے ہیں، اور انھیں عسرت و افلاس کی حالت میں ڈالدیا گیا ہے، ماضی میں ہم نے جو کامیابیاں حاصل کی ہیں وہ کسی ایک قوم یا کسی ایک نسلی گروہ کے نمایندوں کی رہین منت نہیں ہیں" ان الفاظ پر سامعین کی صدائے تحسین وآفرین سے کانگریس کا وسیع ہال گونج اٹھا،

روس کی سوویٹ حکومت نے سائنس کی ترقی میں خاص طور پر مدد دی ہے، منجملہ اور شعبوں کے عضویات

میں بھی بہت نمایاں ترقی ہوئی ہے، سنہ ۱۹۲۴ء میں تمام روس میں عضویات کی تحقیق کے لئے صرف (۲۴) مرکز قائم تھے جن میں کام کرنے والوں کی تعداد (۵۰۰) سے بھی کم تھی، آج ان مرکزوں کی تعداد (۳۴۰) ہے اور کام کرنے والوں کا شمار (۵۰۰۰) سے زیادہ، دنیا کے بہترین تحقیقاتی مرکزوں میں کولٹوشی بایولوجیکل اسٹیشن (Koltushy Biological Station) بھی ہے جو لینن گراڈ سے پچیس (۲۵) میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اس کے صدر پروفیسر پاولوف ہیں، گذشتہ سال ان کی پچاسیویں سالگرہ کے موقع پر سوویٹ حکومت نے انھیں بیس ہزار روبل کا سالانہ وظیفہ عطا کیا تھا اور ان کے معملوں کی توسیع کے لئے دس لاکھ روبل اور دیئے تھے، بغیر اس تفتیش کے کہ ان کے رسرچ سے عملی فائدہ فوراً کس قدر حاصل ہوگا، حکومت نے انھیں اختیار دیدیا ہے کہ اپنے کام کو جس طرح مناسب خیال کریں جاری رکھیں، روس کے علاوہ دنیا کی اور کوئی حکومت اتنے وسیع پیمانہ پر سائنس کی مدد نہیں کرتی،

اس کانگریس میں سیکڑوں اہم مسائل پر بحث کیگئی جن میں سے چند حسب ذیل ہیں :-

(۱) امریکہ کے ڈاکٹر ولیم ناکلاس (W. Nachlas) اور ڈاکٹر ڈیوڈ شیلنگ (Shelling) نے پرہیزی غذاؤں اور دواؤں کے استعمال سے ہڈیوں کی بدشکلی کے درست کرنے کا ایک طریقہ بیان کیا، جو خود انھی کا دریافت کردہ ہے، اس طریقہ کے استعمال سے ہڈیاں نرم ہوجاتی ہیں، اس کے بعد وہ سیدھی کر لی جاتی ہیں، اور پھر ایک سانچہ میں رکھکر دواؤں کی مدد سے سخت کردی جاتی ہیں، اس طرح ان کا سابق عیب بالکل دور ہو جاتا ہے،

(۲) ماسکو کے پروفیسر زواڈوسکی (M. Zavadovsky) نے اپنے تجربات کی بنا پر اعلان کیا کہ غدود کے ذریعہ اعادۂ قوت و شباب کا جو طریقہ رائج ہو گیا ہے وہ مضرت سے خالی نہیں، اس سے جسم کے بعض اعضا کو نقصان بھی پہنچتا ہے،

(۳) لینن گراڈ کے پروفیسر نکولائی واویلوف (Nikolai Vavilov) کا یہ اعلان نہایت

حیرت اور توجہ سے سنا گیا کہ اگر موجودہ سائنٹفک معلومات سے زراعت کو مدد پہنچائی جائے تو زمین بیس ارب یعنی دنیا کی موجودہ آبادی کی دہ چند آبادی کے لئے غلہ پیدا کرسکتی ہے، یہ اعلان اُن تجربات پر مبنی تھا جو موصوف نے روس کے بعض شمالی علاقوں میں کامیابی کے ساتھ کردکھائے ہیں، اُن کے طریق کاشت سے زمین کی پیداوار دس گنی ہوگئی ہے،

علمی آزادی

روس کی مذکورۂ بالا کانگریس کے زمانہ میں اکسفرڈ میں بھی ۱۴ تا ۱۶ اگست علمی آزادی کے تحفظ کے لئے ایک کانفرنس بیٹھی ہوئی تھی جس کے صدر پروفیسر مایریس (J. L. Myres) تھے، اس کانفرنس نے علم اور پیشہ کی آزادی پر تقریریں کرکے اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی، دوران مباحثہ میں مسٹر کول (G. D. H. Cole) نے کہا کہ "اگرچہ برطانیہ عظمی میں ہم لوگ علمی اور پیشہ کی آزادی میں مداخلت سے نسبتہ محفوظ ہیں تاہم قوی اندیشہ ہے کہ تعصب تیزی کے ساتھ ترقی کرجائے اور یہ اندیشہ تجارت اور صنعت و حرفت سے متعلق خاص طور پر زیادہ ہے، ضرورت اس بات کی نہیں ہے کہ مداخلت کو بالکل روک دیا جائے، بلکہ اسکو حدود کے اندر رکھا جائے"۔ کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں بین الاقوامی امداد علمی کا مسئلہ زیر بحث تھا اور اٹلی، اسپین، بلغاریہ، اور جرمنی میں اساتذہ پر جو تعدیاں روا رکھی گئی ہیں اُن کے متعلق رودادیں پڑھی گئیں، جرمنی کے علاوہ دوسرے ملکوں کے مظلوم اساتذہ کی امداد کی ضرورت پر بھی ایک قرارداد منظور کی گئی، نیز ایک ایسی کمیٹی کی تجویز منظور کی گئی جو اس کام کو بین الاقوامی طریقہ پر انجام دے، اس اجلاس کے صدر پروفیسر برگرد مبی (Albert Crom...) نے فرمایا کہ "بین الاقوامیت کو خود تہذیب و تمدن کا مترادف سمجھنا چاہیئے" کانفرنس کے آخری اجلاس میں جس کے صدر پروفیسر جولین ہکسلے (Julian Huxley) تھے سائنس سے فائدہ اٹھانے کے مسئلہ پر بحث تھی، پروفیسر موصوف نے فرمایا کہ "اگر ایک وسیع پیمانہ پر سائنس سے فائدہ اٹھایا جائے تو اس سے اقتصادی اور معاشرتی نظام کی شکل بدل جائے گی"۔ ڈاکٹر ہیوز (E. Hughes) نے کہا کہ اگر سائنس کے پیش نظر

رفاہِ عام کا کوئی وسیع مقصد ہے، اور سائنس داں اپنے کاموں کا کچھ بھی ذمہ دار ہے تو ضروری ہے کہ اسے خود اسی کے معیار کے مطابق کام کرنے دیا جائے نہ کہ ان معیاروں کے مطابق جو غیر سائنس داں اہل سیاست اپنی خود رائی سے اس پر عائد کریں"، ایک قرارداد منظور کیگئی کہ سائنٹفک و صنعتی اداروں کے نمایندوں کی ایک کمیٹی قائم کیجائے جو اس بات کی کوشش کرے کہ حتی الامکان سائنس کی تمام سرگرمیاں نوع انسانی کے مفاد و بہبود کیلئے وقف کردیجائیں۔

ہوائی یونیورسٹی

چین کے ایک نوجوان فاضل مسٹر چانگ (CHANG) نے شنگھائی میں لاسلکی کے ذریعہ تعلیم کی نشر و اشاعت کا ایک عجیب و غریب انتظام کیا ہے جسے وہ اپنی "ہوائی یونیورسٹی" کہتے ہیں، مسٹر چانگ امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں، چند دنوں سے وہ شنگھائی کے ایک لاسلکی کے مرکز سے مائکروفون کے ذریعہ تقریباً ایک ہزار چینی طلبہ کو تعلیم دے رہے ہیں، اس طریقہ سے جو لوگ ریڈیو کا آلہ رکھنے کی استطاعت رکھتے ہیں وہ گھر بیٹھے تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، اور جو غریب ہیں وہ ان مقامات پر جاکر تعلیم حاصل کر سکتے ہیں جہاں ریڈیو کے آلے قومی انجمنوں کی طرف سے لگے ہوئے ہیں، مسٹر چانگ نے اس بات کا بھی انتظام کیا ہے کہ طلبہ ٹیلیفون یا خط و کتابت کے ذریعہ ان مضامین کے متعلق جن کو وہ مائکروفون سے سنتے ہیں سوالات بھی کر سکتے ہیں، ان کے سوالات کا جواب فوراً دیا جاتا ہے، اب مسٹر چانگ اس طریقۂ تعلیم کو اور زیادہ وسیع بنانا چاہتے ہیں، اور ان کی تجویز ہے کہ روزانہ دو گھنٹے دنیا کے ہر حصہ کے ماہرین علم و فن کے لکچروں کے ریکارڈ جو تعلیمی، فلسفیانہ، اور سائنٹفک مضامین پر ہوں طلبہ کو سنائے جائیں، لاسلکی کے ذریعہ ان لکچروں کی اشاعت سے پہلے ان کا ترجمہ چینی زبان میں کر دیا جائے گا،

بڑی ناک

نپولین اکثر کہا کرتا تھا کہ جب مجھے کوئی کام عمدہ طریقہ سے انجام دینا ہوتا ہے تو میں اس کے لئے ایسے شخص کو منتخب کرتا ہوں جسکی ناک بڑی ہو، میرا تجربہ ہے کہ جس کی ناک بڑی ہوتی ہے اس کا دماغ بھی بڑا ہوتا ہے"۔ ع۔ م

ادبیات

غزلِ مزّمل

کہ بر طرح مولوی حبیب الرحمن خانصاحب حسرت شیروانی گفتہ

از

جناب ڈاکٹر سر نواب مزمل اللہ خان، بہادر، بالقابہ

اے قدِ تو رشکِ سرو کشمری ۔۔۔ سنبل از زلفت نجوید برتری

اے جبینت ماہ و ابرویت ہلال ۔۔۔ عارضِ تو رشکِ شمعِ خاوری

مثلِ زلفت رنگ و بو در مشک نیست ۔۔۔ خونِ بستہ ہست مشکِ اذفری

بوسہ خواہم زنقشِ پائے تو ۔۔۔ گر نصیبِ من نماید یاوری

صد ہزاراں عشوہ دارد شوخِ من ۔۔۔ یک نباشد زاں کمینِ کافری

زاہد از پیری نہ دارد تابِ عشق ۔۔۔ عصمتِ بی بی است از بے چادری

عشق جاں بخش است چوں آبِ حیات ۔۔۔ اے سکندر تا کجا پے می بری

کیش و آئینے نداند عشقِ دوست ۔۔۔ نے موحد باشد و نے نیچری

آں پریشاں می کند، ایں جاں دہد ۔۔۔ شورِ عشقِ خوشش زشورِ محشری

موئے بہرِ جوزنم خامی نیست ۔۔۔ نزدِ شش یکساں است جون و جوزی

ایں غزل از حکمِ حسرت گفتہ ام

اے مزمل کو مفر از چاکری

نورِ معرفت

از حکیم الشعراء امجد حیدر آبادی

کام کب حسبِ مدعا نہ ہوا | اس کے فضل و کرم سے کیا نہ ہوا
ہم تو اک بار اس کے ہو جائیں | وہ ہمارا ہوا ہوا نہ ہوا
ڈھونڈتا ہوں میں ہر نفس اسکو | مجھ سے جو اک نفس جدا نہ ہوا
کیا ملا وحدتِ وجودی سے | بندہ بندہ رہا خدا نہ ہوا
بندگی میں یہ کبریائی ہے! | خیر گذری کہ میں خدا نہ ہوا
جا چکے عقل و ہوش و تاب و تواں | لیکن افسوس اَنَا فنا نہ ہوا
سببِ معرفت ہوں نیکوں کا | میں اگر بد ہوا، برا نہ ہوا
پاک ہستی سے، میری نسبت ہو | میں بُرا ہو کے بھی برا نہ ہوا
غیر کی کیا شکایت اے امجد | آہ جب میرا دل مرا نہ ہوا

کلامِ طالب

از جناب طالب گنوری، لاہور

نکہتِ بادِ بہاری طرب انگیز ہے آج | پتہ پتہ چمنِ دہر کا گل ریز ہے آج
گرمیِ شوق سرِ بزمِ مغاں تیز ہو آج | مشعلِ بادہ مینا شرر انگیز ہے آج
تیری مستی بھری آنکھوں کا کرشمہ ساقی | ساغرِ چشمِ مے شوق سے لبریز ہے آج
پھونکدے پھونکدے او گرمیِ ہنگامۂ شوق | دل کی رگ رگ میں غمِ عشق شرر خیز ہے آج
دامنِ وحشت پہ آنچ آئے نہ اے بادِ بہار | سرخیِ لالۂ صحرا شرر انگیز ہے آج
آگ ہی آگ جگر سے ہے زباں تک طالب | بے تکلف مری ہر آہ شرر خیز ہے آج

بَابُ التَّقرِیظِ وَالاِنتِقَاد

چند نئے اخبارات اور رسالوں کے خاص نمبر

اس ششماہی میں ذیل کے چند نئے اخبار نکلے ہیں، ان کی اشاعت کے مقام پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اردو کے اصطلاحی مرکزوں سے ایک دو اخبار نکلے، اسی اوسط سے ان سے دور دراز مقامات مثلاً برہما، کراچی، ملتان، بمبئی اور سری نگر وغیرہ سے بھی ایک ایک دو دو اخبار نکلے ہیں، اس زبان کی توسیع کی کسی منظم کوشش کے بغیر آپ سے آپ ان اخبارات کا وہاں سے محض اپنی ملکی ضرورت پوری کرنے کے لئے نکلنا، اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ یہ ملک کی مشترکہ زبان ہے، اور وہ صحیح معنوں میں ہندوستانی کے نام سے موسوم کئے جانے کی مستحق ہے،

صدق لکھنؤ (ہفتہ وار) اڈیٹر مولنا عبد الماجد دریابادی، حجم ۸ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۴ قیمت :- سالانہ للعہ ہر پرچہ ۱، پتہ :- دفتر اخبار صدق، لکھنؤ،

مولنا عبد الماجد صاحب دریابادی کے ہفتہ وار صدق کا تذکرہ معارف ماہ جولائی کے ایک شذرہ میں کیا جا چکا ہے، یہ "سچ" کے بجائے نکلا ہے، اور صحیح معنون میں اس کا مثیل ہے، پہلے صفحہ پر "سچی باتیں" اسی مؤثر انداز اور دلنشین پیرایہ میں اس میں بھی بیان کیجاتی ہیں، چھوٹے چھوٹے شذروں میں مشرق ومغرب، مذہب و مادیت اور قدیم اور جدید تہذیبوں کا موازنہ کیا جاتا ہے، اور ان میں قدیم تہذیب کے محاسن اور جدید تہذیب کے بعض خاص نقائص لطیف اشاروں اور چٹکیوں میں دکھائے جاتے ہیں، یورپ کے ممتاز اخبارات کی شائع شدہ خبروں رایوں اور یورپ کے مدبرین کے خطبوں پر اسی رنگ میں دلچسپ اور بصیرت افروز تبصرے کئے جاتے ہیں، اور انہی کالموں میں مسلمانوں کو مذہبی و معاشرتی اصلاح کی دعوت دیجاتی ہے، پھر ہر نمبر میں ایک دو مذہبی و اصلاحی

مقالے چھپتے ہیں، کبھی کبھی لوگوں کے پیش کئے ہوئے مذہبی شکوک کے تسلی بخش جوابات دیئے جاتے ہیں، "سچ" اور "صدق" میں صوری (شروع کے ایک دو نمبروں کو چھوڑکر) اور معنوی دونوں حیثیتوں سے بجز اس کے اور کوئی فرق نہیں کہ مولنا کے انگریزی ترجمہ قرآن کے نئے شغلہ کے اثر سے "صدق" کے صفحات میں معارف قرآنیہ کا اضافہ ہوگیا ہے، اور کبھی کبھی انگریزی ترجمہ قرآن کے ایک آدھ رکوع کا اردو ترجمہ مع تشریحی تعلیقات کے شائع کیا جاتا ہے، جس سے موصوف کے انگریزی ترجمۂ قرآن کی قدر وقیمت کا اندازہ ہوتا ہے، اسی طرح سچ کی تحریروں میں انشا کا لطف اور زبان کی جو حلاوت پائی جاتی تھی، وہ بدرجۂ اتم صدق میں بھی موجود ہے، دعا ہے کہ اللہ اس کی زندگی تادیر قائم رکھے اور اس کے ذریعہ مسلمانوں کو دینی فلاح وسعادت حاصل ہو،

روزنامہ پیام، حیدرآباد، دکن، اڈیٹر جناب قاضی عبدالغفار صاحب مرادآبادی، حجم ۴ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰/۲ قیمت سالانہ عـــہ (سکۂ انگریزی) عـــہ (سکۂ عثمانی) ہر پرچہ ارتیہ ۱- دفتر روزنامہ پیام نارائن گوڑہ حیدرآباد، دکن،

قاضی عبدالغفار صاحب اردو زبان کے مشہور ادیب اور مولنا محمد علی مرحوم کے ہمدرد کے دور اول کے رفقائے کار میں سے ہیں، ہمدرد کے شوخ کالم میں موصوف ہی کے قلم کی گلکاریاں ہوتی تھیں، ہمدرد کے بند ہونے کے بعد ایک سے زیادہ روزنامے اور ہفتہ وار کامیابی سے نکالے، اور اب انھوں نے حیدرآباد دکن سے پیام کے نام سے ایک روزنامہ جاری کیا ہے، اس کا پہلا پرچہ ۹ رمئی ۱۹۳۵ء کو نکلا، اور اس وقت تک اپنے مرتب کی خصوصیات کا حامل رہ کر نکل رہا ہے،

روزنامہ سلیقہ سے مرتب کیا جارہا ہے، پہلے صفحہ پر سنجیدہ، دلچسپ، علمی، تاریخی، اور بصیرت افروز سیاسی مضامین چھپتے ہیں، پھر "اخبار خارجہ" "ہندوستان" "دارالسلطنت" "ممالک محروسہ" "عالم اسلام" اور متفرقات کی مستقل سرخیاں ہیں جنمیں روزانہ کی خبریں قرینہ سے مرتب کیجاتی ہیں، افتتاحیہ میں سیاسی اور دوسرے وقتی مسائل ومباحث پر دلچسپ انداز بیان میں غور وفکر کی نظر ڈالی جاتی ہے، "سرراہ" کے عنوان سے، خبروں

تقریروں، اور معاصرین کی رایوں پر لطیف اندازمیں چٹکیاں لیجاتی ہیں، مقامی سیاسیات بھی اس کیلئے شجر ممنوعہ نہیں، متانت کے ساتھ مختلف مقامی سیاسی مسائل پر اظہار رائے کیا جاتا ہے، اردو کے اچھے اخبار و رسائل کے مضامین بھی نقل کئے جاتے ہیں،

افتتاحیہ اور سرراہ کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ روزنامہ وفاداری کے ساتھ ریاست حیدرآباد کا خدمتگذار ہے، قدیم مشرقی تہذیب کا دلدادہ ہے، اور ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں کی مشترکہ تہذیب (مذہب نہیں) کے پیدا کئے جانے کا آرزومند ہے، اور اس لئے قدرۃً ہندو مسلم اتحاد کا زبردست داعی ہے، ہندوستانی ریاستوں میں ملکی اور غیر ملکی کا نفاق دن بدن بڑھتا جاتا ہے، یہ اخبار اس جذبہ کا سخت مخالف ہے، اس کا پیغام ہے کہ ملکی ہوں یا غیر ملکی، ہندوستانی ریاستوں کو ہر قسم کے اہل لیاقت کے جوہر سے یکساں فائدہ اٹھانا چاہئے ہندوستان کی تحریک آزادی کا بھی حامی اور ملک کی مقتدر جماعت کے ذریعہ اسمبلی اور کونسلوں میں ذمہ دارانہ حصہ لینے کا بھی وہ موید ہے، اور سیاسیات میں مذہب کے دخل دینے کا منکر اور اس کی وجہ سے سیاسیات میں حصہ لینے والی مذہبی جماعتوں کا مخالف ہے، اور طنزیات و مضحکات اور معمہ آمیز تحریروں کے ذریعہ اسکے کالموں میں اس کی نمایش ہوتی رہتی ہے، اور جو افسوس ہے کہ کبھی کبھی اپنے حدود سے گذر جاتی ہے، نیز قاضی صاحب ہندوستان کے تمام رہنماؤں سے بھی بلا استثنا رایوس ہیں، اور انھیں بھی جلی کٹی سنایا کرتے ہیں، مجموعی حیثیت سے یہ روزنامہ اردو صحافت میں ایک قابل قدر اضافہ ہے، خدا کرے کہ اسکو زندگی ملے، اور اس کے ذریعہ نیک خدمات انجام پائیں،

مسلم گزٹ، کلکتہ، (روزنامہ) اڈیٹر جناب محمد اسحق صاحب امرتسری، حجم ۸ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰/۲ کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت سالانہ للعہ؎) ہر پرچہ ۱ پتہ:- دفتر مسلم گزٹ، نمبر ۱۲ کولوٹولا سٹریٹ، کلکتہ،

جناب محمد اسحق صاحب امرتسری پہلے کلکتہ کے روزنامہ ہند جدید کی ادارت سے وابستہ اور ایک

اشتراکیت کے حامی تھے، اب اس سے جدا ہو کر کلکتہ ہی سے مسلم گزٹ کے نام سے ایک روزنامہ جاری کیا ہے، جو مسلمانوں کی سیاسی شیرازہ بندی کا خواہان، اسلامی ہند کے سیاسی و مذہبی حقوق کا ترجمان، بنگال کے مسلمان مزدوروں کا ہمدرد اور انسانیت کے نام پر اچھوت تحریک کا حامی ہے، روزنامہ کو مولوی محمد عثمان مصری، مولوی عبد اللہ مصری، اور جناب ارشد عظیم آبادی کی مستقل قلمی امداد حاصل ہے، پرچہ سلیقہ سے مرتب کیا جاتا ہے، ہر اشاعت میں کوئی مذہبی سیاسی یا ادبی مضمون التزام سے چھپتا ہے، اور "جہان اسلام" کے عنوان سے اسلامی دنیا کی خبریں عربی اخبارون سے ترجمہ کیجاتی ہیں، لیکن افسوس ہے کہ کبھی کبھی مخالف معاصرین سے اختلاف کرنے میں تحریر کا لب ولہجہ درشت ہو جاتا ہے، مثلاً ۲۱ ستمبر کے افتتاحیہ میں ہے "بہت سے اردو اور انگریزی اخبار بھی اپنے آپ کو مزدوروں کا حامی اور سوشلسٹ (اشتراکی) تحریک کا معین و مددگار بتاتے ہیں، حالانکہ ہم جانتے ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ وہ بددیانت اور بے ایمان ہیں، اور عام بے سمجھ ہندوستانیوں کو دھوکہ دیکر اپنی سنہری اور روپہلی مصلحتون کو استوار کرنا چاہتے ہیں اور کر رہے ہیں، مزدورون کو چاہئے کہ ان آستین کے سانپوں سے بچے رہیں، . . . . . . " مدعا کے اظہار میں کاش یہ سختی نہ ہوتی،

مجاہد لاہور (روزنامہ) اڈیٹر جناب مشتاق احمد صاحب، ضخامت ۴ صفحے تقطیع $\frac{22}{4}$×۲۹، قیمت سالانہ عشر ہر پرچہ ار پتہ:- دفتر مجاہد، سرکلر روڈ، لاہور،

یہ روزنامہ پنجاب کی جماعت احرار کا ترجمان ہے، لاہور کی مسجد شہید کی تحریک میں جماعت احرار نے رائے عامہ کے مخالف جو حکمت عملی اختیار کی تھی، اسکی توضیح و تشریح کے لئے یہ جاری کیا گیا ہے، جس مین اپنی صفائی پیش کرنے کے علاوہ اس تحریک مین حصہ نہ لینے پر اس جماعت کو مورد الزام سمجھنے والی جماعتون اور اخبارون کے شکوک و شبہات، شکایات اور الزامات کے جواب دیئے جاتے ہیں، نیز رد قادیانیت سے متعلق خبریں اور مضامین بھی التزام سے چھپتے ہیں، توقع ہے کہ جب اسے مسجد شہید کے بحث و مناظرہ سے فرصت ہوگی تو یہ ایک کامیاب اسلامی روزنامہ ثابت ہوگا،

شریعت لائل پور (ہفتہ وار) مدیر جناب محمد حبیب اللہ صاحب بی اے، ۱۲ صفحے، تقطیع ۲۲×۲۹/۴

لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت سالانہ للعہ ہر پرچہ ۱ر پتہ:۔ دفتر اخبار شریعت، عبد اللہ پور

لائل پور، (پنجاب)

ہندوستان کے صاحب نظر مفکرین، اسلامی ہند کے لئے ایک ایسے قانون کے اجرا کی ضرورت کا احساس ایک زمانہ سے کر رہے ہیں جس میں مسلمانوں کے شخصی و جماعتی قوانین (پرسنل لا) فقہ اسلامی کے مطابق درج ہوں، چنانچہ اس ضرورت کی طرف پہلی مرتبہ تقریباً چند برس گذرے معارف کے صفحات میں علما اور سیاسی جماعتوں کو توجہ دلائی گئی، مسرت ہے کہ اب یہ تحریک عملی جامہ پہن رہی ہے، اور مولوی حافظ محمد عبد اللہ صاحب ممبر اسمبلی نے "شریعت بل" مرتب کر لیا ہے، جو اسمبلی کے اجلاس میں بھیجا جا چکا ہے، اور اسلامی انجمنیں اور اخبار اسکی پرزور حمایت کر رہے ہیں، یہ ہفتہ وار موصوف ہی کی نگرانی میں اسی مقصد کی تبلیغ و اشاعت کے لئے چند ماہ سے جاری ہوا ہے، ضرورت ہے کہ اس بل پر مسٹر جناح وغیرہ کی تائید حاصل کر کے اسے جلد از جلد اسمبلی میں پیش کیا جائے، یہ بل قانون بنجانے کے بعد مولوی حافظ محمد عبد اللہ صاحب کی اسمبلی کی زندگی کا ناقابل فراموش کارنامہ ہوگا، ہفتہ وار کو دلچسپ بنانے کے لئے مختلف اسلامی موضوعوں پر سنجیدہ اور اچھے مضامین بھی جمع کئے جاتے ہیں، اور دوسرے اسلامی سیاسی مسائل میں بھی مسلمانوں کی رہبری کیجاتی ہے،

ہمدرد کشمیر (مصور ہفتہ وار) اڈیٹر مولوی محمد سعید صاحب و جناب شانتی سروپ صاحب نشاط ۱۰ صفحے، تقطیع ۲۲×۲۹/۴، قیمت سالانہ صہ ہر پرچہ ۲ر پتہ:۔ دفتر ہمدرد، سری نگر، کشمیر،

یہ ہفتہ وار تحریک کشمیر کے بانی جناب شیخ محمد عبد اللہ صاحب، اور کشمیر کے ہندوؤں کے لیڈر جناب پریم ناتھ صاحب بزاز کی متحدہ نگرانی میں جاری ہوا ہے، شیخ صاحب موصوف ان دنوں کشمیر کی اسمبلی کے سرگرم ممبر ہیں، اور اسمبلی میں اپنے ہنگامہ خیز سوالوں کے ذریعہ مسلمانان کشمیر کے حقوق حاصل کرنے اور انکی حفاظت و نگہداشت کرنے میں مصروف ہیں، اس کے ساتھ اب موصوف کو کشمیر کے مسلمان، ہندو اور سکھ باشندوں کی متحدہ قومیت کی تعمیر

یہ

کا خیال پیدا ہوا ہے، اور اسی مقصد کے حصول کے لئے اس صحیفہ کی بنیاد ڈالی گئی ہے، اس کے افتتاح کی رسم تحریک تنظیم کے سابق سرگرم کارکن اور ہندوستان کی متحدہ قومیت کے موجودہ داعی، جناب ڈاکٹر سیف الدین صاحب کچلو نے انجام دی ہے، ملک کے مقتدر ہندو مسلمان، اور سکھ لیڈروں، حکومت ہند کے انگریز و ہندوستانی اعلیٰ عہدہ دار و وزراء، حکومت پنجاب کے ہندو وزراء، اور اسی طرح ریاست کشمیر کے تقریباً تمام ممتاز انگریز و ہندوستانی اراکین سلطنت نے اس صحیفہ سے اپنی بہترین توقعات کا اظہار کیا ہے، اسکی ہر اشاعت مین مختلف دلچسپ ادبی، اخلاقی اور تاریخی مضامین بھی چھپتے ہیں،

البرق، سری نگر (سہ روزہ) اڈیٹر جناب ایم لے صابر جرنلسٹ، حجم ۸ صفحے تقطیع $\frac{18 \times 22}{2}$،

قیمت سالانہ للعہ، ہر پرچہ، مرتبہ:- دفتر البرق، سری نگر کشمیر،

یہ کشمیر کے مسلمانوں کا ترجمان ہے، اور ریاست میں متحدہ قومیت کی تحریک کو ابھی قبل از وقت سمجھتا ہے، کہ ابھی اس کے نزدیک مسلمانان کشمیر میں مزید سیاسی بیداری پیدا کرنا باقی ہے، اسلئے صرف انہی کے درمیان کام کرنے کی ضرورت ہے، چنانچہ یہ اپنے نقطۂ نظر سے انہیں تعلیمی معاشرتی اور سیاسی ترقی و اصلاح کی دعوت دیتا ہے، اور ان کے حقوق کی نگہداشت کرتا ہے،

علی گڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ، ناشر جناب محمد مقتدیٰ خان صاحب شروانی، مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڈہ حجم ۱۶ صفحے، تقطیع $\frac{20 \times 26}{4}$ کاغذ عمدہ، لکھائی چھپائی ٹائپ میں، قیمت سالانہ للعہ

یہ مسلم یونیورسٹی کا قدیم خدمتگذار ارگن ہے، جو مدت سے بند تھا، اور اب ۲۲ اگست ۱۹۳۵ء سے یونیورسٹی کے وایس چانسلر کی ادارت کی ذمہ داری کے ساتھ پھر نکلا ہے، اس کے پہلے پرچہ میں یونیورسٹی کے کوائف کے علاوہ، اس کے نصب العین پر بعض قدیم وجدید مضامین شائع کئے گئے ہیں، اور مختلف مسلمان اکابر جناب نواب صاحب چھتاری بالقابہ، جناب نواب بہادر سر مزمل اللہ خان بالقابہ، قاضی سر عزیز الدین اور سر عبد القیوم کے امید افزا پیغامات درج ہیں، جن میں اس کے اجراء پر مسرتوں کا اظہار کیا گیا ہے، پھر جناب

ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی کی ایک تقریر انگریزی زبان میں ہے جس میں یونیورسٹی کے طلبہ کو خطاب کیا گیا ہے، اسی طرح اس کی ہر اشاعت میں یونیورسٹی کے کوائف اور مختلف تعلیمی و علمی ضرورتوں پر مضامین شائع ہوتے ہیں، امید ہے کہ تحریک علی گڈھ سے وابستہ طبقہ اس پرچہ کی اشاعت کی ترقی میں معاون ہوگا،

اخبار مسلمان، سوہدرہ (پندرہ روزہ) ادارہ مولانا محمد حنیف ندوی و جناب عبدالمجید صاحب خادم، ۱۶ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۴، قیمت سالانہ عہ، پتہ:- دفتر اخبار مسلمان سوہدرہ، ضلع گوجرانوالہ (پنجاب)

یہ اخبار کئی سال سے جاری تھا، اب اس نے "دور جدید" کے عنوان سے نئے مدیروں کی ادارت میں نیا قالب اختیار کیا ہے، افتتاحیہ میں مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی رہنمائی کیجاتی ہے، پھر "نکات و معارف" "سیر و سوانح"، "افسانہ" "عبر و بصائر" "ادبیات" اور "آئینہ جہان نما" اس کے مستقل عنوان ہیں جن میں مسلمانوں کو کتاب و سنت کی طرف بلایا جاتا ہے، اکابر اسلام کے سوانح لکھے جاتے ہیں، اسلامی و مشرقی تہذیب و تمدن کی خوبیاں دکھائی جاتی ہیں، اور اسلام پر مخالفین کے اعتراضوں کے جواب دیئے جاتے ہیں، امید ہے کہ یہ پرچہ مسلمانوں کی خدمت کریگا اور ان میں مقبول ہوگا،

جوہر رنگون (مشمولہ آزاد برہما) ادارہ جناب احمد زمان و جناب یعقوب گورا باوا، ۳۲ صفحے تقطیع ۲۰×۲۶/۴ قیمت سالانہ سے مرتبہ جناب ابراہیم اسمٰعیل باوا- نمبر ۶۸ چینا اسٹریٹ رنگون

برہما کے ایک نئے ہفتہ وار آزاد برہما کا تذکرہ معارف کے اخبار و رسائل کے گذشتہ تبصرہ میں کیا گیا تھا، اب وہ دوسری شکل میں نکلا ہے، وہاں سے برہمی زبان میں "جوہر رنگون" کے نام سے ایک ہفتہ وار جاری تھا، اب یہ دونوں برہمی اور اردو زبان کے اخبار ملا دیئے گئے ہیں، اور ان دونوں زبانوں میں مشترک نکلتے ہیں، یہ ہفتہ وار ہندوستان اور برہما کی آزادی کا حامی، مسلمانان برہما کی سیاسی اور علمی خدمات انجام دینے کا خواہاں ہے، اور انہی مسائل پر اس کے مضامین ہوتے ہیں، نیز اسلامیات سے متعلق دلچسپ مضامین بھی چھپتے رہتے ہیں،

نجات کراچی، (ہفتہ وار) مدیر جناب غلام محمد دریا خاں صاحب، ۲۰ صفحے، تقطیع ۲۹×۲۲/۴ قیمت سالانہ صہ، پتہ:- دفتر نجات ماسٹر روڈ، کراچی،

یہ ہفتہ وار اخبار سندھ اور بلوچستان کے مسلمانوں کا ترجمان ہے، اسلامی حقوق کا حامی اور بلوچستان میں اصلاحات کے نفاذ کا طلبگار رہے، خبریں قرینہ سے جمع کیجاتی ہیں، امید ہے کہ یہ جاری رہ کر سندھ اور بلوچستان کے مسلمانوں کی خدمات انجام دیگا،

شباب بمبئی (ہفتہ وار) نگران جناب حکیم محمد خانصاحب دہلوی، ۴۴ صفحے، تقطیع ۳۰×۲۰/۴ قیمت سالانہ تے، فی پرچہ ار، پتہ:- دفتر شباب، کوٹھاری منش، مقابل جنرل پوسٹ آفس بمبئی،

یہ بمبئی کا ایک مصور ہفتہ وار اخبار ہے، جو آرٹ پیپر کے خوبصورت سرورق کے ساتھ نکلتا ہے، اسکا تعلق ایک یونانی دواخانہ موسوم "دہلوی دواخانہ" سے ہے، جس سے متعلق مضامین اس میں چھپتے رہتے ہیں نیز مختصر ادبی مضامین، افسانے اور نظمیں اور غزلیں چھپتی ہیں،

روزنامہ شمس، ملتان، پتہ:- دفتر شمس بیرون لوہاری دروازہ، ملتان شہر، ۱۲ صفحے تقطیع ۲۶×۲۰/۲، قیمت سالانہ بیرونی ملے، مقامی للعہ،

یہ ملتان کا اسلامی روزنامہ ہے، جو اسی سال سے جاری ہوا ہے، ابھی اس کے ۱۰ ذی الحجہ کا پرچہ ریویو کے لئے موصول ہوا ہے، جس میں عید الضحیٰ سے متعلق اچھے مضامین نظم و نثر درج ہیں، صفحۂ اول پر جناب آسد ملتانی کی ایک پرجوش نظم ہے،

انیس سہسواں (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب ابن نیاز جمیل تیموری، ۸ صفحے، تقطیع ۲۶×۲۰/۴، قیمت سالانہ سے، پتہ:- محلہ دہلیز، سہسوان، ضلع بدایوں،

یہ ہفتہ وار اخبار ہے، جو گذشتہ سال الکشن کے زمانہ کی گرماگرمی میں نکلا تھا، اور ہم نے اسے وقتی اخبار سمجھ کر اخبارات کے گذشتہ تبصرہ میں اسکا ذکر ضروری نہیں سمجھا تھا، مگر اب معلوم ہوا کہ یہ پابندی سے مستقلاً

جاری ہے، اور روہیلکھنڈ میں اسلامی سیاسیات کی آواز پہنچاتا ہے، مقالۂ افتتاحیہ میں سنجیدگی سے رائیں ظاہر کیجاتی ہیں، اور مسلمانوں کو اسلامی تہذیب و معاشرت پر قائم رہنے کی دعوت دیتا ہے، اور اسلامی سیاسی حقوق کا حامی ہے، "بہبود نسواں" کے عنوان سے ایک صفحہ عورتوں کے لئے ہوتا ہے، "اخبار اسبوعی" میں ہفتہ بھر کی خبریں جمع کیجاتی ہیں، "برید سہسوان" میں مقامی خبریں درج ہوتی ہیں، ماہ ربیع الاول میں اسکا سیرت نمبر نکلا ہے، جس میں سیرت نبوی پر خاصے مضامین نظم و نثر درج ہیں،

قومی اخبار، کانپور (ہفتہ وار) مدیر جناب سید محمد اسمٰعیل صاحب ذبیح و محمد احسن صاحب عثمانی ۱۴ صفحے، تقطیع $\frac{22 \times 29}{4}$ قیمت سالانہ للعہ فی پرچہ ار، پتہ :- دفتر قومی اخبار، ہمایوں باغ، کانپور،

یہ اخبار پنجاب کی جماعت احرار کا ہمنوا، اور صوبہ متحدہ میں اس کی تحریکات خصوصاً رد قادیانیت کا علمبردار ہے،

کلکتہ ویکلی، (ہفتہ وار مصور) ادارہ جناب عبدالودود صاحب بی اے، و نثار علی صاحب نثار ۲۶ صفحے، تقطیع $\frac{18 \times 22}{4}$ قیمت سالانہ سے، فی پرچہ ار، پتہ :- دفتر کلکتہ ویکلی نمبر ۳۰ کولوٹولہ اسٹریٹ، کلکتہ،

یہ ادبی صحیفہ ہے، جس میں مختصر تاریخی، ادبی، فلمی، اور کبھی مذہبی و اصلاحی مضامین چھپتے ہیں، اس کے مضمون نگاروں میں اکثر نوجوان صاحب قلم ہیں،

پیغام عمل، لائل پور (ہفتہ وار) اڈیٹر مولوی رشید اختر صاحب ندوی، ۱۲ صفحے، تقطیع $\frac{20 \times 26}{4}$ قیمت سالانہ للعہ، پتہ :- دفتر پیغام عمل، لائل پور، (پنجاب)

یہ ماہ جولائی ۳۵ء سے جاری ہوا ہے، کونسلوں کے آیندہ انتخاب کے لئے ووٹروں کے تیار کرنے کی خدمت انجام دے رہا ہے، زمینداروں کے حقوق کا محافظ ہے، اور ہر اشاعت میں تاریخی، ادبی، اور اخلاقی مضامین بھی چھپتے ہیں،

جوہر، بمبئی (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب فرخان صاحب شہاب، ۱۸ صفحے، تقطیع $\frac{20 \times 26}{4}$ قیمت سالانہ للعہ، فی پرچہ ار، پتہ :- دفتر جوہر بی۔ آئی ٹی، بلاک نمبر ۴ ۔ جےجے ہسپتال، بمبئی،

نے اپنی جو فضیلتیں دکھائی ہیں، اور اسکی ان جماعتوں کی طرف سے جو لایعنی تاویل کیجاتی ہے، اس کا جواب بھی مقدمہ میں دیدیا تھا،

گلدستۂ تعلیم اسلام، (پانچ حصے) مؤلفہ مولوی محمد عماد الدین انصاری فاضل دیوبند، ناشر کتب خانہ انصاریہ، بازار شیخان، جالندھر، حجم ۳۲، ۴۰، ۶۰، ۲۰، ۳۶ صفحات تقطیع چھوٹی، کاغذ لکھائی چھپائی، بچوں کے لئے مناسب،

یہ رسالہ پانچ الگ الگ حصوں میں مسلمان بچوں کی تعلیم کے لئے تیار کیا گیا ہے، انجمن حمایت اسلام لاہور کی طرف سے مسلمان بچوں کے نصاب کیلئے رسالوں کے دو مفید سلسلے "اردو کا قاعدہ" اور "اردو کی پہلی کتاب" اسی طرح اسکی پانچ کتابیں تھیں، پھر "دینیات کا پہلا رسالہ" اور "..... دوسرا رسالہ" کے ناموں سے ایک زمانہ میں رائج تھے، مصنف گلدستہ تعلیم اسلام نے اسکی تالیف میں انجمن کے ان دونوں سلسلۂ کتب کو سامنے رکھا، اور دونوں قسم کے معلومات زبان کے معیار کا لحاظ رکھکر ایک ایک ہی حصہ میں جمع کر دیا، "اردو کا قاعدہ" تو تقریباً حمایت اسلام کے قاعدہ کا مثنیٰ ہے، پھر ہر حصہ میں اسلام کے تاریخی حالات، اور مذہبی عقائد و مسائل و اخلاقی تعلیمات وغیرہ جمع کر دئے گئے ہیں، اسطرح یہ سلسلہ انجمن حمایت اسلام کے رسالوں سے بچوں کیلئے زیادہ مفید اور مختصر وقت میں مختلف نوعیت کے معلومات کے حاصل ہو جانیکے لحاظ سے زیادہ کارآمد ہے، پہلے رسالہ "اردو قاعدہ" کے بعد اسکے چاروں حصوں کی ترتیب اسی طرز پر ہے، امید ہو کہ یہ سلسلہ لوگوں میں زیادہ مقبول ہوگا،

معلم پشتو، ناشر مجلس تالیف پشتو، قندھار، (افغانستان) ۱۰۰ صفحے،

افغانستان کے اوس حصہ میں جس کا مرکز قندھار ہے، پشتو زبان کو ملکی و علمی زبان بنانے کی تحریک جاری ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے وہاں ایک علمی مجلس قائم کی گئی ہے، یہ رسالہ پشتو زبان کے قواعد صرف و نحو پر اسی مجلس کی طرف سے شائع کیا گیا ہے، رسالہ کی خصوصیت یہ ہے، کہ ملک کے مختلف ممتاز صاحب علم و اہل قلم نے نحو کے ایک ایک عنوان مثلاً اسم، فعل، حرف، کو الگ الگ لے لیا ہے، اور ہر ایک

ملتانی، حفیظ جالندھری اور اختر شیرانی وغیرہ ہیں،

سالنامہ سفیر سخن ۱۹۳۵ء ۔ (مصور) اڈیٹر جناب ابو الکیف سرحدی، ۳۱۲ صفحے، قیمت

عمر، پتہ:۔ مہتمم مجلہ سفیر سخن، پشاور، (صوبہ سرحد)

رسالہ سفیر سخن، صوبہ سرحد میں زبان اردو کی قابل قدر خدمت انجام دے رہا ہے، صوبہ سرحد میں زبان اردو کی ترویج، اور سرحدی نوجوانوں میں اردو مضمون نویسی اور انشا پردازی کا ذوق پیدا کرنا اس کا اولین مقصد ہے، ماہ جنوری ۱۹۳۵ء میں اس کا سالنامہ شائع ہوا ہے، جو مختلف علمی و ادبی مضامین اور دلچسپ افسانوں کا مجموعہ ہے، ہم جناب ابو الکیف صاحب سرحدی کو صوبہ سرحد سے اس کامیاب سالنامہ نکالنے پر مبارکباد دیتے ہیں، خدا انکی عمر دراز فرمائے،

عالمگیر کا سالانہ نمبر ۱۹۳۵ء (مصور) اڈیٹر جناب حافظ محمد عالم صاحب حجم، ۱۰۱ صفحے، قیمت

عہر، پتہ:۔ دفتر رسالہ عالمگیر، بازار سید مٹھا، لاہور،

رسالہ عالمگیر کا سالانہ نمبر ۱۹۳۵ء ماہ جون میں شائع ہوا ہے، اکثر مضامین ادبی اور بعض تاریخ ادب اردو پر ہیں، محترمہ خضر بانو صاحبہ کے مضمون میں مولنا غلام علی آزاد بلگرامی کے ایک اردو نثر کے رسالہ "بلی نامہ" کا ذکر تعجب سے دیکھا، وہ نولکشور پریس میں ۱۸۸۱ء میں ایک دوسرے رسالہ "چوہے نامہ" کے حاشیہ پر چھپا تھا، رسالہ مختصر ہے، موصوفہ نے اسے اپنے مضمون میں پورا نقل کر دیا ہے، مصنف نے آخری فقروں میں لکھا ہے کہ یہ رسالہ متقدمین کے طرز پر کلیلہ دمنہ وغیرہ کی طرح لکھا گیا ہے، اور اس قصہ کا نتیجہ یہ ہے کہ "اپنے دشمن کو دشمن جانئے اور جو آغاز کیجئے اس کے انجام کو سوچ لیجئے"، اسی طرح سعادت یارخان رنگین کی ایک مثنوی "ایجاد رنگین" کے مخطوطہ کا تعارف میر نذر علی درد کاکوروی نے کرادیا ہے، شاید یہ رنگین کی وہی مثنوی ہو جو "مثنوی دلپذیر" کے نام سے مشہور ہے، خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت نے، جو لکھنؤ کے پچھلے تہذیب و تمدن پر پُر معلومات مضامین لکھتے ہیں، اس نمبر میں لکھنؤ کے کشمیری خاندانوں کے حالات لکھے ہیں، اور انکی تہذیب کے بعض خاکے کھینچے ہیں،

ترجمہ اور طبعزاد افسانے اور مزاحیہ مضامین بھی خاصے اچھے ہیں، شعراء میں حضرت جلیل مانک پوری، حکیم الشعراء امجد حیدرآبادی، دل شاہجہاں پوری اور شفق عماد پوری وغیرہ کے کلام درج ہیں،

رسالہ نیرنگستان کا خاص نمبر (مصور) اڈیٹر جناب عشرت رحمانی ۱۰۵ صفحے قیمت ۸/

پتہ:- رسالہ نیرنگستان، دہلی،

رسالہ نیرنگستان، دہلی کا ادبی رسالہ ہے، اس کا خاص نمبر ماہ جنوری ۱۹۳۳ء میں نکلا تھا، مضامین سب کے سب ادبی ہیں، اور مدیر نیرنگستان کے سوال کے جواب میں مختلف شعراء وحشت کلکتوی، احسن مارہروی، کیفی دہلوی اور عشرت لکھنوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ "میں شعر کس طرح کہتا ہوں" رسالہ میں ڈاکٹر سر اقبال اور اکبر الہ آبادی کے چند غیر مطبوعہ خطوط بھی چھاپے گئے ہیں،

تذکرۂ جمیل (یعنی رسالہ پیشوا دہلی کا رسول نمبر) اڈیٹر مولوی سید عزیز حسن صاحب بقائی، مقام اشاعت جامع مسجد دہلی، ۱۴۴ صفحے، قیمت ۸/

رسالہ پیشوا کا رسول نمبر تذکرۂ جمیل کے نام سے ہر سال نکلتا ہے، اور مسرت ہوتی ہے کہ وہ ہر سال سیرت پاک پر مضامین کا قیمتی ذخیرہ فراہم کر لیتا ہے، گذشتہ ماہ ربیع الاول میں بھی اس نے تذکرۂ جمیل شائع کیا ہے، جس میں ممتاز مسلمان اکابر و علماء کے مضامین ہیں، مثلاً "زندہ نبی" (مولانا شاہ سلیمان صاحب مرحوم کا ایک ذوقی مضمون) اور "حضور سرور عالم اور بزرگانِ ہنود" جس میں ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے رسالت محمدی کی تصدیق دکھائی ہے، اسی طرح حصۂ نظم میں دلآویز نعتیہ قصیدے اور نظمیں ہیں، پچھلے نمبروں کی طرح اس میں بھی سیرت نبوی پر غیر مسلم اکابر کے مضامین اور پیغامات چھاپے گئے ہیں، ان میں گاندھی جی، ڈاکٹر بلیک ویل (امریکہ)، ڈاکٹر مارکس (جرمنی) وغیرہ کے شائع شدہ مضامین اور تقریریں ہیں، ان کے علاوہ مسٹر سیتومورتی ام اے وائس چانسلر اندھرا یونیورسٹی، مسٹر ایم اشیشن ادی۔ بی ڈائرکٹر انفارمیشن بیورو اور مسٹر شیام لال ام اے وغیرہ کے مضامین اور پیغامات جو پیشوا کو موصول ہوئے تھے، وہ شائع کئے گئے ہیں، رسالہ میں گنبد خضرا کا رنگین

مرقع اور مقامات مقدسہ کے مناظر اور عمارات کے تقریباً چالیس بلاک فوٹو چھاپے گئے ہیں، رسالہ کی قیمت ۸ر ہے مگر مشیر اکا سالانہ چندہ ۸مر ادا کرنے میں یہ رسالہ بھی نذر کیا جاتا ہے،

الامان سہ روزہ کا رسول نمبر اڈیٹر مولنا مظہر الدین صاحب، ۵۲ صفحے،

قیمت ۳ر پتہ:- دفتر الامان، زینت محل، دہلی،

اخبار سہ روزہ الامان کا رسول نمبر بھی ماہ ربیع الاول میں رسالہ کی شکل میں نکلا ہے، چند مضامین موضوع سے متعلق اور چند غیر متعلق ہیں، اس کے دفتر میں بھی ہندو مشاہیر سر ہری سنگھ گوڑ ایم اے ایل ایل ڈی، سیتہ مورتی ایم ایل اے، اور مسٹر نلنی رنجن سرکار بیرسٹرایٹ لا، سابق میئر کلکتہ کے پیغامات رسول نمبر کے متعلق آئے تھے، وہ شائع کئے گئے ہیں، جس میں ان لوگوں نے سیرت پاک پر جذبات و تاثرات لکھے ہیں، اسی طرح بعض اکابر کی شائع شدہ تحریریں بھی چھاپی گئی ہیں، افسوس ہے کہ ادارہ الامان کے قلم سے ان میں سے مسز اینی بسنت کے ایک مضمون کی سرخی جو سیرت نبوی پر ہے، ایسی نکل گئی ہے، جو نہ صرف غیر مہذب ہے بلکہ اس سے نادانستہ اہانت رسول کا پہلو بھی نکلتا ہے،

رسالہ ادبی دنیا کا ڈراما نمبر (مصور) اڈیٹر جناب منظور احمد صاحب حجم ۱۲۷ صفحے،

قیمت ۱۲ر پتہ:- دفتر ادبی دنیا، لاہور،

رسالہ ادبی دنیا کے جون اور جولائی کے پرچوں کا مجموعہ ڈراما نمبر کے نام سے نکلا ہے، اور سارے مضامین اسی سے متعلق ہیں، چند مضامین میں ڈراما پر علمی و تنقیدی اور تاریخی نظر ڈالی گئی ہے، مثلاً ڈراما کے ڈھائی ہزار سال میں یونان و ہند قدیم کے ڈراما کو روشناس کر کے اس عہد کے بعض ڈراموں کے اقتباسات نمونہ کے طور پر درج کئے ہیں، پھر یورپ میں فن تمثیل کی نشاۃ ثانیہ دکھا کر مختلف ملکوں کے ممتاز ڈراما نویسوں کے ڈراموں پر مختصر تبصرہ کیا گیا ہے، پھر مختلف زبانوں اور قوموں کے چند اچھے ڈراموں کا ترجمہ درج کیا گیا ہے، طبعزاد ڈراموں میں آغا حشر کاشمیری، اور نسیم رضوانی ایم اے، وغیرہ کے ڈرامے دلچسپ ہیں،

ندیم کا بہار نمبر ۱۹۳۵ء، اڈیٹر جناب انجم، حجم ۳۵۰ صفحے، کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت عہ، پتہ:- دفتر ندیم، پنچایتی اکھاڑا، گیا۔

گیا کا رسالہ ندیم صوبہ بہار میں ادبی زندگی پیدا کرنے کیلئے "بہار نمبر" کے نام سے اپنا سالنامہ نکالتا ہے، جسکے سارے مضامین بہاری ادیبوں اور شاعروں کے عموماً بہار ہی سے متعلق ہوتے ہیں، ۳۵ء کا بہار نمبر ماہ ستمبر میں شایع ہوا ہے، یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ وہ صوبہ کے قابل قدر اہل قلم کو اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے، رسالہ کا افتتاح حضرۃ الاستاذ مولٰنا سید سلیمان ندوی کے مقالہ "نوجوانانِ بہار اور خدمت ادب" سے کیا گیا ہے، جس میں صوبہ کے پچھلے دور میں ہندوستانی زبان کے زوال وعروج کے اسباب دکھاکر زبان کو ترقی دینے کیلئے چند قیمتی مشورے اور نوجوانوں کو خدمت ادب کے چند نکتے سمجھائے ہیں، جناب سید وصی احمد صاحب بلگرامی (مولداً) شاہ آبادی (موطناً) ڈپٹی کلکٹر کا ایک اچھوتے انداز کا مضمون "س ش ص" کے نئے عنوان سے ہے، جس میں سید سلطان مرزا (س)، شاد عظیم آبادی (ش) اور صفیر بلگرامی (ص) کی کتاب زندگی کے بعض ابواب دلچسپ طرز ادا، پاکیزہ اور شاعرانہ زبان، اور لطیف انداز بیان میں روشنی میں لائے گئے ہیں، موصوف صفیر بلگرامی صاحب جلوۂ خضر کے پوتے ہیں، اس میں انھوں نے صفیر وشاد کی استاذی وشاگردی کی پرانی بحث بھی نئے مواد اور معلومات سے تازہ کی ہے، اور جو کام موصوف کے بوڑھے دادا کے ہاتھوں انجام نہ پاسکا اسے لائق پوتے نے شاد سے "استاذ من بود" لکھا کر پورا کردیا، لیکن افسوس ہے کہ اس مضمون میں شاد مرحوم کے مردہ جسم میں کہیں کہیں چھپ چھپ کر نشتر بھی چبھوئے گئے ہیں، حالانکہ اب وہ اس کے مستحق نہ تھے، یہ مقالہ دلچسپ، پُرمعلومات اور عظیم آباد کی پچھلی علمی و ادبی چہل پہل کا بھی آئینہ دار ہے، اسی طرح ایک دوسرے مضمون میں سید غلام حسین مصنف "سیر المتاخرین" کے سوانح خود اس کی کتاب سے مرتب کئے گئے ہیں، اور سیر المتاخرین پر نقد کرکے تاریخ میں اس کا پایہ دکھایا گیا ہے، اسی طرح دوسرے پُرمعلومات مضامین ہیں، مثلاً پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب ندوی نے ایک تیموری شاعر شاہزادہ کے بہار میں قیام کرنے کے حالات اس کے دیوان سے "ایک مغل شاہزادہ بہار میں" کے عنوان سے لکھے ہیں، جو مشہور بہاری ادیب و شاعر شوق نیموی کا شاگرد تھا، مولانا ابو ظفر ندوی نے "شتاب رائے گورنر بہار" کے اور مولانا حاجی معین الدین ندوی نے "خدا بخش خان بانی کتب خانہ" کے

سوانح اور کارنامے لکھے ہیں، مولانا مناظر احسن گیلانی نے "ہماری قدیم قومی و وطنی تہذیب" میں ہند قدیم کے رسم پردہ اور بعض دینی عقائد پیش کرکے دکھایا ہے کہ پردہ کا رواج ہندوستان میں مسلمانوں کے ہاتھوں نہیں ہوا، پھر "اردو نثر میں بہار کا حصہ" "منیر و بہار میں مسلمانوں کی پہلی آمد" "بہار کے معدنی وسائل" "بہار کی صحافت" "بہار کی شاعرات" وغیرہ مضامین ہیں، افسانوں میں جناب شکیل مظہری کا فسانہ "فرض کی قربانگاہ پر" پڑھنے کے لائق ہے، جس میں مراسم ازدواج کے متعلق مشرق و مغرب کے طریقوں کا فرق دکھا کر مشرق کی اخلاقی برتری دکھائی ہے، اسی طرح جناب سید ابن الحسن ذکر ایم اے کا فسانہ "چینی آئینہ" بھی خاصہ ہے، مزاحیہ مضامین میں "اپ ٹوڈیٹ شاعری" اور "ادب لطیف کے نادر نمونے" نوجوان شاعروں اور ادیبوں کے لئے خاص طور پر پڑھنے کے لائق ہیں، حصۂ نظم میں صوبہ کے خوشگو شعراء جناب فضل حق آزاد، عرش گیاوی، شفق عمادی، ڈاکٹر عظیم، نجم گیلانی، رسا ہمدانی، رضی، بیدل، عرفان، مبارک عظیم آبادی، اصغر مجیبی، یاس بہاری، اور نسیم و نجم ندوی وغیرہ کی نظمیں اور غزلیں ہیں،

سالنامہ میں صوبہ کے مشہور ادیبوں اور شاعروں کی تصویریں، اور بہار کے آرٹسٹوں کے "شاہکار" بڑی تعداد میں چھاپے گئے ہیں، رسالہ کے سرورق سے بھی بہاری آرٹسٹ کا حسن ذوق نمایاں ہے، رسالہ ندیم صوبہ بہار کے ادبی جمود کے توڑنے میں کامیاب ہوکر تیز رفتاری سے ترقی کی طرف گامزن ہے، خدا اس کی ہمت اور مساعی میں برکت دے، یہ نمبر للعہ سالانہ قیمت ادا کرنے والوں کو مفت دیا جائیگا،

جوہر نسوان کا سالگرہ نمبر از جناب علامہ راشد الخیری مرحوم؟ آمنہ نازلی، خدیجہ بانو، حجم ۹۰ صفحے، قیمت مدر، خریدہ سالانہ عہ، پتہ: دفتر عصمت، دہلی،

دہلی کا رسالہ عصمت، ہندوستانی زبان میں عورتوں کا بہترین رسالہ ہے، جو چوتھائی صدی سے مفید خدمات انجام دے رہا ہے، چند ماہ سے اسکے دفتر سے "جوہر نسواں" کے نام سے ایک علیحدہ ماہنامہ شایع ہوتا ہے جسمیں عورتوں کی دستکاری پر کارآمد مضامین اور نمونے چھاپے جاتے ہیں، ماہ ستمبر میں اس کا سالگرہ نمبر شایع ہوا ہے جو گویا "آرٹ کشی نمبر" ہے، اس میں سارے مضامین ٹانکا نکال کر پھول پتیاں اور جالیاں بنانے پر ہیں، اور اس کے بہت سے نمونے چھاپے گئے ہیں، یہ عورتوں کا کارآمد رسالہ ہے، اور اس لائق ہے کہ ہر پڑھے لکھے گھر میں اس سے فائدہ اٹھا کر لڑکیوں کو ہنر سکھائے جائیں،

عربک کالج میگزین کا سالانہ نمبر (مصور) مدیر جناب صادق الخیری، حجم ۱۴۲ صفحے، پتہ :- عربک کالج، دہلی،

دہلی کے مشہور عربک کالج سے طلبہ کا ایک ماہنامہ نکلتا ہے، اس کا سالنامہ ماہ مارچ ۳۵ء میں نکلا ہے، رسالہ انگریزی اور اردو دونوں میں نکلتا ہے، اور اس سالنامہ میں بھی دونوں زبانوں میں خاصے ادبی مضامین اور کالج کے کوائف درج ہیں،

رسالہ فطرت کے خیال نمبر و سلور جوبلی نمبر (مصور) اڈیٹر جناب مبارشیدی بی اے، پتہ :- دفتر فطرت، راجگیر، پٹنہ،

رسالہ فطرت کے دو خاص نمبر دو مہینوں کے پرچوں میں چند چند صفحے بڑھا کر نکالے گئے ہیں، اس کا خیال نمبر اردو کے مشہور خدمتگذار ادیب نواب نصیر حسین خانصاحب خیال (جنھیں دورِ حاضر کا شمس العلماء محمد حسین آزاد کہا جاتا ہے) کی یادگار میں نکلا ہے، اور اس ادبی رسالہ کا دوسرا خاص نمبر "سلور جوبلی نمبر" کے عنوان سے نکلا ہے، جس میں ملک معظم کی شان میں قصیدہ خوانی کی گئی ہے،

سالنامہ مساوات، نگراں جناب سردار محمد اسلام خانصاحب، ۱۴۶ صفحے، قیمت ۱۱ر، پتہ :- دفتر مساوات، پھلواری شریف، ضلع پٹنہ،

رسالہ مساوات مسلمانوں کے نسبی تفاخر کے خلاف آواز اٹھا کر ان میں یکجہتی اور مساوات پیدا کرنے کا آرزومند ہے، اس کا سالنامہ ماہ جنوری ۳۵ء میں پہلی مرتبہ نکلا ہے، جس میں مختلف معیار کے تاریخی و اصلاحی مضامین ہیں، مثلاً انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا تجارتی مشن پٹنہ میں، ایک پر معلومات مضمون ہے، سوشلزم کا مختصر تعارف جناب سید نجم الہدیٰ صاحب بی اے، گیلانی نے کرایا ہے، ان کے علاوہ اکثر مضامین رسالہ کے مقصد اجراء سے متعلق مساوات اور رواداری وغیرہ عنوانوں سے ہیں، مثلاً مولوی قاری سید شاہ جعفر میاں صاحب نے ایک مضمون میں مساوات پر ایک نظر ڈالی ہے، جس میں اگرچہ بعض امور محلِ نظر اور ان کے دق

وجدان سے تعلق رکھتے ہیں، تاہم یہ ایک قابل قدر مضمون ہے، ایک دوسرے مضمون میں عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے زمانہ کی رواداری و مساوات کے عفو و واقعات دلنشین پیرایہ میں لکھے گئے ہیں، اسی طرح اکثر مضامین دلچسپ و سبق آموز اور پڑھنے کے لائق ہیں، تاہم ان گلوں میں گیاہ بھی ہے، پروفیسر حافظ شمس الدین ایم اے نے "تخریب و تعمیر" کے عنوان سے اپنی قوم کو بیداری کا وعظ سنایا ہے، لیکن افسوس ہے کہ وہ جوش تقریر میں حد سے گذر گئے ہیں، یوں تو پورا مضمون گہری عصبیت میں ڈوب کر لکھا گیا ہے، لیکن انکے یہ آخری فقرے خصوصیت سے حد درجہ غیر متین ہیں کہ "پس اے قوم! اٹھ اور ان جاہل، جھوٹے، مکار، دغاباز، سرداروں کی اطاعت کا جوا اپنے کندھے سے اتار کر پھینکدے، ان شیطان صفت انسانوں کی حکومت سے اپنے کو آزاد کر، ان خود غرض مطلبی، بددیانت، رہنماؤں کو اپنے اندر سے نکال دے، ان کی قائم کی ہوئی جماعت کو توڑ دے، ان کی قومیت کی اینٹ سے اینٹ بجا . . . اور اس پرانی بوسیدہ عمارت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکدے جو اب کسی طرح قابل مرمت نہیں . . . . جب یہ تخریب مکمل ہو جائے گی . . . تو . . . . دین و تقویٰ کے مسالے سے قومیت کی نئی دیواریں بنا"

اگر کسی عامی کی یہ تحریر ہوتی تو لائق توجہ نہ تھی، پروفیسر موصوف کا منصب اس سے بلند ہے کہ وہ جماعتی و قبائلی تعصبات و جذبات سے خود متأثر ہوں، اور دوسروں کو ابھاریں، اور ایسی غیر ذمہ دارانہ تحریریں ان کے قلم سے نکلیں، رسالہ میں آل انڈیا مومن کانفرنس گیا کے مختلف مناظر کی تصویریں بھی شائع ہوئی ہیں۔

رہبر نسواں کا سالگرہ نمبر اڈیٹر جناب فاروقی بیگم صاحبہ، ۹۲ صفحے، پتہ:-

دفتر رہبر نسواں، کوچہ چیلان، دہلی،

رہبر نسواں کے مئی و جون کے پرچوں کا مجموعہ سالگرہ نمبر کے نام سے شائع ہوا ہے، "شذرات" کے صفحے زنانہ رسالوں کی صحافتی جنگ کی نذر کئے گئے ہیں، یہ جنگ زنانہ رسالوں کے لئے مردوں کے درمیان ہے، سالگرہ نمبر کے مضامین علمی، تاریخی، ادبی اور نسوانی ہر صنف کے ہیں . . . . [illegible]

جناب قاضی محمد اکرام صاحب سلیم پوری نے مولنا عنایت رسول صاحب عباسی مرحوم چریا کوٹی کی مشہور کتاب البشریٰ کے قلمی مسودہ سے اخذ کرکے "بنائے کعبہ" پر ایک تاریخی نظر ڈالی ہے، جناب شوکت جہاں صاحبہ بھوپال نے "ہندوستان کی پہلی مسلمان تاجدار رضیہ خاتون کے حالات لکھے ہیں، پھر اسی قسم کے تاریخی مضامین "مسلمان بادشاہ کی ہندو بہن" "ٹھگوں کی بھولی ہوئی کہانی" "ملکہ چاند بی بی" وغیرہ ہیں، اسی طرح ایک مضمون میں "خواتین حیدرآباد کی معاشرت" کے موجودہ حالات بیان کئے گئے ہیں، حصۂ نظم میں ایک ہندو دیوی جناب روپ کماری متعلم درجہ منشی فاضل کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں والہانہ منقبت شائع ہوئی ہے، رسالہ میں عورتوں کی خاص دلچسپی کے مضامین حفظانِ صحت، الوانِ نعمت، اور کشیدہ کاری وغیرہ بھی ہیں، مجموعی حیثیت سے یہ رسالہ اچھی تعلیم یافتہ خواتین کے پڑھنے کے لائق ہے،

سالنامۂ کابل: ناشر انجمن ادبی، حجم زائد از ۵۰۰ صفحات، دفتر رسالہ کابل، کابل (افغانستان)

رسالہ کابل کا سالنامہ بڑے اہتمام سے ہر سال نکلتا ہے، چنانچہ افغانستان میں رائج ۱۳۱۴ھ کے مطابق اس کا تیسرا سالنامہ ماہ ستمبر ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا ہے، اور یہ بھی اپنے پچھلے سالناموں کے خصوصیات کا حامل ہے، اس سالنامہ کا افتتاح بھی افغانستان کی حکومت کی سالانہ ترقیوں کو دکھانے والے مضامین سے کیا گیا ہے، پھر افغانستان کی زبانوں پر ایک مفصل مضمون ہے، جس میں علم الالسنہ پر گفتگو کرکے وہاں کے مختلف صوبوں کی مختلف زبانوں اور انکے باہمی تعلق اور فرق کو دکھایا ہے، اور ان کے لغات و قواعد کا مختصر خاکہ پیش کیا ہے، پھر افغانستان کے اقتصادی جغرافیہ پر ایک پر معلومات مضمون ہے، پھر افغانستان کی صنعت، حرفت و تجارت پر مضامین ہیں، اس کے بعد ۳۵-۱۹۳۴ء میں دنیا کی سیاسی اور سائنٹفک ترقیاں دکھائی گئی ہیں، اور مختلف علوم کی تاریخ اور مختلف ایجادوں اور اکتشافوں کا حال بیان کیا ہے، آخر میں یورپ کی ایک مختصر تاریخ درج ہے، پھر اس سالنامہ میں بھی افغانستان کے سینکڑوں عہدہ داروں اور قدیم و جدید عمارتوں کی تصویریں عمدہ چکنے کاغذ پر چھاپی گئی ہیں، نیز مختلف خوشخط وصلیوں، مختلف مدارس کے اساتذہ و طلبہ کے گروپ اور یورپ کے مختلف ملکوں کے اکابر موجد او صناعوں کی تصویریں ہیں، اور افغانستان کے نقشے مختلف

جغرافی حیثیتوں سے شائع کئے گئے ہیں،

انجمن ادبی ان سالناموں کے ذریعہ افغانستان کے متعلق غیر معمولی ذخیرۂ معلومات ہر سال فراہم کرتی ہے جس کے لئے وہ شکریہ کی مستحق ہے،

نیرنگ خیال کا مشرق نمبر

(مصور) اڈیٹر جناب حکیم محمد یوسف حسن صاحب، صفحہ ۱۷۶ قیمت:۔ ۱۲؍ پتہ:۔ دفتر نیرنگ خیال، شاہی محلہ لاہور،

رسالہ نیرنگ خیال کے جون اور جولائی کا مشترک پرچہ مشرق نمبر کے نام سے شائع ہوا ہے، جس کے تقریبًا تمام مضامین سرزمین مشرق سے متعلق ہیں، بعض مضامین پر معلومات اور خاصے دلچسپ ہیں، مثلًا "مشرق کے تاجدار" (جناب خواجہ حسن نظامی صاحب) "مشرق کی الہامی کتابیں (جناب سالک رام ایم اے) "طب مشرق پر ایک تاریخی نظر" (جناب کیپٹن نصیر الدین احمد صاحب) "مشرق اور ڈراما" "نینوا" اور "مشرق بعید کا صنعتی ارتقا" وغیرہ،

ہمایوں کا فرانسیسی ادب نمبر

ادارہ جناب بشیر احمد بی اے (اکسن) وحامد علی خان صاحب بی اے، حجم ۲۱۲ صفحے، قیمت ۱۰؍ پتہ:۔ دفتر ہمایوں نمبر ۲۳، لارنس روڈ، لاہور

لاہور کے سنجیدہ ادبی رسالہ ہمایوں کے ماہ ستمبر کا پرچہ فرانسیسی ادب نمبر کے نام سے شائع ہوا ہے، جس میں تمام مضامین فرانسیسی ادب سے متعلق ہیں، جنہیں اس کی سرسری تاریخ، اس کے مختلف مشہور شعراء اور انشا پردازوں کے سوانح اور ان کے ادبی خدمات دکھائے گئے ہیں، پھر مختلف شعراء اور افسانہ نگاروں کے کلام اور افسانوں کے ترجمے شائع کئے گئے ہیں، اور ان مشاہیر کی تصویریں بھی چھاپی گئی ہیں اس سے پہلے اس رسالہ کا "روسی ادب نمبر" بھی اسی طرز پر نکل چکا ہے، رسائل کے خاص نمبر اگر اسی قسم کے موضوعوں پر اسی طرز سے شائع ہوں تو ہندوستانی زبان کی مفید خدمت انجام پائے،

"ض"

مطبوعاتِ جدیدہ

منتخب افسانے، از مولنا عبدالرزاق ملیح آبادی، حجم ۴۰۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عہ،

پتہ:- ہند بک ایجنسی نمبر ۲۱۰ اے چترنجن ایونیو، کلکتہ،

یہ مولنا عبدالرزاق ملیح آبادی کے لکھے ہوئے منتخب افسانوں کا مجموعہ ہے، جس میں مختلف ملکوں کے افسانہ نگاروں کے ۲۴ افسانے درج ہیں، انھوں نے اپنے دیباچہ میں افسانوں کے ترجمہ کا یہ معقول طریقہ لکھا ہے، کہ وہ پہلے افسانہ نگاری کی اسپرٹ سمجھتے ہیں، پھر اسے اردو کے قالب میں ڈھال دیتے ہیں، اس طرح افسانوں کی روح کھنچکر اردو میں منتقل ہو جاتی ہے، اس مجموعہ کے افسانے اسی طرز پر لکھے گئے ہیں، جو تقریبًا سب نتیجہ خیز اور پڑھنے کے لائق ہیں، مترجم نے اپنے دیباچہ میں ایک دوسری بحث بھی چھیڑی ہے کہ اردو زبان ابھی درمیانی دور میں ہے، جسے ترجمہ کا دور کہا جاتا ہے، تعجب ہے کہ موصوف نے یہ حقیقت فراموش کر دی کہ کسی قوم کے ادب کی بنیاد اسی قوم کے افراد کے افکار سے ہو سکتی ہے، غیر ملکی ادبیات اردو زبان کی ترقی میں معاون ہو سکتے ہیں، مگر انہیں مدار نہیں بنایا جا سکتا، بلاشبہ ہر زبان کے کلاسیکل لٹریچر کا ترجمہ ہونا ضروری ہے، لیکن غیر زبان ہی کے رطب و یابس کے سہارے پر اپنی زبان کی زندگی قائم رکھنی دشوار ہے، ہماری مذہبی، قومی، ملکی، تمدنی اور اخلاقی ضرورتیں خود اپنی کتابیں لکھ کر پوری ہو سکتی ہیں،

الکاویہ علی الغاویہ، (حصہ دوم) از مولوی محمد عالم صاحب آسی، حجم ۶۰۰ صفحے، قیمت:- عہ،

پتہ:- حاجی محمد اسحق صاحب تاجر کتب، ہال بازار امرتسر،

یہ ضخیم کتاب دو حصوں میں تیرہویں، چودہویں صدی کے متنبیوں کے دعاوی و مذاہب کی تردید میں محض معمولی قیمت رکھکر شائع کی گئی ہے، اس کتاب کے پہلے حصہ کا تعارف گذشتہ سال ان صفحات میں کرایا گیا تھا،

اس حصہ میں بہائی اور قادیانی ادیان، اور ان دونوں کے متبعین میں جو جو مدعیان نبوت پیدا ہوئے، ان کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور ان کے دعاوی کی پر زور تردید مستحکم دلائل سے کی گئی ہے،

صلائے عل، از جناب میر ولایت علی صاحب، مکان نمبر ۳۲۱، اعظم پورہ، حیدرآباد، دکن، حجم ۳۲ صفحے، قیمت:- ۲ر

اس رسالہ میں مصنف نے اخلاص کے ساتھ ایمان، اسلام، توحید، کفر، اور نفاق وغیرہ کے مطالب سمجھا کر مسلمانوں کو باہمی اتحاد کی دعوت دی ہے،

اسلام اور گداگری، از جناب عبدالحمید خاں صاحب بوہیرے، مظفری کتبخانہ بھنڈی بازار، گلاب بلڈنگ بمبئی نمبر ۹، ۳۲ صفحے، قیمت:- ۲ر

یہ گجراتی زبان کے ایک رسالہ کا اردو ترجمہ ہے جس میں دکھایا ہے کہ موجودہ زمانہ میں جس قسم کی گداگری رائج ہے، اسلام میں اس کی اجازت نہیں، پھر اسلامی تعلیمات کے رو سے مستحق و غیر مستحق گداگروں کا فرق بتا کر مسلمانوں سے استدعا کی گئی ہے، کہ مسلمانوں کی عام اخلاقی حالت سدھارنے کیلئے گداگر پیشہ لوگوں پر پابندی عائد کریں،

میرا پہلا سفر حج، از جناب مرزا عبدالحلیم بیگ صاحب، کوٹلہ عالیجاہ، حیدرآباد، دکن، ۴۰ صفحے۔

یہ مصنف کے سفر حج کا مختصر سفر نامہ ہے، جس میں روداد سفر کے علاوہ سفر حج کے تجربوں کی بنا پر دوسرے حج کرنے والوں کو مفید مشورے بھی دیئے گئے ہیں،

رسول جہاں، رفیق حج، رفیق نکاح، از مولوی محمد ظفر صاحب ایم اے، ناظم انجمن رفیق الاسلام گوز گانوہ، حجم ۱۵۰، ۱۱۲، ۱۲۰، صفحے، تقطیع چھوٹی،

انجمن رفیق الاسلام افادۂ عام کے لئے چھوٹے چھوٹے مفید رسالے چھاپ کر مفت تقسیم کرتی ہے، یہ تینوں رسالے آگے پیچھے اس نے شائع کئے ہیں، "رسول جہاں" میں سیرۃ نبوی کا مختصر بیان ہے، اور مؤخر الذکر دونوں رسالوں میں حج اور نکاح کے عام مسائل و مصالح مکالمہ کی صورت میں بیان کئے گئے ہیں، ڈاک کے محصول کیلئے ٹکٹ بھیجکر تینوں رسالے طلب کریں

ایمان اکبر از مولوی حکیم سید علی اکبر صاحب دولت پوری، ناشر منشی عبدالرزاق خانصاحب نظامی، ایجنٹ اخبارات، پوسٹ بکس نمبر ۳۳، مکان نمبر ۲۷، بازار اسٹریٹ، حجم ۱۶ صفحے، قیمت ۲ ر

اس رسالہ میں اسلام کے عقائد مختصرًا بیان کئے گئے ہیں،

انساب وقبائل کا باہمی امتیاز وتفاضل، از مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، (سہارنپوری) ۳۶ صفحے، قیمت ۳ ر

اس رسالہ میں آیت مساوات کی تفسیر کرکے دکھایا ہے کہ انساب وقبائل کا باہمی امتیاز وتفاضل صحیح ہے، لیکن اس پر فخر وغرور نا روا ہے، اس سلسلہ میں مسئلہ مساوات اسلامی اور امتیاز انساب کا باہمی تعلق اور ان کا فرق سمجھایا ہے،

ہجوم غم، از جناب حجاب، حجم ۴۰ صفحے، قیمت ۳ ر، پتہ: منیجر صاحب برق، جونپور،

یہ محترمہ حجاب بنت سید حسن صاحب حسن بلگرامی منشی حیدرآباد دکن، کے لکھے ہوئے چند مراثی کا مجموعہ ہے،

الحواشی العثمانیہ علی شرح الرحبیہ (عربی) از مولانا محمد عبدالعزیز صاحب عسکر، بنگلور حجم ۶۰ صفحے قیمت

شرح رحبیہ محمد بن محمد سبط ماردینی علم فرائض کی متداول کتاب ہے، مولانا محمد عبدالعزیز بنگلوری نے الحواشی العثمانیہ کے نام سے اس پر تعلیقات لکھے ہیں، جو گویا شرح رحبیہ کی شرح ہے، عربی خوان طلبہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں،

قاعدہ عربی جدیدہ، از مولوی محمد نعیم صاحب، ناشر منیجر کتب خانہ سلسلہ تعلیم القرآن، لودھیانہ پنجاب، ۳۲ صفحے، قیمت: ۱ ر

یہ قرآن مجید پڑھانے کے لئے نئے طرز کا عربی قاعدہ ہے، ہر سبق کے ساتھ معلم کے لئے ہدایات درج ہیں،

تعلیمی تفریح، از جناب مرزا سرفراز علی صاحب متعلم بی اے، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، دکن، ۴۰ صفحے،

یونیورسٹیوں کے طلبہ تعلیمی تجربے حاصل کرنے کیلئے مختلف مقامات پر جماعت بنا کر بھیجے جاتے ہیں، چنانچہ اسی سلسلہ میں جامعہ عثمانیہ کے طلبہ کی ایک جماعت دسمبر ۱۹۳۷ئ میں شمالی ہند کی سیر کیلئے بھیجی گئی تھی، اس رسالہ میں اسی سفر کے حالات اور لاہور سے کلکتہ تک کے مختلف بڑے شہروں کے تاریخی مناظر اور تاثرات قلمبند کئے گئے ہیں، رسالہ کا مطالعہ طلبہ کے لئے دلچسپ اور سبق آموز ہوگا،

" "

جلد ۳۶ | ماہ شعبان المعظم ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۳۵ء | عدد ۵

مضامین

اطلاع

افسوس کہ تقریباً دو ہفتوں سے مولانا سید سلیمان ندوی
بستر علالت پر ہیں، جس کی وجہ سے یہ پرچہ شذرات کے مضمون کے
بغیر شائع کیا جا رہا ہے، ناظرین صحت کے لیے دعا فرمائیں،

منیجر

مقالات

سسلی مین مسلمانون کا تمدّن

از سید ریاست علی، ندوی،

(۳)

علوم و فنون،

صقلیہ کے اسلامی تمدن مین اُسکے علوم و فنون کا بیان سب سے اہم ہے، کہ اس سرزمین سے بڑے بڑے ائمۂ فن، محدثین، فقہا، متکلمین، صوفیہ اور ارباب ادب پیدا ہوئے، جنمین سے کچھ سسلی سے اسلامی سلطنت کے خاتمہ پر ہجرت کر گئے، لیکن بہتون نے عہد اسلامی مین اور اسکے بعد بھی اسی سرزمین کو اپنی آخری خوابگاہ بنایا، مگر آج وہان کسی مسلمان کی قبر کا نشان تک باقی نہین،

صقلیہ میں مسلمانوں کے داخلہ کے وقت تک اسلامی علوم و فنون میں سے علوم قرآن، حدیث، فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث، کلام و مناظرہ، مغازی، تاریخ، رجال، صرف، نحو، ادب، لغت اور طب کی مدوین ہو چکی تھی، مسلمان انہی علوم کو لیکر یہاں پہنچے، اور انہی کی نشر و اشاعت کی، اور انہی کو فروغ حاصل ہوا، پھر کچھ دنوں کے بعد جب علوم عقلیہ کا عام رواج ہوا، تو مسلمانانِ صقلیہ نے بھی ان علوم کی جانب نگاہ اٹھائی لیکن ابھی محو نظارہ ہی تھے، کہ اسلامی سلطنتِ صقلیہ کی شمعِ حیات گل ہوگئی، یہی وجہ ہے کہ عہد اسلامی کے صقلیہ کے علوم و فنون میں انہی اول الذکر اسلامی علوم کو حقیقی عظمت حاصل ہے، تاہم علوم عقلیہ کا صفحہ بھی سادہ نہیں،

صقلیہ مین علمی ترقی کے اسباب صقلیہ کی سیاسی تاریخ پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ یہاں کی سیاسی فضا، اوائل ہی سے نہایت مکدر اور پر ہیجان رہی جسمیں علوم و فنون کی داغ بیل ڈالکر اس کو نشو و نما دینا، اس وقت ناممکن ہوتا اگر اتفاقاً آغاز ہی سے اس کے سامان بھی مہیا نہ ہوگئے ہوتے،

یہ عجیب اتفاق ہے، کہ مسلمانوں کا سب سے پہلا قافلہ جو سکونت پذیر ہونے کے لئے یہاں آیا، وہ ایک ایسی شخصیت کی سالاری میں آیا، جو خود سرچشمۂ علوم و معارف تھا، جب وہ افریقہ سے صقلیہ روانہ ہونے لگا، تو اس کی ذاتی کشش اور اس کے علمی رشتۂ مودت سے افریقہ کے اکابر اہل علم اس کے ہمرکاب ہو گئے، صاحب ریاض النفوس کا بیان ہے:-

"ہمارے مشائخ کہتے ہیں، کہ جب اسد فوج لیکر سوسہ روانہ ہوئے کہ صقلیہ کے جہاز پر سوار ہوں، تو اُن کے ساتھ اہل علم کی ایک جماعت روانہ ہو گئی"

یہانتک کہ شیخ عبدالرحیم المستجاب رحمن کے متعلق امام سحنون صاحب المدونۃ الکبریٰ کی رائے ہے، کہ "میں نے ابن قاسم، اشہب، ابن وہب، علی بن زیاد، بہلول بن راشد، اور ابن اشرس (جیسے اکابر ملت) کو دیکھا، مگر عبدالرحیم کے مثل کسی کو نہ پایا" وہ بھی اپنے گوشۂ عافیت سے نکل پڑے، اور صقلیہ روانہ ہونے پر آمادہ ہوئے، مگر امام سحنون نے افریقہ کے قیام کی ترجیح بعض دوسری ضرورتوں کو پیش کر کے ثابت کی، اور یہ سفر ملتوی کیا گیا[1]

(۲) صقلیہ میں علمی ترقی کا **دوسرا سبب** یہاں کی اسلامی حکومت کا یہاں کے اہل علم کو فوجی خدمت سے مستثنیٰ کر دینا ہے، ابن حوقل لکھتا ہے:-

"دارالحکومت کے باشندوں میں اساتذہ کی تعداد زیادہ ہے، چنانچہ صرف بلرم میں ۳۰۰ اساتذہ ہیں، میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ اساتذہ دشمن کے حملہ کے موقع پر جہاد میں شرکت کرنے پر مکلف نہیں ہیں[2]"

[1] ریاض النفوس ورامادی ص ۵۰۱ [2] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۷۶، لیکن جو اہل علم جہاد کی شرکت کرنا چاہتے کر سکتے تھے، چنانچہ بعض اہل علم کے سوانح میں نظر آتا ہے کہ وہ خدمت علم میں بھی مصروف تھے، اور خدمت جہاد کا شرف بھی حاصل کرتے تھے (دیباج المذہب ابن فرحون ص ۲۷۴) اس طرح ۲۹۵ھ کے حوادث میں ابن اثیر نے علماء و صالحین کے جنگ میں شریک ہونے کی تصریح کی ہے، (ابن اثیر ج ۸ ص ۹۰)

(۳) **تیسرا سبب** یہاں کے ارباب حکومت کا خود اہل علم و صاحب ذوق ہونا تھا، یہ لوگ صرف شعر و شاعری ہی سے دلچسپی نہ رکھتے تھے، جو بالعموم ارباب دولت کا تفریحی مشغلہ ہوتا ہے، بلکہ بعض مختلف علوم حدیث و فقہ میں صاحب کمال گذرے ہیں، اور دولت فاطمیہ و کلبیہ کے دور میں تو عام امراء و عہدہ داران حکومت اہل علم ارباب حکومت میں تھے، جنکا تذکرہ طبقات میں ارباب علم و ادب کی حیثیت سے ملتا ہے[۱]، صقلیہ کی علمی ترقیوں میں ان ولاۃ، امراء اور عہدہ داروں کا نمایاں حصہ رہا، خود صاحب کمال تھے، علماء و شعراء کے قدردان ہوتے، سرپرستی کرتے، اور دور دور کے ارباب کمال کھنچ کھنچکر صقلیہ پہنچے[۲]،

(۴) **چوتھا سبب** اس کی جغرافیائی وقوع ہے، اس زمانہ میں اندلس، افریقہ، مصر و شام اسلامی علوم و فنون کے مرکز تھے، جو ارباب علم شام و مصر سے اندلس یا اندلس سے شام و مصر کے سفر میں ادھر سے گذرتے، یہاں بھی ہو لیتے، چنانچہ ایسے اہل علم کے نام معلوم ہیں، جنھوں نے یہاں اثنائے راہ میں مہینوں اور کبھی سالوں قیام کرکے جزیرہ کو اپنے علم و فضل سے خیر و برکت کا سرچشمہ بنایا، (مثلاً ابو حفص عمرو بن حسن النحوی البرنی [?]

(۵) **پانچواں سبب**، رفتہ رفتہ اس کا وقار علمی حاصل کر لینا ہے، لوگ یہاں کے اہل علم سے استفادہ کے لئے دور دور سے آتے، مثلاً ایک صقلی اہل علم طاہر بن محمد بن رقبانی کے حالات میں قفطی کا بیان ہے:-

"یہ صقلیہ کے باشندے تھے، اور یہیں اقامت گزین تھے، ان کے عہد میں عربی علم و ادب کے نثر و نظم میں اُن سے بڑھکر کوئی دوسرا عالم موجود نہ تھا، ہر مقام سے آکر اہل علم نے ان کی طرف رجوع کیا، اور ان کو بحر زخار پایا[۳]"،

(۶) **چھٹا سبب** یہ تھا، کہ اگر افریقہ میں کسی صاحب فضل کی پذیرائی باقی نہ رہتی، یا پذیرائی کے مواقع جاتے رہتے، تو وہ صقلیہ کی علمی منزلت کے اثر سے یہاں کا رخ کرتا، یا اندلس میں کسی صاحب علم کیلئے

---

[۱] الحلۃ السیراء ابن الابار مدراماری ص ۲۰۰، ۲۳۰، الالحان المسلیہ در یادگاری ج ا ص ۲۹۳ وغیرہ [۲] مسالک الابصار ابن فضل اللہ مدراماری ص ۱۵۲، [۳] مختصر کتاب انباہ الرواۃ علی انباہ النحاۃ مدراماری ص ۵۹۶،

حالات ناسازگار ہوگئے، تو اس نے صقلیہ کی راہ لی، اور یہیں توطن اختیار کر لیا، چنانچہ صقلیہ کے متوطنین میں شیخ براذعی سعید بن فحون قرطبی اور ابن رشیق قیروانی جیسے ارباب علم و فضل ہیں،

صقلیہ میں علمی ترقیوں کے یہی اسباب تھے، جن کے باعث صقلیہ نے اپنے دور میں ایک ممتاز علمی جگہ حاصل کی، اور عرب مورخین نے اس کی علمی منزلت کا اعتراف کیا، سمعانی متوفی ۵۶۲ھ کا بیان نسبت "صقلی" کی تشریح میں ہے:-

"یہ نسبت جزیرہ صقلیہ کی طرف ہے، اور یہاں سے مسلمان اہل علم کی ایک کثیر جماعت نکلی، جنمیں متقدمین بھی ہیں، اور دور حاضر کے علماء بھی، اور یہ آج کل فرنگیوں کے قبضہ میں ہے[1]"

صاحب نخبۃ الدہر لکھتا ہے:-

"صقلیہ جب مسلمانوں کے قبضہ میں تھا، تو علمی ترقی اور علماء و ادباء اور فضلا کی کثرت میں اندلس کے مانند تھا[2]"

ابن فضل اللہ الدمشقی لکھتا ہے:-

"صقلیہ نے جو خوشبو پھیلائی، اور جو ذہانت بخشی ہے، وہ اس کے فخر کے لئے کافی ہے، تاریخ و ادب کی کتابوں میں اسکا بہترین حصہ محفوظ ہے، عہد اسلامی میں بیدار مغز بادشاہ اور بڑے بڑے ادباء موجود تھے، جنمیں سے ایسا کوئی نہ تھا، جس کے پاس سفر کر کے لوگ پہنچتے نہوں، جا کر مدح نہ کرتے ہوں، اور صلہ نہ پاتے ہوں[3]"

صقلیہ میں تعلیم کا نظام یورپین مورخین تو پلرمو اور مسینا کی "یونیورسٹیوں" کا تذکرہ کرتے ہیں، لیکن ہمیں ان مرعوب کن الفاظ کی ضرورت نہیں، "یہ اسلامی یونیورسٹیاں" صقلیہ کی مسجدوں ہی میں قائم تھیں،

---

[1] کتاب الانساب ورق ۳۵۰، [2] نخبۃ الدہر و عجائب البر والبحر در اماری ص ۱۴۴، [3] مسالک الابصار فی ممالک الامصار در اماری ص ۱۵۲،

اس وقت تک درسگاہوں کے لئے جداگانہ عمارتوں کا دستور نہ تھا، اگر درسگاہ کے مقصد ہی سے عمارتیں بنائی جاتیں، تو بھی وہ مسجد ہی کی شکل کی ہوتیں، اور بلرم میں کثرتِ مساجد کی ایک وجہ یہ بھی تھی، کہ یہ مسجدیں درسگاہ کے لئے بنائی جاتی تھیں، ابن حوقل لکھتا ہے:-

"ان دس مسجدوں میں جنکا میں نے تذکرہ کیا، ایک مسجد ابو محمد قفصی کی ہے، جس میں وہ نماز پڑھتے ہیں، اور اسی کے پہلو میں بیس قدم پر ایک دوسری مسجد ہے، جس کو انھوں نے اپنے لڑکے کی تعلیم گاہ کے لئے تعمیر کرایا ہے[۱]"

ان درسگاہوں میں تعلیم کا طریقہ وہی تھا جو اس عہد میں تمام اسلامی ملکوں میں بطریق املا و سماع جاری تھا، لیکن ان درسگاہوں اور ان کے اساتذہ کا کیا نظام تھا، اس کا کوئی تصریحی تذکرہ نظر سے نہیں گذرا، قیاسات قائم کئے جا سکتے ہیں، تاہم اساتذہ و معلمین کے متعلق اتنا معلوم ہے، کہ ان میں فرق مراتب و امتیاز ان کے عہدوں کے لحاظ سے بھی قائم تھا، بعض اہل علم کے تذکرہ میں ملتا ہے، "من اھل صقلیۃ مقیمین بھا واحد رؤساء المعلمین" (یہ اہل صقلیہ میں تھے، وہیں قیام پذیر تھے، اور صدر اساتذہ میں سے ایک تھے[۲]) کتابوں کے درس و تدریس کے اجازت نامے، اور سندیں دوسرے اسلامی ملکوں کی طرح یہاں بھی رائج تھیں، جو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں، صحاح جوہری کی سند ابن القطاع الصقلی متوفی ۵۱۵ھ کو صقلیہ میں اپنے استاذ ابو بکر محمد بن البر الصقلی سے ملی، اس کے بعد وہ مصر پہنچا، اس وقت تک صحاح کی سند مصر میں عمومیت سے داخل نہیں ہوئی تھی، ابن القطاع یہاں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، اور شائقین علم کا مرجع بنگیا[۳]، یہانتک کہ جذبۂ رشک میں تسہیل الروایۃ کی افواہیں بھی اس کے متعلق مشہور ہوگئیں،

صقلیہ میں مسلمانوں نے اپنے چند صد سالہ دور میں جن علوم و فنون کی خدمت کی، وہ علوم قرآن، حدیث، فقہ، کلام، تصوف، تاریخ، ادب، نحو، شعر و شاعری، طب، فلسفہ، منطق، ریاضیات، ہندسہ، جغرافیہ

[۱] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۰۵، [۲] مختصر کتاب انباہ الرواۃ علی انباہ النحاۃ درامار می ص ۴۷۶، [۳] معجم الادباء ج ۵ ص ۱

ان کے علاوہ مختلف صقلی مقرئین کے تذکرے خریدۃ القصر اصفہانی[1]، مختصر انباہ الرواۃ[2]، کتاب المقفی مقریزی[3]، اور بغیۃ الوعاۃ سیوطی[4]، ابن خلکان جلد ۱ ص ۵۰ میں آئے ہیں،

صقلیہ میں قرأت سبع میں سے قرأت نافع کا رواج تھا، یہی قرأت تمام مغرب میں رائج تھی،[5]

علم حدیث

یوں تو صقلیہ کے چند ابتدائی حملوں میں بعض صحابۂ کرام اور تابعین کے ورود صقلیہ کی روایتیں موجود ہیں، اور حضرت ابوالیقظان عمار بن یاسر کی ایک روایت بھی حضرت ابوغسالہ المعافری سے ایسی منقول ہے، جو انھوں نے سرزمین صقلیہ میں بیان کی،[6] اور صقلیہ پر ابتدائی حملوں کا آغاز ہی ایک نوجوان صحابی حضرت معاویہ ابن خدیج کی سرکردگی میں ہوا جن کی حدیثیں بھی کتب احادیث میں مروی ہیں،[7]

لیکن ان صحابہ کے ورود کا تذکرہ صقلیہ کے علم حدیث کے بیان میں محض تیمناً و تبرکاً ہی آسکتا ہے، تاہم ایسے بکثرت صحابہ کا تعلق جو ان حملوں میں صقلیہ تشریف لائے، اور مورخین نے ان کے نام بہ سلسلہ ورود افریقہ قلمبند کئے ہیں، صقلیہ کے علم حدیث سے بالواسطہ یوں ہوتا ہے، کہ افریقہ میں انہی کی شمع فیض سے علم حدیث کی روشنی پھیلی، اور اس کی شعاعیں سرزمین صقلیہ تک پہونچیں،

محدثین کا ورود صقلیہ چنانچہ دوسری صدی کے اواخر اور تیسری صدی کے اوائل تک افریقہ میں بکثرت محدثین پیدا ہو چکے تھے، اور ان میں سے کچھ لوگ قاضی اسد کی معیت میں صقلیہ آئے، اور یہاں ان کا سلسلۂ روایت وسماع جاری رہا، جنھیں صقلیہ کے تیسری صدی کے محدثین میں شمار کیا گیا ہے،

احادیث کے مجموعے صقلیہ میں پھر جیسے جیسے احادیث کے مجموعے صحاح، سنن، و مسانید منضبط ہوئے، وہ افریقہ

[1] ص۱ماری ص ۵۸۲، ۵۹۰ [2] ص۱ماری ص ۶۴۴ [3] ص۱ماری ص ۶۶۳ و ۶۴۴ [4] ایضاً ص۴ [5] احسن التقاسیم مقدسی ۲۴۸ [6] کتاب معالم الایمان ابن ناجی. کتاب الاسماء والکنی دولابی ج ۱ ص ۶۱، مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۶۲ [7] امام احمد بن حنبل نے ان کا مسند بھی قائم کیا ہے، ج ۳ ص ۴۰۱ تا ۴۰۲،

اور وہاں سے صقلیہ آتے گئے، موطا امام مالک حدیث کا وہ سب سے پہلا مجموعہ ہے، جو بہ ظاہر افریقیہ میں کتابی شکل میں داخل ہوا، اور یہاں سے صقلیہ پہنچا، موطا کے سب سے بڑے قدرداں اسد بن فرات تھے، جنھوں نے امام مالک سے اس کا درس لیا تھا، چنانچہ صقلیہ میں اس کا درس مسلسل جاری رہا، اور بعض بزرگوں نے تو اپنی زندگی کا ایک حصہ اسی کی نذر کر دیا، شیخ ابوسعید لقمان بن یوسف الغسانی التونسی خود فرماتے ہیں، کہ انھوں نے کامل چودہ برس تک صقلیہ میں موطا کا درس دیا[1]،

صحیحین میں سے صحیح مسلم کے متعلق تو صقلیہ کو یہ فخر حاصل ہے، کہ اس کی سب سے پہلی شرح کتاب المعلم اسی صقلیہ کے ایک محدث امام مازری نے لکھی، جس کا تذکرہ آگے آئیگا، ترمذی کو صقلیہ میں سب سے پہلی مرتبہ شیخ ابو حفص عمرو بن حسن الہوزنی الاندلسی نے روشناس[2] کیا، اور سنن ابی داؤد میں تو اسی کے ایک محدث کی روایتیں موجود ہیں، وہ ابو العباس القلوری متوفی ۲۵۳ھ ہیں، قلوری کی نسبت قلوریہ یعنی کلبریہ کی جانب ہے،

سنن ابی داؤد میں انکی روایتیں زیادہ تر اسی کنیت و نسبت سے مروی ہیں، بعض روایتوں میں "محمد بن عمرو بن عباس" نام آیا ہے، لیکن اکثر تلامذہ "محمد بن عمرو بن عبید" نام لیتے ہیں، تلامذہ کی فہرست میں امام ابن جریر طبری، ابوبکر البزاز وغیرہ ہیں[3]،

دور اول، ان کے علاوہ صقلیہ کے علم حدیث کے دور اول یعنی تیسری و چوتھی صدی میں مجھے سولہ[12] محدثین کے نام معلوم ہو سکے، جن کے تذکرے ترتیب المدارک قاضی عیاض[4]، کتاب الانساب سمعانی[5]، طبقات ابو العرب[6]، دیباج المذہب ابن فرحون[7]، معالم الایمان ابن ناجی[8]، کتاب العبر فی خبر من عبر ذہبی[9]، کتاب المقفی

---

[1] ریاض النفوس در اماری ص ۱۹۲، [2] کتاب مسالک الابصار ابن فضل اللہ الدمشقی در اماری ص ۲۵۵، [3] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۱۴۶، ۱۴۷ [4] در یادگاری ج ۱ ص ۲۶۹، ۳۰۱، ۳۲۲، ۳۲۹، ۳۷۵، ۳۸۰، ۳۰۲، [5] ورق ۴۵، [6] در اماری ج ۲ ص ۹۹، [7] ۸۸، ۲۵۹، [8] ج ۳ ص ۴۴، ۱۸۱، [9] در اماری ص ۴۴۰،

مقریزی[1]، التاریخ الکبیر ابن عساکر[2]، اور بغیۃ الوعاۃ سیوطی[3] میں آئے ہیں، اور ان کے شیوخ و تلامذہ کی مفصل فہرست درج کی گئی ہے، جن میں بعض ایسے محدثین ہیں، جو صقلیہ کے حلون اور اس کے مفتوح ہونے کے بعد افریقیہ سے یہاں تشریف لائے، اور یہیں بود و باش اختیار کرلی، اور ان کے فیضِ صحبت سے صقلیہ میں علم حدیث کا ذوق پیدا ہوا، اور پھر اسی میں چوتھی صدی کے ایسے محدثین ہیں جن کے تلامذہ پانچویں صدی میں صقلیہ کے شیوخِ حدیث تھے،

دورِ ثانی یعنی پانچویں صدی ہجری میں گیارہ محدثین کے اسمار معلوم ہو سکے، یہ وہ محدثین ہیں جنھوں نے یہیں کے اہل علم سے تعلیم و تربیت پائی، اور علم و فن کی خدمت میں مصروف ہوے، ان میں چند صاحب تصنیف بھی ہیں مثلاً (۱) ابوبکر علی بن داؤد السمنطاری متوفی ۴۶۴ھ کے متعلق ابن القطاع کہتا ہے: "فقہ، حدیث میں عمدہ کتابیں تالیف کیں، جو اپنی ترتیب و بیان میں غایت درجہ بہتر ہیں"[4]؛ (۲) ابوبکر محمد بن سابق الصقلی متوفی ۴۹۳ھ نے موطا کی شرح المسالک لکھی[5] اسی طرح اس عہد کے دیگر محدثین صقلیہ کے حالات ذیل کے ماخذوں میں ہیں، ترتیب المدارک عیاض[6]، نیل الابتہاج[7]، کتاب الانساب سمعانی[8]، بغیۃ الوعاۃ سیوطی[9]، مختصر انبار الرواۃ قفطی[10]، جذوۃ المقتبس حمیدی[11]، کتاب المقفی مقریزی[12]،

دورِ ثالث یعنی چھٹی اور ساتویں صدی ہجری، اس دور میں اگرچہ اسلامی سلطنت کا خاتمہ ہو چکا تھا، تاہم صقلیہ سے مسلمانوں کے جلاوطن ہونے کے کچھ دنوں پیشتر تک اسلامی تہذیب و تمدن کو اس دور میں بھی تفوق حاصل رہا، اور اگرچہ اس دور کے اکثر اہل علم یہاں سے ہجرت کر گئے تھے، پھر بھی ان کا گہوارہ علمی صقلیہ ہی تھا

---

[1] درالماری ص ۴۹۴، [2] ج ۴ ص ۲۴۵، [3] ص ۳۲۵، ۴۰، [4] معجم البلدان ج ۵ ص ۱۳۱، ۱۳۲، ذکر سمنطار در صقلیہ، [5] کتاب درالماری ص ۵۰۰، و تزئین الممالک بمناقب مالک ص ۵۰، [6] در یادگاری ج ۱ ص ۳۷۵، ۳۷۹، [7] برحاشیہ دیباج ۴۱۸، [8] ورق ۳۵۴، [9] ص ۳۶۱، ۲۲۳، ۷۵، [10] درالماری ص ۶۲۶، ۶۴۰، [11] ص ، [12] درالماری ص ۶۹۳،

اور ہجرت کے بعد انھوں نے یا ان کے خاندان نے اپنے اجڑے وطن سے اپنا انتساب باقی رکھا،

اس دور کے محدثین میں سب سے پہلا نام امام مازری یعنی ابوعبداللہ محمد بن علی بن عمر التمیمی متوفی ۵۳۶ھ کا آتا ہے، ابن خلکان کہتا ہے، "یہ ان اعلام میں ہیں جن کی جانب حدیث و کلام میں انگلیاں اٹھتی ہیں۔۔۔ ارباب فضل میں ہیں، اور مختلف علوم میں دستگاہ رکھتے ہیں" ابن فرحون کہتا ہے:-

"وہ اہل افریقہ و ماوراے مغرب کے امام ہیں، امام ان کا لقب قرار پا چکا ہے، کوئی شخص انہیں بغیر امام مازری کے جان نہیں سکتا"

امام مازری کی مختلف علوم میں تالیفات ہیں، علم حدیث میں ان کی شہرۂ آفاق تالیف مسلم کی شرح کتاب المعلم ہے، اس کا نام مختلف مورخین نے مختلف لکھا ہے، جس میں لفظ "المعلم" جزو مشترک ہے،

کتاب المعلم سے پیشتر مسلم پر جس قدر کتابیں لکھی گئیں ان کی حیثیت استدراک کی تھی، المعلم مسلم کی سب سے پہلی شرح ہے، جو دراصل ان حواشی و تعلیقات کا مجموعہ ہے، جو امام مازری نے اپنے تلامذہ کو مسلم کے درس میں املا کرائے تھے، اسی کو مدون کر کے کتاب المعلم کے نام سے موسوم کیا، اس کا صرف ایک قلمی نسخہ کتبخانہ خدیویہ مصر میں محفوظ ہے، اس کے بعد مسلم پر جس نے قلم اٹھایا، کتاب المعلم اس کے لئے دلیل راہ بنی، چنانچہ اکمال المعلم بفوائد مسلم قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ اکمال اکمال المعلم دشتانی متوفی ۸۲۸ھ اور مکمل اکمال الاکمال سنوسی متوفی ۸۹۵ھ اسی کے نقوش ہیں، موخر الذکر کتاب چند سال گذرے شائع ہوگئی ہے،

ڈاکٹر گریفینی نے کتاب المعلم پر ایک بسیط مقالہ لکھا ہے، جس کے مباحث زبان کی اجنبیت کے باعث ابھی تک معلوم نہ کر سکا، ان میں عربی متن کے چند اقتباسات بھی ہیں، جو خدیویہ نسخہ سے منقول ہیں، ان میں مثلاً ذیل کے مباحث ہیں، نقد بر صحیح مسلم، لفظ ارادہ و عزم کا فرق حقیقت کذب، معتزلہ کی نفی قدر، راوی ابوزرعہ رازی کی تحقیق، مومن و فاسق کے دخول جنت کی حقیقت، لفظ مسیح کی تحقیق وغیرہ یاقوت نے امام مازری کو شارح موطا لکھا ہے، لیکن کسی بنیا روایت سے اس کی تصدیق نہیں ہوئی، شاید اس نے التباساً شارح مسلم کے بجائے شارح موطا لکھ دیا ہو،

امام مازری کی علم حدیث میں ایک دوسری کتاب تعلیقات بروایت جوزقی کا تذکرہ ازہار الریاض میں آیا ہے، جوزقی کی ایک کتاب کتاب الصحیح المخرج علی صحیح مسلم کا تذکرہ، تذکرۃ الحفاظ میں ہے، کیا عجب کہ یہ حواشی اسی پر ثبت ہوں[1]

ان کے علاوہ اس دور میں اور پانچ محدثین کے نام ملتے ہیں، ان کے حالات کے لئے دیکھئے دیباج المذہب ابن فرحون (ص ۲۰۱) نیل الابتہاج (ص ۲۲۰) کتاب المقفی مقریزی (در اماری ص ۶۶۷، ۶۲۵) بغیۃ الوعاۃ (در اماری ص ۶۶۷) اور کتاب الوافی بالوفیات صفدی (در اماری ص ۲۵۹)

علم فقہ

فرق ومذاہب کے بیان میں گذر چکا ہے، کہ قاضی اسد کے تلامذہ وحلقۂ ارادت کے حنفی المذہب ہونے کے باعث ابتدا ز یہاں مذہب حنفی رائج رہا، پھر افریقہ میں مذہب مالکی کی اشاعت اور وہاں کے اہل علم کی یہاں کثرت آمد ورفت کی وجہ سے یہاں بھی مذہب مالکی کو فروغ حاصل ہوا، نیز یہاں کے عہدۂ قضا پر مالکی فقہاء کے مسلسل سرفراز ہونے کے باعث بھی اس مذہب کو یہاں ترقی حاصل ہوئی، قاضی صقلیہ ابن کی لہ متوفی ۲۸۹ھ کے حالات میں ہے کہ صقلیہ کے عہدۂ قضا پر مامور تھے، یہاں علم کی کثیر اشاعت کی، اور انہی سے مذہب مالکی کو یہاں فروغ حاصل ہوا[2]

اور یہ اتفاق کی بات ہے کہ صقلیہ کے فقہا کے حالات میں جو کتابیں اسوقت تک دستیاب ہوئی ہیں، وہ

---

[1] امام مازری کے حالات اور ان مباحث کے لئے دیکھئے دیباج المذہب (ص ۲۷۹، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۰۷) ابن خلکان ج ۲ ص ۸۰، ۲ و ج ۳ ص ۱۱۶) تذکرۃ الحفاظ (ج ۴ ص ۱۰۱ و ج ۲ ص ۲۱۹) طبقات الشافعیۃ الکبریٰ سبکی (ج ص ۱۲۲) کتاب المقفی المقریزی (در اماری ۶۶۵) مراۃ الجنان یافعی ج ۳ ص ۲۴۰، فہرست کتب خانہ خدیویہ مصر (ج ۱ ص ۲۰۰ تا ۲۰۲، ۲۲۶) مقالہ شمالی افریقہ پر چند کتابیں، اینڈ فاگنان (در یادگاری ج ۲ ص ۹۲) ومقالہ کتاب المعلم گرفینی (در یادگاری ج ۱ ص ۳۴۴) معجم البلدان یاقوت (ذکر شہر مازر) اور امام مازری کے تلامذہ کے لئے دیکھو تاریخ الادویہ لبعض الدولۃ الموحدیہ زرکشی (در اماری ص ۵۲۲) دیباج المذہب ص ۲۸۰، ۲۰۶ اور التکملہ ابن آبار (ص ۲۴۳ وغیرہ) [2] دیباج المذہب ص ۱۱۹،

زیادہ تر مالکی مصنفین کی ہیں، اور طبقات مالکیہ ہی میں ہیں، اس لئے صقلیہ کے حنفی فقہا کے نام بجز ایک دو مثلاً اسد کے شاگرد ابو یحییٰ احمد بن محمد بن قادم متوفی ۳۱۱ھ کے اور معلوم نہیں، اور بعض فقہا کے متعلق اگر کہیں تصریح ملتی ہے کہ وہ حنفی فقہا میں تھے، تو اسی کے ساتھ طبقات مالکیہ میں بھی مالکی حیثیت سے ان کا نام موجود ہے، مثلاً قاضی ابو عمر و محمد ابن میمون کو ان کے شاگرد ابو العرب نے اپنی طبقات میں حنفی المذہب لکھا ہے[۲]، لیکن دوسری طرف ابن فرحون نے بھی ان کا تذکرہ ان کے مالکی المذہب ہونے کی حیثیت سے اپنی دیباج میں کیا ہے[۳]، یہی وجہ ہے کہ صقلیہ کے جتنے فقہا کے نام معلوم ہو سکے، ان میں قریب قریب سب کے سب فقہ مالکی کو صقلیہ میں فروغ دینے والے تھے، جنھوں نے فقہ مالکی پر مستند کتابیں لکھیں، اور یہ کتابیں بھی زیادہ تر فقہ مالکی کی مشہور کتاب المدونۃ الکبریٰ کی شرح استدراک اور نقد میں ہیں،

ذیل میں صقلیہ کے فقہا اور ان کی تالیفات بہ طبقات پیش ہیں، یہ کتابیں فقہ کے مختلف شعبوں فقہ، اصول فقہ، اور علم فرائض میں ہیں،

دور اول، تیسری چوتھی صدی ہجری

اس دور میں نو فقہا کے نام معلوم ہو سکے جنمیں بعض ایسے بھی ہیں، جنھوں نے افریقہ سے آکر یہاں توطن اختیار کیا، اور یہیں پیوند زمین ہوئے، ان میں سے صاحب تصنیف اور ان کی تصنیفات حسب ذیل ہیں،

(۱) ابن براذعی القیروانی متوفی بصقلیہ نے صقلیہ میں ذیل کی کتابیں لکھیں، مطول التہذیب، مختصر التہذیب افریقہ میں انھوں نے المدونہ کا ایک اختصار مختصر التہذیب لکھا تھا، اسی پر وہ دونوں کتابیں لکھیں، قاضی عیاض لکھتے ہیں، "یہ طلبائے اندلس و مغرب میں مقبول عام ہیں" معالم میں ہے، "ہمارے زمانے میں تمام مشرق و مغرب میں مقبول ہے" تیسرا رسالہ کتاب الشرح والتمامات، چوتھا کتاب اختصار الشرح، اور پانچواں تمہید مسائل المدونہ ہے

۱؎ ریاض النفوس مدا ماری ص ۱۰۵، معالم الایمان ج ۲ ص ۲۰، طبقات ابی العرب در یادگاری ج ۲ ص ۰۰ و ۱۰۳، ۲؎ یادگاری ج ۲ ص ۹۹، ۳؎ ص ۲۴۴،

خیال ہوتا ہے، کہ شاید تیسرا اور چوتھا رسالہ اول الذکر دونوں رسالوں کے نام ہوں[1]۔

(۳) ابن الحکار الصقلی کی تین کتابوں کے نام معلوم ہیں، شرح[2] المدونہ تقریباً ۳۰۰ اجزا ہیں، استدراک[3] علی التونسی فی الف مسئلة یہ ابن اسحٰق تونسی کی شرح المدونہ پر نقد ہے، مختصر[4] کتاب التمامات لبراذعی[5]، بقیہ فقہا کے لئے جو فقہ و علم فرائض میں شہرت رکھتے تھے، دیکھئے ترتیب المدارک (در یادگاری ج ۱ ص ۴۰۰، ۲۴۴، ۲۴۹، ۳۷۵، ۴۰۵ معالم الایمان (ج ۲ ص ۶ ۳ ج ۳ ص ۱۰۳) دیباج المذہب ص ۱۱۹، البیان المغرب ج ۱ ترجمہ اردو ص ۲۲۲،

دور ثانی پانچویں صدی ہجری

اس دور کے ۱۶ فقہا کے نام ملے ہیں، جنہیں سے بعض اسلامی سلطنت کے زوال پر یہاں سے ہجرت کر گئے (۱) شیخ ابو محمد عبد الحق بن محمد ہارون السہمی الصقلی متوفی سنہ ۴۶۶ھ دور کے ممتاز اہل علم میں ہیں، قاضی عیاض کہتے ہیں، "نہایت عمدہ تالیفات ہیں"، ابن عمار التکلم کا بیان ہے "ہر علم و فن کے مشہور امام ہیں، لوگوں پر سبقت رکھتے ہیں، اصول و فروع کے استاذ ہیں"، فقہ میں النکت[1] والفروق لمسائل المدونہ جو المدونہ پر پہلا استدراک ہے، تہذیب[2] المطالب شرح مدونہ جز[3] فی بسط الفاظ المدونہ اور استدراک[4] علی البراذعی ان کی تصنیفات ہیں، سفر حج میں امام الحرمین سے تحریری مذاکرہ رہا تھا، یہ تحریر قاضی عیاض کی نظر سے گذری تھی[5]، (۲) علی بن منرج الصقلی متوفی سنہ ۴۷۰ھ بھی صاحب تصنیف ہیں، کسی کتاب کا نام معلوم نہیں، البہجة العلیہ میں براذعی کی ایک تصنیف ان کی طرف منسوب ہوگئی ہے[6]، (۳) ابن ظفر الصقلی کی بعض کتابیں فقہ میں ہیں، (۴) ابن یونس الصقلی متوفی سنہ ۴۵۱ھ کی جو فقہ و فرائض میں امام و ماہر کہے گئے، ایک کتاب شرح المدونہ اور دوسری علم فرائض میں تھی، اور (۵) ابو عبد اللہ محمد بن ابی الفرج الذکی المازری کے دو رسالے، ایک اعتراضات پر قاضی سیوری اور دوسرا تعلیق بر فقہ مالکی ہیں، اور اسی طرح چند اور فقہا اس دور میں ہیں، جن میں سے اکثر کو قاضی

---

[1] معالم الایمان ج ۳ ص ۱۸۴ تا ۱۹۱، و ترتیب المدارک در یادگاری، [2] دیباج ص ۱۸۰، ترتیب المدارک در یادگاری ج ۱ ص ۴۰۲، [3] دیباج المذہب و ترتیب المدارک در یادگاری ج ۱ ص ۴۰۶، [4] ترتیب المدارک در یادگاری ج ۱ ص ۴۰۳ و مقالہ بارد تمس قسطنطنیہ اور قاہرہ کے کتب خانے "در یادگاری،

عیاض نے مشاہیر فقہائے صقلیہ میں بتایا ہے، اور ان کا مشغلہ درس و تدریس تھا، حالات کے لئے دیکھئے، معالم الایمان (ج ۳ ص ۲۵۰) ترتیب المدارک (مدیادگاری ج ۱ ص ۳۰۰، ۳۷۵، ۳۰۴) بغیۃ الوعاۃ سیوطی (ص ۹۰) نیل الابتہاج (برحاشیہ دیباج ص ۱۰۴) کتاب المقفی مقریزی (درماری ص ۶۶۵) معجم البلدان (ج ۵ ص ۱۳۲) انتخاب سلوان المطاع (درماری ص ۶۸۹)

دور ثالث چھٹی صدی ہجری	فقہ کے تیسرے دور کا آغاز علم حدیث کی طرح امام مازری متوفی ۵۳۶ھ ہی سے کیا جاسکتا ہے، قابل ذکر امر یہ ہے، کہ انہیں "امام" کا لقب تبحر فقہی کے باعث ملا تھا، ابن فرحون لکھتا ہے:

"جو شیوخ افریقیہ فقہ کی تحقیق و تدقیق، رتبہ و اجتہاد و دقت نظر اور اصول علوم دین کے درس میں مشہور تھے، انکا انہی پر خاتمہ ہوا، انھوں نے ان امور میں تقدم حاصل کیا، اور اپنے تمام ہمعصروں پر سبقت لے گئے، ان کے زمانہ میں تمام روئے زمین پر فقہ مالکی میں ان سے زیادہ تفقہ رکھنے والا، ان سے زیادہ مذہب سے آشنا کوئی دوسرا موجود نہ تھا"

فقہ و اصول فقہ میں ان کی ذیل کی کتابیں ہیں، شرح کتاب التلقین، لابی محمد عبدالوہاب بن علی البغدادی المالکی متوفی ۴۲۲ھ، ابن فرحون کہتا ہے، اس کتاب کے مثل مالکیوں کے پاس کوئی دوسری کتاب موجود نہیں، ایضاح المحصول من برہان الاصول، امام الحرمین ابو المعالی الجوینی متوفی ۴۷۸ھ کی مشہور کتاب البرہان فی اصول الفقہ کی مبسوط شرح ہے، اور بعض مسائل میں امام الحرمین کے نقد بر فقہ مالکی کا جواب نقد ہے، مجموعہ فتاوی اور تعلیقات بر مدونہ،[1]

اسی طرح اس دور کے گیارہ اور فقہا ہیں، جن کے علم و فضل اور تفقہ کو مورخین نے بیان کیا ہے، انکے تذکرے معالم الایمان ج ۳ ص ۱۸۱، رفع الاصر عن قضاۃ مصر ابن حجر عسقلانی، اخبار مصر ابن میسر ج ۲ ص ۴۴، معجم البلدان یاقوت (ج ۵ ص ۲۱۶، ذکر شہر مینا و جبلود) خریدۃ القصر اصفہانی (درماری) کتاب المقفی مقریزی

[1] دیباج المذہب ص ۲۸۰، طبقات الشافعیہ سبکی ترجمہ امام الحرمین، مقالہ شمالی افریقہ و صقلیہ پر چند کتابیں، اینڈمنڈ کنگن پروفیسر الجزائر (مدیادگاری ج ۲ ص ۲۹۷)

(در ماری ص ۴۶۶) میں آئے ہیں،

دور رابع | فقہائے صقلیہ کا ایک چوتھا دور بھی قائم ہو سکتا ہے، یہ وہ فقہا ہیں جو ساتویں آٹھویں صدی ہجری میں صقلیہ کی طرف منسوب ہیں، جنہیں سے اگرچہ بعضوں نے تو شاید صقلیہ کی سرزمین پر کبھی قدم بھی نہ رکھا ہو، لیکن جب انھوں نے اپنے خاندان کے اجڑے وطن سے اپنا انتساب قائم رکھ کر اس کی یاد تازہ رکھی، تو ان کے اس اجڑے وطن کی سرگذشت میں انہیں کیوں نہ یاد کر لیا جائے، لیکن انکی تعداد ۵۴ سے زیادہ نہیں، ان میں سے شیخ ابو عبد اللہ فخر الدین محمد بن محمد الصقلی قاضی دمیاط متوفی ۶۷۰ھ صاحب تصنیف بھی ہیں، ان کی ایک کتاب التنجیز فی تصحیح التعجیز فقہ شافعی میں ہے، جو ابن یونس الموصلی متوفی ۶۷۱ھ کی کتاب التعجیز فی مختصر الوجیز پر نقد و استدراک ہے، اور ابن حیون الشکلی ابو عبد اللہ محمد بن علی وہ آخری فقیہ ہیں، جنھوں نے اپنے انتساب سے صقلیہ کے اسلامی علم و فن کی یاد تازہ رکھی، اور عجب کیا کہ انہی پر صقلیہ کے انتساب کا خاتمہ ہوا ہو، ۹۶۰ھ میں وفات پائی، ان فقہا کے حالات عنوان الدرایہ فیمن عرف من العلماء فی المائۃ السابعۃ ببجایہ (ص ۱۳۱، ۱۶۹) طبقات الشافعیہ (ج ۵ ص ۱۳) کتاب المقفی مقریزی (در ماری ص ۶۶۵) اور مقالہ فاگنان (در یادگاری ج ۲ ص ۱۰۰) میں ملیں گے،

علم کلام و مناظرہ

علم کلام میں صقلیہ کے اہل علم سلف صالحین کے متبع اور مسلکاً اشعری تھے، قاضی اسد کے متعلق بعض اقوال[1] ایسی مشہور ہوئی تھیں، کہ انھوں نے سلف صالحین کے مسلک سے تجاوز کیا، لیکن مستند مورخین اور اہل علم نے انکی تردید کی، اور بتایا کہ ان کا دامن بدعات سے ہمیشہ پاک رہا، اور مسئلہ خلق قرآن اور رویت باری کے متعلق انکے معتقدات و اقوال استشہاداً پیش کئے، اور مالکیوں کے متعلق تو معلوم ہے، کہ ان کا اشعری ہونا ضروری ہے، اس لئے صقلیہ میں مذہب حنفی و مالکی دونوں کے متبعین علم کلام میں سلف صالحین کا مسلک رکھتے

[1] معالم الایمان ج ۲ ص ۱۳، دیباج المذہب ص ۹۰، ترتیب المدارک در یادگاری ج ۱ ص ۲۲۲ و ج ۲ ص ۲۰۵،

اور اشعری کہلاتے تھے، اور صقلی اہل علم نے علم کلام میں جو کتابیں لکھیں وہ اشعری مذہب ہی پر ہیں صقلیہ کے چھ سات ایسے اہل علم کے نام معلوم ہیں جو علم کلام میں تبحر رکھتے تھے، اور اس فن میں کتابیں لکھیں، (۱) ابو محمد عبد الحق بن محمد بن ہارون السہمی نے اسلامی عقائد کے بیان میں ایک رسالہ لکھا[۱]، (۲) ابن ظفر الصقلی کی تصنیفات میں کتاب التسخیر جو کتاب المقفی میں کتاب التسخیر کے نام سے ہے، کتاب المعادات[۲]، کتاب الجنة فی اعتقاد اہل السنة اور کتاب معاتبة الجری علی معاقبة البری فی اعتقاد ابی حنیفة والاشعری، چار رسالے ہیں[۳]، (۵) ابن ابی الفرج الذکی الصقلی متوفی ۵۱۲ھ صقلیہ کے مناظرین میں تھے، طبیعت کسی قدر تیز اور مناظرہ پسند تھی، انھوں نے مشرق کا سفر کیا، ملک شاہ کے دربار سے وابستہ ہوئے، اس کے دربار میں امام غزالی سے علماء کا جو مشہور مناظرہ ہوا تھا، اس میں معترضین کی صف میں یہ بھی تھے، پھر مشرق کی سیاحت کے لئے نکلے، خراسان و غزنی پہنچے، اور اسکے بعد اسی صقلی اہل علم کے متعلق بہ تعیین معلوم ہے، کہ اس نے سرزمین ہند کو بھی اپنے ورود سے مشرف کیا، ان سفروں میں جہاں جہاں گئے، علماء سے مناظرہ کرتے رہے، سمعانی نے ان کے بعض دلچسپ واقعات بیان کئے ہیں جنھیں سیوطی نے نقل کیا ہے[۴]،

(۶) امام مازری متوفی ۵۳۶ھ مسلک اشعری سے سرمو تجاوز نہ کرنا چاہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی تصنیف ایضاح البرہان فی اصول الفقہ میں امام الحرمین پر ایسے موقع پر شدید نکتہ چینی کی ہے جہاں اشاعرہ کے عمومی مسلک سے انحراف نظر آیا ہے، ان دونوں کے اختلافی مسائل میں ایک مسئلہ استرسال بھی اہل علم کے درمیان شہرت رکھتا ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں[۵]، کلام میں امام مازری کی چند مستقل کتابیں بھی ہیں جنمیں ایک کتاب الکشف والانباء عن المترجم بالاحیاء ہے، جو امام غزالی کے رد میں ہے، علامہ سبکی نے اس رسالہ کے کچھ اقتباسات درج کئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے، کہ امام مازری نے امام غزالی اور ان کی تالیف پر تبصرہ کرتے

۱؎ ترتیب المدارک ج ۱ ص ۷۰۰، ۲؎ ۵؎ سلوان المطاع در اماری ص ۶۰۰، ۶۹۰، ۳؎ وکتاب المقفی مقریزی در اماری ص ۶۶۶، ۴؎ ترتیب المدارک در یادگاری ج ۱ ص ۳۰۲ بغیة الوعاة ص ۱۰، ۵؎ طبقات الشافعیہ سبکی ج ۴ صفحہ ۲۶۴

ہوئے موحدین، فلاسفہ، متصوفہ، اور اصحاب اشارات کے مذہب پر روشنی ڈالی ہے، کہ امام مازری کے الفاظ میں امام غزالی کی تصنیفات انہی مسائل پر مشتمل ہیں، نیز انھوں نے مختلف مذاہب کے باہمی اختلاف کا تذکرہ کر کے امام غزالی کے بعض مسلک کی تردید کی ہے، علامہ سبکی نے امام مازری کے اعتراضات کا خلاصہ نقل کیا ہے، جس کی تلخیص مولانا شبلی مرحوم نے الغزالی میں درج کی ہے،

ان کی دو اور کتابیں کتاب کشف الغطاء عن لبس الخطاء، اور النکتہ القطعیۃ فی رد علی الحشویہ امام غزالی کے رد میں ہیں، مقری صاحب نفح الطیب نے تذکرہ کیا ہے[1]،

حقیقت یہ ہے کہ امام غزالی وہ سب سے پہلے شخص ہیں، جنھوں نے فلسفہ کے خلاف علم اٹھایا، اور تردید کرنی چاہی، لیکن اس میں شبہہ نہیں، کہ یہ پہلا اقدام تھا، توازن میں بے باکی نہ آسکی، علامہ ابن تیمیہ نے اسی نقش اول پر بیباکی اور بے مرعوبی سے عمارت کھڑی کی، اور کامیاب ہوئے، لیکن اس بحث کا یہ موقع نہیں یہاں صرف یہ دکھانا ہے، کہ امام مازری ہی وہ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے امام غزالی کی غلطیاں محسوس کیں اور پھر قاضی عیاض، محدث ابن صلاح، اور ابن جوزی وغیرہ نے انہی کے نقشِ قدم کی پیروی کی،

امام مازری کی علم کلام میں ایک اور تصنیف نظم الفرائد فی علم العقائد بھی ہے[2]،

کتاب الصلۃ ابن بشکوال (در امازری ص ۱۰۷) اور ترتیب المدارک (در یادگاری ج ۱ ص ۳۷۹)

میں ایک دو صقلی اہل علم کے اور نام ہیں، جو علم کلام میں مشہور تھے،

علم تصوف

صقلیہ کے مختصر اسلامی دور میں بعض باکمال صوفیہ بھی اس کی خاک سے اٹھے، اور اپنی تصنیفات و اسوۂ عمل سے مسلمانانِ صقلیہ کی روحانی تسکین کا ذریعہ بنے، اور مسلمانوں اور اسلامی حکومت نے بھی ان بزرگوں کے مقاصد کی تکمیل میں سہولتیں بہم پہنچائیں، اور رباط تعمیر کرا کر قیمتی جاگیریں وقف کیں،

[1] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ترجمہ امام غزالی و ازہار الریاض فی اخبار عیاض در یادگاری امارنی ج ۲ ص ۴۹۰،
[2] در صاحب ص ۲۸۱،

لیکن بدقسمتی سے یہ خانقاہیں اور جاگیروں کے اوقاف مفاسد کا ذریعہ بن گئے، اور ان پر نااہلوں اور خود غرضوں کا تسلط ہو گیا، ابن حوقل نے ان خانقاہوں کے رازدروں کا پردہ چاک کیا ہے، اور نہایت سخت حملے کئے ہیں[1]، مگر صقلیہ کا سنجیدہ خیال طبقہ خدع و فریب کے ان مظاہر سے متاثر نہ تھا، وہ تصوف کی حقیقی منزلت سے آگاہ تھا، اسی دور کے ایک معزز عہدہ دار نے اپنے ایک قطعہ میں تصوف پر اظہار خیال کیا ہے، وہ کہتا ہے "تصوف صوف کے کپڑے پہننے کا نام نہیں اور نہ تصوف شور و شغب اور رقص و طرب کو کہتے ہیں، تصوف نام ہے اخلاص و تصفیۂ قلب کا، اور علم حق، قرآن اور دین کے اتباع کا......"[2]

نیز اس عہد میں صقلیہ حقیقی حاملین تصوف سے بھی خالی نہ تھا، تقریباً گیارہ بارہ ایسے بزرگوں کے حالات دستیاب ہوئے، جو اپنے زہد و ورع، تقدس، اور اخلاص و احسان سے مقبول انام تھے، اور شیخ سری سقلی، شیخ ابو ہارون الاندلسی، اور شیخ جنید بغدادی رحمہم اللہ کے حلقۂ ارادت سے فیضیاب ہوئے، ان میں سے پانچ بزرگوں کا زمانہ تیسری چوتھی صدی ہجری ہے، جن کے حالات معالم الایمان (ج ۳ ص ۱۸۱ تا ۱۸۳) اور ریاض النفوس (دراماری ص ۱۹۱، ۱۹۴، ۱۰۶) میں ہیں، اور چھ بزرگوں کے نام جو پانچویں چھٹی صدی میں گذرے ہیں، جذوۃ المقتبس (دراماری ص ۵۰۷) کتاب المقفی مقریزی (دراماری ص ۶۶۳) معجم البلدان (ج ۵ ص ۱۳۱) الالحان المسلیہ (در یادگاری ج ۱ ص ۲۹۷) اور ریاض النفوس (دراماری ص ۱۰۰) میں آئے ہیں۔

پہلے دور کے صوفیہ میں سے شیخ ابو القاسم البکری الصقلی نے تصوف میں اپنی تالیفات بھی یادگار چھوڑی ہیں، یہ تصوف و زہد و صلاح و تقویٰ میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے، علوم دینیہ میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے، تصوف میں انکا مسلک ہندوستان کے سرچشمۂ معارف حضرت مجدد الف ثانی سے مشابہ تھا، صاحب معالم کا بیان ہے "تصوف کی بنیاد انھوں نے کتاب و سنت اور اس چیز پر قائم کی جس پر سلف اول تھے، اور آراء و استحسان کو ترک کیا، ان کی تصنیفات میں کتاب جواہر الالفاظ و ظہور الانوار المعروف بہ انوار

---

[1] کتاب المسالک والممالک، ابن حوقل ص ۸۵، [2] خریدۃ القصر اصفہانی دراماری ص ۵۹۰،

صقلی ہے، اس کا ایک نسخہ لیڈن کے کتب خانہ میں موجود ہے، اس میں متبعین اسلام کے اوصاف بتاکر عرفانِ حق "معرفتِ دین" "معرفت دشمنانِ دین" اور معرفت دنیا و اہل دنیا کو اصل تصوف قرار دیا ہے، دوسری کتاب صفۃ الاولیاء و مراتب احوال الاصفیاء ہے، اور تیسری کتاب کرامات الاولیاء والمتبعین من الصحابۃ والتابعین ومن تبعہم باحسان ہے، ان میں سے اول الذکر میں اولیاء و صوفیہ کے حالات و تراجم ہیں، اور دوسری میں فقہا کی جماعت کو خطاب کرکے کرامات اولیاء کے ممکن الوقوع ہونے کے دلائل سمجھائے ہیں[1]

علم تاریخ

علم تاریخ میں صقلی اہل علم کی صرف چند کتابیں معلوم ہیں،

تاریخ ممالک میں اولاً ابن القطاع الصقلی، اور ابوعلی حسن بن یحییٰ کی تاریخیں ہیں، اور دونوں تاریخ صقلیہ کے نام سے موسوم ہیں، ابوعلی کی تاریخ کا تذکرہ یاقوت (سنہ ۶۲۶ھ) اور قزوینی (سنہ ۶۸۲ھ) نے کیا ہے، اور موخر الذکر کی کتاب کے ایک نسخہ کا پتہ حسن حسنی عبدالوہاب (جامع تیونس) کے پاس چلا ہے، تیسری کتاب ابن احمد بن الصقلی متوفی ۳۰۰ھ کی تاریخ جزیرۃ الخضراء ہے جو اندلس کے کسی عہد کی تاریخ پر مشتمل ہے، حاجی خلیفہ نے تذکرہ کیا ہے، اور ابن رشیق قیروانی کی تاریخ القیروان بھی لائقِ ذکر ہے، کہ وہ سسلی ہی میں تالیف پائی، جیسا کہ میں اپنے ایک مقالہ میں بہ تفصیل دکھا چکا ہوں[2]

سیرت و طبقات میں ابن ظفر الصقلی کی چند کتابیں ہیں جن میں سے ایک کتاب خیر البشر بخیر البشر (حاجی خلیفہ نے خبر البشر لکھا ہے) ہے جس میں آنحضرت صلعم کے متعلق صحفِ سماوی کی پیشین گوئیاں درج ہیں، اس کا تذکرہ ابن ظفر نے اپنے ضمیمہ سلوان المطاع اور حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے، اس کے چند نسخے کتب خانہ پیرس، کتب خانہ عارف حکمت بک مدینہ منورہ میں (جن کا تذکرہ معارف کے مقالہ

---

[1] معالم الایمان ج ۳ ص ۱۰ تا ۱۰۳ و اقتباس کتاب جواہر الالفاظ در اماری ص ۶۹۵، ۶۹۹،

[2] معارف ۵، ۲۲، ۲۲ ص ۱ تا ۳،

ب خانے میں آیا ہے) اور کتب خانۂ خدیویہ مصر میں ہیں، اور ۱۲۶۳ھ میں مصر سے شائع بھی
راکتفار القنوع بما ہو المطبوع) دوسری کتاب اعلام النبوۃ ہے (کشف الظنون) اور تیسری
یاء الابناء ہے، جو طبقات میں ہے، اس کے دو نسخے پیرس، اور کتب خانۂ عارف حکمت بے میں
، کا مختصر برلن اور گوتھا کے کتب خانوں میں ہے، مصر سے چھپ بھی چکی ہے، **طبقات**
بکر عتیق سمنطاری متوفی ۵۶۲ھ کی دو کتابیں اخبار العلماء اور اخبار الصالحین ہیں، موخر الذکر
نے دس مجلدات میں تبایا ہے[1]،

ذکرۂ شعراء میں ابن القطاع الصقلی متوفی ۵۱۵ھ کی دو کتابیں ہیں جن میں ایک الدرۃ الخطیرہ
شعراء الجزیرہ ہے، جو جزیرہ صقلیہ کے شعراء کے ذکر میں ہے، اس میں ۰، اشعراء صقلیہ کے حالات
، کے ۲۰ ہزار اشعار تھے، عماد الدین اصفہانی نے اپنی خریدۃ القصر و جریدۃ العصر میں اور ابن سعید
رب کے ایک ٹکڑے الحان المسلیہ فی حلی جزیرۃ صقلیہ میں اقتباسات درج کئے ہیں، جو برٹش
ریس کے کتب خانوں میں ہیں، اور اب اس کے ایک اختصار المنتخل من الدرۃ الخطیرہ لاسحٰق بن
لتب خانۂ تیموریہ میں چلا ہے، اور دوسری کتاب ملح الملح ہے، جس میں اسی طرح پر شعراء اندلس
یں، کشف الظنون اور ابن القطاع کے سوانح میں تذکرہ آیا ہے، اور تذکرہ شعراء و ادباء میں ایک
بن بشرون الصقلی کی المختار فی النظم والنثر لافاضل اہل العصر ہے، جس میں اپنے ہمعصر شعراء و ادباء
و نمونہ کلام درج کئے ہیں، حاجی خلیفہ نے تذکرہ کیا ہے، اور ابن خلکان اور عماد الدین کے ماخذ

(باقی)

---

[1] بلدان ج ۵ ص ۱۳۱،

تغلق نامہ

اور

اُس کے نقّاد

از جناب محمد باقر نسیم رضوانی ایم اے، ریسرچ اسسٹنٹ شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی،

"مثنوی "تغلق نامہ" مجلس مخطوطات فارسی، حیدرآباد (دکن) کی طرف سے شائع ہوئی تھی، یہ مثنوی مولوی رشید احمد مرحوم نے کتب خانہ حبیب گنج کے ایک قلمی نسخہ سے نقل کی تھی، مرحوم نے اس پر ایک ناتمام مقدمہ بھی تحریر کیا تھا، جو ان کی بے وقت موت سے مکمل نہ ہو سکا، بعد میں یہ مثنوی سید ہاشمی فرید آبادی نے ایک دیباچہ اور خلاصۂ مثنوی کے اضافہ کے ساتھ شائع کی ہے[1]، دیباچہ اور مقدمہ پر ایک تنقیدی مضمون سید مقبول احمد صمدنی نے ہندوستانی اکیڈمی کے تماہی[2] رسالہ میں شائع کیا ہے جس میں انھوں نے فاضل مرتب کے اخذ کردہ نتائج سے اختلاف آرا کا اظہار کیا، پھر مجلہ شاہکار[3] میں اس مضمون کے سلسلہ کی چند قسطیں شائع ہوئی ہیں، میرا مضمون انہی مطبوعہ تنقیدوں سے متعلق ہے۔"

"ن ر"

تغلق نامہ کے متعلق جمشیدیدی شہادت

سید مقبول احمد صمدنی مجلہ شاہکار (جلد ۱۔ نمبر ۱) میں تحریر فرماتے ہیں:

"تواتر روایات اگر کوئی چیز اور ماننے کے قابل بات ہے، تو اس کی گواہی زیادہ زبانی کمتر قلمی موجود ہے، مگر جمشیدیدی ایک بھی نہیں، کہ امیر خسرو دہلوی کی تصنیفات میں سے ایک تغلق نامہ بھی تھا

[1] معارف:۔ یہ مقدمہ مثنوی کی اشاعت سے پہلے معارف بابتہ ماہ دسمبر ۱۹۳۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔ [2] اشاعت جولائی ۱۹۳۴ء [3] جلد نمبر ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴

یہ سمجھ میں نہیں آسکا، کہ چشم دید گواہی سے سید مقبول احمد صاحب کی مراد کیا ہے، اگر ان کی یہ مراد ہے کہ کسی تذکرہ نگار نے یہ نہیں لکھا، کہ اس نے امیر خسرو دہلوی کو تغلق نامہ لکھتے ہوئے دیکھا ہے، تو یہ شہادت شاید کسی تصنیف کے متعلق بھی نہ مل سکیگی، لیکن اگر آپ ذرا نظر اٹھا کر دیکھیں تو مختلف تذکروں میں تغلق نامہ اور امیر خسرو دہلوی کی تصنیف تغلق نامہ کا ذکر نظر آئیگا، چنانچہ آپ خود بھی اپنے مضامین میں منتخب التواریخ (بدایونی)، کشف الظنون (حاجی خلیفہ) گلشن ابراہیمی (فرشتہ)، خزانۂ عامرہ (آزاد بلگرامی) اور ید بیضا، (آزاد بلگرامی) میں اس کا ذکر موجود ہونا تسلیم کر چکے ہیں، یہی نہیں، بلکہ آپ کو یہ بھی یقین ہے کہ برطانوی عجائب خانہ میں سرہنری ایلیٹ کے کاغذات کے ساتھ ملک الشعرا فیضی کا جو رقعہ بنام راجہ علیخاں فاروقی والیِ خاندیس محفوظ ہے، وہ بھی جعلی نہیں، اس رقعہ میں فیضی نے والیِ خاندیس سے استدعا کی ہے کہ

> از کتابِ تغلق نامہ کہ از انفاسِ مقدسۂ امیر خسرو ہست، چند ورق از اول و چندے از آخر رفتہ التفات فرمودہ دو جزو از اول وہمیں قدر از آخر بہ یکے از خدمتگاراں امر فرمایند کہ بہ خطے سوّد نمودہ بجہت بندہ مصحوب عاملان عریضہ فرستند"[۱]

اس سے صاف ظاہر ہے، کہ فیضی کے پاس تغلق نامہ کا کوئی نہ کوئی نسخہ ضرور موجود تھا، جس کی تکمیل کی خواہش سے وہ گم شدہ صفحات کی نقل طلب کر رہا تھا، اور رقعہ کی عبارت سے یہ بھی ظاہر ہے، کہ والیِ خاندیس کے پاس تغلق نامہ کا نسخہ موجود تھا، (اور جس کا فیضی کو علم تھا اسیلئے فیضی نے یقینی طور پر یہ درخواست کی، ورنہ اس استدعا میں اس شرط کا ضرور بیان ہوتا، کہ اگر والیِ خاندیس کے کتبخانہ میں یہ نسخہ ہو، تو اسے مطلوبہ صفحات کی نقل ارسال کیجائے مضمون نگار کا یہ گمان کہ

> "فیضی نے دوران قیام احمد نگر میں راجہ کے کتب خانہ کو دیکھا ہوگا، اس کی وسعت اور مالک کی علمی و ادبی دلچسپیوں کا ذہن میں اندازہ ہوگا تغلق نامہ کے وہاں موجود ہونے کی امید پیدا ہوئی ہوگی"[۲]

[۱] دیباچہ مثنوی تغلق نامہ، صفحہ ۵، [۲] شاہکار جلد ۱ نمبر ۱ جلد ۳۳

کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا، رہا آپ کا یہ اعتراض کہ فیضی کے رقعہ سے یہ کسی طرح ظاہر نہیں ہوتا، کہ شاہی کتب خانہ میں تغلق نامہ کا کوئی نسخہ موجود تھا اور اس نے اُسے مکمل کرنے کی غرض سے یہ رقعہ اکبر کے حکم سے لکھا تھا، تو یہ صحیح سمجھا جا سکتا ہے، بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ فیضی کے پاس تغلق نامہ کا کوئی نسخہ ضرور موجود تھا، اور اس نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا

فرشتہ اور تغلق نامہ | محمد قاسم فرشتہ استرآبادی لکھتا ہے:-

"امیر[1] خسرو کہ در عہد پادشاہ علاؤالدین ہزار تنکہ می یافت در زمان پادشاہ غیاث الدین ازمر معاش بسے فراغت داشت و تغلق نامہ کہ نسخۂ آں کمیاب است بنام نامی او نوشتہ"،

پھر ایک دوسری جگہ پر لکھتا ہے:-

"امیر[2] خسرو می فرماید ابیات:-

نشاید پادشہ را مست بودن ۔۔۔ نہ در عشق و ہوس پیوست بودن

بود شہ پاسبان خلق پیوست ۔۔۔ خطا باشد کہ باشد پاسباں مست

شہاں چوں شد خراب از بادۂ ناب ۔۔۔ رمہ در معدۂ گرگاں کند خواب

در آئینے کہ رسم ملک داری است ۔۔۔ ثبات کار ہا در ہوشیاری است

مولوی رشید احمد مرحوم نے ان اشعار کو تغلق نامہ[3] کے وجود کے متعلق خارجی شہادت کے طور پر استعمال کیا ہے، کیونکہ یہ شعر تغلق نامہ کے دستیاب شدہ نسخہ میں موجود[4] ہیں، سید ہاشمی صاحب نے ان کی تائید فرماتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے، کہ چونکہ تاریخ فرشتہ (کم از کم اس کے ابتدائی مقالے) ۱۰۱۵ھ میں تالیف ہوئی تھی، اس لئے وہ تغلق نامہ جس سے فرشتہ نے ۱۰۱۵ھ میں چار شعر نقل کئے تھے، حیاتی کاشی کا لکھا ہوا کلام نہیں ہو سکتا، کیونکہ حیاتی نے تغلق نامہ میں جو کچھ لکھا، وہ فرشتہ سے چار سال بعد ۱۰۱۹ھ کی تحریر ہے،

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول مقالہ دوم صفحہ ۱۳۲ [2] تاریخ فرشتہ مطبوعہ نولکشور جلد اول صفحہ ۱۲۸، [3] مطبوعہ مثنوی تغلق نامہ ص ۱۹، [4] ملاحظہ ہو مطبوعہ مثنوی تغلق نامہ شعر ۲۷۹ تا ۲۸۲ ص ۱۶ متن مثنوی،

سید مقبول احمد صاحب لکھتے ہیں،

"اگر[1] یہ شعر خسرو ہی کے ہیں، تو یہ بھی بالکل ممکن ہے کہ ان کی کسی اور تصنیف کے ہوں، جو ہماری یاد اور نظر سے دور ہے، جن کو مورخ نے اس وقت زبان زد عام پایا ہو یا اپنے حافظے سے لکھ دیا ہو"

یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ جب آپ کو فرشتہ کی سند سے یہ تسلیم ہے، کہ یہ شعر خسرو دہلوی ہی کے ہیں، اور جب آپ کو یہ شعر تغلق نامہ میں بھی دکھائے جاتے ہیں، تو پھر آپ کس طرز استدلال سے یہ کہنا چاہتے ہیں، کہ یہ شعر خسرو کی کسی اور تصنیف کے ہونگے، حالانکہ دونوں شہادتیں اس امر کو کافی طور پر واضح کرتی ہیں، کہ یہ شعر تغلق نامہ کا ہی ایک حصہ ہیں، پھر سید صاحب آگے چل کر فرماتے ہیں:-

"[2] معلوم نہیں کہ موصوف (سید ہاشمی) کی تحریر کس تحقیق پر مبنی ہے، اور سال مذکور (۱۰۱۵ھ) کا پتہ کہاں سے چلا ہے، ۱۰۱۵ھ عیسوی میں ۱۶۰۶ء کے مطابق ہوتا ہے، اس وقت تک جہانگیر کی تخت نشینی کو ایک برس گذرا ہوگا، اسلئے یہ تحریر اس حد تک تو صحیح مانی جاسکتی ہے، کہ وہ جہانگیر کے عہد کی بالکل ابتدا تھی، رہی تاریخ، وہ ۱۰۱۵ھ میں نہیں، بلکہ ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ء) میں ابراہیم عادلشاہ ثانی کی فرمایش سے بیجاپور میں مرتب ہوئی تھی، نامور مستشرق موہل (M. J. MOHL) کا خیال ہے کہ فرشتہ نے اپنی کتاب کی تکمیل و نظر ثانی کم از کم ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۳ء) تک جاری رکھی تھی، اس تاریخ کے پہلے دونوں مقالوں کا، جن میں سلاطین دہلی کا اکبر کے عہد کے اختتام تک کا بیان ہے، کرنل ڈاؤ (COLONEL DOW) کا ترجمہ انگریزی (مطبوعہ ۱۷۶۸ء) موجود ہے، جنرل برگس (GENERAL BRIGGS) نے بھی پوری کتاب کا چار جلدوں میں ۱۸۲۹ء میں ترجمہ کیا تھا، تعجب ہے کہ سید صاحب نے ان کی تمہیدات و تحقیقات کی طرف بھی توجہ نہیں فرمائی، جو کچھ ہو، یہ ہیچمدان اس مغالطہ میں نہیں پڑتا، کہ یہ تاریخ جہانگیر کے انکشاف و مطالعہ تغلق نامہ سے چار سال پہلے تالیف ہو چکی تھی، بنا بریں

[1] شاہکار، جلد ۱، نمبر ۱، صفحہ ۳۰ [2] ایضاً۔

"یہ چاروں نقل کردہ اشعار حیاتی کا لکھا ہوا کلام نہیں ہو سکتے۔

سید صاحب: یہ تاریخ اس واقعہ سے تو چودہ سال، ورنہ کم از کم چار برس بعد مکمل ہوئی ہے"،

سید ہاشمی صاحب کو گلشن ابراہیمی (تاریخ فرشتہ) کی تاریخ تالیف کا پتہ کہاں سے چلا ہے، اسے فرشتہ کے قلم سے لکھا ہوا ملاحظہ فرمائیے،

"پس در جمع آوردن کتب ہند ساعی گشتم و از اطراف و اکناف ممالک بسیاری از نسخ بدست آوردم و چوں ازاں میاں نسخہ کہ جامع حالات تمامی پادشاہان ہندوستان باشد بنظر ایں ذرۂ حقیر در نیامد مگر تاریخ نظام الدین احمد بخشی و آنہم از تحقیقات و معلومات بسیار کہ علم فقیر بداں احاطہ داشت خالی و تہی بود ہر آئینہ ذوق تالیف و شوق تصنیف بیش از بیش شدہ در مطالعۂ کتب متقدمین باقصی الغایۃ کوشید و خلاصۂ آں کنوز را کہ مانند لآلی منثورہ متفرق بود در ترتیب خاص در یک سلک کشیدہ برسم یادگاری دریں اسرار کہ موسوم بہ گلشن ابراہیمیت درج نمودہ دیباجۂ آں مجموعہ را کہ از اقلیم تحقیق آمدہ بود و طیلسان تصدیق بر دوش گرفتہ در سنہ خمس وعشر والف بنام نامی پادشاہ عدالت پناہ معارف سپاہ گوہر معدن شاہنشاہی فروغ خاندان جہاں پناہی انتخاب دیوان قضا و قدر مقدمۂ جنود فتح و ظفر موشح و مزین ساختہ تحفۂ مجلس ہمایوں گردانید"[1]

یہی نہیں، بلکہ فرشتہ کتاب کے آخری سے پہلے مقالہ میں لکھتا ہے:-

"تا زمان تحریر ایں کتاب کہ سنہ خمس وعشر والف است ملیباریاں از کشتہ شدن شاہ بسیار می ترسند[2] . . . . . "

یہ فرشتہ کے اپنے بیانات گلشن ابراہیمی کی تاریخ تالیف کے متعلق ہیں، جن سے واضح طور پر ثابت ہے، کہ تاریخ فرشتہ (کم از کم اس کے ابتدائی مقالے) ضرور ۱۰۱۵ھ میں تالیف ہو چکی تھی، باقی رہا ہوش کا یہ

[1] تاریخ فرشتہ مطبوعہ نولکشور (۱۲۸۱ھ/۱۸۶۵ء) جلد اول صفحہ ۴، [2] ایضاً جلد دوم صفحہ ۳۶۹،

کہ فرشتہ نے ۱۰۳۱ھ تک کتاب کی تکمیل و نظرثانی جاری رکھی تھی، تو یہ نقطہ خیال ہی خیال ہے، حقیقت سے اس کو دور کا بھی واسطہ نہیں، کیونکہ موہل نے یہ نتیجہ اخذ کرنے کی وجہ بیان نہیں کی، اور داؤ (DOW) اور برگز (BRIGGS) کا ترجمہ تو اتنا ناقص ہے، کہ اس سے بہتر کوئی انگریزی خواں مبتدی فارسی داں بھی کر سکتا تھا برگز کی علمیت اسی ایک واقعہ سے ظاہر ہوجائے گی، کہ اس نے سلطان محمود کی موت کا باعث (STONE) (پتھری) قرار دیا ہے[۱]، اور اس نے یہ ترجمہ فرشتہ کے بتائے ہوئے مرض "سوء القنیہ"[۲] کا کیا ہے، حالانکہ سوء القنیہ کا صحیح ترجمہ HECTIC FEVER (تپ استخوانی) ہے، اور اس فاضل مستشرق کی تحقیق کا یہ عالم ہے، کہ گلشن ابراہیمی کا ترجمہ کرتے ہوئے اس کی تاریخ تکمیل ۱۰۱۰ھ لکھی ہے، اور اپنے ہی ایڈٹ کئے ہوئے نسخہ میں اسے ۱۰۱۵ھ لکھا ہے[۳]، اب دیکھیے کہ ایک دوسرا مستشرق ریو (RIEU) تاریخ فرشتہ کے مخطوطات کا مطالعہ کرنے کے بعد کیا لکھتا ہے

"وہ (فرشتہ) اپنے مقدمہ میں لکھتا ہے، کہ وہ ۹۹۸ھ میں احمد نگر سے دربار بیجاپور میں واپس ہوا، جہاں سے اُسے بعد میں ابراہیم عادل شاہ (عہد حکومت ۹۸۸ھ تا ۱۰۳۵ھ) نے یہ تاریخ مرتب کرنے کے لئے بلا بھیجا، اور یہ تاریخ اس نے بادشاہ کے حضور میں ۱۰۱۰ھ میں پیش کی[۴]"

لیکن اگر یہ تسلیم کرلیا جائے، کہ گلشن ابراہیمی (تاریخ فرشتہ) کی تاریخ تالیف ۱۰۱۵ھ ہی ہے تو اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے، کہ حیاتی کاشی کے ۱۰۱۹ھ میں لکھے ہوئے شعر فرشتہ ۱۰۱۵ھ میں اپنی تاریخ میں نقل نہیں کر سکتا بلکہ یہ شعر خسرو دہلوی کے ہی ہیں، اور چونکہ اب یہ شعر دستیاب شدہ تغلق نامہ میں موجود ہیں، اسلئے یہ تغلق نامہ بھی امیر خسرو دہلوی کی تصنیف ہے،

آزاد بلگرامی اور حیاتی کاشی کا جہانگیر نامہ

آزاد بلگرامی نے خزانہ عامرہ میں حیاتی کاشی کے سوانح حیات درج فرماتے

---

[۱] تاریخ فرشتہ کا برگز کا ترجمہ جلد اول صفحہ ۸۳ [۲] تاریخ فرشتہ مبئی، ایڈیشن از برگز جلد اول صفحہ ۶۰،

[۳] تاریخ فرشتہ کا ترجمہ از برگز صفحہ (xlviii)

[۴] برطانوی عجائب خانہ کی فہرست مخطوطات فارسی از ریو صفحہ ۲۲۵،

ہوئے لکھا ہے:-

"در سنہ تسعہ وعشر والف مثنوی امیر خسرو مسمی بہ تغلق نامہ پسند خاطر بادشاہ افتاد، یک مبحث آن کتاب مفقود بود، شعرائے ملازم رکاب بہ نظم آن مبحث مامور شدند، ہر کدام سرمایۂ فکر خود تحفہ محل بادشاہی ساخت، وازاں جملہ نظم حیاتی نہایت مقبول افتاد، حکم شد تا بجلدوے آں حیاتی را بزر سرخ وسفید سنجیدند، شش خریطہ در پلہ افتاد ہر یک خریطہ مشتمل بر ہزار اشرفی وروپیہ، وسعیدائے گیلانی در تاریخ ایں واقعہ گوید:

چوں حیاتی را بزر سنجید شاہنشاہِ عصر	بادشاہِ عدل گستر شاہِ گردوں اقتدار
شاہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ	آفتابِ ہفت کشور سایۂ پروردگار
بہر تاریخش بروے کفۂ میزان چرخ	شاعرِ سنجیدۂ شاہی رقم زد روزگار

۱۰۱۹ھ

سید مقبول احمد صاحب نے آزاد کے تذکرۂ ید بیضا سے مندرجۂ ذیل عبارت نقل کی ہے:

"وحیاتی کاشی در ابتدا استغاثی می کرد بنا بریں ہمیں تخلص داشت، آخر بہ ہند آمدہ در دکن بسر می برد جہانگیر بادشاہ اورا یاد فرمودہ، حسب الامتثال بہ درگاہ رسیدہ بہ مزید عنایت مخصوص گردید، در سنہ تسع وعشر والف مثنوی امیر خسرو مسمّٰی بہ تغلق نامہ پسند خاطر شاہی افتاد، یک مبحث آن کتاب مفقود بود، شعرا و ملازم رکاب بہ نظم آں مامور گشتند، وحسب الامر لآلی ابدار از معان افکار برآوردہ از نظر انور گردانیدند، ازاں جملہ مثنوی حیاتی بہ غایت مقبول شاہی افتاد و در صلۂ آں مشارالیہ را بزر سرخ وسفید سنجیدند، شش خریطہ در پلہ افتاد کہ ہر یک خریطہ مشتمل بر ہزار اشرفی وروپیہ بودہ"

پھر ان دونوں عبارات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے، کہ حیاتی کاشی نے مکمل تغلق نامہ جہانگیر کی فرمایش سے نظم کیا تھا، اور اس کا نام جہانگیر نامۂ حیاتی ہی ہے، یہ نتیجہ اخذ کرنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے، کہ اگر حیاتی کاشی

---

۱ خزانۂ عامرہ مطبوعہ نولکشور صفحہ ۱۹۱، ۲ شاہکار جلد ۱، نمبر ۴، صفحہ ۳۰،

امیر خسرو کے تغلق نامہ کو مکمل کرتا، تو یہ لازم تھا، کہ آزاد بلگرامی، تذکرہ ید بیضا میں مثنوی حیاتی نہ لکھتے، بلکہ پیوند حیاتی" لکھتے، لیکن فاضل نقاد نے اس استدلال کے دوران میں خزانۂ عامرہ کی عبارت کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے، جہاں واضح طور پر یہ درج ہے کہ "شعرائے ملازم رکاب بہ نظم آں مبحث مامور شدند" ید بیضا میں بھی عبارت تقریباً وہی ہے، صرف اس فقرہ میں سے "مبحث" کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے، اسی لئے "مثنوی حیاتی" یا "نظم حیاتی" سے مراد صرف یہی مفقود مبحث ہے، جو حیاتی نے نظم کیا تھا، اس سے مثنوی جہانگیر نامہ مطلب لینا کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا، حیاتی نے صرف تغلق نامہ کے ابتدائی اور آخری شعر نظم کئے تھے، جنھیں سے ابتدائی شعر دست بردِ زمانہ سے محفوظ رہ گئے، اور خاتمہ بار دیگر ناپید ہو گیا،

پھر حیاتی کاشی کی ۱۰۱۹ھ میں لکھی ہوئی نظم کے اشعار اس سے پہلے کی لکھی ہوئی تاریخ فرشتہ (مؤلفہ ۱۰۱۵ھ) اور فرہنگ جہانگیری[1] (مؤلفہ ۱۰۱۷ھ) میں کیسے آ گئے، فرشتہ اور عضد الدولہ انجو مولف فرہنگ جہانگیری واضح طور پر تغلق نامہ کے اشعار کو امیر خسرو کے نام سے نقل کرتے ہیں،

سید مقبول احمد صاحب کو مطبوعہ تغلق نامہ کی زبان پر یہ اعتراض ہے، کہ اس میں نہ امیر کی تحریر کی خصوصیات اور برجستگیاں پائی جاتی ہیں، "نہ صنائع[2] و بدائع اور استعارات کی وہ فراوانی پائی جاتی ہے، یہ ایک نووارد ایرانی کی سیدھی سادی زبان ہے، جس نے خسرو کی چاک دامانی کی رفوگری نہیں کی ہے، نہ ان کے خرقۂ پارینہ میں بدنما جوڑ لگائے ہیں، بلکہ جہانگیر کی خاطر سے اپنے شیریں و پرکیف لہجے میں قطب الدین مبارک شاہ کے سوانح سائے

[1] فرہنگ جہانگیری کی تالیف اکبر کے عہد ۱۰۰۵ھ میں شروع ہوئی، اور ۱۰۱۷ھ میں تکمیل کو پہنچی، چنانچہ ؎ زہے فرہنگ نورالدین جہانگیر، سال تکمیل کی تاریخ ہے، تاریخ فرشتہ کے شعر نقل کئے جا چکے ہیں، فرہنگ جہانگیری کے دو شعر درج کئے جاتے ہیں، جو مطبوعہ تغلق نامہ میں موجود ہیں، ؎ چو زخم از تیر بے تدبیر چرخ است ✽ نہ کز تیر چہ خار از تیر چرخ است، (فرہنگ جہانگیری صفحہ ۳۲۰، تغلق نامہ شعر ۶۲۳) ؎ دوایت دادم و گنج و خزانہ ✽ سپاہے نیز چوں باد بزانہ، (فرہنگ جہانگیری صفحہ ۴۰۳، تغلق نامہ شعر ۱۱۰۶) [2] شاہکار جلد اول، نمبر ۳، صفحہ ۴۳،

خاندانِ علائی کے قتل کی دردانگیز سرگذشت، غدار و محسن کش خسرو خاں کی بیرحمی و ستمگاری، غازی خاں کی انتقام گیری اور فتوحات کو نظم کر دیا ہے، وہ نودار د ولایتی بقول صاحبِ طبقات شاہجہانی "از مادۂ علم بے بہرہ بود، سادہ بیانی اور شیریں بیانی کے سوا تکلفات شاعرانہ اور نازک خیالیاں کہاں سے لاتا،

مولوی رشید احمد مرحوم اور سید ہاشمی فریدآبادی نے خود بھی اس کا اقرار کیا ہے، کہ امیر خسرو کی اس اور دیگر منظومات میں بدیہی فرق ہے، نازک خیالیوں اور صنائع و بدائع کی کمی پائی جاتی ہے، لیکن اس سے یہ نکالنا کہ "نودار د ولایتی (حیاتی کاشی) چونکہ مادۂ علمی سے عاری تھا، تو وہ اس سے بہتر کچھ لکھ ہی نہ سکتا تھا، اسلئے یہ اسی کی تصنیف ہے، کسی طرح بھی صحیح نہیں، فاضل نقاد کو مثنوی کی زبان کی بحث کے سلسلہ میں رشید احمد کے دلائل پر بھی غور کرنا تھا، مرحوم نے سرسری جستجو سے تغلق نامہ میں وہ الفاظ بھی تلاش کئے جو حضرت امیر خسرو کی متعدد تصانیف میں ملتے ہیں، اور جو خسرو کے زمانے میں ہی رائج تھے، مثلاً

بستاخ بجائے گستاخ اور بستاخی بجائے گستاخی، شگال بجاے شغال، آگوش بجائے آغوش،

بیرانہ بجاے ویرانہ، نشیں بجاے نشیں اور نشیید بجاے نشینید اور نشانند بجائے نشانند، اھوا

جنیٔ، کار بان[1]،

آپ ہی کہئے، کہ نودار د ولایتی کے زمانے میں یہ الفاظ کہاں رائج تھے، اور اگر رائج نہ تھے، تو اس نے اتنی جلدی یہ الفاظ کہاں سے سیکھ لئے، جو انہیں تغلق نامہ میں درج کیا ہے، ظاہر ہے، کہ یہ الفاظ حیاتی کاشی نے لکھے تھے، اور نہ مطبوعہ تغلق نامہ اس کی تصنیف ہے،

تغلق نامہ کی تاریخی حیثیت مبارک شاہ کے قتل کی تاریخ سید ہاشمی صاحب نے تغلق نامہ کی تاریخی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے اس مثنوی سے بہت سے تاریخی واقعات کی تفاصیل بہم پہنچی ہیں، اور کئی اس کے غلط بیانات کی تصحیح ہوتی ہے، اس سلسلہ میں آپ نے قطب الدین مبارک شاہ کے قتل کی تاریخ

[1] مقدمہ ناتمام تغلق نامہ صفحہ ۵۹،

سنہ ۷۲۰ھ کی چاندرات ذیل کے اشعار سے منتج کی ہے،

چو تاریخ عرب شد ہفصد و بیست[1] ثبات قطب شد کم جانب زیست
جماد دو ئیں را شد پدیدار ہلال تیرۂ و تاریک دیدار
شد آں مہ برہمہ گیہاں مبارک مگر بر طالعِ سلطان مبارک

اور پھر غازی ملک تغلق کی تخت نشینی کی تاریخ پہلی شعبان ۷۲۰ھ ذیل کے شعر سے اخذ کی ہے،

چو صبح[2] غرۂ شعبان فرخ نمود از تخت گاہ آسماں رُخ

سید مقبول احمد صاحب اس پر معترض ہیں، کہ قطب الدین مبارک شاہ کا قتل سنہ ۷۲۰ھ میں نہیں ہوا، اور نہ ہی غازی ملک تغلق سنہ ۷۲۰ھ میں تخت نشین ہوا، بلکہ خسرو[3] خاں (وزیر مبارک شاہ) نے مبارک شاہ کو ۵ ربیع الاول سنہ ۷۲۱ھ مطابق ۴ اپریل سنہ ۱۳۲۱ء کو قتل کیا تھا، اور پانچ ماہ بعد خود بھی غازی ملک تغلق کے ہاتھ سے مارا گیا، اسی سلسلہ میں آپ نے سب سے بڑی سند بیگانہ تاریخ داں بیل (BEALE) کی پیش کی ہے، جو آپ کی بتائی ہوئی تاریخ کی تائید اورنٹیل بیاگرفیکل ڈکشنری میں کرتا ہے، اس کے علاوہ آپ نے فرشتہ کا حوالہ دے کر یہ لکھدیا ہے، کہ فرشتہ[4] اور تمام قابلِ استناد متداول تاریخوں میں یہی تحریر ہے، کہ مبارک شاہ کا قضیہ شب پنجم ربیع الاول ۷۲۱ احدیٰ وعشرین کو ہوا تھا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ فرشتہ کے سوا کسی متداول تاریخ میں بھی مبارک شاہ کے قتل کا سنہ ۷۲۱ھ درج نہیں، اور غالباً آپ کے بیگانہ تاریخ داں بیل (BEAL) نے بھی وہیں سے یہ لیا ہے، ورنہ برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں صاف طور پر لکھا ہے۔

"چنیں می گوید بندۂ اُمیدوار برحمت پروردگار ضیاء برنی چوں در سنہ عشرین وسبعمایہ سلطان غیاث الدین تغلق شاہ انار اللہ برہانہٗ در کوشک سیری بر سریر سلطنت جلوس فرمود[5]"،

[1] دیباچہ تغلق نامہ صفحہ ۱۹، [2] ایضاً [3] شاہکار، جلد ۱، نمبر ۴، صفحہ ۳۱، [4] ایضاً [5] تاریخ فیروز شاہی کلکتہ ایڈیشن (۱۸۶۲)، صفحہ ۴۲۵،

سبحان رائے نے خلاصۃ التواریخ میں بھی یہی تاریخ درج کی ہے، ملاحظہ ہو،

"القصہ در ۷۲۰ھ سلطان (غیاث الدین تغلق) بر سریر سلطانی جلوس نمودہ تاج خسروی بر سر نہادن سکہ و خطبہ بنام خود نمود[1]"

ایک دوسرا، بیگانہ تاریخ داں "لین پول" (LANEPOOLE) بھی غیاث الدین اور خسرو خاں کی تخت نشینی ۷۲۰ھ میں قرار دیتا ہے[2]،

اب آپ کی توجہ سکوں کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے،

اگر آپ ہندوستانی عجائب خانہ کے سکوں کی فہرست، حصہ اول مطبوعہ ۱۸۹۴ء، (سلسلہ سلاطین دہلی)[3] کا مطالعہ کریں، تو آپ کو معلوم ہوگا، کہ وہاں قطب الدین مبارک شاہ کا عہد حکومت ۷۱۶ھ سے ۷۲۰ھ قرار دیا گیا ہے، کیونکہ مبارک شاہ کے سونے، چاندی اور تانبے کے جو سکے دستیاب ہوئے ہیں، وہ ۷۱۶ھ سے ۷۲۰ھ کے عرصہ میں مسکوک ہوئے ہیں،

علیٰ ہذا القیاس سکوں کی فہرست، حصہ دوم مطبوعہ ۱۸۹۴ء (مسلمانوں کے مختلف سکے)[4] کو دیکھنے سے معلوم ہوگا، کہ مبارک شاہ کے تمام سکے ۷۱۶ھ اور ۷۱۹ھ کے درمیان بنائے گئے تھے،

اسی طرح عجائب خانہ کلکتہ کی فہرست مسکوکات، جلد دوم[5] مرتبہ ایچ، ان، رائٹ میں مبارک شاہ کے جن سکوں کی فہرست دی گئی ہے، وہ سب ۷۱۷ھ سے ۷۲۰ھ تک بنائے گئے ہیں، مبارک شاہ کا کوئی

[1] خلاصۃ التواریخ مطبوعہ دہلی ۱۹۱۸ء صفحہ ۲۲۶ [2] سید مقبول احمد صاحب نے "پنجاب میں اردو" پر بھی اس سلسلہ میں نقد کیا ہے، کہ اس میں غازی ملک کی تخت نشینی کا سال ۷۲۳ھ ہے، لیکن پنجاب میں اردو زبان کی ایک دلچسپ تاریخ ہے، اس سے سلطنت کے سیاسی واقعات میں استناد صحیح نہیں، انھوں نے بھی غازی ملک کی تخت نشینی کی تاریخ تاریخ فیروز شاہی یا گلستان ہند سے نقل کردی ہوگی، ان کا اصل موضوع سیاسی حالات بیان کرنا نہ تھا، کہ اسکی تحقیق کی طرف رجوع کرتے، ملاحظہ ہو MOHAMMADAN DYNASTIES صفحات ۱۹۹۔۲۰۰ [3] صفحات ۱ تا ۵۵ [4] صفحات ۴۰ تا ۵۵ [5] صفحات ۳۴ تا ۴۶

سکہ ۷۲۱ھ میں نہیں بنایا گیا، جس سے صاف ظاہر ہے، کہ مبارک شاہ کا عہد ۷۲۱ھ سے پہلے ختم ہو چکا تھا،

اس میں اگر کوئی شبہہ ہو، تو ناصر الدین خسرو خاں کے سکوں کو ملاحظہ کیجئے، اس غدار وزیر کے بہت محدود سکے دستیاب ہوئے ہیں، جس کی وجہ ظاہر ہے، کہ اس کا عہد حکومت نہایت قلیل تھا (ملاحظہ ہو عجائب خانہ کلکتہ کی فہرست سکوکات، جلد دوم، مرتبہ ایچ، ان، رائٹ صفحہ ۴۰) ایک سکہ جو دہلی کی ٹکسال میں بنایا گیا تھا، اس کے دونوں پہلوؤں کی عبارت یہ ہے،

السلطان الاعظم	خسرو شاہ السلطان
ناصر الدنیا و الدین	الواثق بنصر الرحمان
ابو المظفر	ولی امیر المومنین

حاشیہ میں درج ہے،

ضرب هذا السکة بحضرة دهلی فی سنة عشرین وسبعمایة،

پس اگر خسرو خاں قطب الدین مبارک شاہ کو قتل کرکے تخت دہلی پر متمکن نہیں ہو گیا تھا، تو ۷۲۰ھ میں وہ اپنے بادشاہ کی موجودگی میں اپنے نام کا سکہ کس طرح چلا سکتا تھا، ظاہر ہے، کہ ۷۲۰ھ میں خسرو خاں تخت پر بیٹھ گیا تھا، اور قطب الدین قتل ہو چکا تھا،

آگے چلئے، ہندوستانی عجائب خانہ کے سکوں کی فہرست، حصہ اول میں صفحہ ۵۰ سے ۵۶ تک غیاث الدین غازی ملک تغلق کے سکوں کی جو فہرست نظر آتی ہے، ان میں صفحہ ۵۶ پر ایک سکہ نمبر (۱۲۹۰۲) ۷۲۰ھ کا موجود ہے، علیٰ ہذا سکوں کی فہرست، حصہ دوم مطبوعہ ۱۸۹۴ء (مسلمانوں کے مختلف سکے) میں صفحہ ۹۰ پر ۱۳۱ سکوں (نمبر ۴) کا ذکر ملتا ہے، جن کے دونوں پہلوؤں پر ذیل کی عبارت درج ہے،

السلطان الغازی	ابو المظفر
غیاث الدنیا والدین	تغلق شاہ
	السلطان ۷۲۰

اسی طرح عجائب خانۂ کلکتہ کی فہرست مسکوکات، جلد دوم میں صفحہ ۵۰ پر نمبر ب ۲۰۲ اور نمبر ب ۲۰۳ کے دو سکوں کا ذکر درج ہے، جن کے دونوں طرف ذیل کی عبارت درج ہے،

السلطان الغازی	ابو المظفر
غیاث الدنیا	تغلق شاہ
والدین	السلطان ۲۰،

ان سکوں کو دیکھنے سے صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے، کہ غیاث الدین غازی ملک سنہ ۲۰ء میں تخت نشین ہو چکا تھا، اور قطب الدین مبارک شاہ اس وقت تک قتل ہو چکا تھا، ورنہ قطب الدین مبارک شاہ کے سنہ ۲۱ء کے بھی سکے ملتے، اور خسرو خاں اور غیاث الدین غازی ملک کا کوئی سکہ سنہ ۲۰ء میں دستیاب ہوتا،

مولنا حمید الدین صاحب مرحوم کی تفسیر کا ایک نیا جز چھپ گیا،

تفسیر سورۂ فیل (عربی)

مولانا مرحوم نظام القرآن کے نام سے عربی میں جو تفسیر لکھ رہے تھے اور جس کے بعض اجزاء ان کی زندگی میں چھپ گئے تھے، اب اس کا ایک نیا حصہ تفسیر سورۂ فیل چھپ کر شایع ہوا ہے، جو لوگ اس سلسلۂ تفسیر کی اہمیت سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس مہتم بالشان سورہ کی تفسیر میں مصنف مرحوم نے کیا کیا حقائق بیان کئے ہونگے،

قیمت :- ۸ لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، پتہ :- دار المصنفین اعظم گڈھ،

چینی مسلمان

چین سے مسلمانوں کا تعلق آغاز اسلام سے رہا ہے، اس زمانہ میں بھی کروڑوں مسلمان وہاں آباد ہیں، وہاں کے مسلمانوں کے مستند مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی اور اقتصادی حالات ایک درد مند صاحب قلم چینی مسلمان نے ہندوستانی زبان میں لکھے ہیں کہ مسلمانانِ ہند اپنے ان دور افتادہ بھائیوں کے حالات سے آگاہ ہوں، ضخامت ۲۴۲ صفحے قیمت صرف عیر، منیجر

امام ذہبیؒ

از مولوی محمد یوسف صاحب کوکن نایطی، رفیق دار المصنفین،

نام و نسب و وطن، محمد نام، ابو عبد اللہ کنیت شمس الدین لقب، ذہبی عرف، سلسلۂ نسب یہ ہے، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قائماز بن عبد اللہ ترکمانی، ذہبی، یہ نسلاً ترکمانی تھے، ان کے آبا و اجداد کسی زمانہ میں دیار بکر کے شہر میافارقین میں آئے اور وہاں سے دمشق آکر آباد ہو گئے تھے، اور سوناری کا پیشہ کرتے تھے، اسلئے ذہبی کی نسبت سے شہرت پائی،

ولادت اور تعلیم و تربیت، ۳ ربیع الآخر ۶۷۳ھ کو شہر دمشق میں پیدا ہوئے، اس وقت شام کی زمین علوم و فنون کے روشن ستاروں سے آسمان علم بنی ہوئی تھی، چنانچہ یہ صدی ان باکمالوں کی کثرت کے سبب سے تاریخ میں خاص شہرت رکھتی ہے، دمشق، بعلبک، عکہ، حلب، مصر، اسکندریہ، نابلس، سینکڑوں طالب العلموں کا مرجع بنے ہوئے تھے، وہاں کے اساتذہ اور ماہرین علوم و فنون کی شہرت کو سن کر تمام ممالک اسلامیہ کے لوگ علم کی تحصیل کے لئے جوق در جوق ان کی طرف چلے آرہے تھے، ذہبی نے جب آنکھیں کھولیں تو انکا آوازۂ کمال کو سنا، ان کی ابتدائی تعلیم کے حالات پردۂ خفا میں ہیں، قیاس چاہتا ہے، کہ ابتدائی تعلیم دمشق ہی کے کسی مکتب میں حاصل کی ہو گی اٹھارہ برس سال کی عمر میں حدیث شروع کی، اور ابو الحفص عمر بن القواس ابو الفضل احمد بن ہبۃ اللہ بن عساکر یوسف بن احمد الغسولی وغیرہ سے جو اس وقت دمشق کے ماہرین فن حدیث تھے، حدیث پڑھنی شروع کی المعجم المختص (للذہبی قلمی) میں ہے کہ ۶۹۹ھ میں ذہبی نے علامہ ابن تیمیہ سے ملاقات کی، اور ان سے تبرکاً ایک دو حدیثیں سنیں، وہاں کی تکمیل کے بعد

سلہ امام ذہبی کے حالات، طبقات الشافعیہ السبکی، درر کامنہ لابن حجر، بدر طالع للشوکانی شذرات الذہب ذیل طبقات الحفاظ وغیرہ سے ماخوذ ہیں،

علم کی پیاس بجھ نہ سکی، اس لئے وہاں سے نکل کر دوسرے ممالک میں پہنچے، اور ہر ملک کے علما سے ملاقات کی بعلبک میں عبد الخالق بن علوان، زینب بنت عمر بن کندی مصر میں احمد بن اسحٰق ابرقوہی، عیسٰی بن عبد المنعم بن شہاب شیخ الاسلام ابن دقیق العید، حافظ ابو محمد دمیاطی، حافظ ابو العباس ظاہری اسکندریہ میں ابو الحسن علی بن احمد العراقی ابو الحسن یحییٰ ابن احمد بن الصواف مکہ میں توزری حلب میں سنقر زینی، نابلس میں عماد بن بدران غرض ہر ملک کے مشہور اساتذۂ فن سے حدیث کو حاصل کیا چنانچہ انکے شیوخ اور اساتذہ کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے،

بیان کیا جاتا ہے، کہ جب علامہ ذہبی پہلے پہل شیخ الاسلام ابن دقیق العید کی درس گاہ میں پہنچے ہیں تو ان کا قاعدہ تھا، کہ کسی طالب العلم کو بغیر امتحان کے اپنی درس گاہ میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے، چنانچہ وہاں جاتے ہی شیخ الاسلام نے علامۂ موصوف سے پوچھا، کہاں سے آرہے ہو، جواب دیا شام سے پھر فرمایا، تم کس نام سے مشہور ہو، کہا ذہبی کے نام سے شیخ نے دریافت کیا، ابو طاہر ذہبی کون شخص ہیں کہا مخلص، پھر سوال کیا، ابو محمد الہلال کون ہیں، ؟ جواب ملا، سفیان بن عیینہ شیخ الاسلام نے جب دیکھا کہ وہ اسمائے رجال سے اچھی طرح واقف ہیں، تو ان کی تعریف کی، اور ان کو اپنے شاگردوں میں داخل کر لیا،

مذہب، امام ذہبی خاندانی طور سے شافعی المذہب تھے، مگر خود ذاتی تحقیق، اور میلان طبع کی بنا پر حنبلیت کی طرف مائل تھے، اور عقائد میں بھی اشعریت کے بجائے جو شوافع کا عام مذہب ہے، وہ امام حنبل کے پیرو تھے، اور محض وہ محدثین کے مسلک پر تھے، جیسا کہ انکی تصنیفات سے ہر شخص پر ظاہر ہے،

دمشق کی واپسی اور درس و تدریس کا مشغلہ، علامہ ذہبی مشہور علماء کی صحبت سے فیضیاب ہو کر جب دمشق لوٹے، تو وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے محدث اور مورخ بن چکے تھے، خصوصاً فن رجال میں ان کے پایہ کا کوئی دوسرا نہ تھا، حافظ سبکی جو امام ذہبی کے خاص شاگردوں میں تھے، طبقات الشافعیہ میں لکھتے ہیں، کہ اس زمانہ میں حدیث کے حافظ چار تھے، مزی، برزالی، ذہبی، اور میرے والد، لیکن ان سب میں ذہبی کا درجہ بڑھا ہوا تھا، ان کا کوئی

سلہ طبقات الشافعیہ جلد پنجم صفحہ ۲۱۶، سلہ ایضاً،

نظیر نہیں تھا، جرح و تعدیل، اور فن رجال کے اگر شیخ تھے، تو وہی تھے، حفاظ کے معاملہ میں اگر کوئی مشکل پیش آجاتی تو اس کا حل صرف انہی سے ہو سکتا تھا"

اس وقت سیف الدین تنکز المتوفی ۷۴۱ھ شام کا گورنر تھا، جب ۷۱۸ھ میں علامہ شریشی کا انتقال ہوا، جو دارالحدیث الاشرفیہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر مامور تھے، تو سیف الدین نے علامہ مزی المتوفی ۷۴۲ھ کو دارالحدیث الاشرفیہ میں اور علامہ ذہبی کو مدرسہ ام صالح میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر مقرر کیا، ایک عرصہ کے بعد اس نے علامہ ذہبی کو دارالحدیث الظاہریہ پھر نفیسیہ پھر دارالحدیث التنکزیہ میں جو خود اسکا قائم کردہ تھا، شیخ الحدیث کے درجہ پر فائز کیا، یہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا کام بجا لاتے رہے، یہاں تک کہ ۷۴۱ھ میں آنکھوں میں پانی اتر آنے کی وجہ سے بصارت جاتی رہی،

تذکروں میں لکھا ہے کہ جب کبھی علامہ ذہبی سے یہ کہا جاتا، کہ آنکھوں کا علاج کرا لیجئے تو درست ہو جاتیں، تو آپ خفا ہوتے، اور فرماتے، کہ میری آنکھوں میں پانی نہیں اتر آیا، بلکہ میں خود دیکھتا تھا، کہ روز بروز میری بصارت کم ہوتی جارہی ہے، یہاں تک کہ وہ حالت ہو گئی، جو اب تم دیکھ رہے ہو،

شہرت علم و فضل، تھوڑے ہی زمانہ میں علامہ ذہبی کے علم و فضل کی شہرت دور دور تک پھیل گئی، اُن کے آوازۂ کمال کو سن کر ہر جگہ سے طلبہ کی ایک کثیر تعداد امنڈ آئی، اور ان کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر بے شمار لوگوں نے فضیلت کا رتبہ پایا،

وفات علامہ ذہبی نے دوشنبہ کی رات میں نماز عشاء کے بعد ۳ ذوالقعدہ ۷۴۸ھ کو مدرسہ ام صالح میں وفات پائی، دوسرے دن جنازہ کی نماز پڑھی گئی، اور باب صغیر کے مقبرہ میں مدفون ہوئے،

سبکی کا بیان ہے، کہ وفات کے دن مغرب سے کچھ پہلے ان کے والد نے علامہ ذہبی سے ملاقات کی اور حالت وغیرہ دریافت کرنے کے بعد ان سے پوچھا، کہ عصر کی نماز پڑھی ہے یا نہیں، علامہ نے جواب دیا کہ عصر کی نماز تو پڑھ چکا اب چاہتا ہوں کہ مغرب اور عشاء کی نماز بھی پڑھ لوں، جب سبکی کے والد نے جمع بین الصلوتین

کا فتویٰ دیا، توآپنے دونوں نمازیں بیک وقت ادا کین،

اخلاق وعادات، علامۂ موصوف نہایت تیز فہم اور ذہین تھے، اس علم وفضل اور شہرت کیساتھ بیحد منکسر المزاج اور متواضع تھے، اکثر دیکھا جاتا ہے، کہ مصنفین مشاہیر کا تذکرہ لکھنے بیٹھتے ہیں توہمعصر علما، کو یا تو بالکل چھوڑ دیتے ہین، یا اگر لکھتے ہیں، تو بھی ان کی تعریف و توصیف میں انصاف کے پہلو کو مد نظر نہیں رکھتے، علامۂ موصوف کی تصنیفات میں یہ بات نہیں نظر آتی، وہ اپنے ہمعصر علما، کا تذکرہ لکھتے ہیں، اور ان میں جو تعریف و مدح کے لائق ہین، اون کی تعریف و مدح بھی کرتے ہیں، یہ اون کے انکسار وانصاف پر بین دلیل ہے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ کی جوان کے ہمعصرون سے تھے، اور جن سے ان کے اکثر معاصرین برہم رہتے تھے، بہت تعریف کی ہے اور اچھے لفظوں کیساتھ انکو یاد کیا ہے،

علامہ صفدی علامۂ موصوف کی تعریف ان لفظون میں کرتے ہیں، "ان (ذہبی) میں محدثین کا جمود نہ تھا، بلکہ وہ اپنے دل ودماغ کے لحاظ سے فقیہ اور لوگوں کے اقوال کے پورے ماہر تھے،"

اولاد، تذکرون سے معلوم ہوتا ہے، کہ علامہ ذہبی کی اولاد بھی تھی، مگر صرف ایک لڑکا اور ایک لڑکی کے نام ملے ہیں، جو حسب ذیل ہیں،

۱- ابوہریرہ عبدالرحمن ۷۱۵ھ میں پیدا ہوئے، وزیرہ بنت منجا، قاضی سلیمان، اسمٰعیل بن مکتوم، ابن عبدالدائم، عیسی المطعم، ابن الشیرازی، ابن مشرف، قسم بن عساکر وغیرہ سے حدیث کی تکمیل کی، عمر کا زیادہ حصہ حدیث کی سماعت و روایت میں صرف ہوا، محدثین سے بہت محبت تھی، ایک مدت تک قریہ بطنا میں امامت کا کام انجام دیا، اخیر عمر میں نابینا ہوگئے تھے، ربیع الاول ۷۹۹ھ کو ۸۰ سال کی عمر میں اسی گاؤں میں وفات پائی،

۲- امۃ العزیز صاحبزادی کا نام تھا، یہ بھی عالمہ تھین، عیسیٰ المطعم وغیرہ کی درسگاہ میں شریک ہوئی تھیں، اور حجار وغیرہ سے حدیثین سُنی تھیں، اور ان سے دوسرے لوگون نے بھی روایت کی ہے، ۷۸۵ھ مین انتقال کیا،

تلامذہ: علامہ ذہبی کے فیض صحبت سے بہت سے نامور فضلا پیدا ہوئے، مشہور شاگردوں کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں،

۱- قاضی القضاۃ تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب بن علی بن عبد الکافی بن علی بن تمام بن یوسف بن موسیٰ بن تمام السبکی الشافعی ۷۲۷ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے، ۷۳۹ھ میں اپنے والد کیساتھ دمشق چلے آئے اور یہاں کے علماء سے حدیث سنی، آخر میں ذہبی کے خاص شاگرد ہو گئے، متعدد دفعہ قاضی القضاۃ کے منصب پر مامور ہوئے، اور معزول کئے گئے، اکثروں سے اونھوں نے مناظرہ کیا ہے، حدیث و ادب وغیرہ کے ماہر تھے ۷۷۱ھ میں طاعون میں چوالیس سال کی عمر میں وفات پائی، اور قاسیون کی گھاٹی میں مدفون ہوئے،

۲- شمس الدین ابو المحاسن محمد بن علی الحسینی ۷۱۵ھ کو شہر دمشق میں پیدا ہوئے، محمد بن ابی بکر بن عبد الدائم، مزی، ذہبی، برزالی، علائی، وغیرہ سے حدیث حاصل کی، دار الحدیث البہائیہ میں ایک مدت تک شیخ الحدیث کے درجہ پر فائز رہے ۷۶۵ھ میں انتقال کیا، اور قاسیون کی گھاٹی میں دفن کئے گئے،

۳- قاضی جمال الدین ابو الطیب الحسین بن علی السبکی (علامہ سبکی کے بڑے بھائی) ۷۲۲ھ میں مصر میں پیدا ہوئے، حجار سے بخاری سنی، اپنے والد اور زنکلونی سے فقہ حاصل کی، ابو حیان سے نحو، اور اصفہانی سے اصول کا درس لیا، ۷۳۹ھ میں اپنے والد کیساتھ دمشق پہنچے، یہاں مزی اور ذہبی کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر حدیث کی تکمیل کی، اور علم کی تکمیل کے لئے اکثر ممالک کا سفر کیا، دار الحدیث برانیہ اور عذراویہ وغیرہ میں حدیث کی تعلیم دی، ۷۵۵ھ میں وفات پائی اور قاسیون میں دفن کئے گئے،

۴- قاضی شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن مفلح الصالحی الحنبلی، عیسیٰ المطعم ابن مسلم، برہان الزرعی حجار نویرہ، بخاری، مزی، ذہبی وغیرہ سے حدیث سنی، علامہ مزی اور ذہبی، ان کی بہت عزت کرتے تھے، انھوں نے ان دونوں سے کثرت سے روایت کی، ۷۶۳ھ میں انتقال کیا اور شیخ موفق الدین کے مقبرہ کے نزدیک مدفون ہوئے،

۵ - صلاح الدین ابو الصفا خلیل بن ایبک الشافعی ۶۹۶ھ میں قریہ صفد میں پیدا ہوئے، قا
بدر الدین، ابو الفتح، تقی سبکی، مزی، ذہبی وغیرہ سے حدیث پڑھی، ابو حیان سے نحو، اور ابن نباتہ اور ش
محمود سے ادب کا درس لیا، اور ہر ایک میں کمال حاصل کیا، ایک زمانہ تک مصر و دمشق میں منشی کا کا
دیتے رہے، اس کے بعد حلب کے سکریٹری ہوئے، پھر شام کے بیت المال کے افسر مقرر ہوئے، ۷۶۴ھ میں شہر
میں وفات پائی، اور مقبرہ صوفیہ میں مدفون ہوئے،

۶ - قاضی القضاۃ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن محمد الحجاوی الحنبلی، قاہرہ میں ابن الصواف وغیرہ سے
سُنی، پھر سترہ سال کی عمر میں دمشق کا سفر کیا، اور ابن عبد الدائم عیسی المطعم، ذہبی وغیرہ سے فن حدیث کی تکمیل
۷۳۸ھ میں قاہرہ کے قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز ہوئے، اور قضاۃ کا کام خوبی کیساتھ انجام دیا، او
فیض سے کثرت سے حنبلی فقہاء پیدا ہوئے، اور مذہب حنبلی ہر طرف پھیلا، ۷۶۹ھ میں قاہرہ میں انتقال کیا، ا
باب النصر کے باہر ایک مقبرہ میں مدفون ہوئے،

تصنیفات | علامہ ذہبی کی تصنیفات کی تعداد کا اندازہ سو تک کیا جاتا ہے، لیکن ان میں سے بہت سی کتا
ناپید ہو گئی ہیں، اور جو کچھ بچی ہیں، ان میں بہت کم چھپی ہیں، ان کی اکثر کتابوں کا موضوع تاریخ اور فن رجا
انھوں نے دوسرے مصنفین کی بہت سی کتابوں کے خلاصے لکھے تھے، لیکن چند کے سوا سب نایاب ہیں، ا
خاص شاگرد علامہ سبکی ان کی تصنیفات کے متعلق لکھتے ہیں، کہ گو وہ مذہباً شافعی تھے، لیکن ان کے اعتقا
زیادہ تر حنبلیوں کے تھے، اسی لئے جب کبھی کسی حنبلی کا تذکرہ لکھتے ہیں، تو اسکی تعریف میں بہت کچھ
ہیں، اور جب کبھی کسی شافعی یا حنفی کا ذکر آتا ہے، تو تعریف کئے بغیر گذر جاتے ہیں، اور انصاف کو مد نظ
رکھتے، لیکن یہ الزام صحیح نہیں ہے، چونکہ علامہ سبکی غالی شافعی تھے، اسلئے دیگر مذاہب کے پیرودں کی ت
انکے دل کو نہیں بھاتی تھی، چنانچہ علامہ شوکانی اپنی کتاب بدر طالع میں سبکی کے اقوال کو نقل کر کے لکھتے
کہ علامہ سبکی نے جو کچھ لکھا ہے، وہ بالکل غلط ہے، خود ذہبی کی تصنیفات ان کے خلاف شہادت دیتی

غیر معاصر لوگون کے واقعات کے متعلق علامہ ذہبی پر الزام نہیں لگایا جا سکتا، کیونکہ وہ دوسرون سے واقعات کو بیان کرتے ہیں، رہا معاصرین کا تذکرہ تو اس میں انھون نے اکثر جگہ انصاف ہی سے کام لیا ہے، چونکہ وہ حافظ الحدیث تھے، حدیث کی محبت ان کے دل میں جاگزین ہوگئی تھی، اور حنبلیون کے عقائد و خیالات زیادہ تر ظاہر حدیث کے مطابق ہوتے ہیں، اس لئے ان کی تعریف میں کچھ کلمہ کہہ دینا گرفت کے قابل نہیں ہو سکتا، اون کی تصنیفات کی فہرست مع مختصر تبصرہ حسب ذیل ہے:۔

۱- تاریخ الاسلام الکبیر، علامہ ذہبی کی یہ سب سے ضخیم سب سے اہم، اور سب سے مشہور تصنیف ہے، یہ کتاب اکیس جلدوں میں لکھی ہے جس میں ابتدائے اسلام سے لیکر سنہ ۷۰۰ھ تک کے واقعات سنہ وار تحریر کئے ہیں، پوری کتاب ستر طبقوں پر منقسم ہے، ہر دس سال کے واقعات و حوادث کو ایک ایک طبقہ شمار کیا ہے، اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سیاسی واقعات کیساتھ ساتھ ہر صدی کے علماء و فضلاء کے مختصر حالات بھی بیان کئے ہین، اسلئے یہ تنہا سیاسی نہیں، بلکہ علمی تاریخ بھی ہے،

اس کتاب کے مکمل نسخہ کا اب تک پتہ نہیں چلا، اسلئے متفرق اجزا حسب ذیل مقامات مین ہیں آغاز سے سنہ ۴۰ ہجری تک کی جلد جو سیرۃ نبوی اور خلفائے راشدین کے حالات میں ہے کتب خانہ پیرس[1] میں ہے، سنہ ۴۱-۱۳۲ھ تک کا حصہ کتب خانہ جامع تونس[2] میں ہے، ۱۰۱ سے سنہ ۱۲۰ھ کا حصہ مصر کے خدیوی کتب خانہ میں ہے، اور اسکی خاص اہمیت یہ ہے کہ یہ خود مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے[3] ۳۰۱ سے سنہ ۴۰۰ھ تک کا حصہ کتبخانہ پیرس[4] میں ہے، ۵۰۱ سنہ ۵۰۰ھ تک کا حصہ برٹش میوزیم لندن میں ہے،[5] ۵۰۱ سنہ ۵۴۰ھ تک کا دوسرا ناقص حصہ کتب خانہ مصر[6] میں ہے، ۶۴۱ سنہ ۶۰۰ھ تک کا حصہ کتبخانہ پیرس میں ہے،[7] ۶۰۱ سنہ ۶۷۰ھ تک کا حصہ برٹش میوزیم لندن[8] میں ہے،

اس کا ابتدائی نسخہ جو عہد عباسیہ کے اوائل کا ہے، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانہ میں بھی ہے،

---

[1] فہرست کتبخانہ پیرس جلد اول ص ۲۹۸ نمبر ۱۵۰۰، [2] کتبخانہ جامع تونس نمبر ۱۳۰۸۴، [3] فہرست کتبخانہ خدیویہ جزء خامس ص ۱۲ نمبر ۱۵۰۸، [4] ص ۳۳، [5] کتبخانہ خدیو ص ۱۲ نمبر ۱۵۸۲، [6] نمبر ۸۶۷،

علامۂ موصوف کی وفات کے بعد دوسرون نے ۱۱۴۱ھ تک اوسکو اور بڑھایا ہو،

۲۔ تذکرۃ الحفاظ، یہ علم حدیث کے باکمال ماہرین کا تذکرہ ہے، جنکو حسب مراتب اکیس طبقون پر تقسیم کیا ہے، اور ہر ایک طبقہ کے مختصر حالات بغیر ترتیب کے لکھے ہیں، یہ کتاب حضرت ابو بکرؓ کے حالات سے شروع ہوتی ہے، اور علامہ ابن تیمیہ اور حافظ مزی کے حالات پر ختم ہوتی ہے، اخیر مین ۲۶ شیوخ کے مختصر حالات تحریر کئے ہیں، جنسے علامہ ذہبی نے فن حدیث و رجال کی تعلیم حاصل کی تھی،

مطبعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن داد کا مستحق ہے، جس نے اس بے نظیر کتاب سے اہل علم کو آشنا کیا، سب سے پہلے تقریباً ۱۳۲۰ھ میں اوس کو شائع کیا، اور اب اوس کا دوسرا اڈیشن نکالا ہے، جو پہلے سے بہتر ہے،

۳۔ میزان الاعتدال، اس میں مؤلف نے حروف معجم کی ترتیب پر دس ہزار نو سو سات جھوٹے، متہم، اور ضعیف راویون کے مختصر حالات تحریر کئے ہین، دیباچہ میں لکھا ہے کہ انھون نے صرف ان راویون کے حالات لکھے ہیں، جو جھوٹے یا متہم بالکذب، یا وضاع اور ضعیف ہون، اور اس کا التزام کیا ہے کہ صحابہ یا ائمۂ کرام یا سچے راویون کا اس میں ذکر نہ آئے، الا یہ کہ کہیں کہیں صرف مزعومہ و منسوبہ تہمت کو زائل کرنے کے لئے سچے راویون کا تذکرہ آگیا ہو،

یہ کتاب سب سے پہلے مطبع تیغ بہادر لکھنؤ میں دو جلدون میں چھپی، پہلی جلد ۱۳۰۱ھ میں اور دوسری ۱۳۰۲ھ میں، پھر ۱۳۲۵ھ میں مطبع سعادت مصر سے تین جلدوں میں شائع ہوئی،

۴۔ تجرید اسماء الصحابہ ۲ جلد، یہ ابن اثیر کی کتاب اسد الغابہ کا اختصار ہے، مؤلف نے اسد الغابہ کے ناموں کے علاوہ اور بہت سے نامون کا اضافہ بھی کیا ہے،

مشہور ہے کہ اسد الغابہ مین ساڑھے سات ہزار صحابہ کا تذکرہ ہے، اس میں آٹھ ہزار آٹھ سو نو صحابہ کے مختصر حالات ہیں،

۱۳۱۵ھ میں دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے دو جلدوں میں شائع ہوئی،

۵- دُوَل الاسلام، یہ مولف کی تاریخ اسلام کا اختصار ہے، اس میں نبی کریم صلعم کے حالات کی تفصیل حذف کر دی ہے، اور صرف سنین اور وفیات کا لحاظ رکھا ہے، چنانچہ آپ کی وفات سے لیکر ۷۴۴ھ تک کے سنین اور وفیات اس مین درج کئے ہین، یعنی ہر سنہ کا عنوان قائم کرکے اس سال کے اہم واقعات مختصر ترین عبارت میں لکھدیے ہیں، اسکے بعد سخاوی نے ۷۴۵ھ سے لیکر ۸۹۶ھ تک کے واقعات زیادہ کئے ہیں،

۱۳۳۷ھ میں سخاوی کے ذیل کے ساتھ مطبعۂ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے دو جلدون میں شائع ہوئی،

۶- طبقات الحفاظ، ۴جلد، یہ اکابر محدثین کا تذکرہ ہے، تمام محدثین کو بارہ طبقوں میں تقسیم کیا ہے، اور ہر ایک طبقہ کے مختصر حالات تحریر کئے ہیں، بعد میں امام سیوطی نے اوس کی تلخیص کی ہے، اوس کا ایک قلمی نسخہ لیڈن کے کتب خانہ میں ہے،

۱۸۳۳ء میں یورپ سے شائع ہوئی،

۷- العبر فی خبر من غبر، ۲جلد، اسے تاریخ اوسط بھی کہتے ہین، یہ تاریخ الاسلام الکبیر کا اختصار ہے، ۷۰۰ھ تک کے مطوّل واقعات کو مختصر طور پر بیان کیا ہے،

اس کا ایک ناقص قلمی نسخہ کتبخانہ پیرس میں موجود ہے،

۸- سیر النبلاء، تاریخ الاسلام الکبیر مین جتنے مشہور علماء و فضلاء کے تذکرے تھے، ان کو اختصار کے ساتھ یکجا کر دیا ہے،

غالبًا نواب صدیق حسن خان نے اسی کو فارسی میں ترجمہ کرکے شائع کیا ہے، شاید اس کا نسخہ ندوہ میں ہو،

۹- کتاب معرفۃ القراء علی الطبقات والاعصار، یہ قاریوں کا ایک مختصر تذکرہ ہے جسمین

تمام قاریون کو ستر طبقون پر تقسیم کر کے ہر طبقہ کے مختصر حالات تحریر کیے ہیں، یہ مولف کی تاریخ الاسلام الکبیر سے ماخوذ ہے، عثمان بن عفانؓ کے حالات سے شروع اور ابن الزیات المتوفی ۲۳ھ پر ختم کیا ہے،

اس کا ایک قلمی نسخہ کتبخانہ بانکی پور مین اور دوسرا پیرس کے کتبخانہ مین ہے،

۱۰- تذهیب التهذیب، حافظ مزی المتوفی ۷۴۲ھ نے تہذیب الکمال کے نام سے صحاح ستہ کے راویون کے حالات میں تیرہ جلدون مین ایک کتاب لکھی، علامہ ذہبی نے پانچ جلدون میں اس کی تلخیص کی، اور حروف معجم پر اوسکی ترتیب رکھی، کتب خانہ خدیویہ میں اسکی چار قلمی جلدین موجود ہین، پہلی دوسری تیسری اور پانچوین، لیکن پانچوین جلد ناقص ہے، اور اسی میں ایک دوسرے نسخہ کی دوسری اور تیسری جلدین بھی ہین،[۱] اس کی اخیر جلد کا ایک قلمی نسخہ جو میم سے شروع ہو کر یا پر ختم ہوتا ہے، کتبخانہ برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے،[۲] ذہبی کی تذہیب کا خلاصہ حافظ صفی الدین خزرجی نے کیا تھا، اور وہ مصر کے مطبع بولاق سے ۱۳۰۱ھ میں شائع ہوا ہے،

۱۱- الکاشف، یہ کتاب تذہیب کا اختصار ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ علامہ سبکی کے ہاتھ کا لکھا ہوا کتبخانہ بانکی پور میں ہے، اور دوسرے دو قلمی نسخے کتبخانہ رام پور و کتبخانہ آصفیہ میں پائے جاتے ہین، پہلا ۹۳۰ھ کا لکھا ہوا ہے، اور دوسرا ۹۶۰ھ کا، اسیطرح ایک نسخہ کتبخانہ خدیویہ مین ہے، نیز اسکا ایک عمدہ نسخہ جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے والد بزرگوار کا ہے، حکیم حبیب الرحمن صاحب ڈھاکہ کے پاس ہے،

۱۲- المعجم الکبیر، اس میں ایک ہزار تین سو سے زائد اساتذہ فن حدیث کے حالات بیان کئے تھے، یہ کتاب نایاب ہے،

۱۳- المعجم الصغیر، یہ اون اساتذہ کا تذکرہ ہے، جن سے علامہ ذہبی نے فن حدیث و رجال وغیرہ کی تکمیل کی،

---

[۱] کتبخانہ خدیویہ مصر جز اول ص ۲۳۰، [۲] برٹش میوزیم لندن نمبر ۹۲ ص ۱۴۰،

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ رامپور میں ہے،

۱۴-المعجم المختص، اس میں علامہ ذہبی نے اپنے زمانہ کے محدثین اور اپنے شاگردوں کے حالات تحریر کئے ہیں، اس کا ایک نسخہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانہ میں ہے، اس کے آخر میں ہے، کہ ۷۲۹ھ میں یہ تالیف ہوئی، اور مجالس میں املا کے طور پر پڑھی پڑھائی گئی، موجودہ نسخہ خوشخط ہے، ۱۲۵۶ھ میں شاہجہاں آباد میں لکھا گیا ہے،

آخر میں ان لوگوں کی سندیں ثبت ہیں، جنھوں نے اس کو ذہبی سے وقتاً فوقتاً سنا، ان میں سے پہلی قرأت ۷۳۱ھ میں، پھر ۷۳۲ھ میں، ۷۴۱ھ میں، ۷۴۳ھ میں، ۷۴۴ھ میں ہوئی، اور اسکا ایک قلمی نسخہ حسین محمد کے ہاتھ کا لکھا ہوا، کتبخانہ خدیویہ میں ہے[1] اور ایک نسخہ ۱۲۹۳ھ کا لکھا ہوا کتبخانہ سعیدیہ حیدر آباد میں ہے،

۱۵-رسالۃ فی معرفۃ فقیہ الامۃ ابی حنیفہ، یہ امام ابو حنیفہ کے حالات میں ایک چھوٹا سا رسالہ ہے، جس کا ایک قلمی نسخہ کتبخانہ سعیدیہ حیدر آباد میں ہے،

۱۶-المشتبہ فی اسماء الرجال، مؤلف نے اس میں ان مشتبہ راویوں کی اختصار کے ساتھ توضیح کی ہے، جن کے اسماء، انساب، کنیت اور القاب میں اختلاف واقع ہو گیا ہے،

۱۸۶۳ء میں مطبع بریل لیڈن سے شائع ہوئی،

۱۷-قرۃ العین فی ضبط رجال الصحیحین، اس میں علامہ ذہبی نے صحیح بخاری و صحیح مسلم کے راویوں کے حالات بیان کئے ہیں، چھپ گئی ہے،

۱۸-کتاب العلو ۱ جلد، متکلمین و محدثین میں شروع سے یہ بحث چلی آرہی ہے کہ کیا خدا عرش پر ہے؟ اگر اسکا جواب اثبات میں ہو تو حیز و مکان لازم آتا ہے، جو حادث کا خاصہ ہے، اور اگر اس کا جواب نفی میں دیا جائے

[1] فہرست کتب خانہ خدیویہ جزء اول ص۲۴۲،

تو پھر ان آیتوں اور حدیثوں کا کیا مطلب ہوگا، جن میں استوار علی العرش کے مطالب بیان کئے گئے ہیں،

علامہ ذہبی نے اس کتاب کے خطبہ میں لکھا ہے، کہ انصاف کا تقاضا یہ ہے، کہ عقائد میں مسلمانوں کے قدم نصوص قرآن و حدیث اور صحابہ، تابعین، ائمہ تفسیر وغیرہ کے اقوال سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹیں،

اسمیں علامہ موصوف نے احادیث متواترہ کو یکجا کرنے کے بعد صحابہ، تابعین، اور ائمہ تفسیر کے اقوال نقل کئے ہیں، اور استوار علی العرش کی تائید کی ہے،

یہ کتاب سب سے پہلے ۱۳۱۳ھ میں مطبع انصاری دہلی، (ہندوستان) میں چھپی، پھر ۱۳۳۲ھ میں مطبع منار مصر سے شائع ہوئی.

۱۹- الطب النبوی، اسمیں طب نبوی کی حدیثوں کو یکجا کر دیا ہے، کتاب تین فنون پر منقسم ہے، (۱) طب کے قواعد، (۲) ادویہ واغذیہ (۳) بیماریوں کا علاج،

تقریباً ۱۳۶۱ھ میں مصر سے شائع ہوئی،

۲۰- المغنی فی الضعفاء، مؤلف نے ابن معین، بخاری، ابو زرعہ، ابو حاتم، دارقطنی، دولابی، حاکم، خطیب ابن جوزی وغیرہ کی کتابوں سے ضعیف راویوں کو یکجا کر دیا تھا، میزان الاعتدال کے مقدمہ میں ذہبی نے اس کا ذکر کیا ہے،

۲۱- المقتنی فی سرد الکنی، حاکم اور نسائی نے مختلف کتابیں لکھی تھیں جسمیں، حفاظ الحدیث اور راویوں کی کنیتوں کی توضیح و تشریح کی تھی، یہ کتاب انہی کا اختصار ہے،

۲۲- مختصر تاریخ نیشاپور، امام ابو عبد اللہ الحاکم المتوفی ۴۰۵ھ نے خراسان کی ایک مبسوط تاریخ لکھی تھی، جسمیں سیاسی حوادث و واقعات کے ساتھ ساتھ صحابہ سے لیکر اپنے زمانہ تک کے ان علماء کے تذکرے لکھے تھے جو خراسان میں پیدا ہوئے، اور وہیں دفن ہوئے، یا کہیں سے آکر خراسان میں سکونت اختیار کر لی، تمام لوگوں کو چھ طبقوں پر تقسیم کیا تھا، اور حروف معجم کی ترتیب پر ہر ایک طبقہ کے حالات لکھے تھے. علامہ ذہبی کی یہ کتاب

اسی کی تلخیص ہو،

۲۳۔ تلخیص المستدرک، یہ مستدرک علی الصحیحین کی تلخیص ہے، اس میں روایتوں کی صحت وعدم صحت اور ان کے رجال پر ایک ناقدانہ نظر ڈالی ہو،

یہ کتاب مستدرک کیساتھ چار جلدوں میں مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد سے شائع ہوئی پہلی جلد ۱۳۳۴ھ میں، دوسری ۱۳۴۰ھ میں تیسری ۱۳۴۱ھ میں اور چوتھی ۱۳۴۲ھ میں،

۲۴۔ اخبار قضاۃ دمشق، یہ دمشق کے قاضیوں کا ایک تذکرہ تھا،

۲۵۔ مختصر تاریخ بغداد، خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ کی مشہور ومعروف کتاب کا اختصار ہے اسکا ایک قلمی نسخہ کتبخانہ خدیویہ میں موجود ہے[۱]،

۲۶۔ مختصر المحلی، علامہ ابن حزم نے فقہ میں محلی کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، جو ابھی حال میں مطبع منیر یہ مصر گیارہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے، یہ کتاب اوسی کا اختصار ہے،

۲۷۔ مختصر سنن البیہقی، یہ سنن بیہقی کی تلخیص تھی، جس میں اسناد ومتن کی تلخیص کے ساتھ ساتھ راویوں پر بھی جرح کی تھی،

۲۸۔ مختصر اطراف المزی علامہ مزی المتوفی ۷۴۲ھ نے صحاح ستہ کے اطراف کو جمع کر دیے تھے، علامہ ذہبی نے اسکی تلخیص کی تھی،

۲۹۔ المنظومہ فی اسامی الحفاظ نظم میں رواۃ حدیث پر جرح اور ان کے ضعیف یا ثقہ ہونے کو بیان کیا ہے اس کے چند اشعار علامہ سبکی نے طبقات الشافعیہ میں علامہ ذہبی کے حالات کے بیان میں نقل کئے ہیں، اس کا ایک قلمی نسخہ کتبخانہ خدیویہ میں موجود ہے[۲]،

۳۰۔ مختصر اخبار النحویین، جمال الدین قفطی المتوفی ۶۴۶ھ نے نحویوں کے حالات میں ایک کتاب لکھی تھی

---

[۱] جزء خامس ص ۱۴۵، [۲] ایضاً ص ۱۶۲

جس کا نام ابناء الرواۃ رکھا، علامہ ذہبی نے اس کی تلخیص کی تھی کتبخانہ لیڈن میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے،

۳۱۔ کتاب الکبائر و بیان المحارم، یہ کتاب محارم شرعیہ اور گناہوں کے بیان میں ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ کتبخانہ خدیو میں موجود ہے[1]،

۳۲۔ کتاب الموقظ اس میں راویوں کے مختصر حالات بیان کئے گئے ہیں، اس کا ایک ناقص قلمی نسخہ کتبخانہ پیرس میں ہے[2]،

۳۳۔ بیان زغل العلم والطلب، یہ چونتیس صفحوں کا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے، جس کو ۱۳۴۷ھ میں مطبع توفیق دمشق نے شایع کیا ہے، اس میں علامہ ذہبی نے علوم و مذاہب کی تعریف کی ہے، اور ان کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں، اخیر میں ابن تیمیہ کو نصیحت کی ہے،

۳۴۔ الروع والاوجال فی نبأ المسیح والدجال، اس میں مسیح و دجال کی حدیثوں کو جمع کر دیا ہے،

۳۵۔ مختصر سلاح المومن، ابو الفتح المصری الشافعی المتوفی ۷۴۵ھ نے دعاؤں کے اثر کے متعلق کئی بابوں میں ایک کتاب لکھی تھی یہ اسی کا اختصار ہے،

۳۶۔ مختصر وفیات المنذری، علامہ منذری نے علماء و فضلاء کی سیرت میں وفیات کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی یہ اسی کا اختصار ہے،

۳۷۔ مختصر تاریخ ابن السمعانی، سمعانی، المتوفی ۵۶۲ھ کی تاریخ (انساب) کا اختصار ہے،

ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سے رسائل ہیں، جن کی ایک مختصر فہرست ذیل میں دی جاتی ہے، یہ کتابیں نایاب ہیں،

۱۔ مختصر الفاروق لشیخ الاسلام الانصاری، ۲۔ مختصر فضل العلم لابن عبد البر،

۳۔ مختصر جواز السماع لجعفر الادفوی، ۴۔ مختصر الزہد للبیہقی والقدر لہ،

---

[1] جزء ثانی ص ۱۶۸ [2] جلد سوم ص ۴۲۴، نمبر ۷۷۵

۵۔ مختصر الرد علی الرافضۃ لابن تیمیہ،

۶۔ کتاب الزیادۃ المطربہ،

۷۔ کتاب سیرۃ الحلاج،

۸۔ کتاب تحریم ادبار النساء،

۹۔ کتاب احادیث الصفات،

۱۰۔ فضل الحج،

۱۱۔ فضل آیۃ الکرسی،

۱۲۔ جزء فی الشفاعۃ،

۱۳۔ صفۃ النار،

۱۴۔ مسئلۃ السماع،

۱۵۔ مسئلۃ الغیب،

۱۶۔ رویۃ الباری

۱۷۔ کتاب الموت وما بعدہ

۱۸۔ طرق احادیث النزول،

۱۹۔ کتاب اللباس،

۲۰۔ کتاب الزلازل،

۲۱۔ مسئلۃ دوام النار،

۲۲۔ کتاب التمسک بالسنن،

۲۳۔ کتاب التلویح لمن سبق ولحق،

۲۴۔ مختصر فی القرات،

۲۵۔ کتاب مائۃ البدر فی اہل بدر،

۲۶۔ کتاب تقویم البلدان،

۲۷۔ کتاب ترجمۃ السلف،

۲۸۔ دعاء المکروب،

۲۹۔ جزء صلاۃ التسبیح،

۳۰۔ تتبیع الخمیس باہل الخمیس،

۳۱۔ رسالہ فی ما یعظم و یات فی کل طائفۃ

۳۲۔ مفاخرۃ الشمس والقمر،

۳۳۔ کتاب الورد،

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو شذرات الذہب جلد ششم ص ۱۵۶، وانسائیکلوپیڈیا آف اسلام ص ۹۵۴،

مقبرہ حضرت رکن عالم قدس سرہ العزیز

از

مولوی سید محمد عبداللہ صاحب سنوی مدرس مدرسۂ حنفیہ آرہ،

رسالہ معارف ماہ مارچ اور مئی ۳۵ء میں حضرت شیخ رکن عالم رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقبرہ کا ذکر ہے، اور اسکے بانی کے متعلق نزاع ہے، "گل ملتانی" میں شہرت کی بنا پر لکھا ہے کہ شاہ رکن عالم کا مقبرہ فیروز شاہ تغلق نے تیار کرایا تھا اور اس کے بیٹے محمد تغلق نے شاہ رکن عالم کو نذر کر دیا، اس قول پر "خاک ملتان" میں حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا گیا ہے،

(۱) خاندان تغلق میں دو محمد شاہ ہوئے ہیں، اول فخر الدین جونا بن غیاث الدین تغلق، ثانی ناصر الدین محمد بن فیروز شاہ، اور جس محمد شاہ نے مقبرہ نذر کیا ہوگا وہ فخر الدین جونا ہے نہ ناصر الدین محمد،

(۲) غیاث الدین تغلق نے ملتان میں کوئی مقبرہ اپنے لئے بنایا، تاریخوں سے ثابت نہیں ہے بلکہ یہ زبان زد عام و خاص ہے اور قیاسات اس کے موید ہیں،

(۳) قرین قیاس ہے کہ غیاث الدین تغلق نے ملتان کی حکومت کے زمانہ میں مقبرہ بنوایا ہو،

قبل اسکے کہ بیان بالا کے متعلق نفیاً یا اثباتاً کچھ لکھا جائے یہ ظاہر کر دینا مناسب ہے کہ اس تحریر کا ماخذ تاریخی کتابیں نہیں، بلکہ ملفوظات ہیں، لیکن یہ کسی غیر معروف شخص کا ملفوظ نہیں، بلکہ ایک ایسی ہستی کا ہے جس کی رفعت و عظمت مقبول

۱؎ حضرت جانیاں جہاں گشتؒ کا ورود دہلی میں دو بار ہوا، پہلی بار ۱۰ محرم ۷۷۳ھ میں آپ نے قدوم میمنت لزوم سے دہلی کو عزت بخشی اور دہلی کے ایک بزرگ سید علاء الدین آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، دوسری بار ۱۲ ربیع الاول ۷۸۰ھ میں دہلی میں رونق افروز ہوئے، اس دفعہ حضرت مخدومؒ نے تقریباً دس ماہ دہلی میں قیام فرمایا اور اپنے فیوض

اور سند شہرت معروف ہے یعنی سید السادات حضرت مخدوم جلال الحق والدین معروف بہ جہانیاں جہانگشت قدس سرہٗ لہذا ملفوظ مذکور کا بیان حق و یقین پر مبنی ہوگا، کیونکہ حضرت مخدومؒ کا ارشاد بہ نسبت دیگر اشخاص کے زیادہ صحیح اور قابلِ وثوق ہوگا اور ثقہ روایات اور صحیح معلومات پر حاوی ہوگا، کیونکہ حضرت مخدومؒ اور حضرت ابو الفتح رکن عالم قدس سرہ کا ایک ہی زمانہ ہے، اوّل بزرگ کا یہ عالمِ شباب، اور ثانی کا عالمِ کہولت تھا، حضرت مخدوم[1] کو حضرت رکن عالم کی زیارت کا موقع ملا بھی ہے، اور کچھ دن وہ ان کی صحبت میں بھی رہے ہیں، ان وجوہ سے حضرت رکن عالمؒ کے متعلق حضرت مخدومؒ کا قول زیادہ قابل اعتبار ہوگا،

اس مختصر تمہید کے بعد اصل بحث یعنی خاک ملتان کے خیالات پر سلسلہ وار لکھا جاتا ہے، تاکہ ناظرین کو انکے مقبرہ کے متعلق صحیح علم ہو سکے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۴) و برکات سے لوگوں کو سرفراز کیا، حضرت مخدوم دونوں بار سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ حکومت میں دہلی تشریف لائے، آپ کی خدمت میں حصول برکت اور طلب دعا کے لئے شہزادہ ظفر خان، شہزادہ مبارک خاں، غیاث الدین تغلق ثانی بن فتح خاں وغیرہ حاضر ہوئے، اور مخدوم کے فیوض و برکات سے فیضیاب ہوئے،

اس دفعہ جناب سید علاء الدین نے مخدومؒ کے وجود فیض بخش کو غنیمت جانا، اور آپ کی خدمت بابرکت میں رہنا اختیار کیا، اور مخدومؒ کے حضور میں جو کچھ دیکھنے اور سننے میں آیا اسے قلم بند کیا، جب حضرت مخدومؒ کو معلوم ہوا کہ سید علاء الدین مخدومؒ کے ملفوظ کو لکھتے ہیں تو آپ خاتمۂ قول پر ارشاد فرماتے کہ اس کو لکھ لو،

جناب سید علاء الدین نے اس ملفوظ کا نام جامع العلوم رکھا، یہ کتاب فارسی میں ہے اس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظ المخدوم کے نام سے موسوم ہے، یہ ترجمہ دو جلدوں میں ہے، ۲۰۰ صفحے ہیں، جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب نے جامع العلوم کا ترجمہ شروع کرایا تھا کہ حادثۂ وفات پیش آیا، اور ترجمہ کا کام بند ہوگیا، پھر نواب نور الحسن خاں صاحب نے اس کا ترجمہ کرایا اور ۱۳۰۹ھ میں مطبع انصاری دہلی سے ترجمہ مذکور کی اشاعت ہوئی، ماخوذ از الدر المنظوم،

[1] الدر المنظوم ص ۵۵، ص ۱۰۲، ص ۱۵۱۔ [2] تاریخ فرشتہ اردو،

(۱) حضرت شیخ رکن عالم قدس سرہ کی وفات ۷۳۵ھ میں ہوئی اور سلطان غیاث الدین تغلق ۷۲۵ھ میں مرا اس کے بعد فخر الدین جونا محمد شاہ تخت پر بیٹھا اور اس کی حکومت ۷۵۲ھ تک رہی، محمد شاہ کے لاوارث مرنے پر فیروز شاہ تغلق حسب وصیت محمد شاہ تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوا، لہذا شیخ رکن عالم کی وفات فخر الدین جونا محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں ہوئی نہ کہ غیاث الدین تغلق کے عہد میں،

(۲) حضرت شیخ رکن عالم کا وصال حضرت مخدوم کے زمانہ میں ہوا لہذا آپ کو بہ نسبت اوروں کے صحیح اور پورا علم ہوگا، چنانچہ حضرت مخدوم کا ارشاد ہے کہ جب شیخ رکن عالم کا انتقال ہوا تو وہ اپنے جد کے پائنتی میں دفن کئے گئے اور جب سلطان محمد شاہ نے مقبرہ بنوایا تو اس میں شیخ رکن عالم کو منتقل کیا بعد ازاں پھر وہاں سے اول مقام میں منتقل کر دیا گیا،

"جس خطیرہ کو سلطان محمد نے بنایا ہے دعاگو (مخدوم) اس جگہ زیارت نہیں کرتا ہو اسی جگہ خطیرۂ شیخ بہاؤ الدین قدس سرہ میں زیارت کرتا ہوں اس لئے کہ شیخ رکن الدین کو پھر اس جگہ سے لے گئے اور میں سنتا ہوں اور مجھ سے کہا ہے کہ اس جگہ مت زیارت کر، شیخ رکن الدین اس جگہ نہیں ہیں[۱]"،

"جس زمانہ میں شیخ رکن الدین قدس سرہ نے وفات پائی ان کے دادا شیخ کبیر (بہاء الحق والدین) کے پائنتی ان کو دفن کیا، سلطان محمد نے اس جگہ سے کھینچا، ایک دوسری خانقاہ بقدر تیر پرتاب کے بنائی، شیخ کو اس جگہ دفن کیا، اس خانقاہ میں بیت المال کے دیہات وقف کئے، لیکن شیخ کو پھر ان کے دادا کے پائنتی لے آئے، جس جگہ اول بار ان کو دفن کیا تھا[۲]

(۳) خاک ملتان میں قیاس سے کام لیکر کہا گیا ہے کہ غیاث الدین تغلق نے ملتان میں اپنی حکومت کے زمانہ میں مقبرہ بنوایا ہو کسی تاریخی کتاب یا اولیائے کرام کے ملفوظات و مکتوبات کا حوالہ نہیں دیا جس سے اس کے قول کی تائید ہوتی، حالانکہ الدر المنظوم میں حضرت مخدوم کا ارشاد موجود ہے، کہ سلطان محمد تغلق نے مقبرہ تیار کرایا اور اس میں حضرت رکن عالم قدس سرہ کو منتقل کیا تو گویا یہ ایک تاریخی شہادت ہوئی جو اس قیاس کے مقابلہ میں قابل ترجیح اور واقعی قول ہے نیز تاریخوں سے ثابت ہے کہ فخر الدین جونا محمد شاہ تغلق کی آمد و رفت انتظام ملکی اور غارت تاتاری کے سبب ملتان ٹھٹھ وغیرہ میں اکثر ہوئی تعجب کیا ہے کہ اسی زمانہ میں سلطان مذکور نے مقبرہ بنوایا اور حضرت رکن عالم کو اول مقام سے نکلوا کر اپنے بنوائے ہوئے خطیرہ میں دفن کرایا ہو

تلخیص و تبصرہ

یوگوسلاویا کے مسلمان

یوگوسلاویا کے مسلمانون سے متعلق وہین کے ایک اہل قلم اسمٰعیل آغا سِمالووک (Smailaga Cemalovich) کا ایک مضمون بلغراد کے جریدہ ساؤتھ سلیو ہیرلڈ (South Slav Herald) میں شائع ہوا تھا جو اسلامک ریویو بابت ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۵ء میں نقل ہو کر آیا ہے، ناظرین معارف کے لئے ہم اس کا خلاصہ ذیل میں پیش کرتے ہین:-

یوگوسلاویا میں مسلمانوں کی تعداد اس وقت سولہ لاکھ سے زیادہ ہے، یہ لوگ زیادہ تر بوسنیا اور ہرزیگووینا میں آباد ہین، کچھ مونٹی نیگرو، بخق، اور جنوبی سربیا میں بھی ہیں، ترکی اور البانی نسل کے لوگ بیشتر جنوبی سربیا میں پائے جاتے ہیں، چند مونٹی نیگرو میں بھی آباد ہین، عثمانیوں کے بلقان میں آنے سے قبل بھی موجودہ یوگوسلاویا کے جنوبی ضلعوں میں مسلمانون کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں سکونت پذیر تھیں، یہ لوگ خالص ترکی نسل کے تھے، عثمانیوں کے آنے کے بعد یوگوسلاویا کے موجودہ مسلمانون نے اسلام اختیار کر لیا، لیکن باوجود اس کے کہ انھوں نے اسلام عثمانیوں سے اختیار کیا، نسلی اور قومی حیثیت سے اُن مین کوئی آمیزش ہونے نہ پائی، اور ان کی قومی روایات، زبان، تحریر، گیت، اور انفرادیت بدستور باقی رہی، جو عثمانیون سے بالکل مختلف تھی،

یوگوسلاویا کے مسلمان ملکی تہذیب و تمدن کے تمام شعبون میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لیتے ہیں، بعض مسلمان یوگوسلاوی لٹریچر میں نمایان حیثیت رکھتے ہین، بعض مصوری اور سنگ تراشی میں ممتاز ہیں،

مسلمان عورتیں بھی ۱۹۱۸ء کے بعد سے حکومت کے انتظامی معاملات اور مدارس میں روز بروز زیادہ حصہ لے رہی ہیں، چنانچہ مسلمان عورتیں مدرسوں اور کالجوں میں پڑھاتی ہیں، ڈاکٹر ہیں، عدالتوں، ڈاکخانوں اور دوسرے ملکی اداروں میں کام کرتی ہیں، یوگوسلاویا کے مسلمان متعدد تمدنی اور تعلیمی رسالے بھی نکالتے ہیں، یوگوسلاویا میں بہت سے مشہور اسلامی کتب خانے ہیں، جن میں ہزاروں قیمتی مخطوطات محفوظ ہیں ان میں سے بعض مخطوطات پندرہویں صدی سے انیسویں صدی تک کی بلقان کی تاریخ کے مطالعہ کے لئے نہایت درجہ اہم ہیں،

اقتصادی حیثیت سے یوگوسلاویا کے مسلمانوں کی حالت آج بہت خراب ہے، کیونکہ ۱۹۱۸ء کی آزادی کے بعد زمینوں کا جو بند وبست ہوا، اس سے مسلمان زمینداروں کے ہاتھ سے بڑے بڑے علاقے نکل گئے، اس انتظام کے باعث مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد دفعۃً اپنی معاش کے سب سے بڑے ذریعہ سے محروم ہوگئی، اراضیات کا یہ بند وبست اچانک اور غیر متوقع ہونے کے علاوہ بہت بے موقع بھی پیش آیا، کیونکہ جنگ عظیم کے اثراتِ مابعد نے اُسوقت تمام دنیا کے اقتصادی نظام کو پراگندہ کر رکھا تھا یہ چوٹ ان کے لئے کاری تھی، کیونکہ مسلمان صدیوں سے حکمرانی کرتے آئے تھے، اور اپنی حکمرانی پر قناعت کرکے انھوں نے تجارت صنعت وحرفت اور تعلیم کی ترقی میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا، جب بوسینا اور ہرزیگووینا میں آسٹریا کی حکومت قائم ہوئی، تو اوس نے بھی یہی مناسب سمجھا، کہ مسلمانوں کو تعلیم نہ دیجائے کیونکہ ان کا جاہل رہنا اغراض حکومت کے لئے مفید تھا،

مذہبی تنظیم میں بوسینا اور ہرزیگووینا کے مسلمان ملک کے دوسرے مسلمانوں سے بہت بڑھے ہوئے تھے، کیونکہ انھوں نے آسٹروی حکومت میں دس سال کی جد وجہد کے بعد ۱۹۰۹ء میں مذہبی اور تعلیمی خود اختیاری حاصل کرلی تھی، اس جد وجہد میں سیاسی رنگ بھی شامل تھا جس کا ثبوت یہ ہے، کہ مسلمانوں کے ساتھ سربیا کے وہ عیسائی بھی شریک تھے، جو کلیسائے یونان سے تعلق رکھتے تھے، آسٹریا

کے خلاف مسلمانوں کی اس تحریک کا سبب یہ تھا، کہ حکومت نے موقوفہ جائدادیں بجبر ضبط کرلی تھیں، اور اسقف اعظم اسٹاڈلر ([illegible]) نے مسجدوں حرم سراؤں، اور مسلمان نوجوانوں کے ساتھ زیادتی اور تعدی شروع کردی تھی،

۱۹۱۸ء کی آزادی کے بعد حالات اس حیثیت سے بدل گئے، حکومت کی تحریک پر جب ملک کے ہر مذہب کو آئینی حقوق ملے، تو یوگوسلاویا کی انجمن اسلامیہ کو بھی ایک دستور دیا گیا، انجمن اسلامیہ کے اس دستور کے رو سے ایک مذہبی تنظیم قائم کردی گئی، اور رئیس العلماء اس کا صدر مقرر ہوا، رئیس العلماء کا مرتبہ ایک وزیر کا ہے، اور قانوناً اسے شرعی قضاۃ کے تقرر کا حق حاصل ہے، اگرچہ یہ شرعی قاضی حکومت کے عہدہ دار ہیں، اور حکومت ہی سے ان کو مشاہرہ بھی ملتا ہے، تاہم ان کا تقرر رئیس العلماء کی منظوری کے بغیر نہیں ہو سکتا مذہبی تعلیم کا خاص اہتمام ہے، ابتدائی مذہبی تعلیم مکتبوں میں دی جاتی ہے، جہاں سے فارغ ہوکر بچے ابتدائی مدرسوں میں داخل ہوتے ہیں، ان کے علاوہ سرکاری ابتدائی اور ثانوی مدرسوں میں بھی مذہبی تعلیم کا انتظام ہے، مذہبی عہدہ داروں کی تعلیم کے لئے بوسینا اور ہرزیگووینا کے علاقوں میں بائیس مدرسے ہیں جنمیں سب سے زیادہ مشہور غازی حسرت بیگ کا مدرسہ ہے، جو سراجیوو (Sarajevo) میں واقع ہے، اس میں آٹھ درجے ہیں، اور اس کی حیثیت ایک ثانوی مدرسہ کی ہے، جو طلبہ اس مدرسہ سے فارغ ہوکر نکلتے ہیں، ان کو حکومت کی طرف سے امامت کی سند ملتی ہے، یہ امام مختلف اماموں یعنی علاقوں میں مقرر کردیئے جاتے ہیں، ہر امامت میں تقریباً تین سو گھر ہوتے ہیں، اماموں کا فرض صرف مسجدوں ہی سے متعلق نہیں ہے، بلکہ اپنے علاقوں کے مسلمانوں کی پیدائش اور موت بھی نہی کو رجسٹر میں درج کرنی پڑتی ہے، اور دوسرے مذہبوں کے لوگ ترکی عہد حکومت میں بھی اس کام کو کرتے تھے، مگر مسلمانوں کے لئے یہ ایک بالکل نئی چیز ہے، سراجیوو کی مجلس علماء کے علاقہ میں جس میں ۱۳۰۳۳۹ گھر اور ۵۳۱۲۶۵ مسلمان ہیں، کل ۱۷۲۶ مذہبی عہدہ دار ہیں جن میں ۳۱۲ امام ہیں، اس علاقہ میں ۳۴۳ مکتب ہیں، جہاں قرآن پاک کی تعلیم ہوتی ہے، اور ۵۲۴۰۲

بچے پڑھتے ہیں، مسجدیں (۱۱۲۰) ہیں،

فوج کی مذہبی ضروریات کے لئے ہر دستہ میں ایک مخصوص فوجی امام ہوتا ہے، جس کا درجہ کپتان کا ہوتا ہے، اسکو حکومت کی طرف سے تنخواہ ملتی ہے، وزارت جنگ میں بھی ایک فوجی امام ہوتا ہے،

سراجیو میں تقریباً چالیس برس سے ایک شرعی مدرسہ شرعی قاضیوں کے لئے قائم ہے، اس وقت مملکت یوگوسلاویا میں ایک سو پچاسی شرعی قاضی موجود ہیں، جامعہ بلغراد میں مشرقی زبانوں اور اسلامی شریعت کا بھی ایک شعبہ ہے، نکاح اور اس قسم کے دوسرے معاملات میں اسلامی شریعت کے مطابق عمل درآمد ہوتا ہے،

تمام مذہبی عہدہ داروں کو انجمن اسلامیہ کے خزانہ سے تنخواہیں دی جاتی ہیں، اور اس مد میں حکومت انجمن مذکور کو (۱۵۰۲۰۰۰) دینار سالانہ دیتی ہے، اس کے علاوہ انجمن کے خزانہ میں اس مذہبی ٹیکس کی رقم بھی آتی ہے، جو مسلمان ادا کرتے ہیں، نیز موقوفہ جائدادوں کی آمدنی بھی جمع ہوتی ہے جس کا تخمینہ تقریباً ایک ارب دینار ہے،

بوسنیا، ہرزیگووینا، جنوبی سربیا، اور سنجق کے ہر شہر اور قصبہ میں مسلمان اکثریت میں ہیں، دیہاتوں میں ان کا پیشہ زراعت، اور تمباکو، افیون، ریشم کے کیڑے وغیرہ کی کاشت ہے، شہروں میں وہ تجارت اور دست کاری کا کام کرتے ہیں، وہ صنعت و حرفت میں بھی حصہ لیتے ہیں، خصوصاً لکڑی، چمڑے، کپڑے اور دھات کے کاموں میں، وہ مطبعوں کے بھی مالک ہیں، متعدد کاروباری کوٹھیوں کے علاوہ ان کا ایک بڑا بنک بھی ہے، جس کا سرمایہ چار کروڑ بیس لاکھ دینار ہے، سراجیو میں بچوں کے لئے ایک یتیم خانہ بھی ہے، اس کا انتظام جدید ترین طریقہ پر ہے، اور اس میں بچوں کو علوم و فنون کے علاوہ صنعت و حرفت کی بھی تعلیم جاتی ہے، سراجیو میں دستکاری کا ایک مدرسہ بھی ہے، جو ڈاکٹر آرنالڈ، پروفیسر لندن یونیورسٹی کے قول کے مطابق تمام دنیا میں اپنی قسم کا پہلا مدرسہ ہے، یہ مدرسہ تمامتر مسلمانوں کا ہے، ان کے علاوہ

مسلمانوں کی اور بھی مختلف تمدنی، رفاہی، تجارتی، اخلاقی و ورزشی انجمنیں اور سوسائٹیاں ہیں،

یوگوسلاویا کے مسلمانوں کی تمدنی اور تعلیمی حیثیت زیادہ تر اس تمدنی اور تعلیمی انجمن کے قیام سے وابستہ ہے جو غیرت (Gaire t) کے نام سے مشہور ہے، ۱۹۰۳ء میں اس انجمن کے قیام کے وقت ثانوی مدارس کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی تعداد بھی بہت کم تھی، اور اعلیٰ مدارس میں تو شاید ہی کوئی داخل ہوا ہو، انجمن غیرت کے قائم ہوتے ہی بوسنیا اور ہرزیگووینا کے تمام حصوں میں مسلمانوں کی تمدنی اور تعلیمی حیثیت تیزی کیساتھ ترقی کرنے لگی، یہ انجمن آج ایک قومی انجمن ہے، جس کے مستقل ارکان کی تعداد چھبیس ۲۶ ہزار ہے، اس کی سرگرمیاں پہلے صرف تمدنی کاموں تک محدود تھیں، مگر ۱۹۱۸ء کے بعد سے اُسنے اپنے مقاصد وسیع کر دئے ہیں، اور مسلمانوں کی قومی ترقی کے لئے کوشش کر رہی ہے، اس کے زیر اہتمام اس وقت نو اقامتی مدارس ہیں جنمیں چھ سو لڑکے اور لڑکیاں ثانوی مدارس کے درجہ تک تعلیم حاصل کر رہی ہیں، ان کے علاوہ ثانوی اور اعلیٰ مدارس کے طلبہ کو یہ انجمن مستقل وظائف بھی دیتی ہے، مسلمان عورتوں کے لئے اس نے مختلف صنعتوں کے کارخانے بھی قائم کر دیئے ہیں، مثلاً کپڑا سینے کے کارخانے، قالین بننے کے کارخانے، کشیدہ کاری کے کارخانے وغیرہ وغیرہ، یہ انجمن تمام ضلعوں کے ناخواندہ مسلمانوں کو تعلیم دلانے کی کوشش کرتی ہے، اور اپنے خرچ سے ہر سال چند طلبہ کو قاہرہ اور الجزائر کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کے لئے بھیجتی ہے، سراجیوو کی انجمن غیرت کے علاوہ بلغراد میں بھی اسی نام کی ایک انجمن ہے، جس نے گذشتہ سال طلبہ کے لئے ایک دار الاقامہ تعمیر کیا ہے جس میں جامعہ بلغراد کے ڈیڑھ سو مسلمان طلبہ اور طالبات مقیم ہیں، اس کے علاوہ آزادانیکا (Narodna) نامی ایک اور انجمن بھی ہے جس نے سراجیوو میں ثانوی مدارس کے لئے بہت سے دار الاقامتوں کا انتظام کر دیا ہے، ان انجمنوں کی سرگرمیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ مختلف پیشوں اور سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی تعداد خاصی ہو گئی ہے، اعداد حسب ذیل ہیں :-

وکلاء

ڈاکٹر،	۶۶
انجنیئر،	۱۴۱
پروفیسر،	۵۹
جج،	۲۳۵
اساتذہ،	۱۲۰
مختلف سرکاری عہدہ دار،	۱۵۷۰

ان کے علاوہ فوج، مالیات، اور ریلوے میں بھی مسلمان چھوٹے بڑے عہدوں پر مامور ہیں، موجودہ قوانین کے روسے حکومت کا ہر عہدہ مسلمانوں کے لئے کھلا ہوا ہے، اسوقت ایک مسلمان ایک ضلع کی عدالت کا صدر ہے، ایک مسلمان وکیل سرکار ہے، ایک عدالت عالیہ کا جج ہے، اور ایک اسٹیٹ کونسل کا ممبر ہے، ۱۹۱۸ء کے بعد سے مسلمان یوگوسلاویا کی فوج میں بھی برابر لئے جا رہے ہیں، اور ان میں سے بعض فوج کے نہایت ذمہ دار اور بلند عہدوں پر بھی فائز ہیں، ۱۹۱۸ء کے بعد سے ہر کیبنٹ میں کوئی نہ کوئی مسلمان ممبر ضرور رہا ہے، اور ۱۹۲۲ء میں تو کیبنٹ کے تین ممبر مسلمان تھے، اس وقت تک دس وزرا مسلمان رہ چکے ہیں، اور بعض اشخاص کو کئی کئی بار وزارت مل چکی ہے، موجودہ حکومت میں بھی ایک وزیر مسلمان ہے، ۱۹۱۸ء کے بعد سے مسلمان پارلیمنٹی سرگرمیوں میں بھی روز بروز زیادہ حصہ لے رہے ہیں، اسوقت ان کے گیارہ نمایندے نیشنل پارلیمنٹ میں اور سات سنیٹ میں ہیں، "ع ۔ ز"

چین کا مرکزی سائنٹفک ادارہ

چین کے مرکزی سائنٹفک ادارہ کا باضابطہ نام اکاڈمیا سینکا (Academia Sinica) ہے، جسے قومی حکومت نے ۱۹۲۸ء میں نانکنگ میں قائم کیا تھا، سرکاری سند کے روسے یہ چین میں سائنٹفک تحقیقات کا سب سے بڑا ادارہ ہے، تمام دوسرے اداروں کے برخلاف یہ سیاسی تسلط سے آزاد ہے کیونکہ

یہ کسی وزارت یا مجلس کے ماتحت نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق تمامتر قومی حکومت یعنی خود صدر جمہوریہ سے ہے یہی چین کے سب سے بڑے قومی ادارہ کی حیثیت سے اُن افراد یا جماعتوں کو اعزازی ڈگریاں دیتا ہے جنھوں نے سائنس میں امتیاز حاصل کیا ہے، چین میں سائنٹفک تحقیقات کی نگرانی اور اہتمام کے لئے اس ادارہ میں تیس ممبروں کی ایک کونسل بھی ہے، جو ملک کے منتخب سائنسدانوں پر مشتمل ہے،

مرکزی ادارہ حقیقۃً متعدد سائنٹفک اداروں کا مجموعہ ہے، اس وقت اس کے زیر اہتمام مندرجہ ذیل سائنسوں کے دس ادارے کام کر رہے ہیں، :- طبیعیات، کیمیا، انجینیرنگ ہیئت، شہابیات، حیوانیات، نباتیات، نفسیات، ارضیات، تاریخ، علم اللغۃ، اور علوم معاشرت، اس فہرست سے ظاہر ہے کہ تحقیقات کا دائرہ کسقدر وسیع ہے،

ہیئت اور شہابیات کے ادارے نانکنگ میں واقع ہیں، اول الذکر (۵۰۰) فٹ بلند پہاڑ کی ایک چوٹی پر تعمیر کیا گیا ہے، اس کا شمار مشرق بعید کے بہترین رصدخانوں میں ہے، شہابیات کا ادارہ شہر کی ایک دوسری پہاڑی پر ہے، جس کو "رصدخانہ کی پہاڑی" کہتے ہیں، کیونکہ ۱۳۸۵ء میں ایک رصدخانہ تعمیر کیا گیا تھا، جو سترہویں صدی کی ابتدا تک قائم تھا، یہ ادارہ جدید ترین آلات تحقیق سے آراستہ ہے، اس میں زمین کی حرکت معلوم کرنے کے آلات بھی ہیں، یہ لاسلکی کے ذریعہ سے اپنی پیشین گوئیاں برابر شائع کرتا رہتا ہے، چین کے دوسرے حصوں میں شہابیات کے جو مرکز ہیں، ان سب سے اس کا تعاون رہتا ہے، اور ملک کے مختلف مقامات پر اس نے اپنی شاخیں بھی قائم کر رکھی ہیں، جن میں سے ایک کوکونور اور دوسری لاسا میں ہے، بالائی ہوا کی تحقیق کی غرض سے ہر ہفتہ اس کے ماہرین طیاروں کے ذریعہ فضا کی سیاحت کرتے ہیں،

ان کے علاوہ ارضیات، حیوانیات، نباتیات، تاریخ، اور لغت کے ادارے بھی نانکنگ میں قائم ہیں، ادارۂ ارضیات اپنے کام کی نوعیت اور وسعت کے لحاظ سے چین کے نیشنل جیوگرافیکل

سروے (National Geographical Survey)

جو وزارت صنعت و حرفت کے ماتحت ایک قدیم ادارہ ہے، بہت کچھ ملتا جلتا ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ اس میں ارضیات کے نظری پہلو پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، اس کی مطبوعات بھی نیشنل سروے کی مطبوعات سے ضخامت میں کم ہونے کے باوجود بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکی ہیں، اس کے ڈائرکٹر ڈاکٹر جے، ایس، لی (Dr. J. S. Lee) نے حال میں چین کی ارضیات پر جیوگرافیکل سوسائٹی آف لندن اور برطانیہ کی دوسری یونیورسٹیوں میں تقریریں کی ہیں،

تمام ادار وں میں چین کے باہر تاریخ اور لغت کا ادارہ اپنے شعبہ اثریات کے اکتشافات کی بنا پر زیادہ مشہور ہے، پہلی بار قدیم چینی تاریخ کی تصحیح آثار قدیمہ کے اکتشافات سے کی جارہی ہے، انیانگ (Anyang) واقع صوبہ ہونان جہان یہ آثار قدیمہ کھود کر نکالے جارہے ہیں، خاندان شانگ (۱۸۰۰ تا ۱۱۲۰ ق م) کا پایہ تخت تھا، اسکی قدامت کا پتہ سب سے پہلے ۱۸۹۹ء میں لگا تھا جبکہ چند ایسی ہڈیاں برآمد ہوئی تھیں، جن پر نہایت قدیم حروف کندہ تھے، ۱۹۲۸ء سے کھودائی کا کام مسلسل جاری ہے، ایسی ہڈیوں، کوڑیوں، کانسہ اور مٹی کے برتنوں، اور پتھر کے اوزاروں کی بہت بڑی تعداد کھود کر نکالی گئی ہے، نیز متعدد محل اور مقبرے جو زمین میں دفن تھے، برآمد کئے گئے ہیں، ان میں سے بعض نوادر چینی آرٹ کی نمایش میں جو لندن میں ہونے والی ہے، دکھائے جائیں گے،

تاریخ اور لغت کے شعبوں کے کارنامے بھی کم اہم نہیں ہیں، ان دونوں نے بھی متعدد کتابیں شائع کی ہیں،

علوم معاشرت (Social Sciences) کا ادارہ بھی نانکنگ میں قائم کیا گیا تھا اس میں چار علوم کے شعبے تھے،:- قانون، معاشیات، عمرانیات، اور علم جنس بشری (Ethnology)

ان میں موخر الذکر کے کارنامے سب سے زیادہ اہم ہیں، اس شعبہ نے شمالی مشرق اور جنوبی مغربی چین

کی قدیم قوموں کا بہت کچھ مطالعہ کیا ہے، سنہ ۱۹۳۲ء میں یہ ادارہ انسٹی ٹیوٹ آف سوشل سروے[1] میں شامل کردیا گیا، اور اوس کا مرکز پاپنگ میں قائم کیا گیا، اب یہ ادارہ تمام تر معاشیات کے مطالعہ سے تعلق رکھتا ہے، اور علم جنس بشری کے قدیم شعبہ کو انسانیات کا شعبہ بنا کر ادارہ تاریخ و لغت کے ماتحت کردیا گیا ہو،

نفسیات، طبیعیات، کیمیا، اور انجینیرنگ کے ادارے شنگھائی میں واقع ہیں، نفسیات کا ادارہ سب سے چھوٹا ہے، اور اب وہ نانکنگ میں منتقل کیا جارہا ہے، بقیہ تینوں ادارے شنگھائی ہی کی ایک دو منزلہ عمارت میں ہین، جو ۱۹۳۲ء میں پچاس ہزار پونڈ کے سرمایہ سے تیار کی گئی ہے، طبیعیات اور کیمیا کے اداروں میں بہترین آلات اور سامان ہیں، اور ان تینوں اداروں میں کوشش کی جارہی ہے، کہ چین کی ملکی پیداوار کو سائنٹفک تحقیق و تجربہ سے صنعت و حرفت کیلئے زیادہ سے زیادہ کامیاب بنایا جائے،

اکاڈیمیا سینیکا کو سرکاری خزانہ سے ایک لاکھ پونڈ سالانہ ملتے ہیں، اس کے سرمایہ محفوظ کی آمدنی اور دوسری مختلف امداد کو بھی اگر شامل کرلیا جائے، تو اس کی سالانہ آمدنی تقریباً ڈیڑھ لاکھ پونڈ ہوجاتی ہے،

ع ز   ن

[1] Institute of Social Survey of the China Foundation for the advancement of Education and Culture.

سرگذشت ادب ترکی

یہ مختصر رسالہ ترکوں کی علمی ترقیوں، اور ترکی ادبیات کی اجمالی سرگذشت میں ہے، اس میں ترکی ادب کی تاریخ کے تقریباً ہر دور کے ممتاز شعراء کا تعارف دلآویز انداز میں کردیا گیا ہے، حجم تقطیع ۲۰×۲۰ / ۱۶ کے، صفحے قیمت ۲ر

"منیجر"

اخبار علمیہ

آفتاب کی شعاعوں سے پچاس گنی زیادہ تیز شعاعیں

ابھی تک کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوا تھا جس سے رنگ کی پختگی کا حال جلد اور قابلِ اعتماد
ہو سکے، رنگ کی پختگی کا اندازہ رنگین چیزوں کے دھوپ میں رکھنے سے ہو سکتا تھا، کیونکہ آفتاب
بڑا دشمن ہے لیکن یہ طریقہ نہ صرف دیر طلب بلکہ ناقابلِ اعتماد بھی تھا کیونکہ آفتاب کی شعاع
کا انحصار زیادہ تر موسم اور عرض البلد پر ہے، لہذا ان تمام کارخانوں کے لئے جن میں رنگوں
ہے، مثلاً پارچہ بافی اور رنگ سازی کے کارخانے، آیندہوون (Eindhoven
کے ایک سائنٹفک معمل کی ایجاد بہت ہی مفید ثابت ہوگی، اس معمل نے ایک ایسا آلہ ایجاد کر
رنگ کی پختگی کا اندازہ تھوڑی دیر میں کیا جا سکتا ہے، آفتاب کی کرنیں مختلف قسم کی ہوتی
تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے، کہ اسکی بعض کرنیں رنگ کے لئے مطلق مضر نہیں ہیں، لہذا
کرنے والے نے صرف انہی کرنوں کو پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، جو رنگ کے لئے مضر ہیں، او
اس کوشش میں کامیاب ثابت ہوا ہے، بلکہ اس نے ان مصنوعی کرنوں کو قوت میں آفتاب
بھی تقریباً پچاس گنا زیادہ تیز بنا دیا ہے، اس آلہ کی لمبائی ایک گز ہے، اور یہ آسانی سے
ہے، اس کی شعاعیں متحد اور ہم مرکز ہو کر ایک مربع سنٹی میٹر (تقریباً نصف انچ) پر
ایک یا زیادہ سے زیادہ دو گھنٹہ میں ان سے وہ نتیجہ نکل آتا ہے، جو آفتاب کی شعاعوں
برآمد ہوتا ہے، چونکہ یہ شعاعیں نہایت تیز ہوتی ہیں، اس لئے جس چیز کو امتحان کی غرض

رکھتے ہین، اسے جلنے کے خوف سے برابر ٹھنڈا کرتے رہتے ہیں، اس آلہ کی صحت کا امتحان اس طرح کیا گیا کہ ایک ہی قسم اور رنگ کی دو چیزین علیحدہ علیحدہ اسکے اور آفتاب کے سامنے رکھی گئیں، اور پھر رنگ کے اڑنے کے بعد مقابلہ کرنے پر دیکھا گیا، تو دونوں بالکل یکساں تھیں،

بعض قدیم ترکی دستاویزات،

حال میں جمہوریہ ترکی کی ایک کمیٹی نے جو تاریخی چیزوں کے مطالعہ و تحقیق میں مصروف ہے، باب عالی کی قدیم دستاویزات کی دو جلدین شائع کی ہیں، پہلی جلد ۹۶۱ھ ہجری سے ۱۰۰۰ھ ہجری اور دوسری ۱۱۰۰ھ ہجری سے ۱۲۰۰ھ ہجری تک کی دستاویزات پر مشتمل ہے، ان دستاویزات میں اس عہد کے استنبول کے معاشرتی، اقتصادی، تجارتی، بلدی، نیز دیگر حالات ملتے ہین، اور اس دور کی طرز معاشرت کی صحیح اور اصلی تصویر نظر آتی ہے، متعدد دستاویزات میں مسجدون، نہرون، اور حمامون کی مرمت کے احکام ہین پہلی جلد کے ایک حصہ میں وہ احکام درج ہین، جو غیر مسلمون کے عبادتخانون، اور ان کی معاشرتی حیثیت سے متعلق نافذ کئے گئے تھے، دوسری جلد کی ایک دستاویز مین وہ اجازت نامہ محفوظ ہے، جو سلطان نے ابراہیم پاشا کی درخواست پر مطبع قائم کرنے کی نسبت عطا کیا تھا، یہ ایک طویل دستاویز ہے جس میں اجازت کے ساتھ اس کے شرائط بھی لکھے ہوئے ہین پہلی شرط یہ تھی کہ فقہ، تفسیر، اور حدیث کی کتابیں طبع نہ کیجائین گی، اور صرف وہی کتابین چھپینگی جو صرف ونحو، تاریخ، سائنس، طب، ہیئت، اور جغرافیہ سے متعلق ہون گی، دوسری شرط یہ تھی کہ چھپنے کے بعد یہ کتابیں ایک خاص مجلس کے سامنے معائنہ کے لئے پیش کی جائیں گی اور اسی وقت شائع ہون گی جب وہ مجلس انکا مطالعہ کر چکے گی،

انسانی عمر

ماہرین علم تشریح اس نتیجہ پر پہنچے ہیں، کہ ایک حیوان کی فطری مدت حیات عموماً اس مدت کی پانچ گنی ہونی چاہئے، جو اس کی کامل جسمانی نشو و نما کے لئے ضروری ہے، چونکہ انسان کی جسمانی نشو و نما ۲۰ سال،

میں اپنے کمال تک پہنچ جاتی ہے، اسلئے کلیہ مذکورہ کی بنا پر اسکی عمر اوسطاً (۱۰۵) سال ہونی چاہئے، امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن نے اس مسئلہ کو از سر نو پیش کر کے ماہرین حیاتیات سے دریافت کیا ہے، کہ حیوان ناطق عموماً کیون اس مدت سے قبل ہی اپنے زندگی کے ایام پورے کر لیتا ہے، موجودہ زمانہ میں ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ایک لاکھ آدمیون میں سے صرف (۳۳) آدمی سو سال کی عمر تک زندہ رہتے ہین، اکثر لوگ (۶۰) اور (۸۰) سال ہی کے درمیان ختم ہو جاتے ہین، اس کا بڑا سبب محققین کے نزدیک یہ ہے، کہ اُن کے آبا و اجداد کی عمریں بھی زیادہ نہیں ہوتین، پروفیسر ریمنڈ پرل (Raymond Pearl) نے طویل مطالعہ و تحقیق کے بعد یہ رائے قائم کی ہو کہ حادثات سے قطع نظر، انسان کی مدتِ حیات بھی اُسی حد تک ایک موروثی چیز ہے، جس حد تک اسکے قد کی لمبائی،

جرمن کتابون اور رسالون کی قیمتوں میں تخفیف

جرمن کتابون اور رسالون کی گران قیمتی پر برطانیہ اور امریکہ کی طرف سے جو اعتراضات ہوئے تھے، ان کی بنا پر دو سال ہوئے، جرمن ناشرون نے قیمتون میں بیس فی صدی کی تخفیف کر دی تھی لیکن چونکہ یہ تخفیف پونڈ کی قیمت کے گر جانے سے غیر محسوس رہی، اسلئے احتجاج بدستور باقی رہا، چنانچہ اب جرمن ناشروں نے مزید تخفیف کا اعلان کیا ہے، جس کے رو سے اون تمام نئی کتابون اور رسالون کی قیمتون میں جو جرمنی میں شائع ہونگے، ۹ ستمبر ۱۹۳۵ء سے پچیس فی صدی کی کمی ہو جائیگی،

الحادکی رو

رسالہ لٹریری گائڈ کی روایت ہے کہ آسٹریلیا کی آخری مردم شماری میں وہان کے ۸۴۸۹۴۰ باشندون نے اپنا مذہب بتانے سے انکار کر دیا، اس سے قبل ۱۹۲۱ء کی مردم شماری میں ایسے لوگوں کی تعداد صرف (۹۲۲۵۸) تھی، آسٹریلیا کے صوبہ نیو ساؤتھ ویلز میں (۴۵۳) آدمیوں نے اپنے کو ملحد بتایا، (۵۱۰) نے دہریت کا اعلان کیا، (۱۲۰۱) نے اپنے کو ہر مذہب و ملت سے بے تعلق ظاہر کیا، (۱۸۱) نے عقلیت

کا تبع بتایا، اور (۹۲۱) نے "روحانیت" کا رسالہ مذکور کا بیان ہے، کہ امریکہ کے متعلق بھی یہ رپورٹ شائع ہوئی ہے، کہ وہاں (۱۲۵،۰۰۰،۰۰۰) آدمیوں میں (۵۰،۰۰۰،۰۰۰) ایسے ہیں جن کا کوئی مذہب نہیں ہے،

انگلستان اور عیسائیت

انگلستان میں عیسائیت کے حلقہ بگوشوں کی تعداد روز بروز کم ہو رہی ہے، چنانچہ حال میں سینٹ پال کے ڈین، ڈاکٹر میتھوز (Dr. W. R. Mathews) نے کیمبرج میں ایک مذہبی انجمن میں تقریر کرتے ہوے، اس کی تصدیق بھی کی، موصوف نے فرمایا:- میرا خیال ہے کہ اس ملک کے بیس فی صدی سے زیادہ آدمی کسی معنی میں بھی عیسائی نہیں ہیں، اور ہمارے ہاں ایک قومی کلیسا کا ہونا مجھے تو ایک عجیب چیز معلوم ہوتا ہے"

نیوزیلینڈ میں زلزلوں کی تعداد

نیوزیلینڈ (New Zealand) کے زلزلوں کی یادداشت سنہ ۱۸۴۸ء سے رکھی جاتی ہے، اُس وقت سے سنہ ۱۹۳۳ء کے آخر تک اس کے مختلف حصوں میں چھ ہزار سے زیادہ زلزلے آچکے ہیں،

بعض جانوروں کی عمریں

برطانیہ کے ایک سائنس وان نے بعض جانوروں کی عمریں حسب ذیل بیان کی ہیں:-

خرگوش	چھ سال سے	سات سال تک،	گھوڑا	بائیس سال سے پچیس سال تک
بلی	پندرہ " "	سترہ " "	اونٹ اور گاے	ساٹھ سال
کتا	سولہ " "	اٹھارہ " "	کچھوا	ایک سو دس سال
ریچھ	اٹھارہ " "	بیس " "	عقاب	ایک سو بیس سال
گینڈا	بیس " "	پچیس " "	ہاتھی	چار سو سال،

ادبیات

سخنِ ماہر

از جناب منظور حسین صاحب ماہر القادری حیدرآباد دکن

نشاط و کیف کا عالم زمیں سے آسماں تک ہے
خدا معلوم! تیرے حسن کی دنیا کہاں تک ہے

یہی طوفاں مجھے آسودۂ ساحل بنائیگا
تلاطم میری کشتی کا شکستِ بادباں تک ہے

محبت کو خیالِ ماسوا چھو بھی نہیں سکتا
ہوس کی جادہ پیمائی فقط سود و زیاں تک ہے

فرشتوں کی زبانوں پر بھی ہو میرا ہی افسانہ
نہیں معلوم تیرے عشق کا چرچا کہاں تک ہے

نظر آتا ہے کیوں ذروں میں عکسِ خطِ پیشانی
ابھی کچھ فاصلہ شاید جبیں سے آستاں تک ہے

تمہارے حسن سے قوسِ قزح کی رنگ آرائی
تمہارے نور سے روشن جبینِ کہکشاں تک ہے

وہ اک جذبہ ہوس کا ہے محبت ہو نہیں سکتی
تعلق صرف جس کا ارتباطِ جسم و جاں تک ہے

تری مخمور آنکھوں کا تصور اے معاذ اللہ!
یہی محسوس ہوتا ہے کہ مستی لامکاں تک ہے

کوئی بچھڑے ہوؤں کی بات بھی سنتا نہیں ماہرؔ
جرس کی مہربانی کارواں کے کارواں تک ہے

کلامِ تپش

از جناب شیخ عبد اللطیف صاحب تپش، ام، اے، ام، او، ال، لکچرر ایمرسن گورنمنٹ کالج ملتان

نہ جاگی آج تک تقدیر دیکھا چاہئے کیا ہو؟
مرے اس خواب کی تعبیر دیکھا چاہیے کیا ہو!

پڑے چشمِ عدو میں یا بنے مدفن خدا جانے
اڑی ہے خاکِ دامنگیر دیکھا چاہیے کیا ہو!

ہوا جاتا ہے خالی یہ نشیمن بھی تصور کا!
پریدہ رنگ ہے تصویر دیکھا چاہئے کیا ہو!

ابھی آغاز ہے، بگڑا ہے نقشہ بزم ہستی کا
ابھی نالوں میں ہو تاثیر دیکھا چاہئے کیا ہو!

ہزاروں نقش پا سجدہ طلب اور بے نشاں منزل
ترا انجام اے رہگیر! دیکھا چاہئے کیا ہو!

ابھی کن مشکلوں سے بل نکالے تھے مقدر کے
کھا پھر زلف کو زنجیر دیکھا چاہئے کیا ہو!

کھلے راہ وفا یا بند ہوں رخنے محبت کے
چھٹا چٹکی سے ان کی تیر دیکھا چاہئے کیا ہو!

دل بیتاب! کیوں کھولا کسی کے حسن کا پردہ
ہوئی ثابت تری تقصیر دیکھا چاہئے کیا ہو!

تپش تقدیر کا لکھا نہیں ملتا نہیں ملتا،
نہیں بنتی کوئی تدبیر دیکھا چاہئے کیا ہو!

انوارِ سخن

از جناب لطیف انور گورداسپوری، پشاور

یہاں کی سرزمیں کیوں آسماں معلوم ہوتی ہے
ترے کوچے میں خاک دل نہاں معلوم ہوتی ہے

تصور میں تری معصوم صورت شام تنہائی
نئی معلوم ہوتی ہے، جہاں معلوم ہوتی ہے،

کوئی سمجھے نہ سمجھے غمزدہ کا مدعا لیکن
مجھے تو چشم گریاں بھی زباں معلوم ہوتی ہے!

نہ پوچھ اے چارہ گر اب درد کی شدت کلیجے میں
کدھر معلوم ہوتی ہے کہاں معلوم ہوتی ہے!

کبھی دل کو نہ اتنا شاد پایا تھا یہاں پہلے
کرامت کچھ تری پیر مغاں معلوم ہوتی ہے

ترے خنجر کی زد پڑتی ہے جس پر بر سر مقتل،
اسی کو اپنی ہستی جاوداں معلوم ہوتی ہے

دل و دیدہ کی تسکیں ڈھونڈنے والے یہاں آئیں
ترے دامن کے سایے میں اماں معلوم ہوتی ہے

وہ ہنگام جدائی کہہ گئے تھے ایک بات انور،
مگر مجھکو وہی اب داستاں معلوم ہوتی ہے،

باب التقریظ والانتقاد

عربون کی جہازرانی

مؤلفہ مولانا سید سلیمان ندوی ضخامت مع تتمہ ۲۰۵ صفحات قیمت عہ ملنے کا پتہ، اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن، ۳۴ چوپاٹی روڈ بمبئی،

مسلمانون کے تمدنی کارناموں کی جو یادگاریں تھیں، وہ اگرچہ بہت کچھ مٹ گئیں، تاہم اون کا بچا کھچا حصہ اب بھی دنیا کے ہر گوشہ میں موجود ہے، اور مسلمانوں کی گذشتہ عظمت کی یاد کو تازہ کر رہا ہے، لیکن یہ تمام یادگارین صرف خشکی میں موجود ہیں، اونھون نے سمندر کی متلاطم موجوں کے اندر جو کارہائے نمایان کئے تھے، انکی کوئی زندہ یادگار اس وقت موجود نہیں، صرف تاریخون میں ان کی بحری جد وجہد کا متفرق طور پر تذکرہ موجود ہے، لیکن ان پراگندہ معلومات کو اگر ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو دنیا کو صاف معلوم ہو جائے کہ کسی زمانے میں مسلمان بحر وبر اور خشک وتر دونون پر چھاگئے تھے، اور انھون نے جس طرح خشکی میں ہزارون سر بفلک عمارتیں بنائی تھیں، اوسی طرح سمندر کی سطح پر جہازوں کی ایک دنیا آباد کر دی تھی،

لیکن ان پراگندہ معلومات کے جمع کرنے کے لئے وسعتِ نظر کے ساتھ مسلسل محنت کی ضرورت تھی، اور اس کام کو وہی لوگ انجام دے سکتے تھے جنھون نے صرف علمی خدمات کے لئے اپنی زندگیان وقف کر دی ہون، اور وہی لوگ اس ٹھوس موضوع کے مخاطب ہو سکتے تھے، جو کسی خالص علمی سوسائٹی سے تعلق رکھتے ہون، خوش قسمتی سے بمبئی گورنمنٹ کے شعبۂ تعلیم نے ۱۹۳۱ء میں مولانا سید سلیمان ندوی سے ایک علمی خطبہ

دینے کی خواہش کی، اور انھوں نے بمبئی کی مناسبت سے جو ہندوستان کا بڑا بندرگاہ ہے، اس موضوع کا انتخاب کیا، اور ۱۸-۱۹-۲۰-۲۱ مارچ ۱۹۳۱ء کو اس پر انجمن اسلام ہائی اسکول ہال بمبئی میں چار خطبے دیئے اور اب یہی خطبے اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی کی جانب سے معارف پریس میں نہایت صفائی و اہتمام کیسا تھ چھوٹی تقطیع پر چھپ کر شائع ہوئے ہیں، اس رسالے میں سب سے پہلے یہ دکھایا گیا ہے، کہ اسلام سے پہلے اہلِ عرب جہازرانی میں نہایت درک رکھتے تھے، اور اس پر لغاتِ عرب، اشعارِ عرب اور قرآن پاک سے شواہد جمع کئے گئے ہیں، لیکن یہ الفاظ لغت کے علاوہ تاریخوں، سفرناموں، اور مختلف تذکروں میں مذکور ہیں، اسلئے ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا، کہ یہ تمام الفاظ عہد جاہلیت میں پیدا ہو چکے تھے، اور اہلِ عرب ان سب سے واقف تھے،

اشعارِ عرب سے بھی صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے، کہ اہلِ عرب نے کشتیوں اور جہازوں کے چلنے کا منظر دیکھا تھا، یا یہ کہ بحری سفر کیا تھا، یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ خود جہازرانی کرتے تھے،

قرآن مجید کی آیتوں میں تمام بنی نوع انسان سے خطاب ہے، یہ ممکن ہو کہ عرب بھی اسمیں داخل ہوں لیکن یہ ضروری نہیں ہے، بہر حال ان آیتوں سے بھی صرف اسقدر ثابت ہوتا ہو کہ عرب کے لوگ بحری سفر کرتے تھے، دریا سے موتی اور مونگے نکالتے تھے، مچھلی کا شکار کرتے تھے، تجارتی سامان دوسرے ملکوں میں لیجاتے تھے، لیکن یہ نہیں ثابت ہوتا، کہ خود انکے جہاز ہوتے تھے، اور وہی جہازوں کو چلاتے تھے، عہدِ نبوت میں عربوں کے بحری سفر کے عنوان سے فاضل مؤلف نے جو واقعات درج کئے ہیں، ان سے بھی صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ عرب بحری سفر کرنے کے عادی تھے، لیکن رسالے کا موضوع عربوں کی جہازرانی ہے، عربوں کا بحری سفر نہیں ہے، تاہم کوئی ایسی شہادت بھی نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اہلِ عرب فن جہازرانی سے ناواقف تھے، بلکہ لغاتِ عرب، اشعارِ عرب اور قرآن پاک کی آیات میں جہازرانی کے متعلق جسقدر الفاظ اور دریا کے تلاطم وغیرہ کے جسقدر مناظر و کیفیات مذکور ہیں، ان سے بظاہر یہ قیاس ہوتا ہے، کہ اہلِ عرب اس

فن کے تمام نشیب و فراز سے واقف تھے، اور غالباً فاضل مؤلف نے یہی ثابت بھی کرنا چاہا ہے، البتہ دورِ اسلام میں مسلمانون کی جہازرانی کا جو سلسلہ شروع ہوا اسکو مصنف نے نہایت ترتیب و تسلسل کیساتھ بحوالۂ اسناد لکھا ہے، اور عہدِ فاروقی، عہدِ عثمانی، اور عہد بنوامیہ اور عہد عباسیہ میں مسلمانون نے جو بحری ترقیاں کیں اون کے تمام جزئیات کی تفصیل کی ہے، اور اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے، کہ عربوں کی جہازرانی کی اصلی ترقی عہد عثمانی سے شروع ہوئی، اور بنوامیہ، عباسیہ، اور فاطمیین کے زمانے تک جاری رہی، لیکن دسویں صدی ہجری یعنی عثمانی ترکون کے زمانے میں اس کا خاتمہ ہوگیا، اور تمام ساحل اور بندرگاہ ان کے ہاتھون سے نکل گئے،

عملی جد و جہد کے ساتھ عربون نے فنِ جہازرانی میں علمی حیثیت سے جو ترقیاں کی تھیں، انکو بھی فاضل مؤلف نے نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، مثلاً یہ کہ سب سے پہلے ایک عرب جہازران کو یہ علم ہوا کہ تمام سمندر الگ الگ نہیں ہیں، بلکہ سب کے سب ایک مشترک بحری دنیا ہیں، عربون ہی نے سمندرون کی صحیح پیمایش کی، اور اس کے متعلق قدیم فلاسفہ کی بہت سی غلطیاں ثابت کیں، سمندرون کے نقشے مرتب کئے، ہواؤں اور جزیرون سے واقفیت حاصل کی، جہازرانی کے قوانین مدوّن کئے، سمندرون میں منار اور لائٹ ہاؤس بنائے، قطب نما ایجاد کیا، یا کم از کم اس سے کام لیا، جہازسازی کے کارخانے قائم کئے، بحریات پر کتابیں لکھیں، ڈوبے ہوئے جہازون کے نکالنے کے لئے آلات بنائے، غرض اس قسم کی بہت سی معلومات ہیں، جن سے معلوم ہوسکتا ہے، کہ اس زمانے میں فنِ جہازرانی نے جو ترقی کی ہے اس کا ابتدائی خاکہ عربون ہی نے قائم کیا تھا، اور اس لحاظ سے فاضل مؤلف مستحقِ مبارکباد ہیں، کہ اونھون نے اس قسم کی معلومات کو اسلامی تاریخ، اسلامی جغرافیہ، اور اسلامی سفرناموں کے نہایت نامعلوم گوشوں سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جامعیت اور استقصا کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیا ہے،

"ع"

تذکرۂ محسن

مؤلفہ منشی محمد امین صاحب زبیری وظیفہ یاب مہتمم تاریخ بھوپال، ضخامت مع ضمیمہ ۳۱۵ صفحات قیمت ۔عہ، ملنے کا پتہ، مسلم یونیورسٹی بک ڈپو علی گڈھ،

اردو مصنفین مین گذشتہ اعیانِ اسلام کے تذکرہ نویس تو بہت ہین، لیکن موجودہ دور میں جو اعیان واکابر گذرے ہیں، ان کے سوانح حیات کی طرف اس سے زیادہ کسی نے توجہ نہیں کی، کہ جب ان کی وفات ہوئی تو اون کے حالات میں ایک آدھ مضمون اخبارات ورسائل میں لکھدیا، یا ان کے حالات میں کوئی رسالہ شائع کردیا، حالانکہ موجودہ دور میں بعض ہستیان ایسی گذری ہیں، جن کی زندگیان مفصل ومبسوط سوانح عمری لکھنے کا استحقاق رکھتی تھیں، لیکن موجودہ دور کے مصنفین میں منشی محمد امین زبیری کو یہ خاص امتیاز حاصل ہے، کہ انھون نے اسی قسم کے بزرگون کے حالات کو اپنا خاص موضوع قرار دیا، اور مختلف طریقون سے نہایت محنت وجانکاہی کے ساتھ ان کی زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق وسیع مستند معلومات جمع کرکے خاص ان کی سوانح عمریاں مرتب کین،

جس زمانے میں وہ ریاست بھوپال میں مہتمم تاریخ تھے، انھون نے خاص بیگمات بھوپال کے حالات میں ایک کتاب شائع کی تھی، اور نواب سلطان جہان بیگم کے خطبات وغیرہ کا مجموعہ شائع کیا تھا، اس کے بعد نواب وقار الملک کے حالات جمع کئے، جو وقار حیات میں شامل ہوکر محمڈن کانفرنس علی گڈھ کی طرف سے شائع ہوئے، اب انھون نے اسی جامعیت وتفصیل کے ساتھ نواب محسن الملک مرحوم کی سوانح عمری شائع کی ہے، جس میں ابتدائی تعلیم وتربیت، ملازمت، حیدرآباد کی خدمات جلیلہ، قومی، مذہبی، اور سیاسی خدمات، وفات، اخلاق وعادات، وغیرہ کا تفصیلی بیان ہے، اور جو کچھ لکھا ہے، مستند ذرائع سے لکھا ہے، اور ان کے متعلق اور لوگون نے جو کچھ لکھا تھا، ان سب کو بھی شامل کرلیا ہے،

معنوی خوبیوں کے ساتھ کتاب ظاہری حیثیت سے بھی نہایت دیدہ زیب ہے، لکھائی چھپائی عمدہ اور کتاب میں متعدد فوٹو بھی شامل کیے گئے ہیں،

نواب محسن الملک مرحوم کی جو اہمیت ان کے زمانہ میں تھی، اور علی گڈہ کالج کی جو خدمت انھوں نے کی، وہ مسلمانوں کی تاریخ کا نہایت اہم جزو ہے، اور ہم مشکور ہیں کہ جناب منشی محمد امین صاحب نے تاریخ سے اس اہم حصّہ کو اپنی اس تالیف سے محفوظ کر دیا ہے، محسن الملک مرحوم کے سیاسیات کی نسبت دو رائیں ہو سکتی ہیں، اور اسلئے اگر مؤلف نے ان میں سے صرف ایک پہلو اختیار کر لیا ہے، تو وہ مورد الزام نہیں،

"ع"

انگریزی کے چند نئے اخبار

ڈکن ٹائمز، ہفتہ وار، ناشر جناب رشید احمد صاحب ڈکن ٹائمز پریس مدراس تقطیع بڑی ضخامت ۱۲ صفحات، قیمت ہر پرچہ ایک آنہ،

ہندوستان میں مسلمانوں کے انگریزی اخباروں کی کمی جس شدت کیساتھ محسوس کی جارہی ہے، وہ محتاج بیان نہیں، قوم میں وقتاً فوقتاً اسکے لئے پرزور تحریکیں شروع ہوئیں، لیکن سوڈے کے جوش کی طرح وہ بہت جلد ٹھنڈی بھی ہو گئیں، ایسی صورت میں مدراس کے مسلمان مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار کامیابی کے ساتھ ڈیڑھ سال سے چلا رہے ہیں، ڈکن ٹائمز میں سیاسی، علمی، معاشرتی، اقتصادی، اور تجارتی ہر قسم کے مضامین اور خبریں ہوتی ہیں، ہفتہ کی تمام اہم خبریں بھی یکجا ملجاتی ہیں، اسمیں التزام کیساتھ ایک صفحہ ممالک اسلامیہ، ایک ہندوستانی ریاستوں اور ایک خواتین سے متعلق ہوتاہے، تجارتی کاروبار کی اطلاعیں بھی ہوتی ہیں، روش معتدل اور لب ولہجہ سنجیدہ ہے، امید ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اسکی حوصلہ افزائی کرینگے،

ثروت، ہفتہ وار، ناشر جناب سید محمد شاہ صاحب دفتر ثروت نمبر ۴، ریلوے روڈ لاہور تقطیع کلاں

صفحات ۸، قیمت سالانہ چار روپئے فی پرچہ ایک آنہ،

مجلس تبلیغ القرآن کا یہ نقیب اپنی ظاہری اور معنوی خوبیوں کیساتھ مئی ۱۹۳۵ء سے نکل رہا ہی، اسکے پیش نظر مذہب اسلام کی خدمت اور ملت اسلامیہ کی معاشرتی اصلاح ہے، جتنے پرچے ابتک شائع ہو چکے ہیں ان کے مطالعہ سے اطمینان ہوتا ہو کہ یہ اخبار اپنے نصب العین پر صداقت کیساتھ قائم ہو، مضامین اکثر و بیشتر مسلمانان ہند کی قومی فلاح سے متعلق ہوتے ہیں اور فاضل مدیر جناب فضل کریم خانصاحب درانی بی اے کا زور قلم مسائل زیر بحث کی اہمیت کو اور زیادہ موثر بنا دیتا ہی، اسکے مذہبی مضامین زمانہ حال کے مقتضیٰ کے مطابق ہوتے ہیں قادیانی اصحاب کے خیالات کی تردید بھی اسکے مقاصد میں ہی، مسلمانوں کی حیات ملی کے مختلف پہلوؤں پر سنجیدگی کیساتھ اظہار خیال کیا جاتا ہے، اور غیروں کی طرف سے مسلمانوں پر جو حملے ہوتے رہتے ہیں، ان کی مدافعت کیجاتی ہی، ضرورت ہے کہ انگریزی داں مسلمانوں میں اسکی اشاعت کثرت سے ہو،

اسلام (پندرہ روزہ) دفتر اسلام دروازہ شیرانوالہ لاہور، تقطیع فلسکیپ قیمت سالانہ دو روپئے، فی پرچہ ایک آنہ،

مدت سے یہ ضرورت محسوس کیجا رہی تھی کہ علماے اسلام کے زیر نگرانی انگریزی کا کوئی مذہبی پرچہ شائع ہو، جو انگریزی داں مسلمانوں اور ملکوں میں صحیح اسلام سے واقفیت بہم پہنچائے، اور نوجوانوں کو گمراہیوں سے بچائے، لاہور کی مشہور انجمن خدام الدین نے جو معتبر و مستند علماء کے زیر اثر اپنا کام انجام دے رہی ہی، ہمت کی اور اسلام کے نام سے یہ پندرہ روزہ اخبار جاری کیا، یہ انگریزی مہینہ کی ۱۰ اور ۲۴ تاریخ کو لاہور سے شائع ہوتا ہی، اسوقت تک دس نمبر نکل چکے ہیں اور وہ سب کے سب اس جذبۂ اخلاص و خدمت دین کے آئینہ دار ہیں، جو انجمن مذکور کی نمایاں خصوصیت ہی، مضامین مذہبی، علمی، تاریخی، معاشرتی ہر نوع کے ہوتے ہیں جنکا مطالعہ ناظرین کیلئے مفید ہے تقریباً ہر اشاعت میں اسلام، اسلامی علوم و فنون یا تہذیب و تمدن پر ایک مضمون کسی مشہور غیر مسلم اہل قلم کا بھی ہوتا ہی، یہ اہتمام ان حضرات کیلئے کیا جاتا ہی جنھیں اپنی خوبیاں بھی غیروں کی عینک کے بغیر نظر نہیں آتیں، ضرورت ہی کہ یہ اخبار غیر ملکوں میں اور جزائر ہند میں پھیلے، جہاں انگریزی کے سوا مذہبی واقفیت کا کوئی ذریعہ نہیں، اسکی بھی ضرورت ہی کہ مسلمان اسکی مالی مدد کریں، تاکہ یہ اخبار تادیر مسلمانوں کی مذہبی خدمت انجام دیتا رہے،

"ع"

مطبوعات جدیدہ

طنزیات و مضحکات، از جناب رشید احمد صاحب صدیقی، ایم اے، پروفیسر مسلم یونیورسٹی

ناشر ہندوستانی اکیڈمی، الٰہ آباد، حجم ۲۳۹ صفحے، قیمت، عہ ر

جناب رشید احمد صاحب صدیقی ہماری زبان کے مشہور سنجیدہ مزاح نگار ہیں، موصوف نے ہندوستانی اکیڈمی الٰہ آباد کی دعوت پر طنزیہ و مزاحیہ صنفِ تحریر پر ایک مقالہ لکھا ہے، جو طنزیات و مضحکات کے نام سے شائع ہوا ہے، اس میں پہلے ادبیات میں طنزیات کی ابتدا ر دکھائی ہے، پھر طنزیہ تحریر کی اصطلاحی تعریف کرکے یونانی، رومی، انگریزی، اور فارسی ادبیات کے طنزیہ کلام و مزاح نگاری کا اجمالی تعارف کرایا ہے، اس ضمن میں عربی ادبیات کا ذکر نہ آنا تعجب انگیز ہے، خصوصاً جب کہ یہ مقالہ موصوف کے بیان کے مطابق "ایشیائی زبانوں" کے طنزیہ کلام پر لکھا گیا ہے، اور ان کے معلومات میں ایشیائی زبانوں میں ایک مشتبہ حد تک "عربی" بھی داخل ہے، اس کے بعد ہندوستانی زبان اردو کی طنزیہ و مزاحیہ تحریروں کا مفصل ذکر آیا ہے، اور اس میں موصوف نے اپنے خاص طرزِ انشا اور لطیف پیرایہ میں دورِ اول سے دورِ حاضر تک کے ہندوستانی زبان کے طنزیہ و مزاحیہ نگاروں کے طرزِ تحریر کا فرق ایک دوسرے سے دکھایا ہے، اور انوکھے انداز میں ان پر نقد کیا ہے، کتاب میں ہندوستانی زبان کے ہر دور کے انشا پردازوں کے طنزیہ و مزاحیہ کلاموں کے لمبے اقتباسات بھی نمونے کے طور پر درج کئے ہیں، جن سے کتاب میں بڑی جان آگئی ہے، موصوف نے دیباچہ میں اپنے خاص انداز بیان میں اس کتاب پر خود ہی گویا نقد بھی کر دیا ہے، جس میں یہ بیان خاص طور پر پڑھنے کے لائق ہے، کہ "اس میں بعض لوگوں کا تذکرہ ضرورت سے زیادہ

طویل (اور شاید بعضون کا غیر ضروری) اور بعضون کا سرے سے غائب ....ہے" یہ اقرار بعض "طنزیوں کے" شکوہ وشکایت کی بہترین معذرت ہے، کتاب ہندوستانی زبان کے ایک نئے صنف ادب کے اچھوتے موضوع پر ہے،

سیمیں، از جناب فیاض علی صاحب بی اے، علیگ، (فیض آباد) ناشر صدیق بک ڈپو، امین آباد، لکھنؤ، حجم ہر دو حصہ ۶، ۵، صفحے قیمت مجموعی مجلد للعہ ر

یہ ایک معاشرتی ناول ہے، جو تعلیم یافتہ طبقہ میں مقبول ہوا، اور اس کا پہلا اڈیشن، ہاتھون ہاتھ نکل گیا، اسکے بعد اس کا دوسرا اڈیشن صدیق بک ڈپو نے اہتمام سے مصور چھاپا ہے، اس میں ایک خود دار، جوان ہمت، بلند اخلاق ہندوستانی نوجوان تعلیم یافتہ مسلمان کی سیرت پیش کی گئی ہے، اور فسانہ میں تہذیب، معاشرت، اخلاق، اور بعض جگہ مذہب کے بکثرت مسائل بھی گفتگو میں آئے ہیں، اور تہذیب و معاشرت میں جو غیر معتدل مراسم داخل ہوگئے ہین، اون کا مضحکہ اوڑا کر ایک صحیح تعلیم یافتہ مسلمان گھرانے کی تہذیب و تمدن کو پیش کیا گیا ہے، پلاٹ میں کہیں کہیں غیر معمولی حادثات واتفاقات کے پیش آجانے سے بھی مدد لی گئی ہے، اور بعض جگہ معاشرت و مذہب کی اصلاح کی تقریر میں غیر معتدل جوش وخروش کی نمایش ہوگئی ہے، مذاق کا انداز بھی کہیں کہیں غیر معتدل ہے، ان جزئی خردہ گیریون سے قطع نظر کرکے یہ ناول اپنے فسانہ کے اعتبار سے دلچسپ اور ہندوستانی زبان کے اچھے ناولون میں شمار کئے جانے کے لائق ہے،

کتابِ اجتماعی، حکومتِ الٰہی، (فارسی) از مولانا منصور انصاری مہاجر مقیم کابل، حجم ۴۴، ۳۲ صفحے، پتہ:۔ دفتر مجلس دستور امت، بجنور، (یوپی)،

مولانا منصور ہندی مہاجر مقیم کابل اسلام کی اجتماعی زندگی کے متعلق چند خاص خیالات رکھتے ہیں، یہ دونون رسالے ان کے خیالات کا آئینہ ہین، پہلا رسالہ کتاب اجتماعی ماانواع الدول و حریۃ الملل

کے نام سے ہے، اور دوسرا "حکومت الٰہی یعنی دستور اساسی امامت امت" ہے، پہلے رسالہ میں انھون نے دنیا کی حکومتوں کی تقسیم ان کے مختلف اعتبارات سے جداگانہ دکھائی ہے، اور دوسرے میں دکھایا ہے کہ رضائے الٰہی کے مطابق دنیاوی بادشاہت کن اصولوں اور قانون پر قائم کی جا سکتی ہے، چنانچہ مصنف نے دنیا کی موجودہ حکومتوں کے دستوروں کے مقابلہ میں "سماوی فطری نظام سلطنت" کا خاکہ کھینچا ہے، جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہے، اور اسے دفعہ وار تشریحی تعلیقات کے ساتھ درج کیا ہے، ان دونوں رسالوں کا اصلی مقصود یہ ہے، کہ مسلمان اسلام کی صحیح روحانی واخلاقی بنیادوں پر اپنی شیرازہ بندی کر کے اپنی اجتماعی زندگی کا مستقل نظام قائم کریں اور موجودہ دور ترقی میں اقوام وملل سے اپنی اجتماعی طاقت تسلیم کرائین، دوسرے رسالہ پر افغانستان کے وزیر امور خارجہ آقائے فیض محمد خان صاحب نے تقریظ لکھی ہے جس میں اس رسالہ کو اسلامی علم اجتماع واسلامی حقوق کا رہنما بتایا ہے، اور رسالہ کو لائق درس وتدریس قرار دیا ہے،

نغمۂ کہسار، مرتبہ جناب سید تنویر علی صاحب معتمد بزم اردو شملہ نمبر ۲، ٹوٹی کنڈی شملہ، ۱۵۰ صفحے قیمت ۸؎

ہندوستانی زبان کے چند خدمتگزاروں نے شملہ میں "بزم اردو" کے نام سے ایک انجمن قائم کی ہے جو ادبی محفلوں اور مشاعروں کے ذریعہ سے اپنی زبان کی خدمت کرنا چاہتی ہے، اس بزم کا پہلا مشاعرہ ماہ ستمبر ۱۹۳۴ء میں آنریبل سید رضا علی صاحب کی صدارت میں ہوا، اور مرکزی حکومت ہند وحکومت پنجاب کے متعدد سربرآوردہ عہدہ داروں نے اس میں شریک ہو کر ہندوستانی زبان سے اپنی دلچسپی کا ثبوت دیا، "نغمۂ کہسار" اسی مشاعرہ کی غزلوں اور اسکی روداد کا مجموعہ ہے، مشاعرہ میں مشاہیر شعراء، حسرت موہانی، اور جگر مرادآبادی وغیرہ کے علاوہ خاصی تعداد ہندو شعراء کی بھی تھی اسی طرح سامعین میں بھی ہندو اور سکھ بکثرت شریک تھے، اس طرح یہ صحیح معنوں میں ہندوستانی زبان کا مشاعرہ تھا، خدا کرے، کہ یہ بزم قائم رہ کر ہندوستانی زبان کی مفید خدمات انجام دے، کہ اگر شملہ کی چوٹیوں پر بھی اس زبان کی آواز پہنچ جائے، تو اس کی ترقی کی بڑی امکانی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں،

"س"

سیرۃ النبی جلد پنجم چھپ گئی

الحمد للہ سیرۃ النبی کے اہم سلسلہ کی پانچوین جلد چھپ گئی، اس جلد کا موضوع تعلیمات نبوی مین سے عبادات کی تشریح و تفصیل ہے، اس مین پہلے عبادت کی حقیقت اور اسلام مین عبادت کے انواع و اقسام کا بیان ہے، پھر اسلام کے فرائض خمسہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد مین سے ہر ایک پر علٰحدہ علٰحدہ سیر حاصل بحثین ہین، پھر توکل، صبر، اخلاص، تقویٰ اور شکر کے معانی و مطالب قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی مین سمجھائے گئے ہین، اُمید ہے شائقین اس کی خریداری مین عجلت فرمائین گے، تاکہ رمضان المبارک کے مقدس مہینہ مین اس کا مطالعہ فرما سکین،

تاجرین کتب کو چاہئے کہ جلد سے جلد مطلوبہ نسخے اپنے شہر کے شائقین کیلئے ریل کے ذریعہ سے منگوا کر مہیا رکھین، تاکہ محصول کی کفایت سے تاجر و خریدار دونون کو فائدہ پہنچے،

تقطیع کلان۔ ضخامت ۳۷۷ صفحے، قیمت: قسم اعلیٰ ؁۵، قسم دوم للعہ

منیجر دار المصنفین، اعظم گڈہ،

جلد ۳۶ | ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۳۵ء | عدد ۶

مضامین

تاریخ صقلیہ جلد دوم

یہ سسلی کے اسلامی عہد کا تمدنی مرقع ہے، کتاب چند ابواب میں ہے، پہلے مسلمانانِ صقلیہ کے قبائلی حالات، اسلامی آبادیاں، اسلامی عہد کی زبان، ادیان، مذاہب اور باشندوں کے اخلاق و عادات کا ذکر ہے، پھر نظامِ حکومت کی تفصیل ہے جس میں اس کے مختلف شعبوں اور انکے اعمال کا ذکر ہے، پھر معاشی حالات کا بیان ہے جنمیں مسلمانوں کی صنعت و حرفت، زراعت اور تجارت کا بیان ہے، اسکے بعد علوم و آداب کا تذکرہ ہے جنمیں مختلف علوم قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، کلام، مناظرہ، شعر و شاعری، علوم عقلیہ، ریاضیات و طبعیات کا ذکر ایک ایک فصل میں ہے، اور انہی میں مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیہ، متکلمین، ادبا، اور شعراء کے مفصل سوانح حیات انکی تصنیفات کا ذکر آیا ہے، آخری باب سسلی کے اسلامی تمدن سے یورپ کے استفادہ کے بیان میں ہے، کتاب چھپ چکی ہے، آخر ماہ دسمبر تک شائع ہو جائیگی۔

معذرت

افسوس کہ مولانا سید سلیمان ندوی ابھی تک بستر علالت
ہی پر ہیں، جس کی وجہ سے یہ پرچہ بھی شذرات کے صفحوں
کے بغیر شائع کیا جا رہا ہے،

منیجر

مقالات

سسلی میں مسلمانوں کا تمدن

(۴)

از

سید ریاست علی ندوی،

علم ادب

اسلامی سسلی کی علمی ترقیوں میں علم ادب کو نمایاں جگہ حاصل ہے، تمام اصناف ادب، شعروشاعری، انشا پردازی، اوران کے متعلقہ علوم عروض وقوافی اور نحو ولغت میں سیکڑوں ارباب کمال شعرا، انشاپرداز اور فن لغت ونحو ودیگر علوم کے ماہرین پیدا ہوئے،

اس علمی ترقی کا سب سے بڑا سبب وہی یہاں کے حکمراں طبقہ کا ذوق ادب تھا، فرمانروایان صقلیہ عہدہ داران حکومت اور امراء ورؤسا خود علم ادب پر عبور رکھتے، اور ارباب ادب کے قدردان ہوتے، اس سے ملک میں ادب کے مذاق کو ترقی ہوئی، اور دوسرے ممالک کے شعراء حکمراں طبقہ کی داد و دہش کے افسانے سنکر صقلیہ آتے، اور یہاں کی بزم علمی کی رونق بڑھاتے، یہی وجہ ہے کہ صقلیہ کے علوم دینیہ کے حاملین سے ارباب ادب کی تعداد کہیں زیادہ ہے، اور یہ صرف اسلامی دور پر موقوف نہیں، نارمن عہد حکومت میں بھی راجراول کے تعصب آمیز زمانہ کو خارج کرکے نارمن فرمانروایان صقلیہ اسلامی تہذیب و

تمدن سے اس درجہ مانوس ہوگئے کہ ان کے دربار مشرقی سلاطین کے درباروں کے مثل بن گئے، اور یہی صورت حال جرمن عہد میں بھی قائم رہی،

شاہی خانوادہ میں ذوق ادب | چنانچہ اغلبی عہد کے فرمانرواؤں میں عبداللہ بن محمد ابو الاغلب، اور اغلبی شہزادہ مجیر بن ابراہیم صقلیہ کے ممتاز شعراء میں ہیں، موخر الذکر مسینا اور جنوبی اٹلی کی فوج کا افسر اعلیٰ تھا، رومیوں کے ہاتھ گرفتار ہوا، اور قفس ہی سے طائر روح پرواز کرگئی، وطن کی یاد میں اسکی ایک پر درد و الم انگیز نظم قیدخانہ کی سلاخوں سے نکل کر باہر پھیلی، اور افریقیہ اور صقلیہ تک پہنچی، اصفہانی نے یہ نظم نقل کی ہے،

اسی طرح خانوادۂ کلبیہ میں ایسے کم فرمانروا گذرے ہیں، جو خود شاعر نہ ہوں، اور بعض کلبی شاہزادے بھی ممتاز شعراء میں تھے، اصفہانی وغیرہ نے ان کی شاعری کی ستایش کی ہے، اور نمونۂ کلام درج کیا ہے، انہیں سے چند یہ ہیں، (۱) امیر ابو الحسین احمد (۲) امیر ثقۃ الدولہ (۳) امیر تاج الدولہ (۴) ابو القاسم عبداللہ بن الکلبی (۵) امیر ابو محمد عمار بن منصور الکلبی، (۶) امیر مستخلص الدولہ عبدالرحمٰن بن حسن کلبی (۷) امیر ابو محمد قاسم بن نزار الکلبی اور (۸) ابو محمد جعفر بن طیب الکلبی وغیرہ،[۲]

عہدہ داران حکومت میں ذوق ادب اور عہدہ دار شعراء | اسی طرح ذیل کے اکابر عہدہ دار اسلامی اور نارمن دوروں میں یہاں کے ممتاز شعراء میں ہیں، ابن القطاع اور اصفہانی نے توصیف کے ساتھ نمونۂ کلام درج کیا ہے،[۳]

(۱) القائد سند الدولہ ابو الفتوح بن قائد مدیہ المکلاتی صاحب سلطان (۲) ابو الفضل احمد بن علی الفہری صاحب الشرطہ (۳) القائد ابو محمد حسن بن عمر بن منکود (۴) امیر شیخ الدولہ عبدالرحمٰن اللو بو (۵) ابو عبداللہ حسن بن القائد (۶) ابو عبداللہ محمد بن الحسن بن الطاری صاحب دیوان الانشاء والرسائل ہیں، ان کے تذکرے خریدۃ القصر (درامادی ص ۵۹۹، ۵۹۵، ۵۹۶، ۶۰۴) اور مختصر انباء الرواۃ (درامادی) میں آئے ہیں،

---

[۱] مسالک الابصار ابن فضل اللہ درامادی ص ۷۰۵، الحلل السندسیہ در یادگاری ج ۱ ص ۲۹۲، خریدۃ القصر اصفہانی درامادی ص ۵۹۲ تا ۵۹۵ و ابن خلکان ترجمہ یحییٰ بن اکثم،

اسی طرح تقریباً بیس اکیس کتاب و وزراء کے نام ملے ہیں، جو بلند پایہ انشا پرداز تھے، اور شاعری میں کمال رکھتے تھے، نیز کوئی نہ کوئی ان کی امتیازی خصوصیت تھی، مثلاً کوئی فن نحو کا امام تھا، کسی کو لغت پر عبور تھا، کوئی فن انشار کے کمال کے ساتھ معمہ سازی وچیستاں نویسی میں مشہور تھا، کوئی مختلف صنعتوں کے استعمال پر قادر تھا، اورانہی میں بعض صاحب تصانیف ومقالات بھی تھے، جنکو مورخین نے بیان کیا ہے[1]،

شعرائے دربار شعرار کی ایک کثیر تعداد دربار سے بھی وابستہ تھی، جہاں وہ منہ مانگی مراد پاتے، اکثر مورخین نے تذکرہ کیا ہے، مثلاً تاج الدولہ کے متعلق ہے،

"یہ سخی اور مہربان فرمانروا تھا، علمار وشعرار ہر جگہ سے اس کے پاس آتے، ان کی قدر ومنزلت کرتا، اور بخششوں سے مالا مال کرتا[2]"

لیکن ان درباری شعرار کے صرف چند نام معلوم ہو سکے، مثلاً (۱) ابو محمد عبداللہ بن محمد المعروف بابن قاضی میلہ ثقۃ الدولہ کے دربار سے وابستہ تھا، ابن خلکان نے اس کے بعض قصیدے اسکی شان میں نقل کئے ہیں، (ج ۳ ص ۱۰۲ تا ۱۰۵) (۲) محمد بن عبدون السوسی تاج الدولہ اس کے ایک ایک شعر پر زر وجواہر نثار کرتا[3]، (۳) ابن المودب القیروانی، ثقۃ الدولہ کے عہد میں آیا، اور قصیدہ پیش کیا[4]، (۴) ابو الحسن ابن یحییٰ المعروف بابن الصقلی تاج الدولہ کے دامن سے وابستہ تھا، دولت کلبیہ کے زوال کے بعد ابن ثمنہ کی مدح سرائی کی[5]

ارباب علم ادب وشعر صقلیہ کے ارباب علم ادب وشعر کے دو دور سہولت کے لئے قائم کئے جا سکتے ہیں، یعنی دور اول عہد اسلامی، اور دور ثانی عہد عیسوی، اور پھر ہر دور میں دو قسم کے ارباب ادب لائے جا سکتے ہیں، یعنی وہ ادبار جو اصناف ادب ومتعلقات مثلاً انشار، نحو، لغت، اور عروض وغیرہ میں صاحب کمال میں

[1] الاطلاق المسلمہ در یادگاری ج ۱ ص ۲۹۵، ۲۹۶، خریدۃ القصر در اماری ص ۵۸۹ تا ۵۹۰، ۱۰ [2] کتاب انباہ الرواۃ در اماری ص ۷۴۴ وغیرہ، [3] رحلۃ التیجانی در اماری ص ۲۷۹، [4] ابن خلکان ج ۳ ص ترجمہ یحییٰ بن اکثم، [5] الاطلاق المسلمہ در یادگاری ج ۱ ص ۲۹۸،

عام ازیں کہ وہ شاعر بھی ہوں، اور دوسرے وہ ارباب ذوق ہیں، جنھیں مورخین نے صرف ...
حیثیت سے پیش کیا ہے،

دورِ اوّل یعنی عہدِ اسلامی کے ادبار

اس طرح اگر دورِ اوّل یعنی عہدِ اسلامی کے ادبار کو دیکھا جائے، تو ان ... بالا ارباب علم کو چھوڑ کر، ... ہوتی ہے، جنھیں مورخین نے علم ادب کے ماہرین ... جگہ دی ہے، کسی کو ماہر لغت، کسی کو امام علوم آداب، کسی کو علم نحو میں یکتائے زمانہ کہا ہے، اور کسی ... کا خطاب دیا، ان اربابِ ادب میں چند صاحبِ تالیف بھی تھے، مثلاً عثمان بن علی السرقوسی الا... کی علم نحو وغیرہ میں کتابیں تھیں[۱]۔ ابوحفص عمر بن خلف بن مکی الصقلی الخطیب اللغوی النحوی کے ... ہوئے، صقلی نے ابن نباتہ متوفی ۳۷۴ھ جیسے بلند پایہ ادیب پر اس کو ترجیح دی، فن لغت میں ... کتاب تثقیف اللسان ہے، جو امام نووی کی کتاب تہذیب الاسماء کے ماخذوں میں ہے، کشف ... میں اس کا نام ستقیف اللسان چھپ گیا ہے[۲]،

ابوالحسن علی بن عبدالرحمن بن ابی بشار الصقلی کو اسکندریہ میں امام نحو تسلیم کیا جاتا تھا، ا... ایک مختصر مجموعہ مرتب تھا، ابن فحام الصقلی النحوی کی نحو میں تالیفات ہیں[۳]، ابوعمران موسیٰ بن ا... اللغوی، الادیب متوطن صقلیہ نے آٹھ ہزار اشعار کے مجموعہ میں نحو کے مسائل مبتدیوں کے لئے ... ابن رشیق القیروانی متوطن صقلیہ کی ذیل کی چند کتابیں صقلیہ میں تالیف پائیں، کتاب الشذو... میزان العمل، الروضۃ الموشیہ، کتاب المساوی، الانموذج اللغۃ اور دیوان ابن رشیق چند قصید...

[۱] بغیۃ الوعاۃ ص ۳۲۳، کتاب المقفی مقریزی درامارى ص ۶۶۳، [۲] بغیۃ الوعاۃ سیوطی ص ۳۶۱ کشف ... ص ۲۰۰، خریدۃ القصر درامارى ص ۵۹۵، کتاب ابناء الرواۃ درامارى ص ۶۴۱، [۳] اخبار الملوک و نزہۃ ... فی طبقات الشعراء المتقدمین درامارى ص ۴۱۲، کتاب ابناء الرواۃ درامارى ص ۶۴۴، خریدۃ القصر ... ۵۰۰، معجم البلدان ذکر بلنوبہ درصقلیہ، [۴] مختصر ابناء الرواۃ درامارى ص ۵۴۴، [۵] بغیۃ ا...

کا منظوم کلام بھی متفق طور پر صقلیہ ہے،[1] عمر بن علی بن عمر السرقوسی کی نحو، لغت، اور عروض میں کتابیں تھیں[2]،

ادباے متقدمین کا خاتمہ ابن القطاع، ابو القاسم محمد بن علی الصقلی النحوی اللغوی الادیب متوفی ۵۱۵ھ[3] ہوتا ہے، جس نے اپنی تالیف سے جزیرہ کے بکثرت شعرا کو زندہ جاوید بنا دیا، ۴۳۳ھ میں صقلیہ میں پیدا ہوا، یہیں تعلیم و تربیت پائی، اور یہیں فضیلت علمی کے بلند درجہ پر فائز ہوا، یاقوت لکھتا ہے، "یہ اپنے وقت میں اپنے وطن، اور مصر میں علم عربی اور فنون ادب کا امام تھا[4]"

علوم ادب میں اسکی ذیل کی کتابیں ہیں، حواشی بر صحاح جوہری[5] صحاح کے مشہور محشی ابو محمد بن بری النحوی کے حواشی کی بنیاد ابن القطاع کے انہی حواشی پر ہے[6] کتاب الافعال، در سہ جلد، ابن القوطیہ اور ابن طریف کی کتاب الافعال میں اصلاح و تہذیب کے بعد اس کو مرتب کیا، ابن خلکان کہتا ہے، "ابن القوطیہ کی کتاب الافعال سے بہتر ہے، چند نسخوں کا پتہ چلا ہے، ایک رام پور کے کتبخانہ میں ابنیۃ الافعال والاسمار والمصادر کے نام سے ۵۸۱ھ کا مکتوب ہے، دوسرا نسخہ میلان اور تیسرا اسکوریال میں ہے، میلان کے نسخے سے گریفینی نے چند اقتباسات شائع کئے ہیں[8]، کتاب الاسمار اس میں اسمار کے اوزان وابنیہ جمع کئے ہیں، ابن خلکان کہتا ہے، "اس سے اس کی کثرت اطلاع کا ثبوت ملتا ہے[9]"، کتاب الابنیہ کا حاجی خلیفہ نے ذکر کیا ہے، جس میں افعال و اسمار دونوں کے اوزان مشترک درج ہیں[10]، عجب کیا ہے، کہ رامپور کے کتب خانہ میں اسی کا نسخہ ہو، نام سے اشتباہ ہوتا ہے، کتاب السیف، تلوار کے اسمار و صفات کے بیان میں (کشف الظنون) کتاب القصار و اسمائهم و صفاتهم دھوبیوں کے اسمار و صفات میں (کشف الظنون) کتاب العروض والقوافی اور کتاب فرائد الشذور...

---

[1] معارف ج ۲۲، ص ۔۔ و ج ۲۴ ص ۳، [2] مختصر انباہ الرواۃ در اماری ص ۹۹۹، [3] ابن خلکان ج ۲ ص ۴۰۰ معجم الادبار ج ۵ ص ۱۰۰، خریدۃ القصر اماری ص ۵۷۸، بغیۃ الوعاۃ ص ۳۴۲، [4] معجم الادبار ج ۶ ص ۳۳۲، ج ۵ ص ۱۰۴، [5] فہرست کتبخانہ رام پور و مقالہ گریفینی در یادگاری ج ۱ ص ۴۳۲، [6] ج ۲ ص ۴۰۰ و معجم الادبار ج ۵ ص ۱۰۰، [7] کشف الظنون ج ۲ ص ۲۸۳،

قلائد النحور، شعر و شاعری میں ہے، یاقوت نے تذکرہ کیا ہے[1]،

اور اس دور کے بقیہ ادبار کے تذکرے ذیل کے مقامات میں دیکھئے، عیون الانبار فی طبقات الاطباء (ج ۱ ص ۱۰۹) بغیۃ الوعاۃ (ص ۲۲۴، ۷۵، ۲۵۶، ۲۶۴، ۲۲۵، ۳۳۲) کتاب انبار الرواۃ (در اماری ص ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۰) ابن عساکر (دمشق ۳۹۱ھ) الوافی بالوفیات (در اماری) ابن خلکان (تذکرہ ابوالعلار، صاعد، ابوطاہر اسمٰعیل) خریدۃ القصر (در اماری ص ۵۷۹، ۵۰۰، ۶۰۳) ترتیب المدارک (در یادگاری ج ۱ ص ۲۰۲، ۳۷۶) معجم الادبار (ج ۵ ص ۱۱۵) الاتحاف السلیہ (در یادگاری ج ۱ ص ۲۹۷، ۳۰۳)

شعرائے متقدمین عہد اسلامی کے شعرار کے ۳۶ نام ایسے معلوم ہو سکے ہیں، جن کے شعر و شاعری کی ارباب تذکرہ نے مدح سرائی کی ہے، اور نمونۂ کلام درج کیا ہے، اور جن شعرار کو اصناف شاعری میں سے کسی خاص صنف میں شہرت تھی، یا کوئی خاص کمال حاصل تھا، اس کا بھی تذکرہ ملتا ہے، ان شعرار کے تذکرے کتاب الاتحاف السلیہ (در یادگاری ج ۱ ص ۲۹۹، ۳۰۴، ۲۹۰، ۲۹۷) خریدۃ القصر (در اماری ص ۵۸۹، ۶۱۰، ۶۰۳، ۵۸۱، ۶۰۱، ۵۹۰) اور ترتیب المدارک (در یادگاری ج ۱ ص ۲۰۲) میں آئے ہیں،

اس دور میں بعض شعرار صاحبِ دیوان بھی گذرے ہیں، جن میں ایک ابوالعرب مصعب الصقلی (موجود ۴۸۰ھ) ہے، تذکرہ نگاروں نے اس کو صقلیہ کے ممتاز ترین شعرار میں جگہ دی ہے، صقلیہ میں اس سے شعر و شاعری کا بازار گرم تھا، المعتمد نے اس کو اشبیلیہ آنے کی دعوت دی، مگر وطن چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا، آخر نارمنی فتنہ سے گھبرا کر سنہ ۴۶۵ھ میں وطن کو خیرباد کہہ دینے پر مجبور ہوا، اور المعتمد کے دربار سے وابستہ ہو گیا، حاجی خلیفہ نے اس کے دیوان کا تذکرہ کیا ہے[2]،

اس دور کا خاتمہ صقلیہ کے مشہور شاعر ابن حمدیس السرقوسی، ابو محمد عبد الجبار بن ابوبکر الازدی پر ہوتا ہے

---

[1] معجم الادبار ج ۵ ص ۱۰۰ [2] ابن خلکان ج ۲ ص ۲، مسالک الابصار در اماری ص ۶۵۵، ۶۵۶، الاتحاف السلیہ در یادگاری ج ۱ ص ۲۹۶، نفح الطیب مقری کشف الظنون ج ۱ ص ۵۲۳،

(۴۴۷ھ تا ۵۲۷ھ) عربی علم ادب وشعر میں پانچویں صدی کے ممتاز و باکمال اساتذۂ فن شعرا میں گذرا ہے، جس کی شاعری کا غلغلہ مغرب سے مشرق تک بلند ہوا، اور اس کے ہمعصر ناقدین فن نے فن شعر میں اس کی فضیلت و برتری کا اعتراف کیا[1]،

ابن حمدیس کا جب آفتاب کمال طلوع ہوا، تو اسلامی صقلیہ اجڑ چکا تھا، اپنے بوڑھے باپ کو صقلیہ میں چھوڑ کر صقلیہ سے نکل پڑا، اور مختلف جگہ ہوتا ہوا اشبیلیہ میں المعتمد کے دربار سے وابستہ ہو گیا، اس کی شاعری کا بڑا حصہ اسی دربار کی قصیدہ خوانی میں ہے، اور کچھ حصہ وطن کی یاد میں ہے،

اپنا دیوان خود مرتب کیا تھا، جو دو مرتبہ شائع ہو چکا ہے، پہلی مرتبہ تاریخ صقلیہ کے محسن اماری نے ۱۸۸۳ء میں پلرمو سے شائع کیا، پھر ۱۸۹۷ء میں روم سے دوسرا اڈیشن نکلا[2]،

ابن حمدیس کی شاعری کا صحیح اندازہ اس کے نمونۂ کلام سے ہو سکتا ہے، جس کی یہاں گنجائش نہیں، تاہم یہ دیکھا جا سکتا ہے، کہ اس کے خیالات کی بلندی، معانی کی وسعت، کلام کے زور، عربی زبان پر قدرت، الفاظ کے شکوہ، فقروں میں دروبست، بندش کی دلفریب چستی، تشبیہات کی ندرت اور استعارات کی لطافت سے عربی علم ادب کے ناقدین اس کی طرف متوجہ ہوئے، اور جب اس کی شاعری پر نقد کرنے لگے، اور کلام کے نمونے سامنے آئے، تو ناقدین ادب کی تنقیدیں بھی شاعرانہ طرز ادا، ندرت تشبیہ، اور لطف استعارات کے ساتھ قلمبند ہوئیں، المنصور شاہ حماۃ لکھتا ہے:-

"وہ یگانۂ دہر تھا، علمی گھوڑ دوڑ اور بزم و رزم کے میدان میں اس کا مقابلہ ممکن نہیں، علم و حکمت

---

[1] ابن خلکان ج ۱ ص ۳۲۵، التکملہ ابن الابار ص ۲۶۳، المعجب مراکشی ص ۱، تا ۱۰۴ کتاب الذخیرہ ابن بسام در تاریخ بنی عباد ڈوزی ج ۳ ص ۴۵، المکتبۃ الصقلیہ و یادگاری ج ۱ ص ۲۹۹، نفح الطیب ج ۲ ص ۳۰، ۶۲۲۹، ۱۵۴ وغیرہ و انتخاب دیوان حمدیس در اماری، [2] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام تذکرہ ابن حمدیس، و یادگاری مضامین ج ۱ ص ۴۰۳،

کی اشاعت میں کوئی اس کی گرد کو نہیں پہنچا، علماء، فضلاء کے درمیان نہایت مشہور تھا، کہ یک
بہترین قادر الکلام شاعر تھا[1]

ابن فضل اللہ العمری کا بیان ہے،

"وہ ایک ایسی صبح ہے، جس کو تاریکیاں زنگ آلود نہیں کرتیں، اور ایسا خالص پانی ہے
گندگیاں گدلا نہیں کرتیں، وہ ایسا اسپ اصیل ہے جس کے پاس بھی آگے بڑھنے وا
گھوڑے نہیں پھٹک سکتے، ایک ایسا بادل ہے جس کو بجلیاں حرکت میں نہیں لا سکتیں
اس کی بار آور شاخ ٹوٹ نہیں سکتی، اس کی شب ماہ اندھیری نہیں ہو سکتی، اس کے را
پر بہت کم لوگ چلے ہیں، اس کے آسمان پر جن لوگوں نے اپنے روشن چاند منور کئے، وہ شا

اس کے بعد کتاب الذخیرہ ابن بسام سے اس کے متعلق ذیل کی رائے نقل کرتا ہے:

"وہ ایک ایسا ماہر شاعر ہے، جو نادر معانی کی چاندماری پر نشانہ لگاتا ہے، نہایت منا
تشبیہات کے استعمال پر قادر ہے، اور الفاظ کے دریا میں غوطہ لگا کر نادر معانی کے موتی
اسی طرح ابن خلکان اور ابن الآبار وغیرہ اس کی شاعری پر تقریباً اسی طرح رائے

دور ثانی عیسوی عہد حکومت کے مسلمان ادباء و شعراء

صقلیہ میں دولت اسلامی کے خاتمہ کے بعد راجر اول کے عہد حکومت تک م
پر عام دور ابتلا رہا، ادباء و شعراء بھی اس کے پنجۂ ظلم سے نہ بچ سکے، ابو
اسی عہد میں قید خانہ میں ڈال دیا گیا، اس نے راجر کے پاس چند قصائد بھیجے، مگر وہ ان لطاف
نہ تھا، اسے رہائی نصیب نہیں ہوئی[2]،

لیکن راجر دوم کی پرورش صقلیہ کے اسلامی آب و ہوا میں ہوئی، اور وہ اسلامی

---

[1] اخبار الملوک و نزہۃ المالک والملوک صدا ماری ص ۴۱۲ [2] کتاب مسالک الابصار صدا ماری ص
ج ۲ ص ۵۹۹ التکملہ ابن الآبار ص ۲۴۲، [3] خریدۃ القصر صدا ماری ص ۵۰۰، مختصر انباہ الرواۃ درما

کا دلدادہ بنگیا، زبان عربی پر کامل قدرت حاصل کی، دفتری زبان عربی ہی رہی، سکہ پر عربی حروف کندہ تھے، القاب وخطابات عربی تھے، طرزِ معاشرت اور طریق حکومت بھی اسلامی ہی تھا، اس لئے قدرۃً عرب شعرائ کی قدردانی کا وقت بھی آپہنچا، جس کا سلسلہ کچھ نہ کچھ جرمن فرمانروا مینفریڈ کے عہد (۱۲۶۶ء ۶۶۵ھ) تک قائم رہا، چنانچہ پاپاے روما اور بعض یورپین مورخین کی اصطلاح میں بعض حیثیات سے یہ پورا دور بھی گویا صقلیہ کا اسلامی دور ہے[1]، اسی کا اثر تھا کہ اگر راجر اول نے ایک عرب شاعر کو قید خانہ میں ڈال دیا، تو راجر دوم ایک دوسرے عرب شاعر کو صرف ایک قصیدہ کے صلہ میں نہ صرف قید سے رہا کرتا ہے، بلکہ انعام واکرام سے سرفراز کرتا ہے[2]، اور نفس قصیدہ گوئی اس درجہ موثر تصور کرلیجاتی ہے، کہ یحییٰ بن تیفاسی الثقفی نارمن حکومت کے ایک دشمن حکومت کا قصیدہ خوان جب اتفاقاً گرفتار ہوتا ہے، تو صرف اسی قصیدہ خوانی کے جرم میں تہ تیغ کردیا جاتا ہے[3]۔

چنانچہ نارمن دربار میں بھی شعروشاعری کا وہی غلغلہ سنائی دینے لگتا ہے، جو اس سے چند دن پہلے بلرم کے قصر میں بلند تھا، اور اس کی آواز بازگشت بھی ابھی خاموش نہیں ہوئی تھی، نارمن دربار کے شعراء میں (۱) عبدالرحمٰن بن محمد بن عمر البثیری، (۲) ابن بشرون الصقلی، (۳) قاضی عبدالرحمٰن بن رمضان اور (۴) ابوالضیاء سراج بن احمد بن رجاء الصقلی وغیرہ ہیں، جن کے قصائد بھی نارمن فرمانرواؤں کی شان میں تذکرۂ شعراء میں منقول ہیں[4]، شریف ادریسی بھی اسی دربار سے وابستہ تھا، اگرچہ اسکی شہرت علم جغرافیہ میں ہے، مگر وہ ایک مخصوص طرز انشاء کا مالک بھی سمجھا جاتا ہے، ابن بشرون نے اس کے انشاء پر تبصرہ کیا ہے[5]،

چھٹی ساتویں صدی کے ادباء نحویین، وعلماے نحو، اور شعراء میں گیارہ اہل علم کے نام نظر آتے ہیں جن کے تذکرے انباء الرواۃ (درامار ی ص ۶۴۵) الالحان المسلسلہ (دریادگاری ج ۱ ص ۳۰۰) عنوان الدر

---

[1] ہسٹورینز ہسٹری آف دی ورلڈ ج ۹ ص ۱۰، انسائیکلوپیڈیا برطانیکا ج ۲۰ ص ۶۷۱، (ولیم) دص ۲۰۸ ج ۱۱ ص ۴۰۴

[2] مسالک الابصار درامار ی ص ۲۰۱، [3] خریدۃ القصر درامار ی ص ۵۹۹، [4] خریدۃ القصر درامار ی ص ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۱، ۵۸۰، ۶۰۱، [5] خریدۃ القصر درامار ی ص ۶۱۱، والوافی بالوفیات صفدی ج ۱ ص ۱۶۳

(ص ۱۲۱، ۱۶۹) خریدۃ القصر (در اماری ص ۶۰۴، ۶۰۶) ابن خلکان (جلد ۳ ص ۶۳) اور مقالہ حسن حسنی عبدالوہاب (در یادگاری ج ۲ ص ۴۹۲) میں آئے ہیں، اسی دور میں امام مازری کی بھی چند ادبی کتابیں ہیں، جن کا تذکرہ ابن خلکان نے کیا ہے، (ج ۲ ص ۲۰۷) اور ابن ظفر الصقلی کا مشہور ادبی شاہکار سلوان المطاع فی عدوان الطباع بھی اسی دور میں صقلیہ میں مرتب ہوا، جو ایک صقلی مسلمان قائد کے تعمیل حکم میں لکھا گیا، اس کتاب کے نسخے پیرس اور آکسفورڈ میں موجود ہیں، لیکن دونوں میں کسی قدر فرق بھی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ابن ظفر نے بعد میں اسکے دیباچہ میں کچھ رد و بدل کیا، آکسفورڈ کا نسخہ اسی کتاب کا ہے، جو صقلیہ میں اولاً تالیف ہوئی سلوان المطاع کا طرز تحریر مقامات حریری کے طرز پر، اور طرز بیان و واقعات کلیلہ دمنہ کے طرز پر ہیں، مصنف نے اس کے آخر میں دو جزوں کا ایک ضمیمہ بھی منسلک کیا ہے،

صقلیہ کا یہ علمی تحفہ عالم اسلامی میں مقبول ہوا، اولاً تاج الدین ابو عبداللہ بن النجاری متوفی ۶۹۹ھ نے اسکو عربی نظم میں منتقل کیا، ایک دوسرے اہل علم نے اسکی حکایتوں کو کسی قدر مقدم و موخر کر کے فارسی میں ریاض الملوک فی ریاض السلوک کے نام سے موسوم کیا، ترکی میں شیخ الاسلام محمد امین (۱۰۶۷ھ) نے ترجمہ کیا، پھر مائیکل اماری نے ایطالوی ترجمہ ۱۸۵۱ء میں شائع کیا، اور اصل کتاب کا پہلا اڈیشن ۱۲۷۸ھ میں مصر سے پھر ۱۲۷۹ھ میں تونس سے اور آخر میں بیروت سے شائع ہوا

ابن ظفر کی چند اور ادبی کتابیں ہیں جنکے موضوع و مبحث کی تفصیل انھوں نے خود الگ الگ بیان کی ہے، وہ کتابیں حسب ذیل ہیں، ملح اللغۃ، کتاب السفر، کتاب التعقیب، کتاب اوہام الخواص، کتاب کشف الکشف، کتاب الجود والعواقب، کتاب الخوذ الواقیہ والعوذ الراقیہ، کتاب ریاض الذکری، کتاب النصائح، کتاب مالک الاذکار فی مسالک الافکار، کتاب الفوائد والبیان فی النحو،[1]

ابن ظفر ایک قادر الکلام انشا پرداز تھے، عربی لغت و ادب پر وسیع نگاہ تھی، اور اس دور میں عربی ادب میں جو مقفی و مسجع عبارت آرائی تھی، اسمیں باکمال سمجھے جاتے تھے، اسلوب بیان، طرز تحریر اور طریق انشا، وہی ہے جو چھٹی صدی میں عام بلند پایہ عرب ادبار کے درمیان رائج تھا،

[1] اقتباس سلوان المطاع در اماری ص ۶۳۰ تا ص ۶۴۱ کتاب المقفی مقریزی در اماری ص ۶۶۹، کشف الظنون ج ۲ ص ۳۱، الکفاء، الفتوح

علوم عقلیات و ریاضیات و طبعیات

علوم و فنون کے بیان کی ابتدا میں اشارہ کیا جاچکا ہے کہ مسلمانان صقلیہ کو ان علوم کی جانب توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا، تاہم کچھ نشانات مل جاتے ہیں،

طب، مسلمانوں نے صدر اول کے خاتمہ یعنی علوم اسلامیہ کی تدوین کے بعد سب سے پہلے علم طب پر توجہ کی چنانچہ صقلیہ میں بھی کسی قدر اسی میں رونق نظر آتی ہے، اور صقلیہ کے چند اطبا، اور ان کی تالیفات کا پتہ چلتا ہے،

صقلیہ کے اطبار نے طب کی جو مستقل خدمت انجام دی، ان میں اندلس میں عبدالرحمن الناصر کے عہد میں ابن جلجل ابو داؤد سلیمان کی نگرانی میں ایک طبی ادارہ میں بعض طبی خدمات انجام دیتا ہے، اطبا کی ایک جماعت اس ادارہ میں طبی تحقیقات میں مصروف تھی، طب یونانی کی اصطلاحوں اور دواؤں کے نام عربی میں منتقل کر رہی تھی، اس ادارہ میں ایک صقلی طبیب ابو عبداللہ بھی تھا، جو عبدالرحمن الناصر کے عہد سے المستنصر کے زمانہ تک اس سے وابستہ رہا،[1]

صقلیہ کے اطبار نے طب میں جو کتابیں لکھیں، ان میں سے چند کا پتہ دور حاضر میں چلا ہے، وہ حسب ذیل ہیں

۱- ابو سعید بن ابراہیم الطبیب الصقلی کی ایک کتاب النجح فی المداوی من صنوف الامراض والشکاوی کے دو نسخے بوڈلین اور پیرس کے کتب خانوں میں ہیں، اماری نے اپنے مجموعہ میں کچھ اقتباسات نقل کئے ہیں (ص ۶۹۴) مصنف کے زمانہ کا پتہ نہیں، تاہم اسکی اس کتاب کے دیباچہ کی نوعیت سے اس کا زمانہ قدیم معلوم ہوتا ہے، وہ لکھتا ہے کہ اس کتاب کی تالیف سے پہلے طب میں جسقدر کتابیں ہیں، ان میں یا تو مفرد دواؤں کے خواص ہیں، یا ایسی کتابیں ہیں جن میں مختلف امراض کا علاج مفردات سے بتایا گیا ہے، مصنف اپنے بیان کے مطابق وہ پہلا شخص ہے، جس نے ان دونوں امور کو اس تالیف میں جمع کیا،

---

[1] عیون الانباء فی طبقات الاطباء، جلد ۲ ص ۴۶،

۲۔ صقلیہ کے مشہور محدث امام مازری علم طب میں بھی کمال رکھتے تھے، ابن فرحون کا بیان ہے "جس طرح فقہ میں لوگ انکی طرف رجوع کرتے ہیں، اسی طرح طب میں بھی خلائق کے مرجوعہ ہیں"[1]

۳۔ شیخ ابوبکر الصقلی الطبیب کیلئے یہ باعث فخر ہے، کہ شیخ عزالدین جو بیمارستان نوری دمشق کے طبیب حاذق تھے، اور ابن ابی اصیبعہ جو عیون الانباء فی طبقات الاطباء کا مصنف ہے، دونوں انہی کے تلامذہ میں تھے،[2]

اطبائے صقلیہ کا ایک خاندان اسی طرح اطبائے صقلیہ کا ایک خاندان صقلیہ سے ہجرت کرکے افریقہ آیا، اور مراکش کے فرمانروا ابوالفارس عبدالعزیز بن ابی الحسن کے دربار سے وابستہ ہو گیا، اس خاندان میں حاذق اطباء گذرے ہیں جنھوں نے طب میں اپنی یادگاریں چھوڑی ہیں، (۴) ابو محمد عبدالسلام بن ابراہیم الصقلی الطبیب متوفی ۸۲۲ھ وہ پہلے طبیب ہیں، جو اس خاندان کے افریقہ میں آئے، انکی ایک کتاب فن جراحت میں ہے جس کا ایک نسخہ جامع زیتون ٹیونس میں موجود ہے، (۵) ابوالعباس احمد بن عبدالسلام الشریف الصقلی الطبیب کی دو کتابیں معلوم ہیں، شرح ارجوزہ لابن سینا اس کا ایک نسخہ مدرسہ صادقیہ ٹیونس کے طلبائے قدیم کی ایسوسی ایشن میں ۸۷۱ھ کا مکتوب موجود ہے، کتاب الاطباء فی الامراض من الفرق الی القدم اس میں سر سے پیر تک کے تمام اعضاء کے امراض و علاج کو بیان کیا ہے، اسکے دو نسخے ہیں، ایک لیڈن میں دوسرا ٹیونس میں (۶) ابوعبداللہ محمد بن عثمان الطبیب الصقلی کی بھی دو کتابیں ہیں، المختصر الفارسی جو امام رازی کے اتباع میں المنصوری کی طرح ابوالفارس کی طرف منسوب ہے، اس میں طب کو دو قسموں علمی و عملی علم بالکلیات و عمل بالمعالجات میں تقسیم کرکے اول کو تین مقالوں اور دوسرے کو ت مقالوں میں بیان کیا ہے، اسکے کئی نسخے جامع زیتون ٹیونس میں موجود ہیں، کتاب منہاج الدکان کا ایک نسخہ جامع زیتون میں ۱۱۶۲ھ کا مکتوب ہے[3]

---

[1] دیباج جلد ۱ ص ۲۸۰، ابن فرحون [2] عیون الانباء، جلد ۱ ص ۲۷۶ [3] مقالہ حسن حسنی عبدالوہاب دریادگاری جلد ۲ ص ۴۰۴ تا ۴۰۹، و مقالہ گریفینی جلد ۱ ص ۴۴۵ وببلوتھیکا اماری ص ۶۹۷،

نارمن دربار میں عرب و یہودی دونوں طبیب تھے، ابن جبیر ولیم ثانی کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ اطباء کا نہایت حریص ہے، اپنے پاس سے جدا ہونے نہیں دیتا،[1] اور یورپ کے ایک عجائب خانہ میں ولیم ثانی کی ایک تصویر ہے جس میں ایک عرب طبیب ولیم کے بستر موت کے سامنے اپنے آلات رکھے عمل جراحی کر رہا ہے، یہ تصویر الہلال ولمقتطف میں نظر آئی تھی

علم جغرافیہ

علم جغرافیہ سے صقلیہ کے اہل علم کی دلچسپی کا اندازہ ان روایتوں سے ہوتا ہے، جو صقلی اہل علم جغرافیہ نویسون سے صقلیہ کے متعلق جغرافی حالات بیان کیا کرتے تھے، اور ان کے حوالے جغرافیہ کی بعض کتابون میں درج ہو گئے ہیں،[2] اسی طرح یہ بھی معلوم ہے، کہ اسوقت تک علم جغرافیہ مین جو کتابیں تالیف ہوئی تھیں، وہ صقلیہ کے اہل علم میں متداول تھیں، ادریسی نے صقلیہ مین انکے موجود ہونے کا تذکرہ نام بنام کیا ہے،[3]

مشہور عرب سیاح صقلیہ میں،

مشہور عرب سیاحوں میں ابن حوقل اور ابن جبیر صقلیہ آئے، اور اپنی گہری دلچسپی کا اظہار کیا، اور ابن حوقل نے اپنے سفرنامہ میں صقلیہ کے تذکرہ کے علاوہ بلرم کے حالات میں ایک مستقل رسالہ لکھا، جو ۱۸۴۵ء میں پیرس سے طبع ہو چکا ہے، (اکتفاء القنوع) لیکن میری نظر سے نہیں گذرا، اس کے ایک رسالہ کا تذکرہ[4] محاسن اہل صقلیہ کے نام سے معجم البلدان (جلد ۵ ص ۴۰۷) میں آیا ہے، شاید مطبوعہ رسالہ یہی ہو، ابن جبیر ۵۸۰ھ میں یہان آیا، اور دو مہینہ سے زیادہ مقیم رہا، صقلیہ کے مسلمانوں سے اس کے مراسم قائم ہوئے، اسکے سفرنامہ کا سب سے پہلا حصہ صقلیہ ہی کے متعلق ۱۸۴۶ء میں فرانسیسی ترجمہ کیساتھ شائع ہوا، پھر پورا سفرنامہ ۱۸۵۲ء، پھر ۱۸۹۶ء اور آخر میں ۱۹۰۷ء میں گب میموریل کی جانب سے اہتمام سے چھپا،

عرب جغرافیہ نویسوں میں ابو عبد اللہ محمد بن محمد المعروف بالشریف ادریسی کا نام اسلامی علم جغرافیہ کی تاریخ

---

[1] رحلۃ ابن جبیر ذکر صقلیہ، [2] کتاب تحفۃ الالباب ونخبۃ الاعجاب در اماری ص ۸۴، [3] کتاب الاشارات فی معرفۃ الزیارات در اماری

[4] معجم البلدان جلد ۵ ص ۴۰۷، [5] نزہۃ المشتاق ص ۵،

میں زریں حروف میں لکھا جائے گا، اسے علوم عقلیہ میں دستگاہ کامل تھی، اور اسی تعلق سے صقلیہ آیا، راجر دوم نے قدر افزائی کی، اور اپنی شہرۂ آفاق کتاب نزہتہ المشتاق فی اختراق الآفاق راجر ہی کے لئے تالیف کی، جو یورپ کے مختلف کتب خانوں پیرس، آکسفورڈ، اور قسطنطنیہ وغیرہ میں محفوظ ہے، اسکے شائع شدہ حصص میں اولاً ۱۵۹۲ء میں اسی کا ایک عربی اختصار روم سے نکلا، پھر مختلف مستشرقین کے اہتمام میں مختلف حصے مختلف وقتوں میں شائع ہوئے، جن میں سے پہلا حصہ شام و فلسطین کے متعلق ۱۸۲۸ء میں، پھر مغرب، سوڈان، مصر اور اندلس کے حصہ کو ڈوزی نے ۱۸۶۴ء میں لیڈن سے چھاپا، اسکے بعد ۱۸۸۵ء میں ایطالوی ترجمہ کے ساتھ ایطالیہ و صقلیہ کے حالات چھپے، اور اسی طرح اس کے مختلف ترجمے کہیں مع اصل، کہیں صرف ترجمہ مختلف مقامات سے شائع ہوئے،

شریف ادریسی راجر دوم (۵۴۹ھ ۱۱۵۴ء) کی وفات کے بعد بھی یہیں مقیم رہا، ولیم (۵۶۱ھ ۱۱۶۶ء تا ۵۸۵ھ ۱۱۸۹ء) نے بھی اسکی قدر کی، اور اس کے نام پر بھی جغرافیہ میں ایک کتاب روض الانس و نزہتہ النفس کے نام سے لکھی، جو اصفہانی کے بیان کے مطابق نزہتہ المشتاق سے زیادہ ضخیم تھی، چند سال گذرے اس کے ایک مختصر حصہ کا پتہ قسطنطنیہ کے ایک کتب خانہ میں چلا ہے[1]،

علم ہیئت و ریاضیات

علم ہیئت عربوں کا محبوب فن رہا ہے، جہاں رہے، فلک پیمائی کرتے نظر آئے، ادریسی کا وہ کرہ لائق ذکر ہے، جو یہاں تیار ہوا تھا، چار لاکھ درہم کے وزن کی ایک نقرئی اینٹ اسکے سپرد کی گئی، جسکو پگھلا کر اصول ہیئت کے رو سے اولاً آسمان کی شکل کے چند دائرے بنائے گئے، اور انکو طبق در طبق پیوست کرکے کرہ کی شکل میں تیار کیا گیا جو گویا مختلف طبق افلاک تھے، اور ایک دوسرا مدور کرہ زمین کا تیار ہوا، اور اسی عظیم الشان سانچے پر دنیا کے تمام پہاڑوں، دریاؤں، وادیوں، اور ان کے نشیب و فراز کی تصویر اتاری گئی، اسکے

[1] الوافی بالوفیات صفدی در امار ی ص ۶۵۰، ۶۵۵، خریدۃ القصر در امار ی ص ۶۱۱، نزہتہ المشتاق ص ۱۶، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ترجمہ ادریسی،

بنانے والے صقلی اہل علم تھے[1]،

مسلمانان صقلیہ اپنے اصول ہیئت و ریاضیات سے مذہبی امور میں عملی فائدہ بھی اٹھاتے تھے، صقلیہ کے میزان الاوقات کا تذکرہ ادریسی اور ابن فضل اللہ العمری نے کیا ہے، یہ ایک گھڑیال تھا، جو ایک چشمہ میں لگا ہوا تھا، اور شہر کے مسلمانوں کو نماز کے اوقات سے مطلع کرتا تھا[2]،

صقلیہ کے ہیئت دان و منجمین کے چند نام معلوم ہو سکے ہیں، وہ یہ ہیں (۱) ابو حفص عمر بن حسن النحوی المنجم، (۲) ابو عبد اللہ محمد بن عیسیٰ الصقلی المنجم، (۳) احمد بن مفرج المہندس الصقلی، (۴) ابو محمد عبد الکریم الصقلی المنجم، اور (۵) ابو محمد عبد المعطی بن محمد السرقوسی[3]، اور اسی طرح وہ مہندسین بھی اسی زمرہ میں داخل ہیں جن کا تذکرہ اس سے پہلے گذر چکا،

کیمیا سازی (کیمسٹری)

اس زمانہ میں معمولی دھاتوں میں تغیر و تبدل اور آمیزش کرکے اسے سونے اور چاندی میں منتقل کرنے کا امکان تصور کیا جاتا تھا، اس کیمیاگری کا خبط صقلیہ کے بے فکروں میں بھی موجود تھا، ابن المؤدب الشاعر کے متعلق تصریح ملتی ہے کہ جب وہ جرم کی پاداش سے روپوش ہوا، تو چند اپنے ہی ہم مشرب دوستوں کے گھر میں پناہ لی، جو مخفی مکانوں میں چھپے دھاتوں کو الٹ پھیر کرکے کیمیاگری کی دھن میں لگے رہتے تھے[4]،

لیکن اسکے ساتھ مسلمانوں کی توجہ کیمیا سازی پر بھی مبذول تھی، اس موضوع پر بعض کتابیں بھی مثلاً کتاب سر الکیمیا، اور کتاب عمل الاصباغ والمداد والحراض، اول الذکر کتاب ابن بشرون الصقلی کی ہے، جس کا ایک نسخہ تیونس میں محفوظ ہے، اور آخر الذکر کسی نامعلوم صقلی مصنف کی ہے، اس کا بھی ایک نسخہ تیونس ہی میں ہے، اس میں رنگسازی

---

[1] نزہتہ المشتاق ص ۵، [2] ،، و مسالک الابصار ابن فضل اللہ العمری در اماری، [3] اخبار العلماء باخبار الحکماء ص ۹۵، خریدۃ القصر در اماری ص ۹۹، اخبار مصر ابن میسر ج ۲ ص ۳۴، [4] ابن خلکان جلد ۲ ترجمہ یحیٰ بن اکثم،

اور روشنائی بنانے کے طریقے درج ہیں، کریتینی نے کچھ اقتباس شائع کیا ہے، جن میں روشنائی کی مختلف قسمیں مختلف نسخے، اور بنانے کی مختلف ترکیبیں بیان کی گئی ہیں[1]،

فلسفہ و منطق

فلسفہ و منطق کو سب سے آخر میں اسلئے جگہ دی، کہ اس کا تعلق زیادہ تر صقلیہ کے عیسوی عہد کے مسلمان اہلِ علم سے ہے، صقلیہ کے عہدِ اسلامی میں بجز ایک دو ناموں سعید بن فتحون القرطبی، اور ابو محمد عبد المعطی بن محمد السرقوسی کے ابھی تک علم میں نہیں آئے، سعید بن فتحون کے توطن پذیر ہونے کا تذکرہ گذر چکا ہے، اندلس سے اسکی ہجرت کا سبب اس کے بعض فلسفیانہ میلان ہی تھے، المنصور بن ابی عامر نے اسی جرم میں قید و بند میں ڈالا، اور رہائی پاکر اس نے صقلیہ کو اپنا مامن بنایا، اور یہاں اپنے مشاغل میں مصروف رہا، فلسفہ میں اسکی دو کتابیں معلوم ہیں، ایک شجرۃ الحکمت ہے جس میں علوم فلسفہ کے مبادی و مقدمات کا بیان ہے، اور دوسرا رسالۂ تعدیلِ علوم ہے، جس میں جوہر و عرض کے انقسام کے بعد علوم کے بتدریج وجود پذیر ہونے تک بحث کی ہے[2]، ابو محمد عبد المعطی بن محمد السرقوسی علم منطق کا عالم تھا[3]،

لیکن صقلیہ کے نارمن اور جرمن دور میں مسلمانانِ صقلیہ ہی یونانی فلسفہ کے مذاہب کے علمبردار تھے، اور کلیسا کے پادری اسلام سے منجملہ دیگر مذہبی اختلافات کے مسلمانوں کے اس ذوقِ فلسفہ کے باعث بھی بیزار تھے، کیونکہ مسلمانوں کے اثر سے عیسائیوں کے طبقوں خصوصًا فرمانروا خاندان میں ان علوم کی مقبولیت حاصل ہوئی، مثلاً راجر دوم (۴۹۹ھ ۱۱۰۵ء - ۵۴۹ھ ۱۱۵۴ء) کو ادریسی، ابن فضل اللہ الدمشقی، اور صفدی نے محب علومِ فلسفیہ و عقلیہ لکھا ہے، اور فلاسفہ اور ماہرینِ علوم عقلیہ کا قدردان بتایا ہے،

اسی طرح فریڈریک دوم (۵۹۵ھ ۱۱۹۸ء - ۶۴۸ھ ۱۲۵۰ء) فرمانروائے صقلیہ عربی زبان و عربی علوم کے قدردان

---

[1] یادگاری مضامین جلد ۱ ص ۴۴۴، [2] بغیۃ الوعاۃ ص ۲۵۶، طبقات الامم ص ۸۰، [3] احان السیلہ، جلد ۱ صفحہ ۲۹۷،

تھا، علوم فلسفہ و منطق عقلیہ میں اُس نے مسلمان اہل علم سے سبقاً سبقاً حاصل کئے، اور جب اسلامی ممالک پر چڑھائی میں جاتا، تو یہ اہلِ علم بھی اسکے ساتھ ہوتے، سبط ابن جوزی نے بیت المقدس کا واقعہ لکھا ہے، کہ جب مؤذن نے اذان دی، تو سب کے سب فراش غلام، اور استاذ اس کے پاس سے اٹھ گئے، یہ استاذ اس کے ساتھ صقلیہ سے آیا تھا، جو اس کو فلسفہ کا درس دیتا تھا" فریڈرک نے ان علوم کا اس کثرت سے مطالعہ کیا کہ رفتہ رفتہ عیسائیت سے برگشتہ ہو کر لامذہب ہوگیا، صاحبِ جامع التوارئخ کا بیان ہے "اس کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے، کہ وہ دہری ہے، عیسائیت کا مذاق اڑایا کرتا ہے"[1] اور پاپائے روما نے تو یہ کہہ کر کہ دین نصرانی سے خارج ہو کر مسلمانوں کی طرف مائل ہے، اس کے قتل کا فیصلہ دے دیا، مقریزی اور ابوالفداء وغیرہ نے بھی اس کے علوم عقلیہ میں تبحر کا تذکرہ کیا ہے،

وہ علمی شکوک و شبہات میں اپنے ہم عصر مسلمان سلاطین الکامل وغیرہ سے استمداد کرتا، چنانچہ ایک مرتبہ علم ریاضی، حکمت اور ہندسہ کے مسائل قلمبند کر کے اس کے پاس استفسار کے طور پر بھیجے، الکامل کی طرف سے شیخ علم الدین نے تسلی بخش جوابات بھیج دئے، اسی طرح اہلِ علم مسلمان سفراء سے بھی رجوع کرتا، الکامل کے سفیر امیر فخر الدین اور فریڈرک میں دقیق علمی مباحث زیر بحث رہے، شیخ جمال الدین متوفی ۶۹۷ھ سے بھی جو ملک الظاہر کے سفیر تھے، اس نے علمی شکوک رفع کئے، انھوں نے علم منطق میں ایک رسالہ اسی کے نام معنون کر کے انبروریۃ (انبرور یعنی امپر) لکھکر اسے دیدیا تھا[2]،

اسی سلسلہ میں فریڈرک کی ایک اہم یادگار ابن سبعین متوفی ۶۶۹ھ کی کتاب مسائل صقلیہ یا الفوائد الصقلیات ہے، جو فریڈریک کے چند فلسفیانہ سوالات قدامتِ عالم، اور ماہیتِ روح وغیرہ کے جواب میں ہے، اس کے دو نسخے بوڈلین اور اکسفورڈ میں ہیں، امدری نے کچھ اقتباس شائع کیا ہے، فریڈریک کا بیان ہے کہ اس رسالہ سے ان مسائل میں اسکی پوری تشفی ہوئی،

(باقی)

[1] جامع التوارئخ ص ۱۵-۵۱۶، [2] ابو الفداء جلد ۴ ص ۲۰ کتاب السلوک لمعرفۃ دول الملوک در اماری ص ۵۲۲،

قصائد بدرچاچ پر ایک تاریخی نظر

از جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب رفیق دار المصنفین

سلطان محمد تغلق کا عہد اگر سیاسی واقعات کے لحاظ سے نہایت اہم ہے، تو علمی حیثیت سے بھی یہ زمانہ کم ممتاز نہیں ہے، ہندوستان میں جسقدر مسلمان فرمانروا گذرے ہیں، سبنے کسی نہ کسی صورت میں علوم وفنون کی سرپرستی اور علما، مشائخ، شعرا اور اہل علم کی قدردانی کی ہے، اگر ایک طرف انھوں نے میدان کارزار گرم کیا، تو دوسری طرف درباروں میں علمی مجالس سجائیں، اور توپ وتفنگ کی ہولناک گرج کے ساتھ انھوں نے علم وفن کا نغمہ بھی سنایا، ان کی قدردانیوں اور فیاضیوں کا شہرہ سنکر، مصر، شام، بغداد ترکستان، اور تمام دنیاے اسلام کے بڑے بڑے اہل کمال اور شعرا ان کے درباروں میں کھچے چلے آتے تھے، اور ان کے جود وکرم سے فیضیاب ہوتے تھے، خصوصًا وسط ایشیا کے ارباب کمال سلاطین دہلی کے عہد میں آکر خوب چمکے، وسط ایشیا جو ان ہندی مسلمانوں کا آبائی وطن تھا، مدتوں علم وفن کا مرکز رہا، لیکن جس زمانہ میں ان کے فاتحانہ قدم ہندوستان میں داخل ہوے، اسی وقت اس سرزمین میں علمی انحطاط کا آغاز ہو چکا تھا، اور ان کا دائرۂ کمال محدود، ذوق پست اور معیار گر چکا تھا، اس زمانہ میں وہاں جو ارباب کمال پیدا بھی ہوے، تو وہ ناقدردانی کے ہاتھوں پردۂ گمنامی میں پڑے رہے، لیکن ان میں سے جو ہندوستان پہنچ گئے، وہ شاہان دہلی کی قدردانی سے فیضیاب ہو کر خوب چمکے، ان علم پرور بادشاہوں کی فیاضیوں اور قدردانیوں نے غیر ممالک سے ارباب کمال کو کھینچ بلایا، یہ لوگ اپنے ساتھ جو علوم لائے، ان مین ہندوستان کی آب وہوانے بڑی لطافت پیدا کر دی، اور بہت جلد

ہندوستان علم و ہنر کا گہوارہ بن گیا، علمی فروغ کے لحاظ سے علاء الدین کا عہد زریں کہلانے کا مستحق ہے، اس دور میں اس کثرت سے مشائخ، اولیائے کبار اور علماء و فضلا جمع ہوئے، کہ ان کی نظیر ماسبق عہدوں میں نہیں مل سکتی، علاء الدین کے بعد علمی حیثیت سے سب سے نمایاں عہد محمد بن تغلق کا تھا، محمد تغلق اپنی ذہانت، اور اپنے پاکیزہ اور بلند علمی مذاق میں اپنے تمام معاصرین میں سب سے زیادہ ممتاز ہے، اس کا دربار آدب فلسفہ، معقولات حکمت، نجوم، ریاضی، اور منطق کا بیت الحکمۃ تھا، سعد جیسا منطقی، عبید جیسا شاعر، ضیاء الدین برنی جیسا مورخ، نصیر شمس الدین جیسا حکیم اور شاعر، نجم الدین انتشار اور علیم الدین جیسے فضلا، ناصر الدین ترمذی جیسا واعظ، اور عبد العزیز اردبیلی جیسا فقیہ اور محدث جس نے تقی الدین ابن تیمیہ اور برہان الدین ابن الفرکاح اور جمال الدین برنی و شمس الدین ذہبی وغیرہ سے تعلیم حاصل کی تھی، محمد شاہ تغلق کے دربار کی زینت اور اسکے ہم صحبت و ہم جلیس تھے، اور اس کی جود و سخا کی بارش سے سیراب ہوتے تھے، محمد تغلق کی علمی سرپرستی اور فیاضی صرف ہندوستان ہی تک محدود نہ تھی، بلکہ ہندوستان کے باہر کے ارباب کمال بھی گھر بیٹھے اس کی فیاضیوں سے فیضیاب ہوتے تھے، چنانچہ عضد الدین شونکارنی کے پاس جو اپنے ملک میں فاضل کبیر القدر عظیم اللقب و شہیر الذکر تھے، دس ہزار دینار بھیجے، قاضی مجد الدین دلی شیرازی کی شہرت سن کر اس کو دس ہزار روپے بھیجے، واعظ برہان الدین صاغرجی اپنی فیاضی کی وجہ سے قرضدار ہو گئے تھے، محمد تغلق کو جب اس کی خبر پہنچی تو انکے پاس چالیس ہزار دینار بھیجے[1] محمد تغلق کی یہ زرپاشیاں ایران، خراسان، فارس، اور وسط ایشیار میں بہت مشہور تھیں، اس کی اس داد و دہش اور علمی قدر دانیوں کی خبر سنکر بیرونی ممالک سے جتنے علمار اور طلبا اس عہد میں دہلی آئے، اس سے پہلے کبھی نہیں آئے تھے، جیسا کہ ابن بطوطہ لکھتا ہے، کہ یہ شہر اب جنوب وسطی ایشیار کا سب سے بڑا مرکز و مرجع بن گیا تھا،

ان بیرونی ارباب کمال میں جو محمد تغلق کے دربار میں مہر و ماہ بن کر چمکے، ایک بدر الدین

[1] سفرنامہ ابن بطوطہ مترجمہ محمد حسین، ص ۱۲۱ و ۱۲۰،

چاچی بھی تھا،

بدرالدین کا وطن تاشکند (تاشقند) تھا، اسی شہر کا نام بعد کو چاچ مشہور ہوا جسکو اہل عرب شاش کہتے ہین، اسی نسبت سے بہت سے شاشی علما، دنیاے علم میں روشناس ہوئے ہیں، بدرالدین اسی چاچ کی طرف منسوب ہوکر چاچی کہلایا، اور اپنی نظمون میں اپنا تخلص بدر لکھتا ہے، اور اس طرح وہ بدر چاچ کے نام سے شعر و سخن کے آسمان پر تابان ہوا، وہ محمد تغلق کے عہد میں ہندوستان آیا اور اس کا درباری شاعر مقرر ہوا، اسکی قابلیت کا سکہ ایسا جما کہ سلطان محمد تغلق نے اس کو فخرالزمان کے معزز خطاب سے سرفراز کیا، افسوس ہے کہ اس کی زندگی کے تفصیلی حالات کہیں نہیں ملتے، اسلئے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ ہندوستان کب آیا، تقی کاشی نے اس کا سن وفات ۷۴۵ھ بتایا ہے،[۱] جو ممکن ہے کہ صحیح ہو، میر غلام علی آزاد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ ہندوستان ہی میں سپرد خاک ہوا،[۲] مگر ہندوستان میں اس کی مدت اقامت کا پتہ نہ چل سکا، بعض قطعی شواہد سے یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے، کہ وہ کم از کم سات برس محمد تغلق کے دربار میں ضرور رہا، ۷۳۸ھ میں اس نے فتح نگرکوٹ پر ایک قصیدہ لکھا، اس کے بعد اس نے سلطان محمد تغلق کے جنگی کارنامون پر ایک مثنوی لکھی ہے، جس کی تاریخ اختتام ۷۴۵ھ ہے،[۳] اس کے یہ معنی ہوئے کہ بدر چاچ کم از کم ۷۳۸ھ سے ۷۴۵ھ تک ضرور شاہی دربار میں رہا، بدر محمد تغلق کی بارگاہ میں

---

۱ بانکی پور کیٹلاگ جلد ا ص ۲۱۰، بحوالہ اورینٹل کالج میگزین فروری ۳۲ء، ۲ یہ بیان قلمی نسخہ دارالمصنفین اعظم گڈہ، ۳ قصائد بدر چاچ ص ۸۵، نولکشور پریس، نیز دیکھو برٹش میوزیم کیٹلاگ جلد سوم ص ۱۰۳۲، ملا عبدالقادر بدایونی اس کتاب کا ذکر کرتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ مثنوی عہد اکبری تک موجود تھی، اب یہ مثنوی مفقود ہے،

مادہ تاریخ اس شعر سے نکلتا ہے:-

سال تاریخ عرب و بیت نہ شد بود بعقد کاسمان عقد سخنہاے مراداد نظام،

بڑا مقرب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ دیوگیر کی فتح کے موقع پر سلطان نے اسکو وکیل بنا کر بھیجا تھا، (اس کا ذکر آیندہ آئے گا،)

ان تمام خصوصیات کے باوجود سیاسی مورخین نے اس کو بالکل فراموش کردیا ہے، ضیاء الدین برنی نے جو اس کا ہمعصر مورخ ہے، اپنی تاریخ میں اکثر اہل کمال اور مشاہیر زمانہ کا ذکر کیا ہے، لیکن بدرالدین چاچ کا حال کہیں نہیں لکھتا، ضیاء الدین برنی مقرب ہونے کے سبب سے خلوت وجلوت میں ہر وقت سلطان کے ساتھ رہتا تھا، اسلئے محمد تغلق کے جزوی سے جزوی حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں، اور ان تاریخی واقعات کو بھی بڑے جوش وخروش کے ساتھ لکھتا ہے، جو بدرالدین چاچ نے منظوم کرکے سلطان کی خدمت میں پیش کئے، اس کے باوجود بدر چاچ کا نام برنی کے قلم کا ممنون نہیں ہوا، ابن بطوطہ نے بھی جو ۷۳۴ھ سے ۷۴۳ھ نو سال تک تغلق کے عہد میں ہندوستان میں رہا، اور اس عہد کے اکثر شعراء، فقہا، محدثین اور واعظوں کا ذکر کیا ہے، مگر فخر الزمان بدرالدین چاچ کو اس نے بالکل فراموش کردیا ہے، اسی طرح فرشتہ نے جو گو بہت بعد کا مورخ ہے لیکن تغلق کے متعلقین شعراء اور علماء کا ذکر خیر کیا ہے، مگر اس کی ضخیم تاریخ میں بھی چاچ کا نام کہیں نہیں نظر آتا، سیاسی مورخوں میں صرف ملا عبد القادر بدایونی نے جو عہد اکبری کے مشہور مورخ ہیں، بدر چاچ میں ان الفاظ میں ذکر کیا ہے،

"از شعرائے مشہور روزگار سلطان محمد بدر شاشی است، کہ شاہنامہ بنام او گفتہ قریب بسی ہزار بیت وہمیں کہ تاریخ منظوم ست، غنیمت است"[1]

گو سیاسی تاریخوں میں بدر چاچ نظر انداز کر دیا گیا ہے، لیکن شعراء کے تمام مستند تذکروں میں اس کا ذکر موجود ہے، اور سب اوس کو ایک دقیقہ سنج، نکتہ پرداز اور مسلم الثبوت شاعر بتاتے ہیں،

مولوی غلام علی آزاد اپنے تذکرہ ید بیضا میں لکھتے ہیں،

---

[1] تاریخ بدایونی جلد اول ص ۲۴۲،

"بدر چاچی از اساتذہ شعراست، در آخر عمر بہند آمدہ و از سلطان محمد شاہ عنایت و رعایت بسیار یافتہ بفخر زمان مخاطب گشتہ وہمیں جا درگذشتہ وی در کلام خود تشبیہ و کنایت اکثر بکار بردہ و ازیں سبب از سلاست و چاشنی عاری ماندہ"[1]

مخزن الغرائب مصنفہ احمد علی خاں ہاشمی سندیلوی (۱۲۱۸ھ) میں ہے :-

"بدر الدین چاچ مداح سلطان محمد تغلق بادشاہ دہلی است، و معاصر خسرو است و دیوانش ہمہ نغز و معما است، اکثر مردم فخر می کنند کہ فلاں کس دیوان چاچ را درس می گوید"[2]

مفتاح التواریخ (۱۲۶۴ھ) کا مصنف یوں رقمطراز ہے :-

"شاعرے شیریں کلام سخن سنج، بلند طبیعت بودہ، و در عہد سلطنت محمد تغلق بادشاہ ہند ظہور نمود و از بادشاہ لقب فخر زمان یافتہ"[3]

صاحب روز روشن (۱۲۹۷ھ) لکھتے ہیں :-

"بدر تاشکندی درویشے بود، آزاد مشرب و نیکو سیرت"[4]

صبح گلشن مصنفہ نواب علی حسن خاں صاحب مطبوعہ ۱۲۹۵ھ میں ہے :

"بدر چاچی بدر سما دقیقہ سنجی و مہر سپہر نکتہ پردازیست و بعد رسیدن ہند و حضوری حضور سلطان محمد تغلق شاہ خطاب فخر زمان او را مایہ سرفرازی خودش در سرزمین ہند مشہور و کلامش بر زبان دانا مذکور است"[5]

پروفیسر براؤن نے بھی بدر چاچ کا ذکر کیا ہے، اور اسکو خسرو اور حسن دہلوی کی صف میں کھڑا کیا ہے[6]

بدر چاچ کو خود اپنے بلند پایہ، بے مثل، اور قادر الکلام شاعر ہونے کا احساس ہے، چنانچہ ایک

---

[1] ید بیضا قلمی نسخہ دار المصنفین اعظم گڈھ، [2] مخزن الغرائب قلمی نسخہ، دار المصنفین [3] مفتاح التواریخ باب ششم ص ۱۲۳ [4] روز روشن مصنفہ مظفر حسین صنؔا بھوپال [5] صبح گلشن ص ۵۷، [6] لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد ۳،

فخر یہ قطعہ میں کہتا ہے:-

اے راندہ بر زبان مبارک ہزار بار | کامروز ہمچون فخر زمان در جہان کجاست
مثلش زمین ندارد و بر روئے آسمان | جز در شب چہار دہ او ر انشان کجاست
بدرست باز در خور بدر ہزار بار | کاندر زمان چو او بزبان دُرفشاں کجاست
چو بحر کامل است بہر فن بجوئے فضل | از لفظ او لطیف تر آب رواں کجاست
در اہتمام شرع محمد بنیر او | مفتی با صلابت وحید ربیاں کجاست
جزوی کہ از محاسن خود خاک این جناب | در ہر صباح و شام بر دیدہاں کجاست
جزوے کہ بے کمان گماں بگذرد ہمیع | تیر دعائش بر سپر آسمان کجاست
جزوے کہ فخر نام وے از خاک این درست | یک نکتہ دان دیں طلب شرع داں کجاست

بدر چاچ کے قصائد تاریخی حیثیت سے نہایت اہم ہیں، کیونکہ اس میں اس نے ان تمام سیاسی واقعات کو جو اس کے عہد میں ہوئے منظوم کرکے سلطان کی خدمت میں پیش کیا ہے، اس لئے اس عہد کے تاریخی مواد کے لئے نہایت مفید اور مستند ہیں، الیٹ نے اپنی تاریخ میں اس کا ترجمہ بھی کیا ہے[1]، قصائد بدر چاچ میں متفرق قطعات کے علاوہ ایسے قصائد بھی ہیں، جو وقتاً فوقتاً بادشاہ کی خدمت میں لکھکر پیش کئے گئے، بدر چاچ ایک نہایت مشکل گو شاعر ہے، اسکو چرخیات اور فلکیات سے خاص ذوق ہے، اس نے ان کی تشبیہات اور ان کے استعارات سے اپنے کلام کو اسقدر پیچیدہ اور مشکل بنا دیا ہے، کہ اس کا بغیر شرح سمجھنا مشکل ہے بعض قصائد تو خالص چرخیات اور فلکیات پر ہیں، جو اس زمانہ کے تمدنی مذاق کے حامل ہیں، تاریخی قدر و قیمت کے علاوہ یہ قصائد اپنے جزالت بیان شوکت الفاظ دقائق معانی اور اعجاز کلام کے لحاظ سے فارسی ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ہیں،

[1] الیٹ جلد سوم،

خلافت عباسیہ اور شاہ ہند کے تعلقات، قصائد میں پہلے اس نے حمد باری، عشق مجازی، عشق حقیقی، مدح سلطان اور پھر اپنے مفاخر لکھے ہیں، اس کے بعد تین چار قصیدوں میں اس نے خلیفہ عباسی کی جانب سے سلطان کی خلعت اور خطاب سے سرفرازی کے واقعات لکھے ہیں، اس عہد کے بعض دوسرے سلاطین کی طرح سلطان محمد تغلق کا بھی یہ اعتقاد تھا کہ خلیفۂ وقت کی اجازت کے بغیر حکومت جائز نہیں، خلافت عباسیہ اسلامی حکومتوں میں مذہبی مرکز کی حیثیت رکھتی تھی، اس لئے ہر اسلامی سلطنت بارگاہ خلافت سے سیاسی طور پر وابستہ رہنا ضروری سمجھتی تھی، خلیفہ بغداد کے ساتھ سلاطین ہند کی یہ عقیدتمندی ابتدا ہی سے تھی، چنانچہ سلطان شمس الدین التمش، سلطانہ رضیہ، سلطان ناصر الدین محمود اور سلطان علاء الدین محمد وغیرہ کے سکوں پر خلیفہ مستنصر باللہ کا نام سلطان کے پہلو بہ پہلو نقش تھا، سلطان ناصر الدین محمود، سلطان بلبن، سلطان کیقباد، سلطان جلال الدین فیروز شاہ، اور سلطان رکن الدین کیکاؤس کے سکوں پر مستعصم باللہ کا نام ملتا ہے، محمد تغلق کے زمانہ میں یہ خوش اعتقادی یہان تک بڑھ گئی، کہ اسکو یہ یقین ہو گیا، کہ آل عباس کے خلفا برحق ہیں اور جو شخص بغیر ان کی اجازت کے سلطنت کرتا ہے، اس کی اطاعت مسلمانوں پر فرض نہیں، بلکہ ان سے سند حاصل کئے بغیر حکومت کرنے والے غاصب ہیں ضیاء الدین برنی لکھتا ہے،

"در خاطر افتاد کہ سلطنت و اجازت سلاطین بے امر و اذن خلیفہ کہ از آل عباس بود درست نیست، و ہر بادشاہے کہ بے منشور خلفاے عباسی بادشاہی کردہ است یا بادشاہی کند، متغلب بودہ است و متغلب بود"۔[1]

اس یقین و اعتقاد کی بنا پر سلطان نے مع ارکان دولت کے مصر کے عباسی خلیفہ کی غائبانہ بیعت کی، اسوقت بغداد میں عباسی خلافت کا چراغ گل ہو چکا تھا، اور مصر میں چرکسون کے ماتحت خلافت عباسیہ کا ایک نیا ڈھانچ قائم ہوا تھا، جس میں عباسی خلفاء محض برائے نام تھے، اصل حکمران چرکسی تھے،

[1] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی، ص ۴۹۲

سی خلفاء محض تبرکاً تھے، چنانچہ سلطان نے ایک عریضہ لکھکر مصر کی بارگاہ خلافت میں روانہ کیا کہ اسکو
دوستان اور سندھ کے ممالک پر حکمرانی کی اجازت دی جائے، اس درخواست پر ۷۴۴ھ میں حاجی
بد صرصری کے ہمراہ مصر سے سلطان کے لئے خلعت، لوائے سلطنت اور فرمان آیا، سلطان نے تمام ارکان
ت، علماء، سادات اور مشائخ کے ساتھ شہر کے باہر نکل کر استقبال کیا، فرمان خلافت کو سر پر رکھا،
حاجی سعید کے قدموں کو بوسہ دیکر چند قدم پیادہ اس کے جلوس کے ساتھ چلا، اس سرفرازی پر
شہر میں جشن منایا گیا، اشرفیاں لٹائی گئیں، سلطان نے اظہار عقیدت و اطاعت میں زربفت کے
رون، اور مساجد کے منبر کے قبوں پر خلیفہ کا نام نقش کرایا، اس سرفرازی کے بعد سلطان نے بطور شکریہ
سراخلصانہ عریضہ اور ایک نفیس موتی جس کا مثل خزانہ شاہی میں موجود نہ تھا، حاجی رجب کے ہمراہ خلیفہ
خدمت میں روانہ کیا، حاجی رجب دو سال بعد مصر کے شیخ الشیوخ رکن الدین کے ہمراہ خلعت خلافت
علم امارت لیکر واپس ہوا، اس مرتبہ خلیفہ نے ایک خلعت کے ہمراہ ایک کلام پاک، اور حدیث کی مشہور
اب مشارق سلطان کو بھیجی، سلطان نے پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی اسی شان سے خلیفہ کے قاصد کا استقبال
ا، اور اسکے ہمراہ محل کے دروازہ تک پاپیادہ آیا، اور خلیفہ کے مرسلہ مصحف پاک، مشارق اور فرمان کو سامنے
کر لوگوں سے اپنے ہاتھ پر خلیفہ کی بیعت لی، اس کے بعد سلطان اور خلیفہ کے درمیان نامہ و پیام اور تحفہ
تحف کا سلسلہ برابر جاری رہا[1]

بدر چاچ نے ان تمام واقعات کو قصائد میں نظم کیا ہے، خلیفہ کی جانب سے سلطان کی فرمان
نت اور خلعت سے سرفرازی کے موقع پر بدر چاچ نے دربار شاہی میں حسب ذیل قصیدہ پیش کیا،

جبرئیل از طاق گردون ابشرواگویاں رسید کز خلیفہ سوے سلطان خلعت و فرمان رسید

ہمچنان کز بارگاہ کبریاے لایزال از پئے عز محمدؐ آیت قرآن رسید

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۴۹۱ تا ص ۴۹۶،

شاہ را بر کلِ عالم حکم مطلق داد امام، وین خبر در ہفت کشور بر ہمہ شاہان رسید
جاہِ حاسد را چو چاہِ یوسفی بے آب کرد خلعتِ مصری کہ از کنعان بہندستان رسید
حاسدِ آتش نژاد خاک بر سر کن چو باد کز خضر سوی سکندر چشمۂ حیوان رسید
ملک را بازو قوی شد دین سرافرازی نمود شرع را حرمت فزون شد رونقِ ایمان رسید
راست عید مومنان آمد کہ در سالے دوبار از امیر المومنین خلعت سوے سلطان رسید
ہم بتاریخی کہ ماہ از سالِ ہفصد شد فزون زین سفر ماہ محرم سابق شعبان رسید
(رجب) (نام قاصد)
راست گویم ماہِ حق سوے جنابِ ظلِ حق صبح دار از آفتاب ملکِ دین خندان رسید
(شہر اللہ (رجب))
درد اسلامی کہ در سر داشت شاہنشاہِ عصر . از ولی المسلمین این در درا درمان رسید

سلطان محمد تغلق نے خلیفہ کے سفراء کا جس شان سے خیر مقدم کیا تھا، اس کو بدر چاچ نے اس طرح دکھایا ہے،

باستقبالِ فرمانی کہ از پیش امام آمد برہنہ پا و سر کردہ چوں ایمانِ اسلامش
خلائق پیش و پس پویاں ملائک گردِ حق گویان زجزع شہ شدہ غلطان گہر بر نقرۂ خامش
چو شہ پوشید خلعت را برنگ مردم دیدہ میانِ روز میدیدیم شب را بامہِ تامش
فلک را دیدم آن ساعت ثنا خوان در ستِ زر نثار افشان بہر جانب روان در زیر اعلامش
ز آئینہا کہ شد بستہ ندیدم یکسرِ موئے، سرہر قبہ را فرقے ز ہفتم طاق و نہ بامش

ایک دوسرے قصیدہ میں لکھتا ہے :-

دوش آن زمان کہ خسرو زریں قبائے خور درمیکشید خلعتِ عباسیان بسر
شاہِ سپاہ ہند کہ ماہ ست نامِ او بر کرد طشت ہاے زمرد درست زر

ا معنی سیاہ و سفید آنکھ کو اس سے تشبیہ دیتے ہیں، ۲ یعنی سیاہ جو عباسیوں کا سرکاری نشان ورنگ تھا،

یعنی رسید خلعت و فرمانِ سلطنت — از حضرتِ خلیفہ بدارائے بحر و بر

والیِ عصر احمدِ عباس امامِ حق — دارائے دہر، وارثِ پیغمبرِ بشر

ہر قبہ نو عروس زر اندودہ پیرہن — ہنگامہ دار مجلسِ حورانِ نغمہ گر

این جشنِ شادیست کہ از حضرتِ امام — آوردہ اند خلعت و فرمانِ معتبر

مضمونش آنکہ در کنفِ حفظِ شاہ باد — بر روئے خاک آبی و بادی و خشک و تر

اقلیم ترک و روم و خراسان و چین و شام — مامور امرِ شاہ بد و نیک و خیر و شر

القابِ شہ کہ بر سرِ منبر برد خطیب — سلطانِ شرق و غرب و شہنشاہِ بحر و بر

سلطانِ دین محمد تغلق جہانِ عدل — ماہ زحل مکانت و شاہِ مسیح فر

خلعت بر نگِ مردمکِ چشم داد امام — تا نورِ شرع در دلِ مردم کند اثر

بدر چاچ خلعت کی تقریب کے درباری جشن کا نقشہ اس طرح دکھاتا ہے،

بعید نیست کہ این جشن جنۃ المادیٰ ست — صفِ ملائکہ اینک ستادہ از چپ و راست

درونِ پردہ بہر گوشۂ کہ چنگ زنی — ہزار مطرب گویا و عندلیب نواست

ز بیلِ کوہ روان بین ز بوق نفخۂ صور — قیامتست کزین ہر دو در جہاں برخاست

اگر نہ خلدِ برین ست این ہزار ستون[1] — چرا فضائے درش عرضگاہِ روزِ جزاست

بلے جہان خرم آباد[2] آنچنان شاہیست — کہ او متابعِ امرِ خلیفۂ دنیاست

ابو الربیع سلیمان خلیفۂ برحق — کہ آستانِ درش آسمانِ عز و علاست

امامِ امت احمد کہ خسرو ہندش — بجان غلام و بتن چاکر و بدل مولاست

ابو المجاہد غازی محمد تغلق — کہ ہند دورِ او بادشاہِ چین و خطاست

---

[1] قصرِ شاہی کا نام، [2] اس زمانہ کی سرکاری دلی کا نام،

فتح نگرکوٹ، بدرچاچ نے ایک قصیدہ نگرکوٹ کی فتح کی تقریب پر بھی لکھا ہے، جسکو سلطان محمد تغلق نے ۷۳۸ھ میں تسخیر کیا تھا، نگرکوٹ کا قلعہ اپنی مضبوطی اور استحکام کے لئے مشہور تھا، تاریخ فیروز شاہی کا مصنف شمس سراج عفیف بھی اس کو نہایت ہی مستحکم قلعہ بتاتا ہے، چنانچہ فیروز شاہ اپنے زمانہ میں اسکا مسلسل چھ مہینے کے محاصرہ اور منجنیق کی تباہ کن گولہ باریوں کے بعد فتح کر سکا تھا، عفیف کا بیان ہے:

"چون سلطان فیروز طاب ثراہ حضرت دردود فرود قلعہ نگرکوٹ رسید مرآن مقام را بغایت مستحکم و محکم دید ورائے نگرکوٹ بالائے قلعہ در مقامات قلب خزید حیوش سلطانی وجیش جہانبانی بعنا ربانی قلعہ را گرد کردہ فرود آمدہ تو بر تو بلکہ بدوردہ تو گرد گرفتہ فرود آمدہ از ہر دو جانب منجنیق داشتہ از طرفین تنگ عرادہ خاستہ چنانچہ سنگہائے جانبین از پلہ منجنیق طرفین بیکدگر در ہوا زدیکہ میچکیدند قطرہ قطرہ می شدند، مدت شش ماہ حیوش فیروز شاہ قلعہ را گرد گرفتہ بودند"[1]

سلطان محمد تغلق کو بھی اس کی فتح میں بڑی دشواری پیش آئی تھی، تاریخوں میں اس مہم اور سلطان کی دشواریوں اور کوششوں کے حالات نہیں ملتے، بدرچاچ کے اشعار سے اسقدر پتہ چلتا ہے، کہ اس سنگین اور مستحکم قلعہ کی تسخیر میں تمام امکانی ذرائع صرف کر دیے گئے تھے، اور وہ اس وقت تک فتح نہ ہو سکا تھا جب تک کہ منجنیقوں کے آتش بار گولوں نے اس کو شق نہ کر دیا، بدرچاچ کے اشعار ملاحظہ ہوں،

چو بادشاہ جہانگیر عالم بالا | بفرد خانہ مرد وزیر شد تنہا
کشاد حصن نگرکوٹ راکہ سنگین بو | شہ زمانہ بتاریخ ادخلوا فیہا
چہ قلعہ ایست کہ فرشی بود ز رفعت او | فضائے عرصۂ بام رواق اوادنیٰ
چو بام چشم بلند ست وہچو مردم چشم | ازان سواد وی آمد میانہ دریا
نہاد او ز صفا بود وآن صلابت داشت | کہ مرورانہ سکندر گرفت نہ دارا،

---

[1] فیروز شاہی از شمس سراج عفیف، ص ۱۸۰،

برون او ہمہ دیوان منجنیق انداز ۔۔۔ درون او ہمہ حوران آفتاب لقا،

برین حصار معظم شہنشہ عالم ۔۔۔ بشب درآمد باصد ہزار عز و علا،

قطار موکب اقبال در توجہ اوی ۔۔۔ سوار لشکر ارواح در فضائے قفا

صفیکہ چوں مژہ در پیش حاجبان میرفت ۔۔۔ ہزار کوکبہ ہر کوکبہ ہزار لوا،

تعجب ہے کہ محمد تغلق کے نگر کوٹ کی مہم کا تذکرہ کسی تاریخ میں نہیں آتا، برنی اور اس کے بعد کے مورخین اس کا مطلق تذکرہ نہیں کرتے، حالانکہ بدر چاچ کا اسی واقعہ کو منظوم کرکے سلطان کی خدمت میں پیش کرنا اس کی اہمیت کی بین دلیل ہے، معلوم ہوتا ہے، کہ اس سال کی ہماچل کی ہنگامہ خیز مہم نے اس واقعہ کو بالکل فراموش کر دیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسی سال (۷۳۸ھ) میں سلطان نے قراچل یا ہماچل (کوہ ہمالیہ) کی تسخیر کے لئے ایک لاکھ کارگذار سواروں اور دربار کے نامی امیروں کے ساتھ اپنے بھانجے خسرو ملک کو اس مہم پر روانہ کیا تھا، لیکن یہ تمام فوجیں اس بری طرح سے برباد ہوئیں، کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا[1]، اس ہولناک تباہی اور بربادی کے بعد سلطان کی سیاسی اور جنگی قوت بہت کمزور پڑ گئی، اس لئے تمام ملک میں سرکشی اور بغاوتیں شروع ہو گئیں، مالوہ میں سلطان کے بھانجے بہار الدین نے (۷۳۸ھ) علم بغاوت بلند کیا[2]، ملک فخر الدین نے بنگالہ میں ہنگامہ برپا کیا[3]، قلعہ کندھانہ کا نائک بھی باغی ہو گیا، ابھی ان ہنگاموں کو سلطان فرو بھی نہ کر سکا تھا، کہ ملک بہرام ایبہ حاکم ملتان نے (۷۳۹ھ) مخالفت اختیار کرکے پنجاب میں تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا، اور ملک گیری میں اپنے کو سلطان کا حریف قرار دیا[4]، ان بغاوتوں کا سلسلہ مدتوں تک جاری رہا، اسی طوائف الملوکی میں نگر کوٹ جو غالباً ہماچل کی مہم کے پہلے فتح ہوا تھا، سلطان کے

[1] تفصیل کے لئے ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی ص ۴۷۷، ۴۷۸ دیکھو[2] برنی ص ۴۸۱، [3] ایضاً ص ۴۸۰ [4] ایضاً ص ۴۷۹،

ہاتھون سے نکل گیا، اور پھر اس کی زندگی میں اس کے قبضہ مین نہ آسکا، سلطان کے بعد اس کے جانشین فیروز شاہ نے اسکو فتح کرکے اپنے محسن اور آقا کے نام پر اس کا نام محمد آباد رکھا،[۱]

گو سلطان محمد کے نگر کوٹ کی فتح کے مستقل حالات ہمکو کہیں نہیں ملتے، لیکن بعض بیانات سے محمد تغلق کا نگر کوٹ آنا قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے، عوام میں یہ روایت مشہور تھی، جیسا کہ شمس سراج عفیف بیان کرتا ہے، کہ سلطان محمد تغلق جب نگر کوٹ آیا تو وہان کے مشہور بت جوالا مکھی کو دیکھنے گیا، اور دستور کے مطابق اس پر چتر زرین چڑھایا، اس قسم کی روایت فیروز شاہ کی طرف بھی منسوب کیجاتی ہے، جب فیروز شاہ نگر کوٹ میں فاتحانہ داخل ہوا، تو وہ بت دیکھنے کو گیا، اور محمد تغلق کی طرح اس پر چتر زرین کا سایہ کیا،[۲] اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے، کہ فیروز شاہ کی طرح محمد تغلق بھی نگر کوٹ میں فاتحانہ داخل ہوا تھا، اور یہ کہ جوالا مکھی کا مندر اس کے قبضہ میں رہ چکا تھا، عفیف بت پر چتر چڑھانے کی روایت کی تردید کرتا ہے، لیکن نگر کوٹ کے آنے کی تردید نہیں کرتا، اگر محمد تغلق اس میں فاتحانہ داخل نہوا ہوتا، تو اسی استدلال سے چتر چڑھانے کے واقعہ کی تردید کرتا،

اسی طرح فرشتہ کی ایک روایت ہو کہ جب فیروز شاہ نگر کوٹ کے دامن میں پہنچا، تو اس کے واسطے برف آئی، اس موقع پر فیروز شاہ کو سلطان محمد تغلق کا یہ واقعہ یاد آیا، کہ اسی مقام پر سلطان تغلق کے لئے برف کا شربت آیا تھا، لیکن چونکہ وہ (فیروز شاہ) اس وقت موجود نہ تھا، اسلئے بادشاہ نے شربت پیا گوارا نہیں کیا تھا، محمد تغلق کے اس شفقت آمیز واقعہ کی یاد سے متاثر ہو کر فیروز شاہ نے حکم دیا، کہ تمام لشکر کے لئے قند کا جو کئی ہاتھیون اور اونٹون پر لدا ہوا تھا، شربت بنایا جائے، اور اس میں برف ملا کر محمد تغلق کی یادگار میں کل سپاہیوں کو پلایا جائے،[۳]

ان مختلف واقعات سے یہ قطعی طور پر کہا جاسکتا ہے، کہ محمد تغلق نگر کوٹ آیا تھا، اور فاتح ہو کر آیا تھا،

---

[۱] فرشتہ جلد اول ص ۱۴۷، [۲] عفیف ص ۱۰۶-۱۰۷، [۳] فرشتہ جلد اول ص ۱۴۷،

مگر چونکہ نگر کوٹ کی فتح دیرپا نہ تھی، اور اسی سال ہماچل کی مہم کی بربادی کا افسوسناک واقعہ پیش آگیا، اس کی بربادی میں مورخین نگر کوٹ کی مہم بھول گئے، بدر چاچ کے اس قصیدہ نے تاریخ کے اس گمشدہ ورق کو سامنے لا دیا ہے،

بدر چاچ کی روانگی دیوگیر؛ ۷۴۵ھ میں سلطان محمد تغلق نے بدر چاچ کو دیوگیر کے فاتح قتلغ خان کے پاس ایک پیغام دیکر بھیجا، دیوگیر وہی جگہ ہے جسکو محمد تغلق نے ہندوستان کا ایک مرکزی مقام سمجھکر اپنا پایہ تخت بنایا تھا، محمد تغلق نے جب دہلی کے بجائے دیوگیر کو پایۂ تخت بنایا، تو اس کا نام دولت آباد رکھا، سلطان یہاں ۷۲۷ھ میں منتقل ہوا، لیکن ایک سال بھی گذرنے نہ پایا تھا، کہ گرشاسپ اور بہرام ایبیہ (حاکم ملتان) کی بغاوتوں کے سبب اسکو ۷۲۸ھ میں دہلی لوٹنا پڑا، اس کے بعد وہ ۷۳۰ھ تک دکن کی جانب نہیں گیا، اسی دوران میں سارے شمالی ہند میں بغاوتیں پھیل گئیں، اسوقت محمد تغلق کو معلوم ہوا کہ دہلی سے دولت آباد دارالسلطنت تبدیل کرنا خطرے سے خالی نہیں، اور ہندوستان کے حکمراں کے لئے دہلی میں رہنا ضروری ہے، ورنہ شمالی ہند کو قابو میں نہیں رکھا جا سکتا، اس لئے محمد تغلق کو پھر دہلی کو دارالسلطنت بنانا پڑا، اور قتلغ خان جو محمد تغلق کا استاد تھا، دولت آباد کا حاکم مقرر ہوا، محمد تغلق قتلغ کے ساتھ بڑی عزت و محبت کا برتاؤ کرتا تھا، چنانچہ ۷۴۵ھ میں بارگاہ خلافت سے جب اس کے لئے فرمان اور خلعت آیا، تو بدر چاچ کو بھیج کر قتلغ خان کو بلایا، کہ وہ بارگاہ خلافت کی مبارک چیزوں کو آکر دیکھ لے،

بسال دولت شہ بود غرۂ شعبان کہ سوے مملکت دیوگیر شہ فرمان

خطاب کرد اے بدر جمال بلیغ بہ نیک روز روان شد چو رستم دستان

در آن جناب در آئید رخ بر آب نهید چو خاک بر در دارائے ملک قتلغ خان

سلطان جس اشتیاق سے قتلغ خان سے گفتگو کرنے کی ہدایتیں دیتا ہے، وہ آخر الذکر کی طرف سلطان کی عزت، وقعت اور محبت کی بین دلیل ہے، سلطان ہدایت دیتا ہے کہ

بشهد شسته دهان از زبانِ ما گوئید — که ای ز گوهرِ لفظت لبِ شکر خندان

فروغِ آئینهٔ سینهٔ مبارک تست — شرروق پرتو شمعِ معارفِ سبحان

توئی خلاصهٔ اهلِ قراضهٔ ایجاد — توئی نفاسهٔ اهلِ عراضهٔ انسان

بیا در لبِ دریای وصلِ خود مارا، — چو بحر پیشِ لبهای خشک تشنه ممان

بیای و سرمه صفت بر بیاضِ دیدهٔ بمال — سوادِ خلعتِ فرخندهٔ امامِ زمان

بیای و چون مژه بر طرف نام چشم بنه — بیاضِ آیتِ منشورِ والیِ دوران

بادشاہ بدر چاچ کو پھر ہدایت کرتا ہے، کہ وہ پیغام پہنچاتے وقت قتلغ خان سے اسطرح پیش آئے

چون این خطاب ز ما پیشِ خان فرو خوانی — بدست بوس دواتش چو خامه سجده کنان

بهر خطی که کشد سر نهید همچو قلم، — بهر عطا که دهد جان دهید بر سر آن،

چو در نهوض شود موکبِ جلالتِ خان — بسوی تختگهِ شاهِ بحر و بر سلطان

خبر کنید جهان را که خواجه می آید — چو آفتابِ منور ز سایهٔ یزدان

لیکن قتلغ خان کی یہ محبوبیت زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہی، کچھ عرصہ کے بعد سلطان کے کانوں میں یہ خبریں پہنچنے لگیں، کہ مرہٹواری کا علاقہ اور دولت آباد قتلغ خان کے گماشتوں کے ظلم و ستم سے ویران اور برباد ہو رہا ہے، اور مالگذاری مشکل سے وصول ہوتی ہے، اسلئے سلطان نے قتلغ خان کو معزول کر کے مع اہل و عیال ۷۴۴ھ میں دہلی میں بلا لیا، اور اس کی جگہ اس کے بھائی نظام الدین کو بھیجا، قتلغ خان بہر حال ایک لائق، ہوشمند، اور مقبول حاکم تھا، اسلئے اس کی معزولی سلطان کو راس نہ آئی، چنانچہ قتلغ خان کے ہٹنے کے ساتھ ہی سلطان کے خلاف علمِ بغاوت بلند ہوا، اور باغیوں نے ان تمام سرداروں کو جو سلطان نے جدید انتظام کے لئے مقرر کئے تھے، قتل کر دیا، اور ایک امیر مغ خان کو اپنا سردار بنا کر دولت آباد کے پورے علاقے کو آپس میں تقسیم کر لیا، اس بغاوت کو فرو کرنے کیلئے

بادشاہ خود دولت آباد گیا اگرچہ باغیوں کو شکست ہوئی لیکن قلعہ دولت آباد فتح نہ ہو سکا، ابھی سلطان قلعہ کو فتح کرنے اور حکومت قائم کرنے میں مشغول تھا کہ خبر پہنچی، کہ طغی نامی غلام نے گجرات میں شورش پھیلا رکھی ہے، اسلئے سلطان دولت آباد کو فتح کئے بغیر گجرات روانہ ہو گیا، اسکے ہٹتے ہی حسن گانگو نے دولت آباد آکر تمام سلطانی اہلکاروں کو بے دخل کر دیا، اور دیوگیر اور مرہٹوں کا تمام علاقہ سلطانی قبضہ سے نکل گیا، سلطان اس بغاوت کے استیصال کیلئے آنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا، کہ پیام اجل آپہنچا[1]،

قلعہ دہلی، شاہی قلعہ پر بدر چاچ نے دو قصیدے لکھے ہیں ۷۴۴ھ میں سلطان نے تغلق آباد میں ایک محل بنوایا تھا، جو ہزار ستون کہلاتا تھا، یہ محل اس ہزار ستون نامی محل کے علاوہ ہے جس کو سلطان ناصر الدین محمود نے رائے پتھورا کے قلعہ میں بنوانا شروع کیا تھا، اور غیاث الدین بلبن نے اس کو پورا کیا تھا، محمد تغلق نے ایک جدید محل بنوایا تھا، اس کا ایک محل تو وہ قلعہ تھا جو دار سرا کہلاتا تھا، جس کا ابن بطوطہ نے نہایت تفصیلی ذکر کیا ہے[2] اس کے علاوہ دوسرا قلعہ ابن بطوطہ کے جانیکے بعد ۷۴۲ھ میں ظہیر الدین معمار کے اہتمام میں تعمیر ہوا تھا، یہ قلعہ خرم آباد بھی کہلاتا تھا، بدر چاچی کہتا ہے،

خرم آباد نام کردش شاہ	چون ظہیر الجیوش شد معمار،
شد تمام این عمارت خرم	در محرم بہ ہفصد و چل و چار،
برین عمارت خرم برین خجستہ سرائے	ہزار دیدہ کشا دست چرخ آئینہ دار
شد بنام خلیفہ با مر خسرو عہد	برین عمارت خرم ظہیر دین معمار
تمام گشت بتاریخ واد خلوفیہا	کشادہ باتو بگویم کہ ہفصد چل چار

بدر چاچ اس قلعہ کی شوکت کو اس طرح دکھاتا ہے،

سواد قلعہ دہلی اگرچہ در دنیا ست	ہزار بار فزون تر زجنۃ الماوی ست

---

[1] برنی ص ۵۲۵، ۵۱۰، [2] سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ ص ۹۹،

چہ قلعہ ایست کہ قوسی ز حلقہ دارد، محیط نہ ربض ہفت طارم اعلی است
اگر نہ خلد برین این ہزار ستون چرا فضائے درش عرصہ گاہ روز جزا ست
چہ قلعہ ایست کہ جلالت کہ بارہ اروی محیط شش جہت و ہشت روضہ عقبی است

ایک دوسرے قصیدہ میں کہتا ہے،

شکوہ قلعہ قلعے عمارت نہ تہ نمونہ ایست ز برج حصار قلعۂ شہ
محیط ہفت فلک راز نقطۂ کم یافت میان دائرہ حلقہ دراو مہ
زہی حصار کر درو ی تہی بنا کردند فلک چو ریگ کبود نمود در تگ چہ
چو آسمان بسوئے قصر شاہ کرد نظر برفعتش ز سر آسمان فتاد کلہ

یہ قلعہ محمد آباد اور عادل آباد بھی کہلاتا تھا، اب یہ قلعہ بالکل ویران ہے، اور اس کے آثار تغلق آباد میں پائے جاتے ہیں،

گھیرہ کنیز، بدر چاچ نے مختلف موقعوں پر اور بھی قصائد لکھے، جن سے سلطان محمد تغلق کے بعض نجی حالات معلوم ہوتے ہیں، محمد تغلق کے پاس ایک نہایت ہی حسین اور جمیل گھیرہ نامی کنیز تھی، اس کا ذکر کسی تاریخ میں نہیں آتا، لیکن چاچ نے ایک قصیدہ لکھ کر اس کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا ہے،

بباغ ملک یمینم گلے ببار آید، کہ پیش عارض او ماہ شرمسار آمد،
زہرہ مشتری او شدم کہ آن مہرا، نجوم زیر و دیا قوت آبدار آمد،
کمند طرۂ او برکنار لالۂ تر چو سنبلی ست کہ از باد بے قرار آمد،
خدنگ غمزۂ او در خم کمان ابرو ستارہ ایست کہ در ماہ نوبکار آمد
سواد خال رخش در بیاض دیدۂ من چو زنگی ست کہ بر طرف لالہ زار آمد
چو پستہ گشت دل شور بخت من بریان کہ تنگ شکر او لعل در نثار آمد

جشن شاہی ایک بار سلطان نے دہلی میں جشن کیا تھا، بدرچاچ نے اس پر بھی ایک قصیدہ لکھا ہو، اس جشن کی تاریخ اور تقریب معلوم نہ ہو سکی، بہرحال وہ قصیدہ یہ ہے:۔

این جشن نیست مجلس فردوس اکبرست ۔۔۔ کز فرعید و طلعت نوروز خوشترست

این اطلس مرصع نہ تو سپہر نیست ۔۔۔ عکس فروغ چتر شہ ہفت کشورست

این تخت نیست قبہ عرش معظم است ۔۔۔ این شاہ نیست عیسیٰ ادریس مفخرست

در مصر ملک یوسف موسیٰ ہما تبست ۔۔۔ بر قصر دین محمد جبرئیل چاکرست

در زیر بال باز زر چتر آل شاہ ۔۔۔ ہفت آسمان ز یک مگس بیز کمترست

صفہاے حاجبان کہ چو مژگان کشیدہ اند ۔۔۔ ہر صف ہزار اختر خورشید افسرست

پیل است کوہ پیکر و دشیہ است تیغ مور ۔۔۔ درگاہ شہ نمونہ صحرای محشر است

عید آمدہ براے تماشاے جشن شاہ ۔۔۔ بر در نشستہ طالب پروانہ درست

خربزہ سلطان کے خربزے کی تعریف میں بھی ایک قصیدہ لکھا ہے:۔

شہنشاہ زمان سلطان محمد، ۔۔۔ کہ از تیغش بود خوریک شرارہ

ہمے تا در زراعت گاہ دنیا، ۔۔۔ بود چون خربزہ گردون دوبارہ

بہ شمشیر برہنہ شاہ خاور ۔۔۔ برون آید ز مشرق یک سوارہ

عدو چون خربزہ از تیغ قہرش ۔۔۔ دو نیمہ باد وانگہ پارہ پارہ

ہمے تا از مہ نو شب نماید ۔۔۔ چو خاتون حبش بر دست یارہ

ہمے تا صبحدم بر خوان گلریز، ۔۔۔ انداز جرم خور زرین عصارہ

نسل تغلق ایک بات بدرچاچ کے قصیدون میں کسی قدر کھٹکتی ہے، وہ یہ ہے کہ اپنے قصائد میں محمد تغلق کو بہرام کی نسل سے بتاتا ہے، اور اس کا وہ بار بار اظہار کرتا ہے، چنانچہ بعض قصائد کے اشعار

میں لکھتا ہے،

بہرام نسل رستم ادریس فضل عیسیٰ ۔ اقلیم بخش احمد کشور کشائے حیدر

شاہ اقلیم ستان خسرو بہرام نسب ۔ اے پر تیر سحر زاغ کمانت را بال

قبہ چتر شاہ آل بہرام این زمان ۔ بر سر ایوان ہفتم طارم کیوان رسید

اس سلسلہ میں خاندان تغلق کی تحقیق دلچسپی سے خالی نہ ہوگی، تغلق کے معنی ترکی میں پہاڑی کے ہیں، نوادر المعانی میں تغلق کے معنی اوسط یا میانہ کے لکھے ہیں، فرشتہ طبقات ناصری کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ لفظ تغلق اصل میں قتلغ تھا، اہل ہند نے اس ترکی لفظ کو کثرت استعمال سے الٹ کر تغلق بنا دیا[1] لیکن یہ توجیہ اطمینان بخش نہیں معلوم ہوتی شمس سراج عفیف اپنی تاریخ فیروز شاہی میں لکھتا ہے کہ اس نے تغلق کا نسب نامہ "مناقب سلطان تغلق" میں لکھا ہے[2] لیکن یہ "مناقب سلطان تغلق" مفقود ہے، اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا، ضیاء الدین برنی کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے، کہ تغلق کسی قوم یا قبیلہ کا نام نہیں تھا، بلکہ جیسا کہ سکون سے بھی پتہ چلتا ہے، سلطان محمد تغلق کے باپ کا شخصی نام تھا، ملک تغلق نے جب خسرو خان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی حمایت میں فتح پائی، تو غیاث الدین تغلق کے لقب سے مشہور ہو گیا، ابن بطوطہ کے بیانات سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے، کہ شیخ رکن الدین قریشی ملتانی سے میں نے سنا ہے، کہ تغلق قوم سے ترک قرونہ[4] تھے،"

قرونہ سے مراد (جیسا کہ مارکوپولو نے لکھا ہے،) وہ لوگ تھے، جن کے باپ تاتاری تھے، اور ماں ہندی، یہ لوگ ترکستان اور سندھ کے بیچ کے پہاڑوں میں رہتے[5] تھے، ابن بطوطہ کے اس بیان کی تصدیق اس کے معاصر مورخین سے نہیں ہوتی ہے، کیونکہ وہ اس معاملہ میں بالکل خاموش ہیں، لیکن

---

[1] فرشتہ جلد اول ص ۱۳۰، [2] عفیف ص ۱۹ [3] برنی ص ۴۲۶ [4] ابن بطوطہ، ص ۶۰ [5] حواشی سفرنامہ ابن بطوطہ ص ۵۰۹،

بعد کے مورخین نے اس پر کچھ روشنی ڈالی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ملک تغلق کی ماں ہندی تھی چنانچہ رشتہ میں ہے :-

"دریں مملکت شہرتے دارد، کہ ملک تغلق پدر پادشاہ غیاث الدین تغلق شاہ در سلک غلامان بادشاہ غیاث الدین بلبن انتظام داشت، و با مردم جت (یا جٹ) کہ بوئے مملکت وصلت کردہ دختر از ایشان گرفت و بادشاہ غیاث الدین تغلق شاہ از و بوجود آمد"[1]

خلاصۃ التواریخ کا مصنف سلطان محمد بن تغلق کے بارے میں لکھتا ہے :-

"پدر سلطان ترک نژاد باسم تغلق از غلامان[2] سلطان غیاث الدین بلبن و مادر او از قوم جٹ پنجاب بود"

ملک تغلق کے بھائی کی شادی بھی ایک ہندو عورت سے ہوئی، جب تغلق ترقی کرکے دیالپور یجنگی مرکز کا صوبہ دار مقرر ہوا، تو یہیں کے ایک زمیندار رانا مل بھٹی کی لڑکی سے اسکے بھائی کی شادی ئی، جس سے سلطان فیروز تغلق پیدا ہوا[3]

مندرجۂ بالا تحریروں سے یہ اچھی طرح واضح ہوتا ہے، کہ تغلق ایرانی نسل سے نہ تھے، اس خاندان بانی غیاث الدین تغلق علاء الدین کے زمانہ میں سندھ آیا، اور کسی سوداگر کا گلہ بان ہوگیا، ان دنون دشاہ کا بھائی الغ خان سندھ کا حاکم تھا، تغلق اس کے زمرۂ خدام میں داخل ہوگیا، وہ پہلے پیادوں میں رتی ہوا تھا، الغ خان کو جب اوس کی شرافت معلوم ہوئی، تو اس نے اسکو سواروں میں ترقی دی ں کے بعد اس کو افسر بنا دیا، پھر میر اخور یعنی اصطبل کا داروغہ بنایا، اور ترقی کرتے کرتے آخر میں امرائے ظیم الشان میں ہوگیا[4] اسکے بعد قسمت کی یاوری نے دہلی کے تخت پر بٹھا دیا،

---

[1] فرشتہ جلد اول ص ۱۳۰، [2] فرشتہ بھی تغلق کو غیاث الدین بلبن کا نام بتاتا ہے لیکن ابن بطوطہ کے مقابلہ میں اوسکی روایت معتبر نہیں ہو سکتی، [3] عفیف ص ۲۰، ۲۷، ۳۶، [4] سفرنامہ ابن بطوطہ ص ۸۶،

ان تاریخی حقائق کے بعد یہ کہنا کسی طرح درست نہیں کہ تغلق ایران کے مشہور و معروف بہرام کی نسل سے تھے، تغلق خاندان کا یہ ایک ایسا روشن پہلو تھا کہ اس کے درباری مورخین مثلاً برنی اور عفیف اس کو کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتے تھے، برنی کا اس باب میں بالکل خاموش رہنا اس امر کا بالواسطہ ثبوت ہے، کہ تغلق بہرام نژاد نہ تھے، رہ گیا بدر چاچ نے قصائد میں جو تغلق خاندان کو بہرام نسل سے بتایا ہے، اوسکی حیثیت شاعرانہ مبالغہ سے زیادہ نہیں معلوم ہوتی، اور یہ بلا شک و شبہہ کہا جا سکتا ہے، کہ تغلق باپ کی جانب سے تاتاری، اور ماں کی طرف سے ہندی تھے،

مولانا عبد الماجد دریابادی کا ذاتی اخبار

"سچ کے بجائے صدق"

یکم مئی ۱۹۳۵ء سے ۲۰×۲۷/۴ ۲۰ پونڈ سفید چکنے کاغذ پر ہر مہینہ کی یکم، گیارہ، اور اکیس کو شائع ہوتا ہے ہم کو معلوم ہے کہ وہ صاحب ذوق حضرات جو مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کے طرز انشاء کے عاشق ہیں اور آپ کے مخصوص دلنشیں طرز صحافت کے لئے آپ کے اخبار "سچ" کے بند ہونے کے بعد سے بیتاب تھے، اس مژدہ کو صحیح معنوں میں مژدہ سمجھیں گے، لیکن چونکہ ہمارے پاس اخبار "سچ" کے خریداروں کی مکمل فہرست موجود نہیں ہے، اس وجہ سے ہم فرداً فرداً خریداران سچ کو نمونہ نہ روانہ کر سکے، لہذا شائقین حضرات اپنا اپنا چندہ قیمتی چار روپیہ جلد از جلد روانہ فرما کر خریداروں کے رجسٹر میں اپنا نام درج کرا لیں، ورنہ بعد کو پچھلے پرچے دستیاب نہ ہوں گے،

صدق ہر اعتبار سے سچ سے بڑھا ہوا ہے معنوی حیثیت سے مضامین قرآن کا اضافہ سالانہ چندہ للعہ پتہ حسب ذیل ہے،

مینیجر اخبار صدق نمبر ۳۴ ہیوٹ روڈ لکھنؤ

نظمِ قرآن

از

مولوی امین احسن صاحب اصلاحی تلمیذ رشید مولانا حمید الدین فراہی مرحوم مصنف "نظام القرآن"

"یہ مضمون عربی رسالہ الضیاء (لکھنؤ) کیلئے لکھا گیا تھا، اور رسالہ مذکور کی جلد ۳ نمبر ۱ میں شائع ہو چکا ہے، آج حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ کے حکم سے میں نے اس کو اردو میں منتقل کر دیا ہے"

"امین احسن اصلاحی"

قرآن مجید کے اکثر طلبہ مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات سے شیفتگی کے باوجود بعض اوقات نظم قرآن کے بارہ میں مشتبہ ہو جاتے ہیں، کہ ان کے خیال میں مولانائے موصوف اس دعوی میں بالکل منفرد ہیں، علمائے عرب و عجم میں سے جن لوگون کو معارفِ قرآن پر غور کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، کوئی شخص بھی ان کا ہمنوا نہین ہے، اگر قرآن مجید مین نظم ہوتا تو یہ راز ان لوگون سے مخفی نہ رہتا، جنکی دیدہ دری اور نکتہ رسی پر تمام امت کا اتفاق ہے، پھر کیونکر باور کیا جا سکتا ہے، کہ سلف کی نگاہ کشف و تحقیق جس حقیقت کا سراغ لگانے سے عاجز رہی، اس کا دروازہ ایک ایسے شخص نے کھول دیا، جو ان آخری صدیوں میں پیدا ہوا جبکہ علم و تحقیق کی تمام روشنیاں گل ہو چکی ہین،

اسلئے درحقیقت ائمہ سلف کے خلاف جو شخص نظمِ قرآن کا دعوی کرتا ہے، وہ ایک ایسی بات کا دعوی کرتا ہے، جسکے خلاف گویا تمام سلف کا اجماع ہے،

اس باب مین ان لوگون کی سب سے بڑی عقلی و نقلی دلیل یہ ہے، کہ قرآن مجید بالکل کھلی ہوئی کتاب ہے، اسکے سمجھنے کیلئے کسی خاص ذہنی کاوش کی ضرورت نہین ہے، اس نے اپنا نام "کتاب مبین" "سراج منیر" اور "نور" بتایا ہے، اور خداوند تعالی نے اس کی تعریف ایسے لفظوں میں کی ہے، جن سے اس کا سہل اور آسان ہونا نہایت واضح لفظون

میں ثابت ہوتا ہے، مثلاً فرمایا ہے:-

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر، — ہم نے قرآن مجید کو یاد دہانی کیلئے آسان بنا دیا، پس ہے کوئی یاد دہانی حاصل کرنے والا؟

اس مضمون کی آیتیں قرآن مجید میں متعدد ہیں،

پس اگر قرآن مجید میں نظم ہوتا، جیسا کہ علامہ فراہیؒ کا دعویٰ ہے، تو لازماً یہ نظم بھی نہایت سہل الحصول ہوتا اور جس طرح ہر عربی دان بغیر کسی خاص کاوش کے اسکی آیتوں کا ترجمہ سمجھ لیتا ہے، اسی طرح ہر طالب نظم بادنیٰ تامل اسکے نظم کا بھی سُراغ لگا لیتا، لیکن صورتِ واقعہ اسکے بالکل برعکس ہے، نظم کی راہ نہایت دشوار ہے، سلف کی آہنی ہمتیں بھی اسکی مشکلات پر قابو نہ پا سکیں، اور دنیائے علم و تحقیق کے تمام فاتحین اس قلعہ کو مسخر کرنے سے عاجز رہے، اسلئے یہ لازماً تسلیم کرنا پڑتا ہے، کہ نظم کوئی حقیقت نہیں ہی، بلکہ ایک مجاز ہے، جس کے پیچھے کسی لطائف پسند اور موشگاف طبیعت نے اپنے تئیں محض زورآزمائی اور جولانی کے شوق میں ڈال دیا ہی، اور اسطرح ایک لایعنی سعی میں جو شریعت اسلام میں ممنوع ہی، الجھ کر رہ گئی ہی،

استاذ مرحوم نے مخصوص اس موضوع پر دلائل النظام[1] کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اس میں ایک ایک خدشہ سے تعرض کیا ہی، اور تمام دعاوی پر اپنے اصول کے مطابق، نہایت محکم اور قطعی دلیلیں قائم کی ہیں لیکن اس قسم کے اہم مباحث پر اس مختصر مضمون میں اطمینان بخش تفصیل کی گنجایش نہیں ہی، البتہ اس موضوع سے متعلق چند باتیں جو استاذ مرحوم کے خطبات درس میں سے حافظہ میں محفوظ رہ گئی ہیں، اختصار کیساتھ پیش کیجاتی ہیں،

یہ بات اصول کی حیثیت سے پیش نظر رکھنی چاہئے، کہ اس باب میں ہمارا اصلی اعتماد نفس قرآن پر ہی۔ وہ بہتر سے بہتر صورت میں منظم ہے، یہ نظم بعض مخصوص مقامات کے علاوہ ایک صاحب نظر کے لئے ہر جگہ بالکل واضح ہے

---

[1] خدا کا شکر ہے کہ مخدومی جناب ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب سول سرجن بارہ بنکی، اور مولوی حفیظ احمد خانصاحب بی اے منصف حیدرآباد دکن کی توجہ سے مولینا کی تصنیفات کی طبع و اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا ہی، امید ہی کہ یہ کتاب بھی ناظرین کے ہاتھوں تک پہنچ سکے گی (امین اصلاحی)

مقامات پر حجاب ہے، وہاں ہم قرآن کے بجائے اپنی نگاہ کو متہم کرتے ہیں نظم قرآن پر ہمارا عقیدہ خارجی دلائل پر قائم نہیں ہے، بلکہ اس کی یہ ہم نے خود قرآن میں سوچی ہے اور یہی ہمارے پہلے قدم کی محرک ہوئی،

لیکن ان تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں، البتہ قرآن کے علاوہ جو بعض خارجی دلائل ہیں، وہ مضطرب طبیعتوں کے اطمینان کے لئے ذیل میں اجمالاً پیش کئے جاتے ہیں،

۱۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ علامہ فراہی دعوئے نظم میں منفرد نہیں ہیں، بلکہ علمائے سلف کی ایک جماعت پہلے سے یہ مسلک رہا ہے، اور اس پر انھوں نے کتابیں لکھی ہیں، علامہ سیوطی اتقان میں لکھتے ہیں،

"علامہ ابو جعفر بن زبیر شیخ ابو حیان نے نظم پر ایک خاص کتاب لکھی، اور اس کا نام البرھان فی مناسبۃ ترتیب سور القرآن رکھا، اور ہم عصروں میں سے شیخ برہان الدین البقاعی کی تفسیر نظم الدرر فی تناسب الآی والسور اسی اصول پر لکھی گئی ہے"،

اس کے بعد انھوں نے خود اپنی ایک تصنیف کا ذکر کیا ہے جس میں نظم کے علاوہ وجوہ اعجاز پر بھی بحث ہے، پھر لکھتے ہیں:۔

"ترتیب و نظم کا علم ایک اعلیٰ علم ہے، لیکن اسکے اشکال کی وجہ سے مفسرین نے اسکی طرف بہت کم توجہ کی، امام فخر الدین کو اس کے ساتھ سب سے زیادہ اعتنا رہا، اور انکا قول ہے کہ لطائف قرآن کا اصلی خزانہ نظم و ترتیب میں چھپا ہوا ہے"،

امام رازی آیۃ ولو جعلناہ قرآناً اعجمیاً لقالوا الخ (حم السجدۃ ۲) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"اس آیت کے سبب نزول کے بارہ میں لوگ روایت کرتے ہیں کہ کفار نے ازراہ شرارت کہا کہ اگر قرآن کسی عجمی زبان میں اتارا جاتا، تو بہتر ہوتا، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کو جواب دیا ہو لیکن اس طرح کی باتیں کہنا میرے نزدیک کتاب الٰہی پر سخت ظلم ہے، اسکے معنی یہ ہوئے کہ قرآن مجید میں ایسی آیتیں وارد ہیں، جن میں باہمد گر کوئی تعلق نہیں ہو حالانکہ یہ قرآن مجید پر سب سے بڑا طعن ہے ایسی

صورت میں قرآن مجید کو معجز ماننا تو الگ رہا، اسکو ایک مرتب و منظم کتاب کہنا بھی مشکل ہے، صحیح مسلک میرے نزدیک یہ ہے کہ یہ سورہ شروع سے آخر تک بالکل مربوط کلام ہے (اسکے بعد تقریبًا اٹھارہ سطروں میں سورہ کی اجمالی تفسیر لکھی ہے، پھر لکھتے ہیں) ہر منصف، جو انکار حق کا عادی نہیں ہے، تسلیم کریگا کہ اگر سورہ کی تفسیریوں کی جائے جس طرح ہم نے لکھی ہے، تو پوری سورہ ایک ہی مضمون کی حامل نظر آئے گی، اور اسکی تمام آیتیں ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ کرین گی۔"

(دیباچہ تفسیر نظام القرآن فراہی)

اس سلسلہ کی ایک اہم شخصیت، علامہ مخدوم مہائی ہین، ان کی تفسیر آیات کی باہمی مناسبت کے بیان میں ہے، اور اس چیز کی ان کی نظر میں اس درجہ وقعت تھی، کہ اپنی کتاب کا نام انھون نے تبصیر الرحمان وتیسیر المنان رکھا،

اسی عقیدہ کے ایک بزرگ علامہ ولی الدین ملوی ہین، وہ فرماتے ہین :-

"جو لوگ خیال کرتے ہین، کہ قرآن مجید کا نزول باقتضاے حالات جستہ جستہ ہوا ہے، اسلئے آیات میں باہمی تعلق نہیں "تلاش کرنا چاہیے"، ان کو سخت دھوکا ہوا، بلا شبہہ قرآن مجید کا نزول حسب حالات جستہ جستہ ہوا، لیکن اسکی ترتیب میں نہایت گہری حکمت مضمر ہے۔"

یہ وہ علمائے امت ہین جنھون نے نظم کی پوسونگھی ہے، ان کے اقوال پیش نظر رکھو، بعینہ یہی حال علامہ ابن جریر وغیرہ کا ہے، باوجودیکہ ان کا خاص مقصد صرف روایات سلف کو زیادہ سے زیادہ مقدار میں جمع کر دینا ہے لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے، کہ وہ تمام اقوال سلف میں سے اس قول کو ترجیح دیدیتے ہیں، جو نظم کلام اور سیاق وسباق سے زیادہ لگاؤ رکھتا ہے، اور دوسری روایات جو اس سے مانع ہوتی ہیں، ان کی ذرا پروا نہین کرتے، بالکل یہی طریقہ علامہ زمخشری رکھا ہے، وہ بھی تمام موانع سے بے پروا ہو کر صرف نظم کا تتبع کرتے ہین اور اگر بعض جگہ حمایت اعتزال کے جوش میں وہ آگے نہ بڑھ جاتے، تو میرا خیال ہے کہ ان کی کتاب اس فن

کے مبتدیوں کے لئے نہایت مفید ہوتی، یہی بات حضرت امام رازیؒ کی تفسیر میں بھی ہے، وہ اشعریت کے علمبرداروں میں ہیں، اور اکثر ایسا ہوتا ہو کہ اسکی حمایت کے جوش میں کہیں سے کہیں جانکلتے ہیں،

اوپر جن مفسرین کا تذکرہ ہوا ہے، وہی ائمۂ تفسیر ہیں، اور انہی کی کتابیں اس فن کی امہات ہیں، وہ سب لوگ نظم کو تسلیم کرتے ہیں لیکن بعض وجوہ سے جن کے ذکر کا یہ موقع نہیں یہ لوگ نظم کو پوری طرح بے نقاب نہ کر سکے، باقی رہی یہ بات کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب الفوز الکبیر میں نظم کا انکار کیا ہے، تو یہ بات بھی کچھ زیادہ اہم نہیں ہے، ایک ایسے قول کی بنا پر جس کی تاویل اسکے علاوہ بھی آسانی سے ہو سکتی ہے، جو بادی الذہن کے سامنے آتی ہے، میں ایسے بلند رتبہ امام سے بدگمانی نہیں پسند کرتا، علماء کی جماعت میں ٹھیک بات قبول کرنے میں وہ سب سے آگے ہیں، اپنی تصنیفات خصوصاً حجۃ اللہ البالغہ میں شریعت کے جو اسرار و حکم انھوں نے بیان کئے ہیں، وہ اس بات کے شاہد ہیں کہ معرفت نظم میں ان کا مقام بہت بلند تھا، پھر ابن العربی کے ساتھ ان کو جو حُسن ظن ہے، وہ سب کو معلوم ہے، اور نظم کے بارے میں ابن العربی اہل علم سے پوشیدہ نہیں، اس لئے ضروری ہے کہ اس بارہ میں ان کے کلام کی ایسی تاویل کیجائے جو ان کی شان اور ان کے رجحانات کے مطابق ہو، اور یہ بات آسانی سے ممکن ہے، اس باب میں انھوں نے جو کچھ کہا ہے، اسکے مختلف پہلو ہیں، اگر ہم کو ایک غیر متعلق بحث میں پڑجانے کا اندیشہ نہ ہوتا، تو ہم تفصیل سے دکھاتے کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں،

جو علماء نظم کے منکر ہیں، وہ بھی بادل ناخواستہ منکر ہیں، کیونکہ اس خیال کی بنیاد محض اس بات پر ہے کہ قرآن مجید حالات کے لحاظ سے جستہ جستہ اترا ہے، اس بنیاد کا ضعف بالکل ظاہر ہے، کیونکہ بعض طوال اور اکثر قصار پوری پوری ایک ہی دفعہ میں نازل ہوئی ہیں، نیز بعض سورتوں کا نظم بالکل واضح ہے، اور احادیث سے ثابت ہے کہ آیات کی ترتیب میں آنحضرت صلعم مناسبت کا لحاظ فرماتے تھے، انہی وجوہ کی بنا پر امام رازیؒ نے وہ بات کہی ہے جو اوپر گذر چکی ہے، اور سورۂ انعام کی تفسیر میں انھوں نے اپنے خدشہ کو بالکل صاف صاف

ظاہر کر دیا ہے، ہمارا خیال ہو کہ نظم قرآن کے منکر علما کا انکار کرنا بھی ان کی دینی غیرت پر مبنی تھا، انھوں نے خیال کیا کہ نظم کا دعوی کرنا اور پھر یہ اعتراف کرنا کہ وہ اکثر یا بعض سورتوں میں مخفی ہے، قرآن کے حق میں مضر ہے، اس سے معاندین کو اس پاک کتاب پر نکتہ چینی کی جرأت ہوگی، اس خیال کی بنا پر وہ ایک ایسی بات کہہ گئے، جس کا ضرر اس کے فائدہ سے زیادہ ہے، لیکن اعمال کا مدار نیت پر ہے، انشاء اللہ وہ آخرت میں اپنے حسن نیت کا اچھا صلہ پائینگے

۲- جن لوگوں نے جمع و ترتیب قرآن سے متعلق روایات پر غور کیا ہے، وہ واقف ہیں کہ قرآن کریم جستہ جستہ نازل ہوا ہے، لیکن آیات کی ترتیب آنحضرت صلعم کے حکم کے مطابق ہوئی ہے، آپ آیات کی جگہ سورتوں میں متعین فرما دیتے تھے، اور کاتبینِ وحی ان کو ان کی متعینہ جگہوں میں رکھتے تھے، اسی وجہ سے ترتیب آیات کے توقیفی ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے، اگر قرآن مجید میں نظم نہ ہوتا، جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے، تو آنحضرت صلعم اس قسم کا حکم کیوں دیتے، ؟ اور اگر کوئی عظیم الشان حکمت داعی نہ ہوتی، تو نزولی ترتیب کو چھوڑ کر جو سب سے زیادہ قابلِ لحاظ تھی، ایک نئی ترتیب کیوں اختیار فرماتے، ؟ بہر حال جب ہر آیت کیلئے ایک مخصوص جگہ متعین ہوئی، تو لازماً اس تعین کے سبب پر غور کرنا پڑے گا، اور ظاہر ہے کہ بجز رعایت نظم کے اس کا کوئی اور سبب نہیں بتایا جا سکتا، اس لئے جو لوگ ایک سورۃ کے مضامین میں بھی ربط و نظام کے قائل نہیں ہیں، ان کا خیال صحت پر مبنی نہیں، علامہ ملوی نے جن کا قول اوپر گذر چکا ہے، اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے

ہمارے خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جن آیات میں کسی سابق حکم کی تخفیف وارد ہوئی ہے، ان کو ہمیشہ ماسبق حکم کے پہلو میں جگہ دی گئی ہے، مثلاً آیۃ آلان خفف اللہ عنکم وعلم الخ ماسبق آیت کے بہت بعد نازل ہوئی ہے، لیکن چونکہ اس میں اسی ماسبق حکم کی تخفیف تھی، اس لئے اس کو اسی کے بعد رکھا گیا، اسی طرح سورہ مزمل کی آخری آیت ایک مدت کے بعد نازل ہوئی ہے، اس کو بھی پہلے حکم کے بعد ہی رکھا گیا، یہی حال آیۃ والذین یتوفون منکم الخ اور احل لکم لیلۃ الصیام الخ کا ہے، بعض جگہ جہاں اس قاعدہ کے خلاف ہوا ہے، اس کے اسباب دوسرے ہیں، ایسے مواقع پر زیادہ تر

عمود یا بعض دوسرے مصالح کی رعایت کی گئی ہے، جو اس قسم کی تبدیلی کے مقتضی ہوتے ہیں، لیکن جب تک کوئی شخص ان تغیرات کو سمجھ لینے کا عادی نہ ہو جائے، وہ جزئیات سے اصول تک نہیں پہنچ سکتا،

۴۔ علٰحدہ علٰحدہ سورتوں کا قائم کرنا، اور ان کا چھوٹا بڑا ہونا بھی نظم کی دلیل ہے، اگر قرآن مجید غیر منظم ہوتا تو الگ الگ سورتیں قائم کرنے کی کیا ضرورت تھی، ؟ اور یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ سورتوں کی تحدید وحی الٰہی سے ہوئی ہے، کوئی عقلی یا نقلی دلیل اس کے خلاف نہیں ہے، جن لوگوں نے اس سے اختلاف کیا ہے ان کے پاس قرآن مجید یا حدیث صحیح کی کوئی سند نہیں ہے، اسلئے ان کا دعوی بے بنیاد ہے، ہر صاحب عقل محسوس کرتا ہے کہ الگ الگ سورتیں قائم کرنا، اور ان کا مختلف المقدار ہونا اس امر کا صاف ثبوت ہے، کہ سورتوں کے مضامین الگ الگ ہیں، نیز ہر سورۃ کسی مخصوص وحدانیت کی حامل ہے، جو اس کو دوسری سورتوں سے ممتاز کرتی ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو جامعین قرآن آیتوں کے مجموعے لیتے، اور برابر برابر سورتوں میں رکھتے چلے جاتے تسہیل تلاوت، حفظ قرآن اور دوسرے مقاصد کے لئے یہ ترتیب اور بھی آسان ہوتی،

۵۔ سورتوں کی موجودہ ترتیب، جو بالاتفاق تمام مصاحف میں پائی جاتی ہے، وجود نظم کی بہت بڑی دلیل ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں سورتوں کی ترتیب میں جو تقدیم وتاخیر ہے، وہ بلا سبب نہیں ہو سکتی، ظاہر ہے کہ اس کے لئے سورتوں کی مقدار سب سے زیادہ قابلِ لحاظ چیز تھی، لیکن اس کا لحاظ، ہر شخص کو معلوم ہے، قرآن مجید میں بالکل نہیں ہے، کیونکہ ترتیب میں سورہ فاتحہ کو بقرہ سے پہلے جگہ دی گئی ہے، اور سورہ کوثر جو قرآن کی سب سے چھوٹی سورۃ ہے، متعدد اس سے بڑی سورتوں سے پہلے رکھی گئی ہے، یہ بھی مسلم ہے کہ یہ ترتیب نزولی نہیں ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس تقدیم وتاخیر کا کوئی اور سبب تلاش کیا جائے، ہمارے نزدیک رعایتِ نظم کے سوا اس کا کوئی اور سبب نہیں ہو سکتا، ممکن ہے کہ اس پر یہ اعتراض کیا جائے، کہ سورتوں کی ترتیب صحابہ کی رائے سے ہوئی ہے، پیغمبر صلعم کے حکم سے نہیں ہوئی ہے، لیکن یہ بات قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے بالکل خلاف ہے، ہمارے استاذ امام رحمہ نے اپنی کتاب تاریخ القرآن میں اسکی مدلل تردید کی ہے، اسلئے یہاں اس پر مفصل

بحث کی ضرورت نہیں ہو لیکن تھوڑی دیر کے لیے فرض کرلو کہ سورتوں کی ترتیب صحابہ کی رائ
اس سے یہ کیونکر ثابت ہو گیا، کہ انھوں نے نظم کی کوئی پروانہیں کی، اور بلا لحاظ ربط و تعلق
کردیا، ہرشخص کو معلوم ہے کہ سورۂ براۃ کے بارہ میں جب صحابہ میں اختلاف ہوا، کہ اس کو کس
تو یہ گتھی نظم ہی کی مدد سے سلجھی، اور معنوی مناسبت کی رعایت سے اسکو انفال کے بعد جگہ دی گئ
خیال کے لحاظ سے کی گئی ہے، ورنہ ہمارے نزدیک جیسا کہ ہم پہلے ظاہر کر چکے ہیں، سورتوں کی
ہے، اور قرآن مجید ہمارے اس دعوے پر حجت ہو،

سورۂ قیامہ مین ہے:۔

ان علینا جمعہ وقرآنہ فاذا	بیشک ہمارے اوپر ہے اس (قرآن) کا
قرآناہ فاتبع قرانہ ثم ان علینا	اور پڑھنا پس جب ہم پڑھ چکین، تو اس
بیانہ۔	ہوے کی پیروی کرو، پھر ہمارے اوپر ہے،
	کی تشریح کرنا،

استاذ امام مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہین،:۔

"اس آیت میں تین باتیں بیان کی گئی ہین، ایک یہ کہ قرآن مجید عہد نبوت ہی میں جمع ہو کر آ
کو ایک خاص ترتیب سے سنا دیا جائے گا، کیونکہ یہ وعدہ اگر آپ کے بعد پورا ہونے والا ہوتا، تو آپ
جمع و ترتیب کی پیروی کا حکم نہ دیا جاتا، دوسری یہ کہ اس قرأت ثانیہ کے مطابق جو جمع کے بعد
آپ کو قرآن مجید سنانے کا حکم ہوا، اور عقلاً و نقلاً ناممکن ہے کہ پیغمبر کے پاس کوئی حکم آئے اور وہ ا
امت تک نہ پہنچائے قرآن مجید مین فرمایا گیا ہے، یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیك
تفعل فما بلغت رسالتك، اس حکم عام کا مقتضی ہے کہ پیغمبر صلعم نے اس قرأت اخیرہ کے م
جو لوح محفوظ میں ہے، امت کو قرآن مجید کی تعلیم کی ہو، اور آخری قرأت کا اصل کے مطاب

ضروری ہے، تیسری بات یہ ہے کہ اس جمع و ترتیب کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو ترمیم و تخصیص اور تکمیل و تخفیف چاہی، وہ بھی فرمادی، قرآن مجید ان تینوں مراحل سے عہد نبوت ہی میں گذر گیا، کیونکہ یہ معلوم ہے کہ آنحضرت صلعم پوری پوری سورتیں لوگوں کو سناتے تھے، اور یہ بغیر اس کے ناممکن ہے، کہ قرآن مجید ایک خاص ترتیب کے ساتھ آپ کو سنایا گیا ہو، اسی ترتیب کے مطابق صحابہ نے آپ سے قرآن مجید سیکھا، آپ آیات کو مناسب جگہوں میں رکھنے کا حکم دیتے تھے، اور اس حکم کی تعمیل کیجاتی تھی، اگر کوئی تشریحی آیت اترتی، وہ مناسب جگہ میں شامل کر دیجاتی، اس طرح جب پورا قرآن مجید مکمل ہو گیا، تو حضرت جبرئیل نے جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے، آخری مرتبہ پورا قرآن مجید سنایا،.... اس حقیقت کے معلوم ہو جانے کے بعد نظام کی بہت سی مشکلات خود بخود حل ہو جاتی ہیں؛

(تفسیر سورہ قیمہ مصنفہ فراہی)

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی جو ترتیب ہمارے زمانہ میں موجود ہے، یہ وحی الٰہی کے مطابق عہد نبوت ہی میں مکمل ہو چکی تھی، لیکن چونکہ اس عہد کی دنیا لوازم تمدن سے محروم تھی، پڑھنا لکھنا نا دونا در اور رقعہ وغیرہ ناپید تھا، اسلئے ایک عرصہ تک قرآن مجید کھور کے پتوں، ہڈیوں تختیوں، اور حفاظ کے سینوں ہی میں رہا، حضرت ابوبکرؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے منتشر آیات کو ایک مصحف میں محفوظ کیا، اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسکی متعدد نقلیں کراکے تمام ممالک اسلامیہ میں بھجوائیں،

۶- چھٹا پہلو یہ ہے کہ کسی کلام کی اصلی روح نظم ہے، اسکے الگ کر دینے کے بعد صرف یہی نہیں کہ کلام اپنی بعض خوبیوں سے محروم ہو جائیگا بلکہ پورا کلام بالکل مہمل اور بے معنی ہو جائیگا، جو کلام نظم سے خالی ہو وہ از قسم خرافات ہو، کوئی عاقل اپنا ایک لمحہ بھی اس پر ضائع کرنا پسند نہیں کریگا، قرآن مجید کی نسبت تمام دنیا کو معلوم ہو کہ اس نے عربوں کو تحدی کی اور عرب باوجودیکہ ان کو اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا، اس کے جواب میں ایک چھوٹی سے چھوٹی سورۃ بھی نہ پیش کر سکے، قرآن کی اس جلالت کے لحاظ سے اس میں سب سے پہلے جو چیز ہونی چاہئے، وہ نظم ہے، کیونکہ ایک ایسی کتاب جو سب سے

زیادہ منتشر اور بے نظم خیال کیا جاتی ہو ایک لمحہ کے لئے بھی قابلِ تحدی نہیں ہو سکتی ہیں یہیں سے ایک اور نکتہ کی طرف رہبری ہوتی ہے، کہ قرآن مجید نے جہاں کہیں تحدی کی ہے، اپنے مثل ایک کتاب، یا دس سورت یا بحدیث من مثلہ یا کم از کم ایک سورۃ کا مطالبہ کیا ہے، ایک آیت سے تحدی نہیں کی ہے، کیونکہ ایک مفرد آیت کتنی ہی عظیم الشان علم و حکمت کی حامل کیوں نہ ہو، تحدی کے قابل نہیں ہو سکتی، متفرق آیات کی مثال قیمتی موتیوں یا شیریں الفاظ کی ہے جنکو کسی منفرد پر تم نے بکھیر دیا ہو انکے آب و رنگ سے تم محظوظ ہو سکتے ہو لیکن انکو ایسے شخص کے سامنے مقابلہ کیلئے نہیں پیش کر سکتے جس نے اپنے قیمتی موتیوں کو کسی رشتہ میں اور اپنے شیریں الفاظ کو کسی عمدہ نظم یا نثر میں پرویا ہو کیونکہ اس نے انکے ذاتی آب و رنگ پر نظم و ترتیب کا اضافہ کرکے ان کے حسن کو دوبالا کر دیا، اسی وجہ سے عرب و عجم کے تمام علماء بلاغت کا اتفاق ہے، کہ کلام کی اصلی روح نظم ہے، اسی سے اس کی تمام خوبیاں ظہور میں آتی ہیں، اگر کسی شخص کو اس کے باور کرنے میں تامل ہو، وہ کسی بلیغ سے بلیغ خطیب کا کوئی کلام لے، اور اس کو اس کے نظم کے شیرازہ سے الگ کر دے، وہ دیکھیگا کہ کلام کا تمام حسن و جمال دفعتہً برباد ہو گیا، پس ایک پوری سورۃ جو ایک مخصوص وحدانیت کی حامل ہو اپنے اندر دو حسن رکھتی ہے، ایک اس کے اجزاء کا حسن ہے، دوسرا نظم کا، نور علی نور و یھدی اللہ لنورہ من یشاء

۷۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کو شعر و شاعری سے منزہ قرار دیا ہے،

وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ۔ اور ہم نے اس کو شعر کی تعلیم نہیں دی ہے، اور نہ یہ چیز اسکے لئے زیبا ہے،

دوسری جگہ ہے:۔

وما ھو بقول شاعر: اور یہ قرآن مجید کسی شاعر کا کلام نہیں ہے،

اور شاعروں کا ایک بہت بڑا عیب یہ بتایا ہے، کہ انھم فی کل واد یھیمون، وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں، یعنی جو خیال سامنے آگیا، بے سوچے سمجھے اسی سے مشغول ہو گئے، اس قسم کی بے تکی ہرزہ سرائی شعراء کی خصوصیت ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کو اس عیب سے منزہ قرار دیا ہے، اس لئے

قرآن مجید کو غیر منظم خیال کرنا کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو تبیان تعبیر کیا ہے، اقتضاب یعنی بےنظمی اسی کی ایک شاخ ہے، یہیں سے ان لوگون کی غلطی بھی واضح ہوجاتی ہے، جو قرآن مجید کو اس بنا پر بے نظم خیال کرتے ہین، کہ وہ شعرائے عرب کے کلام کے انداز پر ہے، کیونکہ قرآن مجید نے ان کے کلام کی صرف خوبیان لی ہین، اسکے معائب سے آلودہ نہیں ہوا ہے، نیز یہ حقیقت بھی فراموش نہ کرنی چاہئے، کہ اہل عرب کا کلام صرف شاعری ہی نہیں تھا، یہ ان کے کلام کی صرف ایک قسم ہے، اور شرفائے عرب عموماً اس کو وقار کے منافی سمجھکر اس سے احتراز کرتے تھے، ان کے شوق و رغبت کی اصلی چیز خطبات ہوتے تھے، اور جو لوگ ان کے کلام کی اس صنف سے واقف ہیں، وہ اعتراف کرین گے، کہ خطبات عرب جملہ محاسن کلام کے حامل ہوتے تھے، یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اُن کا بیشتر حصہ مٹ گیا، اور بہت تھوڑا حصہ آج ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے،

۸۔ قرآن کی بعض سورتوں میں ترجیعات ہین، مثلاً سورۂ رحمان مین فبای آلاء الآیہ والی آیت بارہا دہرائی گئی ہے، اسی طرح سورۂ مرسلات میں ویل یومئذ للمکذبین، اور سورۂ شعرا میں اِنّ فی ذالک لاٰیۃ الآیہ کی تکرار ہے، اسی طرح بعض سورتوں میں ہر چند آیات کے بعد، کوئی آیت مطلع یا مقطع کی حیثیت سے باربار آتی ہے، مثلاً سورۂ نور میں تھوڑے سے تغیر کے ساتھ، "وانزلنا فیھا ایات بینات لعلکم تذکرون" تین مرتبہ وارد ہے، تعجب ہے کہ ان سورتون کے اجزاء کو کیونکر بےنظم کہا جاسکتا ہے، جبکہ باعتبار ترجیع یہ بالکل متحد معلوم ہوتے ہین، اس باب کا ایک باریک نکتہ یہ ہو کہ قرآن مجید کی ہر سورۃ میں کلام بار بار عمود یا مرکز کی طرف لوٹتا ہے، لیکن مقام کی رعایت سے الفاظ مین ایسی تبدیلی یا کمی بیشی ہوجاتی ہے، کہ مبتدی جو قرآن کی ان اداؤن سے ناآشنا ہے، سررشتۂ نظم کو نہیں سنبھال سکتا، اگر مجھ پر غلو کا الزام نہ لگایا جائے تو یہ کہنے کی جرات کیجا سکتی ہے کہ ترجیعات تمام قرآن میں پائی جاتی ہین، اور ان کی دو قسمین ہین، لفظی اور معنوی، لفظی کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، معنوی ترجیعات کے متعلق یہ بات خیال میں رکھنی چاہئے، کہ معرفت نظم کا زیادہ تر نظام انہی پر ہے، لیکن بغیر ممارست ان کا تتبع مشکل ہے، یہان یہ بات بھی ظاہر کردینی چاہئے، کہ مجھکو نظم کا یقین سب سے زیادہ ترجیعات

ہی کی رہنمائی سے ہوا، جب میں ترجیعات والی سورتوں کی تلاوت کرتا ہوں، ظاہری اقتضاب کے باوجود مجھکو ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ گویا کسی تیرانداز نے اپنے ترکش کے تمام تیر اپنے سامنے پھیلا دیئے ہیں، اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ایک مخصوص نشانہ کی طرف ان میں سے ایک تیر اٹھا کر پھینک دیتا ہے،

۹- قرآن مجید میں قوافی کی رعایت کی گئی ہے، اس سے بھی نظم کا ثبوت ملتا ہے، جن لوگوں نے کبھی اس پہلو سے قرآن مجید پر غور کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ ان کی مدد سے نظم کے کن نکتوں تک پہنچا جا سکتا ہے یہاں مسئلہ پر تفصیل سے بحث کرنے کا موقع نہیں ہے، البتہ اتنی بات ذہن میں رکھنی چاہئے، کہ قرآن مجید کے ٹکڑے ٹکڑے ہوکر نازل ہونے کے باوجود اس میں قافیہ کی رعایت اقتضاب کے بالکل منافی ہے، کیونکہ قافیہ کا ظاہری اقتضا ارتباط و تعلق ہے، اور کوئی عقلمند انسان ایک لمحہ کے لئے بھی یہ باور نہیں کرسکتا، کہ قرآن مجید کے جستہ جستہ نازل ہونے کی وجہ سے اس کے اجزاء میں کوئی نظم نہ پیدا ہو سکا لیکن اللہ تعالیٰ یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نغمہ یا سجع کی حفاظت کے خیال سے اس کے قوافی کی رعایت باقی رکھی سجع و قافیہ کلام میں مقصود بالذات چیزیں نہیں ہیں کہ ان کے لئے اس درجہ اہتمام کیا جائے، اسلئے اگر قرآن مجید کا جستہ جستہ نازل ہونا فساد نظم کا باعث ہوتا، جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے، تو اس کا سب سے زیادہ اثر قوافی پر پڑتا، حالانکہ وہ تمام سورتوں میں بالکل محفوظ ہیں،

تفسیر سورۂ فیل (عربی)

مولانا حمید الدین نظام القرآن کے نام سے عربی میں جو تفسیر لکھ رہے تھے، اور جس کے بعض اجزا انکی زندگی میں چھپ گئے تھے، اب اس کا ایک نیا حصہ تفسیر سورۂ فیل چھپ کر شائع ہوا ہے، جو لوگ اس سلسلہ تفسیر کی اہمیت سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں، کہ اس مہتم بالشان سورہ کی تفسیر میں مصنف مرحوم نے کیا کیا حقائق بیان کئے ہوں گے،

قیمت ۱- ۸ر لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، پتہ دار المصنفین اعظم گڈھ،

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

پولینڈ میں اسلامی آرٹ کا اثر

رسالہ آرس اسلامیکا (امریکہ) جلد ۲ حصہ اول میں عنوان بالا سے تاڈیوز ملکوسکی کا ایک پر معلومات مضمون چھپا ہے اسکی تلخیص حسب ذیل ہے:۔

پولینڈ میں اسلامی آرٹ کا اثر براہ راست نہیں آیا، بلکہ اس تجارت کے ذریعہ رونما ہوا، جو پولینڈ خصوصاً اس کی جنوبی مشرقی سرحد کے دو شہروں لواؤ (Lwow) اور کمینک پوڈولسکی (Kamion ecPodolski) اور بحر اسود کی جینوی نوآبادیوں کے درمیان سرگرمی سے قائم تھی، ان میں کفہ (Kaffa) واقع کریمیا سب سے زیادہ اہم تھی، دوسرا ذریعہ پولینڈ اور اسلامی ممالک کے درمیان صنعتی تعلقات کے قائم کرنے کا وہ آرمینی گروہ تھا، جو نقل مکان کرکے تیرہویں صدی عیسوی میں لواؤ میں جاکر آباد ہو گیا تھا، ان لوگون نے اپنے قدیم ایشیائی مسکنون سے تعلقات باقی رکھے، اور اپنے وطن سے بہتیری ترکی اور ایرانی چیزین لاکر پولینڈ میں رائج کردیں، یونانیون نے جو پولینڈ مین جاکر آباد ہو گئے تھے، ایشیائی تجارت میں بہت کم حصہ لیا، بہرحال آرمینی اور یونانی جو چیزین پولینڈ میں لائے، ان میں صرف مشرقی ظروف، زربفت اور اسلحے نہ تھے، لواؤ اور کمینک پوڈولسکی میں بہتیرے آرمینی معمارون اور سنگ تراشون نے چودہویں صدی کے وسط میں جو گرجے تعمیر کئے، ان کو اسلامی آرٹ کے مطابق آراستہ کیا، جب آرمینیا ترکون اور ایرانیون کے ہاتھوں فتح ہو گیا، تو آرمینی سنگ تراشون اور نقاشون نے اپنے فاتحین کا مذاق تعمیر اختیار کرلیا، اور عمارتوں کی آرائش میں سلجوقی اور بعد کے ترکی نمونوں کی پیروی کرنے لگے،

سولھویں اور سترھویں صدی میں پولینڈ اور اسلامی ممالک کے سیاسی اور تجارتی تعلقات میں قرون وسطیٰ کے تعلقات کی نسبت ایک کامل تغیر واقع ہوا، پولینڈ کی تجارت نے ترقی کی، اور یورپ میں ترکوں کی فتوحات کی وجہ سے دونوں مملکتوں کی سرحدیں قریب تر ہوتی گئیں، قسطنطنیہ کی فتح کے بعد جب ۱۴۷۵ء میں ترکوں نے کفہ پر بھی قبضہ کرلیا، تو تجارتی راستے بھی بدل گئے جنیوا کی بحری بار برداری کی تجارت گر گئی، اور خشکی کا راستہ جو لواو اور وہاں سے پولینڈ کے اندر سے ہوتا ہوا بحر بالٹک تک اور پھر شمالی اور مغربی یورپ کو جاتا تھا، بہت اہم ہوگیا، پولینڈ ترکی اور ایرانی مال کی ایک نہایت اہم منڈی بن گیا،

پولینڈ کی مشرقی سرحدوں پر جو نام نہاد ایشیائی تاجر آباد تھے، ان میں ترک، یونانی، اور آرمینی ہر قوم کے لوگ تھے، آرمینی زیادہ تر ایران سے تجارت کرتے تھے، اور وہاں سے مشرقی ظروف لایا کرتے تھے، پولینڈ کے بادشاہ لواو کے آرمینی باشندوں کو اصفہان، کاشان، اور ایران کے دوسرے شہروں میں جو سترھوین صدی میں زربفت کی صنعت کے لئے مشہور تھے، بھیجا کرتے تھے، اور ان کے ذریعہ زربفت قیمتی اسلحے اور خیمے وغیرہ منگاتے تھے، پولینڈ کے تاجر جن چیزوں کی تجارت کرتے تھے، ان کی فہرست میں بڑی تعداد ایرانی قالینوں کی ہے، خصوصًا وہ جو ریشم اور سونے کے تاروں سے بنائے جاتے تھے، یہی وہ ایرانی قالین ہیں جو پولش طرز کے کہے جاتے ہیں، اعلیٰ خاندانوں میں لوگوں کی وفات پر متروکات کی جو فہرست تیار کی جاتی تھی، اس میں بھی ایسے قالینوں کا ذکر اکثر آتا ہے، پولینڈ کے ایرانی قالینوں میں بہتیرے ایسے تھے، جن میں پولش خاندانوں کے خاندانی نشان سونے کے تاروں سے بُنے ہوئے تھے، یہ قالین ایرانی یا ترکی کارخانوں میں پولینڈ سے بھیجے ہوئے نمونوں کے مطابق تیار کئے گئے تھے،

۱۶۴۳ء کے قریب پولینڈ کے ایک بڑے فوجی سردار اسٹانسلا کونیک پولسکی (Stanislaw Koniecpolski) نے فلانڈرس کے مشہور کاریگروں کو اس غرض سے بلایا کہ اطالوی زربفت کے نمونہ کے مطابق اپنے ملک میں بھی ریشمی اور اونی زربفت کے کارخانے قائم کرے، لیکن چونکہ اٹلی اور

اسپین سے کچا مال لانے میں دقتیں پیدا ہوئیں، اسلئے اُس نے مشرق کی جانب توجہ کی، اور ترکی ممالک سے نہ صرف کچا مال منگوایا، بلکہ بننے والے بھی بلوائے، یہ بننے والے زیادہ تر یونانی تھے، ان کاریگرون کے آنے کے بعد برودنی (Brody) میں جو کارخانے قائم ہوئے، ان میں اطالوی نمونہ کے زربفت کے بجائے بالکل ایرانی طرز کے زربفت اور قالین بُنے جانے لگے، انہی کاریگرون میں سے ایک نے لواؤ میں مشرقی طرز کے کمخواب بننے کے کارخانے بھی قائم کئے، ان کارخانون میں اس نے وہان کے بہتیرے باشندوں کو بھی اس صنعت کی تعلیم دی، سترہویں صدی کے وسط میں لواؤ نے مشرقی طرز کو اختیار کرنے کا قطعی طور پر فیصلہ کرلیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اطالوی زربفت کی بڑی بڑی کوٹھیاں ۱۶۴۹ء میں بیٹھ گئین، اب اطالوی زربفت کی جگہ مشرقی زربفت نے لے لی، جو لواؤ سے نکل کر تمام پولینڈ اور پھر مغربی یورپ میں پھیل گیا،

اسی زمانہ کے وہ قالین بھی ہیں جو مختلف عجائب خانون میں نظر آتے ہیں اُن پر اسلامی آرٹ کے خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے ہیں لیکن اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ وہ پولینڈ ہی میں بنے ہیں علاوہ اور باتون کے خود ان میں بھی وہ مشرقی قالینون سے مختلف ہیں ان کی زمین بھیڑ کے بغیر رنگے ہوئے اون کی ہے جو مشرقی قالینون کے اون سے مختلف ہے، رنگون میں بھی زیادہ تر نیلے اور سبز رنگ ملتے ہیں، اور ایرانی قالینوں کا شوخ سرخ رنگ بہت کم نظر آتا ہے، اکثر قالینون میں صرف دو ہی رنگ پائے جاتے ہیں، ہلکا بادامی، اور بھیڑ کا بغیر رنگا ہوا سیاہ اون، اگرچہ یہ قالین اسلامی اور زیادہ تر ایرانی صنعت کے مطابق بنائے گئے ہیں، تاہم ایک مبصر انہیں دیکھ کر بتا سکتا ہے، کہ یہ اسلامی ممالک کے باہر کے بنے ہوئے ہین، نقش و نگار کے طرز میں بھی بحیثیت مجموعی مشرقی قالینون سے کچھ نہ کچھ فرق دکھائی دیتا ہے،

قالینون کی صنعت میں پولینڈ نے اگرچہ ایرانی قالینون کا معیار حاصل کرنے کی بہت کچھ کوشش کی، تاہم نقل مطابق اصل نہ ہو سکی، بہرحال پارچہ بافی کے ایک دوسرے شعبہ یعنی ریشمی منقش چادرون کے بُننے میں اُسے نسبۃً زیادہ کامیابی حاصل ہوئی، یہ چادرین ایرانی نمونہ کے مطابق ریشم اور سونے چاندی کے تارون سے بُنی جاتی تھیں، پہلے ان کے کارخانے پولینڈ کی جنوبی مشرقی سرحدوں پر قائم کئے گئے تھے، یہ چادرین اٹھارہوین

صدی میں پولینڈ کے امرا کے لباس کا ضروری جزو بن گئین، پولینڈ میں ان کو رواج سب سے پہلے آرمینی تاجرون نے دیا، یہ لوگ ایران اور دوسرے اسلامی ممالک سے منقش چادریں کثیر تعداد میں لاکر فروخت کرتے تھے، پولینڈ میں ان چادرون کی مانگ اسقدر بڑھی کہ بہت جلد بعض اسلامی ممالک اور خصوصًا استنبول میں ان کے متعدد کارخانے قائم ہوگئے، جہان سے یہ چادرین بکثرت پولینڈ میں بھی جانے لگیں، اٹھارہویں صدی کے نصف اول میں لواؤ کے تاجرون نے ایک بڑی تعداد ان چادرون کی باہر سے منگا کر تمام پولینڈ میں فروخت کی لواؤ کے تجارتی رجسٹر سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ چادرین بغداد، اصفہان، انقرہ، اور حلب وغیرہ سے آئی تھین، ان چادرون کا استعمال اس کثرت سے ہونے لگا کہ استنبول کے بعض کارخانوں نے اپنی شاخیں پولینڈ میں بھی کھول دین، اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں ان کے کارخانے ملک کے مختلف حصوں میں قائم ہوگئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی ان کارخانوں نے پولینڈ کی ضرورت کے لئے کافی چادریں تیار کرنا شروع کردین، اور مشرقی چادروں کی درآمد بہت کم ہوگئی، یہانتک کہ اٹھارہویں صدی کے اختتام تک انکی آمد بالکل بند ہوگئی، تاہم اس کے بعد بھی پولینڈ کے کارخانوں میں جو چادریں تیار کیجانے لگین، وہ تمامتر مشرقی ہی نمونون کے مطابق ہوتی تھیں، یہ پولش چادرین پولینڈ میں اسلامی آرٹ کے اثر کا آخری اور شاید سب سے زیادہ خوبصورت نمونہ ہین،

سترہوین اور اٹھارہویں صدی میں صرف زربفت، قالینون اور منقش چادروں ہی کی صنعتوں میں اسلامی آرٹ کا اثر ظاہر نہیں ہوا، بلکہ اسلحے، گھوڑوں کے ساز اور وہ تمام چیزین جو لوہے کے سامان اور گھوڑوں کے ساز وغیرہ سے تعلق رکھتی ہیں، اسلامی آرٹ کے نمونہ کے مطابق بنائی جانے لگین، ان صنعتوں میں لواؤ ہی سب سے پیش پیش رہا، اور اسی کے کارخانون نے ان چیزون کو تمام پولینڈ میں پھیلایا، سترہوین صدی کے آخر میں لواؤ میں اسلامی آرٹ کے نمونہ کے مطابق جو چیزین بنائی جاتی تھین، اُن میں سے چند یہ ہین تلوارین، کمان، ترکش، ڈھال، زین، لگام، کارتوس کے بکس، پیٹیان، پرتلے، پستول کے خانے، باگ ڈور، ا

تلواروں کے قبضے، لواؤ نے ان صنعتوں کو ترقی دے کر پورے ملک میں پھیلا دیا، ان میں سے بعض چیزوں پر طلاکاری اور میناکاری بھی ہوتی تھی، اور قیمتی نگینے بھی جڑے جاتے تھے،

لواؤ کی مذکورۂ بالا صنعتوں کی ترقی کے دو دور تھے، پہلے دور میں تو اسلامی آرٹ کے نمونوں کے مطابق چیزیں تیار کی جاتی تھیں، کاریگر اگرچہ پولینڈ ہی میں رہتے تھے، لیکن وہ غیر نسل کے لوگ تھے، وہ لوگ مشرق سے آئے تھے، اور اُس وقت تک براہِ راست اسلامی آرٹ کے زیر اثر تھے، وہ ایرانی یا ترکی مملکتوں کے آرمنی یا یونانی باشندے تھے، جو نقل مکان کرکے پولینڈ میں آباد ہو گئے تھے، یہاں پہنچ کر بہت جلد اُنھیں لائق شاگرد اور متبع مل گئے، ان شاگردوں نے جب بطور خود چیزیں بنانی شروع کیں، تو چونکہ وہ مغربی آرٹ کی صناعیوں کے زیادہ عادی اور ماہر تھے، اس لئے جدید مصنوعات میں بھی مغربی ہی آرٹ کا اثر زیادہ نمایاں رہا، یہ لواؤ کی صنعتوں کی ترقی کا دوسرا دور تھا، تاہم اون مصنوعات میں بھی جن میں پولینڈ کے ملکی کاریگروں نے مغربی رنگ پیدا کر دیا تھا، اسلامی آرٹ کی اثر اندازی صاف طور پر ظاہر تھی،

پولینڈ نے خیموں کی زینت اور آرائش کا طریقہ بھی مشرق ہی سے لیا، ۱۶۰۱ء میں شاہ زیگمنٹ ثالث (Zygmunt III) نے لواؤ کے ایک آرمنی باشندہ سیفر مورا تووکز (Sefer Muratowicz) نامی کو اس غرض سے ایران بھیجا، کہ وہاں ایک مرصع خیمہ بنوائے، اور اوس کی تیاری کو بچشم خود دیکھے، سفر میں بادشاہ اور اوس کے درباری امراء وغیرہ مشرقی طرز کے مرصع خیمے استعمال کرتے تھے، اور یہ رواج اٹھارہویں صدی کے نصف آخر تک قائم رہا، لیکن خیموں میں صرف مرصع کاری ہی مشرقی طرز کی ہوتی تھی، خیمے بیشتر پولینڈ ہی میں بنتے تھے، اور زیادہ تر لواؤ اور برودی کے یہودی کاریگر بناتے تھے،

پولینڈ میں اسلامی آرٹ کا اثر زیورات پر بھی پڑا، اور اس میں آرمنی باشندوں کی وساطت زیادہ ثابت ہوئی، ان لوگوں نے پولینڈ کے جنوبی مشرقی شہروں اور خصوصاً لواؤ میں آباد ہو کر ملکی زیورات میں

اسلامی صناعیوں کے بعض اجزا داخل کردیئے لیکن لواؤ کی مذکورۂ بالا صنعتوں کے دوسرے دور کی طرح زیورات میں بھی مغربی اور اسلامی آرٹ کا اثر اکثر متحدہ طور پر نظر آتا ہے،

اسلامی آرٹ کا اثر پولینڈ کے تمام حصوں پر یکساں طور پر نہیں پڑا جنوبی مشرقی سرحد پر جو اسلامی ممالک سے متصل تھی یہ اثر سب سے زیادہ نمایاں تھا، اور وہیں سے نکل کر پایہ تخت وارسا اور ملک کے دوسرے علاقوں میں بھی پھیل گیا، مدت کے لحاظ سے اسلامی آرٹ کی اثر اندازی سترہویں اور اٹھارہویں دونوں صدیوں تک قائم رہی لیکن ۱۶۵۰ء سے ۱۷۵۰ء تک کا زمانہ اس کے کامل تسلط کا زمانہ کہا جاسکتا ہے جبکہ اپنی بیشتر مصنوعات میں پولینڈ تمام تر اسی آرٹ کا مقلد اور پیرو تھا، "ع ز"

سیرت النبی جلد پنجم چھپ گئی

الحمد للہ سیرۃ النبی کے اہم سلسلہ کی پانچویں جلد چھپ گئی، اس جلد کا موضوع تعلیماتِ نبوی میں سے عبادات کی تشریح و تفصیل ہے، اس میں پہلے عبادت کی حقیقت اور اسلام میں عبادت کے انواع و اقسام کا بیان ہے، پھر اسلام کے فرائض خمسہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد میں سے ہر ایک پر علٰحدہ علٰحدہ سیر حاصل بحثیں ہیں، پھر توکل، صبر، اخلاص، تقویٰ، اور شکر کے معانی و مطالب قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھائے گئے ہیں، امید ہے، شائقین اس کی خریداری میں عجلت فرمائیں گے، تاکہ رمضان المبارک کے مقدس مہینہ میں اس کا مطالعہ فرماسکیں،

تاجرین کتب کو چاہئے کہ جلد سے جلد مطلوبہ نسخے اپنے شہر کے شائقین کے لئے ریل کے ذریعہ سے منگوا کر دیکھا رکھیں، تاکہ محصول کی کفایت سے تاجر و خریدار دونوں کو فائدہ پہنچے،

تقطیع کلان، ضخامت ۷۰۲ صفحے، قیمت: قسم اعلیٰ صہ، قسم دوم للعہ

منیجر

اخبار علمیہ

برص وجذام کے استیصال میں تاحال کی کوششیں،

برص وجذام تاریخ کی سب سے قدیم بیماریاں ہیں جن کی مدت تین ہزار سال بتائی جاتی ہے، انیسویں صدی کے نصف تک ان کے استیصال کی جانب کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی، جو لوگ ان امراض کے شکار ہوتے تھے انہیں آبادی سے نکال کر کسی دور دراز مقام پر بھیج دیا جاتا تھا، اور ان کے علاج کے لئے کوئی باقاعدہ کوشش نہیں کی جاتی تھی، ۱۸۴۷ء میں ناروے کے دو ڈاکٹرون ڈینیل ڈینیل سن (Daniel C. Danielssen) اور کارل بوئک (Karl W. Boeck) نے ان امراض کے متعلق پہلا جامع سائنٹفک رسالہ لکھا، پھر ۱۸۷۳ء میں آرمر ہانسن (Armaur Hansen) نے جو ڈینیل سن کا داماد اور ناروے میں برص وجذام کے معالجہ میں اس کا جانشین تھا، وہ جرثومہ دریافت کیا جسے وہ برص وجذام کا جرثومہ سمجھتا تھا، اسی سال بلجیم کے مشہور مشنری فادر ڈامین (Father Damien) نے اپنی زندگی اس کام کے لئے وقف کرکے جزیرہ مولوکائی (Molokai) میں جاکر مستقل سکونت اختیار کرلی جہاں حکومت ہوائی (Hawaii) نے برص وجذام کے مریضون کو جلاوطن کردیا تھا، اُس نے ان مریضون کے کھانے، پانی، اور مکانات میں بہت کچھ اصلاحیں کین، اور برسوں کی جانفشانی سے بالآخر دنیا کی توجہ اونکی جانب مبذول کرادی، مجذومون کے ساتھ ہر وقت رہنے سہنے سے وہ خود بھی اس مرض کا شکار ہوگیا، اور ۱۸۸۹ء میں انتقال کرگیا لیکن اس کا ایثار اور بے لوث خدمت اپنا اثر دکھا کر رہی، اور برص وجذام کے استیصال کا مسئلہ تمام دنیا کے لئے روز بروز جاذب توجہ ہوتا گیا،

فادر ڈامین کا کام اب ہر ملک میں جاری ہے، ۱۸۷۴ء میں اسکاٹ لینڈ کے ایک شخص ولزلی بیلی (Wellesley C. Bailey) نے مجذوموں کے لئے ایک مشن (The Mission for The Lepers) قائم کیا، جو ساٹھ سال سے برابر برص و جذام کے علاج اور استیصال کی کوششوں میں مصروف ہے، اب اس مشن کی ایک شاخ امریکہ میں بھی کھل گئی ہے، حال میں ماہرین جرمیات (Bacteriologists) نے بھی ان امراض کی جانب توجہ کی ہے، اور ان میں سے بہتیرے ان کی تحقیقات کے لئے برصوں اور مجذوموں کی نوآبادیوں میں جا کر سکونت پذیر ہو گئے ہیں، چنانچہ اس جماعت کے ایک بہت مشہور امریکن ڈاکٹر ہربرٹ ڈبلیو ویڈ (Herbert W. Wade) نے ۱۹۲۲ء میں کیولیون (Culion) جا کر وہاں مستقل طور پر قیام اختیار کر لیا ہے، یہ مقام جزائر فلپائنس (Philippines) میں واقع ہے، جہاں برص و جذام کے مریضوں کی ایک بڑی نوآبادی قائم ہو گئی ہے، ڈاکٹر ویڈ نے وہاں پہنچکر ان مریضوں کے لئے ایک عظیم الشان شفاخانہ قائم کیا ہے، جو دنیا میں اپنی قسم کا سب سے بڑا شفاخانہ ہے، وہاں نہ صرف برص و جذام کا علاج ہوتا ہے، بلکہ ان کے اسباب و علل کی تحقیق بھی کی جاتی ہے، ۱۹۲۵ء میں ڈاکٹر موصوف کی اہلیہ اس شفاخانے کیلئے سرمایہ کی فراہمی کے مقصد سے امریکہ واپس آئی تھیں اور وہ اپنی جدوجہد میں اس حد تک کامیاب ہوئیں، کہ امریکہ میں ایک زبردست ادارہ لیونرڈ ووڈ میموریل (LEONARD WOOD MEMORIAL) کے نام سے برص و جذام کے استیصال کے لئے قائم ہو گیا ہے، اس ادارہ کے پیش نظر یہ تجویز ہے، کہ تمام دنیا میں ان امراض کی تحقیق کے لئے مرکز قائم کر دیئے جائیں، کیونکہ باوجود انتہائی کوششوں کے ابھی ان کے اسباب متعین طور پر معلوم نہیں ہو سکے ہیں، اور یہ امراض ہر طرف کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں، تمام دنیا میں انکے مریضوں کی تعداد تقریباً تین لاکھ ہے، جن میں سے صرف پچاس ہزار سے کم کا علاج مناسب اور معقول طریقہ پر ہو رہا ہے، کیولیون کا شفاخانہ اپنی خدمات میں سب سے زیادہ ممتاز ہے، گذشتہ دس سالوں میں ڈھائی ہزار سے زیادہ مریض وہاں سے تندرست ہو کر اپنے گھر واپس آ چکے ہیں،

قصر ابونصر کے آثار قدیمہ

ایران کے جنوبی مغربی حصہ میں شیراز کے قریب دو سال سے کھودائی کا کام جاری ہے، اس مقام کو اب قصر ابو نصر کہتے ہیں، پچھلے سال جو آثار قدیمہ وہاں برآمد ہوئے ہیں، ان میں سب سے زیادہ نمایاں ایک قلعہ ہے، اس قلعہ کی عمارت آرایش سے یکسر خالی ہے، لہذا اوس کی قدامت کا اندازہ صرف اُن چیزوں سے کیا جا سکتا ہے، جو وہاں پائی گئی ہیں، یا قرب وجوار کے قلعوں سے مقابلہ کرکے کچھ قیاس کیا جاسکتا ہے قلعہ کی چہار دیواری کے اندر جو مکانات ہیں، ان میں بھی کوئی نقش ونگار نہیں ہیں، اس کی زبردست دیوارین شاپور اور اصطخر کے آثار سے ملتی جلتی ہیں، قلعہ کی عمارتوں میں جو سکے، مٹی کے برتن اور مہرین پائی گئی ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ قلعہ پورے ساسانی عہد نیز اس سے قبل اشکانی عہد میں بھی کچھ دنون آباد تھا، کھودائی میں علاوہ چند سکوں کے اور کوئی چیز عربی دور کی نہیں ملی جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ قصر ابو نصر کا عرب فتوحات کے بعد بالکل زوال ہو چکا تھا، اردشیر خرہ کے ساسانی صوبہ کی جس میں یہ مقام واقع ہے، ایک ایسی مہر ملی ہے، جس سے بارہوین صدی کے ایک محقق کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے، کہ یہ قلعہ عرب فتوحات سے پہلے کا شیراز تھا، جو عربوں کی آمد کے بعد چار میل مغرب کی جانب منتقل کر دیا گیا،

منجملہ دیگر آثار قدیمہ کے ساسانی عہد کے بڑے بڑے اتنی مٹکے بھی پائے گئے ہیں، جو دو فٹ سے پانچ فٹ تک اونچے ہیں، ان کی شکلیں مختلف قسم کی ہیں، اور ان میں سے کسی دو پر بھی یکسان نقش ونگار نہیں ہیں، مٹی کے چھوٹے برتن بہت کم سالم حالت میں ملے ہین، دو دستون کا بھی ایک خاص قسم کا مٹکا ملا ہے، جس کی گردن لمبی ہے، یہ عراق کے ساسانی اور اشکانی عہد کے مٹکوں سے بہت مشابہ ہے، بہت سی ساسانی مہرین، اور مہروں کے نقوش بھی پائے گئے ہیں، جن میں سے بعض پر ساسانی حکومت کے عہدہ دارون کی تصویرین بنی ہوئی ہیں، دھات کی بھی مختلف چیزین برآمد ہوئی ہیں، ان میں کانسہ کا ایک شمعدان ہے، جو ساسانی عہد کا خیال کیا جاتا ہے

طلائی زیورات ہیں، جو ساتویں صدی عیسوی کے معلوم ہوتے ہیں، کانسہ کے کانٹے اور چمچے بھی ایک تعداد میں پائے گئے ہیں، کانسہ کی ایک نقاب بھی ملی ہے جس سے ایران میں یونانی روایات کی حد کا اندازہ ہوتا ہے، اور ایک سر بھی کسی جانور کا کانسہ کا بنا ہوا ملا ہے، جو بالکل ایرانی ہے شیشہ کی چیزوں میں چند تولیں ہیں، ایک جوڑ گڑیا ہے، آنکھ میں دوا ٹپکانے کا ایک آلہ ہے، اور اسی قسم کی چند اور چیزیں ہیں بلور کا نہایت نفیس بنا ہوا ایک سر بھی برآمد ہوا ہے، جس کے بالوں، آنکھوں، اور لبوں میں ابھی تک رنگ اثر باقی ہے،

مصنوعی ریڈیم،

امریکہ کے ایک سائنسدان پروفیسر ارنسٹ لارنس (Ernest Lawrence) نے نمک سے مصنوعی ریڈیم بنانے کا ایک طریقہ دریافت کیا ہے، اگر یہ طریقہ کامیاب ثابت ہوا، تو آکلہ اور... کے علاج میں اس مصنوعی ریڈیم سے بے حد مدد ملے گی، اصلی ریڈیم نہایت قیمتی ہونے کی وجہ سے ہر مریض میسر نہیں آسکتا، اس وقت اس کی قیمت فی گرام دس ہزار پونڈ ہے، مصنوعی ریڈیم نہایت ارزاں ہے کے علاوہ ڈاکٹروں کے خیال میں آکلہ کے لئے زیادہ مفید بھی ہوگا، کیونکہ اب تک اصلی ریڈیم کا علاج خارجی طور پر کیا جاسکتا ہے، اور یہ مصنوعی ریڈیم زخم کے اندر بھی داخل کیا جاسکے گا،

سنہ ۱۹۳۴ء میں انگلستان اور ویلز میں پیدائش و موت کی رفتار،

سنہ ۱۹۳۴ء میں انگلستان اور ویلز میں (۵۹۷٬۶۴۲) بچے زندہ پیدا ہوئے، یعنی ایک ہزار کی آبادی میں (۱۴٫۸) یہ اوسط سنہ ۱۹۳۳ء کے اوسط سے (۰٫۴) زیادہ تھا، سنہ ۱۹۳۳ء کا اوسط ہر سال سے کم تھا، ۱۹۳۴ء میں انگلستان اور ویلز میں موت کا اوسط فی ہزار (۱۱٫۸) تھا، جو سنہ ۱۹۳۳ء کے اوسط سے (۰٫۵) کم تھا، ان میں لوگوں کی اوسط عمر روز بروز زیادہ ہوتی جارہی ہے،

"ع ز"

باب التقریظ والانتقاد

شاہانِ گوجر

مؤلفہ مولوی ابوالبرکات محمد عبد المالک خانصاحب سابق مشیر بہاول پور، رئیس کھوری ضلع گجرات پنجاب، ۵۰۴ صفحے، قیمت تین روپے،

از مولنا سید ابوظفر صاحب ندوی

گوجر راجپوت اور جاٹ کے متعلق ہمیشہ ہندوستان کے مورخین تحقیقات میں مصروف رہے، اور اپنے نتائج و افکار سے لوگون کو مستفیض کرتے رہے، "شاہانِ گوجر" کے مصنف نے ان معلومات کو اپنے خاص دلائل اور نظریون کے ساتھ بہت خوبی کیساتھ یکجا کر دیا ہی،

کتاب ۵۰۴ صفحون میں ہی، اور ۱۶ بابون پر بٹی ہوئی ہی، شروع میں ایک دیباچہ اور مقدمہ بھی ہی، دیباچہ مین "اتحادِ قومی" کے ارکانِ خمسہ میں سے نسبی، مذہبی، اور وطنی اتحادوں کی تشریح ہے، اس کے بعد تاریخ کی تعریف، تاریخ کا موضوع، مورخین کے طبقوں وغیرہ کا ذکر ہے، پھر مبادیاتِ تاریخ ہے جس کے نیچے چھ مقالے ہیں،

پہلے مقالہ میں ہندوستان کے باہر سے آنے والی قومون کی تقسیم ہے، دوسرے میں ہندوستان کے اصل باشندون اور آرین قوم کا تذکرہ ہی، تیسرے میں آرین قوم کے قبائل اور ہندوستان میں آباد ہونے کا بیان ہے، چوتھے میں آرین قوم کی تنظیم، تمدن، اور خلطِ نسب کے حالات ہین،

پانچوین میں آریون کی مذہبی کتابون کا ذکر ہے، چھٹے میں ہندوؤں کے چاروں ورنوں کو بتایا ہی،

صفحہ ۳۰ سے اصل کتاب شروع ہوتی ہے، پہلے باب میں برہمنوں کے اقوال کے مطابق دنیا کی پیدائش،

آریون کے مختلف ذاتوں میں منقسم ہونے، اور پھران ذاتوں کے مختلف شاخوں میں پھیلنے، کھتریوں

اور راجپوتوں کے باہم خلطِ نسب کو تفصیل سے بیان کرکے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، جو میرے خیال

میں تقریبًا بالکل صحیح ہے،

دوسرے باب میں سولہ فصلیں ہیں فصل اوّل میں لفظ "گوجر" کی تحقیق ہے، اوران افواہون کی

تردید ہے، جواس کے متعلق لوگوں میں مشہور ہیں، اوراس مستند قول کی تائید کی ہے، کہ گرجستان سے

آنے والی قوم کا نام گوجر ہے،

فصل دوم میں اس بات کو ثابت کیا ہے، کہ لفظ اکثر اوقات، ملک، آب و ہوا، اور قوم کے

تبدّل و تغیر سے بدل جاتا ہے، اسلئے گوجر، گجر، گرجارا، گرجرا، یہ سب ایک ہی ہم معنی لفظ ہین،

فصل سوم میں جس کو فصل سابق کا تتمہ سمجھنا چاہیئے، ایک دلچسپ انکشاف کا اظہار کیا ہے،

کہ لفظ گوجر دنیا کی مختلف زبانون (یا ملکون) میں کن کن شکلوں میں بولا جاتا ہے، مثلاً ہندوستان

میں گوجر، انگریزی میں گرجرا، چین میں کوسا، روس میں خوالیس، روم میں چزنار، آرمینا میں خزرعرب

میں جزر، بحیرۂ آذاف میں گزر، شام میں غیسر، کاکیشیا میں غاسر، (گاسر) ایران میں قاچار،

فصل چہارم میں گوجروں کے ابتدائی وطن کو متعین کیا ہے، کہ وہ وسط ایشیا ہے، ۱۶۰ ق م میں یہاں

سے نکل کر سیھون کے علاقہ پر قابض ہوگئے، اس قوم کا اصلی نام "یوچی" ہے، جو ترکون کا ایک قبیلہ ہے، اور

یوروپین اون کو سیتھین کہتے ہین، یہ پہلی صدی میں وہان سے ہجرت کرکے کشمیر، کابل، اور پنجاب مین

پہونچ گئے،

فصل پنجم میں راماین اور مہابھارت کے اقتباسات سے ثابت کیا گیا ہے، کہ گوجر اس عہد میں بھی

موجود تھے، اور فصل ماسبق سے تطبیق اس طرح دی گئی ہے، کہ گویہ قوم آرین عہد سے ہندوستان میں مختلف وقات میں آتی رہی، مگر پہلی صدی سے فاتحانہ یہان داخل ہوئی، اور چوتھی صدی میں انکا عروج ہوا،

گوجرون کے مذہب کے متعلق لکھا ہے، کہ یہ سورج پرست تھے، اور اسی سبب سے ان کو مہر بھی کہتے ہین، اس بیان سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے، کہ کاٹھیاواڑ میں ولبھی خاندان سے کچھ پہلے جو قوم مہر کے نام سے قابض تھی، وہ درحقیقت انہی گوجروں کی ایک گوت تھی، اور سورج کی پوجاری تھی،

مؤلف نے لکھا ہے، کہ یہ قوم سورج پرستی کے لئے اس قدر دیوانی تھی، کہ ہر موقعہ پر سورج دیوتا کو یاد کرتی، اور بات بات پر اس کا تذکرہ کرتی، مثلاً جب گھر سے نکلا تو سورج مہاراج کی سواری نکل رہی تھی، (صبح کا وقت تھا) اور جب وہان سے آرہا تھا، تو سورج مہاراج کی سواری جاچکی تھی (رات ہوگئی تھی)، ......

بعض لوگ سورج کی شکل کے سونے چاندی کے حمائل گردن میں ڈالتے، عورتون کے آنچل یا گھونگٹ پر سورج مکھی کی تصویر ہوتی، گجرات اور کاٹھیاواڑ میں سلاطین گجرات کی جس قدر عمارتین میری نظر سے گذرین، خصوصًا مساجد اور مقابر پر، عمومًا سورج مکھی کی تصویریں ہیں، مؤلف کے بیان سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے، کہ یہ اسی مہر پرستی کا اثر ہے، جو عہد اسلام تک باقی رہا، اور چونکہ غیرذی روح کی تصویر تھی، کوئی مانع نہیں ہوا، ان کے انجنیر راج، مزدور عمومًا غیرمسلم ہوتے تھے، اسلئے بہت ممکن ہے کہ یہ سب مہر گوجر ہون،

گوجر جب ہندوستان میں مقیم ہوگئے، تو ہندوؤں کے اثر سے ۲۶ قسم کے دیوتاؤں کو ماننے لگے، جسکا ذکر بہ تفصیل مؤلف نے اپنی کتاب میں کیا ہے،

صفحہ ۳، میں درج ہے، کہ کرشن ہندوستان میں دو ہوئے ہین، ایک دوسری صدی عیسوی میں بمقام دوارکا، اور دوسرا متھرا میں، گوجر قوم کا ایک شخص کرشن نامی سنہ ۶۰۰ء میں ہوا،

لیکن ہندوستان کی عام تاریخیں اسکی مؤید نہیں ہیں، کیونکہ دوارکا والا کرشن بھی درحقیقت متھرا ہی کا باشندہ تھا، جو مہاراجہ جراسندھ (ممالک متوسط) کے حملوں کی تاب نہ لاکر دوارکا چلا گیا، اور پھر مہابھارت کی کامیاب جنگ لڑکر واپس ہوا، مہابھارت کی جنگ بدھ سے پانچسو برس پہلے گذری ہے، ایسی صورت میں دوارکا میں کرشن کی موجودگی ۷۰۰ء صدی عیسوی میں کیونکر ہو سکتی ہے، یقیناً ایشیاٹک سوسائٹی جرنل کے نامہ نگار کو اس معاملہ میں مغالطہ ہوا ہے،

گوجرون کی زبان کے متعلق صفحہ ۸۰ میں بحث کی ہے، ص ۸۰ پر جو نمونہ دیا ہے، وہ اس زبان سے بہت مشابہ ہے، جو کاٹھیاواڑ و گجرات میں مستعمل ہے، اور اس سے اس قیاس کی تائید ہوتی ہے، کہ یہ دونون یا تو ایک ہی نسل سے ہیں، یا عرصہ دراز تک دونوں ایک ساتھ رہے ہیں،

اس کے بعد گوجرون کے اخلاق، رسوم و رواج، سپہ گری، زراعت، تجارت پر مفصل بیان ہے، گوجرون کی آبادی کہان کہان ہے، صلا پر تشریح سے اسکو لکھا ہے، گو یہ صحیح ہے کہ کاٹھیاواڑ گجرات مین گوجرون نے اپنی ذات تبدیل کرلی ہے، پھر بھی مختلف شکلون مین اسوقت بھی لاکھوں کی تعداد میں موجود ہین، پیشون کے علاوہ مختلف اقوام گوجر اپنی گوت کے نام سے مشہور ہیں، مثلاً مؤلف نے کسی جگہ لکھا ہے، کہ گوجر کی ایک گوت گورسی بھی ہے، اور گورسی گرس، گراسیہ، سب ایک ہی ہم معنی لفظ ہین، جو مختلف ممالک کے تلفظ سے متغیر ہو کر جدا جدا نظر آتے ہین،

کاٹھیاواڑ و گجرات میں "گراسیہ" بڑی تعداد میں آباد ہیں، جو اپنے کو گوجر نہیں بلکہ گراسیہ کہتے ہین، اور چونکہ یہ عموماً کاشتکار اور زمیندار ہین، اسلئے عام طور پر لوگ آج کل گراسیے کے معنی کاشتکار اور زمیندار کے لیتے ہیں، جس طرح "خان" کا لفظ جو سردار کے لئے وضع کیا گیا تھا، اس سے مراد اب پٹھان ہوتا ہے،

مؤلف نے باب سوم بڑی کاوش اور محنت سے تحریر کیا ہے، اور مدلل طریقہ سے اس بات کو ثابت کیا ہے، کہ گوجر، راجپوت، جاٹ درحقیقت ایک ہی شجر کی متعدد شاخیں ہیں، اور بڑی تفصیل اور تشریح سے اسکو بیان کیا ہے، کہ آج کل راجپوتون کے مشہور قبیلے مثلاً چوہان، پرمار وغیرہ درحقیقت یہ سب راجپوت گوجر ہیں، اور یہ دعویٰ بھی بالکل صحیح ہے، کہ راجپوت ایک مخلوط النسل قوم کا نام ہے، جس میں ہر اس نسل و قوم کا آدمی شامل ہے، جس کے بزرگون نے کبھی تخت و تاج پر قبضہ کر لیا تھا،

صفحہ ۱۹۱ میں محمود غزنوی کے متعلق ٹاڈ صاحب کی راجستان سے یہ فقرہ نقل کیا ہے، کہ سندھ میں جاٹون نے محمود غزنوی کو شکست فاش دی، افسوس ہے کہ ابھی تک کسی تاریخ میں میری نظر سے یہ فقرہ نہیں گذرا، بلکہ یہ بیان کیا جاتا ہے، کہ محمود ہی وہ شخص ہے، کہ جس نے عمر بھر کسی شکست کا منہ نہیں دیکھا، بات یہ ہے کہ ٹاڈ صاحب کو اپنے ممدوحین (راجپوت) کا اسقدر خیال رہتا ہے کہ جہان کہیں بھی سوئی کے ناکہ برابر رخنہ نظر آئے، وہ اس سے دریا بہانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اصل واقعہ صرف اس قدر ہے، کہ سومناتھ سے واپسی کے وقت جب محمود ملتان جا رہا تھا، تو راستہ میں سندھی جاٹون نے چوری اور ڈاکہ زنی شروع کی، اور چونکہ اس کی فوج ریگستان سے تھکی ہوئی آرہی تھی، اور مالِ غنیمت سے لدی تھی، اس لئے سلطان نے ان کی شوخی سے چشم پوشی کی، لیکن دوسرے ہی سال اُن کی پوری پوری گوشمالی کر دی گئی،

صفحہ میں چوہالا" اور گوہل کو گوجرون کا ایک گوت تحریر کیا ہے، مؤلف کے اس بیان سے ہم یقین کر سکتے ہیں کہ کاٹھیاواڑ کے ایک ضلع کا جو جھالاواڑ، اور گوہیل واڑ نام ہے، وہ انھی گوجرون کا آباد کردہ ہے، جنکی نسبت یہ مشہور ہے، کہ وہ پنجاب یا راجپوتانہ سے قبلِ اسلام آئے،

چاوڑا خاندان کے ابتدائی حالات جو ص ۲۴۲ پر آئین اکبری سے نقل کئے گئے ہیں، وہ کسی طرح سے صحیح نہیں، علامہ ابوالفضل نے یہ تمام حالات ہندوستان کے برہمنون سے حاصل کئے ہیں، اور مرأة احمدی

نے بھی یہ حالات آئینِ اکبری سے لئے ہیں، لیکن مرآۃ احمدی نے بن راج بکسر بانہیں، بلکہ بَن راج بنفع با تحریر کیا ہے، جس کے معنی جنگل کا راجہ ہے، جو بالکل صحیح ہے، کیونکہ یہی اس کا لقب تھا

ص ۲۴۰ میں بھیم راج کے متعلق جو سنہ درج ہے، افسوس ہے کہ اسکی تصحیح بھی غلط نامہ میں درست نہیں ہے، بھیم راج یا کھیم راج کی صحیح تاریخ ۸۲۲ تا ۸۶۶ہے،

راجہ بیر سنگھ کے متعلق جو آئینِ اکبری اور دیگر کتب کے ناموں میں تطبیق دی گئی ہے وہ فارسی املا تک تو صحیح مانی جاسکتی ہے، مگر جہاں یہ نام ہندی اور گجراتی حرفوں میں ہوں، وہاں یہ تشابہ ناممکن ہے، اسلئے اس قسم کے حالات کے تحت ایسے معاملہ میں آئینِ اکبری پر مرآۃ محمدی کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ صاحب الیت ادری بمافیہ کے علاوہ اوس کا مولف گجراتی زبان سے بخوبی واقف تھا، اور جدید تحقیقات سے بھی اوس نے اپنی کتاب میں فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے محض حسن ظن کسی مورخ کے بیان کردہ واقعات کا معیارِ صحت نہیں ہو سکتی،

مؤلف نے صفحہ ۲۴۴ پر سولنگی گوجروں کے متعلق وجہ تسمیہ (شولنگی) بیان کیا ہے، وہ بہت ہی قرین قیاس ہے، بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے، کہ اس خاندان کے اکثر ارکان لنگ کے پجاری تھے،

سدھ راج گجرات کا بڑا طاقتور اور مدبر راجہ گذرا ہے، یہ اس کا لقب تھا، اور اسی نام سے وہ زیادہ مشہور ہے، جے سنگھ اس کا اصلی نام ہے، اور اس کی تائید اس کے ہمعصر مسلمان (شیعہ بوہرے) مورخوں کی کتابوں سے ہوتی ہے،

صفحہ ۲۶۶ پر آئینِ اکبری سے بھیم دیو باگھیلہ کی مدت ۴۲ سال تحریر کی ہے، لیکن کیا عجیب بات ہے، کہ اس ۴۲ سالہ حکومت کی تائید نہ تو سکوں سے ہوتی ہے، نہ تامہ پتر سے، (جو گجرات میں بکثرت دریافت ہوئے ہیں،) اور نہ گجراتی تاریخیں اوس کی مؤید ہیں، اور نہ ترتیب سنین سے، اس کے لئے کوئی جگہ نکلتی ہے، ایسی حالت میں محض خوش اعتقادی سے کسی واقعہ کی صحت کیونکر تسلیم کی جا سکتی ہے،

صفحہ ۲۰۷ پر ٹاڈ کے حوالہ سے یہ لکھا گیا ہے، کہ لنگاہ، اور توگیرا دونون سولنگی گوجر ہین، خاندان لنگاہ ضلع ملتان میں اب بھی آباد ہے، عہد اسلامی میں یہ مشہور خاندان گذرا ہے، ۸۴۷ھ سے ۹۳۱ھ تک ۸۴ برس اس نے ملتان پر حکومت کی، عہد ہمایونی میں اس کا خاتمہ ہوا، مگر تعجب ہے کہ مؤلف نے اسکی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا،

صفحہ ۲۰۹ میں بلہارا (بلہرا) راجہ کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ تقریبًا صحیح ہیں، مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ولبھی پور، اور ولبھ رائے دو علحدہ علحدہ سلطنتیں تھیں،

ولبھی پور کاٹھیاواڑ میں ہے، اور اس کا بانی بھٹارک گوجر ہے، جس کو بھٹارک بھی کہتے ہین، اسکی حکومت تقریبًا ۵۰۹ء سے ۷۲۰ء تک ہی، اور اسی عہد میں ولبھی پور آباد ہوا، ولبھ کے معنی محمود کے ہیں، غالبًا نیک شگون کے خیال سے ولبھی پور، (محمود پور) اسکا نام رکھا گیا، انکے آخری راجوں کا لقب شلادت تھا، مگر عام طور پر لوگ ان کو ولبھی راجے کہتے ہین،

ولبھ رائے جن کو عرب سیاحوں نے "بلہرا" لکھا ہے، دکنی راشٹر کوٹ خاندان کے حکمران ہین، ان کا پایہ تخت "مان کھیت" (مان کھیڑ) تھا، جس کو عرب سیاحوں نے "مانکیر" (مانگر) لکھا ہے، یہ مقام آج بھی سلطنت نظام کے ماتحت ایک چھوٹے گاؤن کی شکل میں موجود ہے، اس خاندان کا مشہور راجہ اموگہ ورش ولبھ رائے ہے، اسی کے عہد میں سلیمان بصری اور ابوزید سیرافی یہان آئے ہیں،

ص ۲۱۱ پر ایک مقام کا نام "بھمال" لکھا ہے، جو ممکن ہے، کہ صحیح ہو، عربی تاریخوں میں اسکو بیلمان کیا ہے، میرا خیال ہے کہ یہ لفظ بھیل مان ہے، جو کسی زمانہ میں شمالی گجرات کے بھیلوں کا پایہ تخت تھا، اور بعد میں گوجرون کی راجدھانی ہوئی، جنوبی گجرات میں بھیلوں کی ایک دوسری سلطنت تھی جس کا پایہ تخت آساول (آسا بھیل) تھا، یہ آساول دریاے سابرمتی کے کنارے بڑا مشہور تجارتی شہر تھا، کرناوتی

کی آبادی سے یہ زوال پذیر ہوا، اور احمد آباد کی وسعت نے اسکو اپنے دامنوں میں لے لیا،

ص ۲۱۶ میں قنوج کے پال خاندان کا تذکرہ ہے، سنہ ۹۹۰ء تک اس خاندان کا راجہ وجیا پال حکمران رہا، پھر ص ۲۱۹ میں اس کے لڑکے راجپال (یا راج پال) کا ذکر ہے، اور ان دونوں کے درمیان راجہ جے پال اور انند پال راجہ لاہور کا تذکرہ کچھ اس طرح سے تحریر ہوا ہے کہ اس کا ربط اپنے قبل سے نظر نہیں آتا ہو، ممکن ہو کہ صرف پال کی مشابہت سے اس کا تذکرہ یہان ہو،

ص ۲۲۴ میں لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کا چچازاد بھائی سلطان محمد بن فیروز شاہ سریرآرائے سلطنت ہوا، شاید مؤلف کو اس معاملہ میں مغالطہ ہوا ہے، سلطان محمد بن فیروز شاہ چچازاد بھائی نہین ہو، بلکہ سلطان غیاث الدین تغلق کے بھائی رجب کے لڑکے کا لڑکا ہے،

سلطنت گجرات کے بانی کا اصلی نام مظفر خان ہے، جب وہ گجرات کا ناظم بنایا گیا، تو اسکو ظفر خان کا خطاب ملا، اور خود مختاری حاصل کر لینے کے بعد اس نے اپنا لقب مظفر شاہ رکھا،

احمد شاہ گجراتی کے نسبت بہادر شاہی سے آئین اکبری نے نقل کیا ہے کہ اس نے اپنے دادا کو زہر دیدیا لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں، تاریخ الفی جو آئین اکبری کے مصنف کا ہمعصر ہے، اور فرشتہ جو مرأۃ سکندری کا ہم عہد ہے، یہ دونوں اسکی تردید کرتے ہین،

ریاست ایڈر کی تاریخ میں سلطان احمد کے پہلے ہم عصر راجہ کا نام پونجا لکھا ہے، اسلئے اسکو صحیح سمجھنا چاہئے،

ص ۲۴۰ پر ہے کہ راجہ منڈلیک نے سورت کے ایک اور قلعہ میں پناہ لی، یہ واقعہ فرشتہ نے ۸۱۵ھ کے تحت لکھا ہو حالانکہ اوس وقت سورت کا وجود بھی نہ تھا، سورت کی آبادی تو سنہ ۱۵۰۰ء کی ہے، درحقیقت اس کے بجائے "سورٹھ" ہونا چاہئے، اور یہی غلطی ص ۲۱۵ کے علاوہ اور دوسرے متعدد مقامات پر ہے،

ص ۲۴۱ پر سرکھیج میں بناء مسجد کی نسبت سلطان محمد شاہ بن سلطان احمد شاہ کے ساتھ کی ہے، اور مرأۃ احمدی میں بھی ایسا ہی لکھا ہے، لیکن حضرت شیخ احمد گنج بخش کے روزنامچہ میں یہ تفصیل تحریر ہے، کہ مسجد اور تالاب حضرت نے خود تیار کرایا، باقی مزار، خانقاہ، اور مدرسہ کی بنیاد محمد شاہ نے رکھی،

سلطان قطب الدین کا نام "جلال خان" نہ تھا، ظفر الوالہ، اور طبقات اکبری میں اسکی تشریح ہے کہ اصلی نام احمد خان ہے، لیکن قطب الدین کے نام سے زیادہ مشہور ہے، ایک قلمی تاریخ میں یہ بات نظر سے گذری کہ جلال خان بن محمد شاہ قطب الدین کا بھائی تھا،

سلطان قطب الدین کے حالات میں درج ہے، کہ سلطان محمود خلجی نے قلعہ پر چڑھ کر قطب الدین کا تاج اور کمر بند اٹھا لیا، حالانکہ یہ جنگ میدان میں ہوئی تھی، اصل یہ ہے کہ محمود خلجی سلطان مالوہ نے خیمہ میں داخل ہو کر کرسی پر سے اٹھایا تھا،

ص ۲۴۴ پر بیگڑہ کی جو توجیہ کی گئی ہے، وہ قیاس مع الفارق ہے، دراصل یہ گجراتی لفظ بیگڑ ہے، جو اس بیل کو کہتے ہیں، جن کے دونوں سینگ ہم آغوش ہونے والے انسان کی طرح نکلے ہوں، اس کے مقابل کا لفظ بھیلو ہے، جو برعکس معنی رکھتا ہے، چونکہ سلطان محمود گجراتی کی مونچھیں ایسی ہی تھیں جس کی تائید ایک پرتگالی سیاح کے سفرنامے سے ہوتی ہے، جس نے لکھا ہے کہ سلطان کی مونچھیں اتنی بڑی ہیں، کہ کانوں میں لپیٹ لیتا ہے، اسلئے عوام نے اسکو بیگڑو (بواؤ مجہول) کہنا شروع کیا، جیسا ہندوستان کے جاہل عوام کنگ اڈورڈ کو اسکے سکہ میں تاج نہ ہونے کے باعث منڈلا بادشاہ کہتے ہیں، اور چونکہ حرف (ڑ) کو گجراتی (ڈ) بھی تلفظ کرتے ہیں، اسلئے بیگڈو، اور پھر بیگڈہ ہو گیا، اور بہت آدمی بیگڑا (بیگڑہ) بھی تلفظ کرتے ہیں،

ص ۲۴۷ میں مہدی آخر الزمان کا ذکر ہے، ان کا صحیح نام سید محمد ہے،

ص ۲۵۲ پر سلطان بہادر شاہ گجراتی کے متعلق ... ذکر ... [illegible]

گجرات کی کسی معتبر تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہو البتہ امراے جونپور کی استدعا پر دہلی سے باغ پت تک آیا تھا کا سکو اپنے والد سلطان مظفر شاہ حلیم کے مرنے کی خبر ملی، اور وہ گجرات واپس چلا گیا،

سلطان بہادر شاہ گجراتی کی موت کے متعلق صحیح تر روایت یہی ہے، کہ وہ لڑتے ہوئے پانی میں ڈوب گیا، اور اوس کی تائید ایک پرتگیز سیاح کے سفرنامہ سے ہوتی ہے جس نے اسکے غرق ہونیکی ایک تصویر بھی شائع کی ہو[۱]

ص ۵۰۳ پر بھی سورٹھ (کاٹھیاواڑ) کے بجائے سورت لکھا گیا ہے، جو صحیح نہیں، بہادر شاہ کھنبائت سے سورٹھ گیا تھا، اور سورٹھ سے "دیو" جو اس سے متصل واقع ہی،

گجرات کے آخری بادشاہ سلطان مظفر کی نسبت لکھا گیا ہے، کہ "بھیس بدل کر بصورت گدا آوارۂ شہر و دیار رہا،" جو کسی طرح صحیح نہیں ہے، بلکہ وہ ہمیشہ راجہ جام اور کچھ کی پناہ مین مہمانوں کی طرح آخر تک مع اہل و عیال زندگی بسر کرتا رہا، یہاں تک کہ کچھ کے راجہ نے غداری سے اپنے مہمان کو خانِ اعظم کے حوالہ کر دیا، اسوقت مظفر نے خودکشی کر لی،

انسانی متحجر ہڈیوں کی جو روایت اور مشاہدہ مؤلف نے تحریر کیا ہے، اسکی تائید تاریخ سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں نہر کھودنے کے وقت اسی قسم کی متحجر ہڈیاں اور ڈھچر برآمد ہوئے تھے، جیسا کہ فرشتہ اور طبقاتِ اکبری وغیرہ مین مذکور ہے،

محمد بن قاسم فاتح سندھ کی آمد ۹۲ سنہ ہجری مین ہوئی ہے، یہ تاریخ تمام عربی تاریخوں میں موجود ہے، شاید کاتب نے غلطی سے ۵۲ سنہ لکھدیا ہی،

ص ۵۰۶ میں انہلواڑا کا دوسرا نام پٹنہ تحریر ہوا ہے، جو صحیح نہیں ہے، پٹنہ کی جگہ پٹن ہونا چاہیے، پٹنہ تو صوبہ بہار کا پایہ تخت ہی،

---

[۱] آج سے چند سال پہلے یہ کتاب بڑودہ لائبریری میں نظر سے گذری،

ص ۱۰۱ پر جو توضیح لفظ "تنگ" اور طافن کی گی ہے، جس سے مراد گوجر کی ایک قوم "ٹانک" ہے جو پنجاب پر حکمران تھی، بہت ممکن ہے کہ صحیح ہو، لیکن عربوں کی بیان کردہ ریاست "رہمی" سے برہما مراد ہونا بہت ہی مشتبہ ہے،

اول تو رہمی، پیگو، ٹانگو، سگائین، آوہ، امراپورہ، مانڈلہ، کے مختلف خاندانوں میں سے کسی نے بھی یہ لقب اختیار نہیں کیا، عہد اسلام میں دو زبردست خاندان وہان حکمران رہے ہیں، اول تلائین، دوسرا اٗنون مپیا، ان میں سے کسی کو بھی رہمی نہیں کہا گیا، غیر ملکیوں نے ان کو شاہ پیگو یا شاہ مانڈلہ کہا ہے، برہما اور شاہ برہما کا لفظ نیا ہے، جو زیادہ تر شاہ (راجہ) منڈومن سے راجہ تھیبا تک استعمال ہوا ہے،

دوم ہاتھیوں کی کثرت بھی ملک برہما ہونے پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ اس عہد میں آسام اور بنگال بھی ہاتھی کے مخزن تھے، چنانچہ عوام میں وہان کے پست قد مکنی ہاتھی کی کثرت کی نسبت آج تک مشہور ہے، کہ ہر گھر میں بچوں کے جھولوں کو جھلاتا رہتا ہے،

اسکے علاوہ سیاحت نامون میں واقعات مختلف قسم کے درج ہوتے ہین، بعض مشاہدات بعض مستند ذریعہ سے سنی ہوئی باتین، اور کچھ افواہیں ہوتی ہیں، جن میں اکثر مبالغہ کا پہلو ہوتا ہے، ابن ندیم نے راشٹ کوٹون، (دولب رائے) کے پایۂ تخت مان کیر[1] (مانگر) کے حال میں لکھا ہے کہ

"وہان ہاتھیوں کی بڑی کثرت ہے، صرف دھوبیوں کے پاس ایک لاکھ بیس ہاتھی ہیں"،[1]

سلیمان بصری لکھتا ہے کہ ولقب رائے راشٹ کوٹ کی سلطنت سمندر سے لیکر براہ ختنی چین تک چلی گئی ہے، حالانکہ یہ بالکل خلاف واقعہ ہے، کیونکہ اسکے تین طرف سمندر اور شمال مشرق کی طرف گوجر، رہمی اور کامروپ کا راجہ حائل تھا،

اسی لئے مورخون نے اس قسم کے بیان کو یا تو حذف کر دیا ہے، یا مبالغہ کی طرف اشارہ کر دیا ہے، چنانچہ مسعودی نے اس رہمی بادشاہ کے ذکر کے بعد یہ لکھدیا ہے، کہ لوگ اس کا حال مبالغہ سے بیان کرتے ہیں[2]

[1] الفہرست ص ۵۰، ۳۴۹ [2] مسعودی جلد اول، ص ۲۰۴ جلد اول،

اب اس ملک کے حدود اربعہ پر غور کیجئے، عرب سیاحوں کے بیان کے مطابق ایک طرف اسکے سمندر اور ہم اوسکو خلیج بنگال فرض کرتے ہیں، جو جنوب کے طرف ہے، دوسری طرف اسکی سرحد ولعب رائے کوٹ سے ملی ہے، جو جنوب مغرب میں فرض کیا سکتی ہے، اور یہ اڈیسہ کے متصل ہو گی، اس سلطنت کی سرحد قنوج کے گوجر راجوں سے متصل ہے، جسکو شمال مغرب میں کہہ سکتے ہیں، اور یہ مغربی بنگال کا ہوگا، اور بقول مسعودی اس کی ایک حد کامروپ سے متصل ہے، جو شمال میں واقع ہے، مشرق میں ایک طرف چین اور دوسری طرف برہما کی سرحدی ریاستیں ہیں، جو برمی جنرل بالابان کے حملہ سے قبل کبھی کسی کی پورے طور پر مطیع نہیں ہوئیں،

اس حدود اربعہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ مشرقی بنگال کی ایک سلطنت تھی، جو راشٹر کوٹوں کے عہد میں کافی مضبوط تھی، عہد اسلام میں بھی بنگال کے دو حصوں پر دو حکمراں عرصہ تک سلطنت کرتے رہے جن میں سے ایک کا لکھنوتی یا گور اور دوسرے کا سنار گاؤں یا اکدالہ پایہ تخت رہا ہے، پھر سلیمان بصری کہتا کہ یہاں کے باریک کپڑے ایسے ہوتے ہیں کہ حلقہ انگشتری سے نکل جاتے ہیں، اور بنگال (ڈھاکہ) میں باریک ململ ابتدا عہد انگلشیہ تک بنتا تھا، جس کی شہرت آجتک ہے، اسکے علاوہ کوڑیوں کا سکہ بھی جہاں تک مجھے معلوم ہے، سوائے بنگال کے کہیں رائج نہیں ہوا، اور یہ سکہ حال تک موجود تھا، کچھ عرصہ سے موقوف ہوگیا، بخلاف برہما کے سونے چاندی کے علاوہ کسی دھات کو آنکھ نہیں لگاتے، اور آج بھی عام برہمی عورت سونے کے علاوہ چاندی تک کے زیور کو عیب جانتی ہے، پھر کوڑی کو کون پوچھتا،

اب اگر سلسلۃ التواریخ کے اس بیان کو مان لیا جائے کہ راشٹ کوٹوں (یعنی بلہرا) کی سلطنت چین تک تھی، اور مولف کے نظریہ کے مطابق رہمی سے مراد برہما لیا جائے، تو پھر برہمی (رہمی) راجہ کی جنگ قنوج کے گوجروں سے کس طرح ممکن ہے، جسکو سلیمان بصری نے دو دفعہ لکھا ہے، کہ اسکی جنگ گوجروں سے ہوتی رہتی ہے، آج ہندوستان کا مکمل نقشہ ہمارے سامنے ہے، اور ہر شخص اس کا اندازہ کرسکتا ہے

ہندوستان کا چین سے سرحدی اتصال اس مقام پر ہو سکتا ہے، جس کے ایک طرف مشرق شمال میں کامروپ کا ملک یعنی آسام ہوگا، اور دوسرے طرف برہما (منی پور کی ریاست وغیرہ) کی سرزمین، اب اگر ایک طرف برہما (رہمی) دوسری طرف کامروپ اور درمیان کا علاقہ راشٹرکوٹ کا (جو چین کی سرحد تک فرض کیا گیا ہے،) ہو، تو اب برہما اور گوجروں سے جنگ کہاں اور کس سرحد پر ہوگی، اسلئے تسلیم کرنا پڑتا ہے، کہ یہ مشرقی بنگال کی ایک مضبوط سلطنت تھی، جو بعد کو غالباً مغربی بنگال کی حکومت میں جذب ہوگئی، اور بقول مسٹر بھنڈارکر راشٹرکوٹوں کے حالات اگر عربوں نے نہ لکھے ہوتے تو آثارِ قدیمہ سے بھی اس قدر حالات معلوم نہ ہوتے، اور ان کی شان و شوکت کا کسی کو علم بھی نہ ہوتا، اسی طرح سے رہمی کا ذکر عربوں ہی کی بدولت آج دنیا کو معلوم ہے، مگر چونکہ ان کا اس طرف آنا بہت کم ہوتا تھا، اسلئے ان کے تفصیلی حالات سے دنیا محروم ہے، بہت ممکن ہے، کہ آثارِ قدیمہ کا محکمہ جب اس طرف متوجہ ہو تو مزید معلومات حاصل ہو سکیں، وفوق ذی کل علم علیم،

اس کتاب کے آخر میں مؤلف نے بڑی محنت سے عربی اور انگریزی کتابوں سے ان مضامین کے خلاصے درج کئے ہیں، جن میں گوجروں کا ذکر ہے، الغرض اس کتاب میں گوجروں کے متعلق ہر قسم کے مواد جمع ہوگئے ہیں، جو آیندہ مورخ کے لئے مؤلف کے امتنان اور تشکر کا باعث ہوگا، کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے دلچسپ، اور مستند مواد کے اعتبار سے قابلِ مطالعہ ہے،

چینی مسلمان

آغازِ اسلام سے آج تک چین میں مسلمانوں کی جو مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی، اور اقتصادی حالت رہی ہے، اسکو خود چین کے ایک دردمند اور صاحبِ قلم مسلمان یعنی مولوی بدرالدین چینی نے جنھوں نے جامعہ ملیہ اور ندوہ میں تعلیم حاصل کی ہے، اور دارالعلوم ندوہ میں مدرسی کے فرائض انجام دئیے ہیں، اس کتاب میں لکھا ہے، مسلمانانِ ہندوستان اپنے چینی بھائیوں کے قدیم و جدید حالات سے بے خبر ہیں، ان کیلئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، ضخامت ۲۲۲ صفحے قیمت: عہ "منیجر"

[illegible]

دار المصنفین کی کتب

کتابوں کی قیمتوں میں غیر معمولی تخفیف

[illegible] سے پہلے دار المصنفین کی تمام مطبوعات کی قیمتوں میں غیر معمولی کمی کر دی ہے، کتابوں کی نئی فہرست مرتب ہو کر شائع ہو گئی ہے، جو لوگ اس وقت تک دار المصنفین کی تصنیفات [illegible] طلب کر کے [illegible]

[illegible] کی قیمتیں [illegible] کے [illegible] سلسلہ کتب سیرۃ النبی اور سیر الصحابہ کے کل [illegible] میں [illegible] کی گئی ہے

سیرۃ النبی کی تمام جلدیں [illegible] روپے ہو گئی ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

مرحوم کی طرف سے ایسے موقع پر ہوا کرتی تھی، مسیح الملک مرحوم نے (جو واسطہ تھے) بالآخر کہا کہ میں نے شیر کو کٹہرے میں بند کر دیا ہے، آپ نکالتے ہیں، اس پر جلسہ کر کے غور کیا گیا اور مؤلف مرحوم کی رائے کی تائید ہوئی، چنانچہ رسالے جلائے گئے، مٹی کا تیل لاکر دو بجے رات کو جس نے رسالوں پر ڈالا تھا وہ میں ہی تھا، اتفاق یہ کہ جلائے جانے کے بعد آندھی نے خاکستر اوڑا دی، بارش نے جگہ صاف کر دی، اس طرح "ہلاس" سونگھنے کا موقع کسی کو نہ مل سکا؟" (مقدمہ "مقدمات عبدالحق")

اب تقریباً پچیس برس کے بعد اُن کے پوتے (شاہد احمد صاحب بی اے) نے ایک طرح اپنے دادا کے منشا کے خلاف اس کا دوسرا اڈیشن بعینہ شائع کیا ہے، اب پھر مسلمانوں میں وہی ہنگامہ برپا ہے، ہمارے دوست مولوی عبدالماجد صاحب اڈیٹر صدق نے اپنے پرچہ میں اس کتاب کے تمام قابل اعتراض فقرے یکجا کر دیئے ہیں، اور پبلشر سے خواہش کی ہے کہ وہ اس کتاب سے اتنے فقروں کو نکال کر کتاب کو دوبارہ چھاپیں، تاکہ ایک طرف اسلام کی سبکی، اور مسلمانوں کی دل آزاری نہ ہو، اور دوسری طرف ڈپٹی صاحب کی زبان وادب کے قدر شناس اُنکی آخری تصنیف کے لطف سے بھی محروم نہ رہیں، امید ہے کہ وہ اسکو قبول کر کے اسلام اور مسلمانوں کی لاج رکھینگے اور اپنے مرحوم دادا کی رُوح کو بھی خوش کرینگے۔

آثار المدینۃ المنورۃ کے نام سے مدینہ منورہ کے موجودہ تاریخی وجغرافی آثار اور یادگاروں پر عبدالقدوس الانصاری نے عربی میں ایک عمدہ کتاب لکھی ہے جو شاید اپنے موضوع پر سب سے پہلی کتاب ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی بھی نہایت اعلیٰ ہے، کتاب میں بعض عمارتوں کے فوٹو بھی ہیں، مجموعی حیثیت سے یہ کتاب نہایت دلچسپ اور مسلمانوں کے قدر کے لائق ہے، مدینہ منورہ میں یہ کتاب مکتبۂ علمیہ سے اور ہندوستان میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے مہتمم صاحب سے ملیگی، قیمت ۲ عہ

یہ مسلمانوں میں عملی زندگی پیدا کرنے کی دعوت دینے کے لئے نکلا ہے کہ وہ جدید علوم و فنون اور صنعت وحرفت میں ترقی کریں، اعلیٰ قابلیت کے مقابلہ کے امتحانوں میں بیٹھیں، اور حکومت کے معزز عہدے حاصل کرکے اپنی ترقی کے ذریعے پیدا کریں،

رسالوں کے خاص نمبر | رسالوں کے ۳۵ء کے سالنامے عموماً ماہ جنوری ۳۵ء میں نکلے تھے، اور جو ہیں وقت پر موصول ہوگئے تھے، ان کا تذکرہ ماہ فروری ۳۵ء کے معارف میں کر دیا گیا تھا، پھر چند رسائل کے سالنامے ہمیں دیر میں موصول ہوئے، اور بعض کے خاص نمبر مختلف مہینوں میں نکلے، وہ درج ذیل ہیں،

سالنامہ نیرنگ خیال ۳۵ء (مصور) اڈیٹر جناب حکیم محمد یوسف حسن صاحب، حجم ۲۰۰ صفحے

قیمت ہر پرچہ عہ، پتہ:- دفتر نیرنگ خیال، بارود خانہ، لاہور،

یہ سالنامہ اپنے وقت پر ماہ دسمبر ۱۹۳۴ء میں شائع ہوگیا تھا، اور اپنے پچھلے سالانہ نمبروں کی طرح یہ بھی مختلف قسم کے مفید دلچسپ اور قیمتی مضامین سے لبریز ہے، سنجیدہ مضامین میں جناب عنایت اللہ صاحب بی اے سابق ناظم دار الترجمہ حیدرآباد کا مقالہ "عربوں کے احسانات تہذیب یورپ پر" خصوصیت سے لائق ذکر ہے، جس میں عربی تہذیب و تمدن کی مختلف شاخوں علوم و فنون، زراعت، صنعت، حرفت، تجارت اور تعمیر پر دلکش اسلوب بیان میں اختصار و جامعیت سے نظر ڈالی ہے، اسی طرح مختلف مضامین "رنجیت سنگھ" (شہنشاہ حسین رضوی ایم اے) "تذکرۂ خسرو کا ایک ورق، (منشیر احمد علوی بی اے)" "مخدوم نظام الدین" (ڈپٹی امیر احمد علوی) "ہندوستان میں انگریزوں کا ابتدائی نظام آراضی" (ڈاکٹر نجم الدین احمد جعفری ڈپٹی ڈائرکٹر انفارمیشن بیورو) اور "سید جالب دہلوی" (جناب شوکت تھانوی) دلچسپ اور مطالعہ کے لائق مضامین ہیں، پھر نیرنگ خیال کے جواب میں مختلف افسانہ نویسوں جناب خواجہ حسن نظامی، سلطان حیدر جوش، ڈاکٹر اعظم کریوی اور فدا حسین خنجر لکھنوی وغیرہ نے بتایا ہے کہ "میں افسانہ کیونکر لکھتا ہوں"، افسانہ اور ڈراموں میں مشہور اہل قلم قاضی عبد الغفار، پروفیسر تاثیر، ل احمد، آغا حشر کاشمیری اور حکیم احمد شجاع وغیرہ کے مضامین ہیں، شعراء میں آتش